بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیشوایانِ مذاہب نمبر

ماہنامہ اُردو

ریویو آف ریلیجنز

(قادیان)

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر

مُدیر

علی محمد اجمیری

بابت ماہِ شوال ۱۳۵۸ھ مُطابق ماہِ دسمبر ۱۹۳۹ء

جلد ۳۸ عدد ۱۲

مقاصد و قواعد رسالہ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ۱۹۰۲ء میں حسب ذیل مقاصد کے پیشِ نظر جاری فرمایا تھا۔

غیر مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی فوقیت ظاہر کرنا۔

مخالفین اسلام کے حملوں کا جواب دینا۔

صحیح اسلامی عقائد کی اشاعت و تعلیم دینا۔

یہ رسالہ ہر انگریزی ماہ کی یکم تاریخ کو قادیان دارالامان سے شائع ہوتا ہے۔ اگر پندرہ تاریخ تک کسی خریدار کو رسالہ نہ ملے۔ تو بروقت شکایت موصول ہونے پر رسالہ دوبارہ ارسال کیا جائیگا۔

رسالہ کی سالانہ قیمت اندرونِ ہند تین روپے، اور بیرونِ ہند ساڑھے تین روپے ہے۔ طلباء اور غیر احمدی اصحاب سے رعایتی قیمت اڑھائی روپے لی جاتی ہے۔

خریداران کو دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھنا چاہیئے، ورنہ عدم تعمیل یا تعمیل میں تاخیر کی ذمہ واری دفتر پر نہ ہوگی۔

ترسیل زر اور تمام دفتری امور کے متعلق خط و کتابت بنام مینجر ہونی چاہیئے۔

یہ رسالہ جماعت احمدیہ کا ایک ہی قومی اردو ماہنامہ ہے، بوجہ علمی مجلہ ہونے کے اس کے فائل محفوظ رکھے جاتے ہیں، اور ایک وسیع علمی طبقہ کی نظر سے گذرتا ہے، اس لئے اس میں اشتہار دینا مفید ہے۔ نرخنامہ اشتہارات حسب ذیل ہے۔

تعداد	ایک ماہ	تین ماہ	چھ ماہ	ایک سال
ایک صفحہ	پانچ روپے	تیرہ روپے	چوبیس روپے	پینتالیس روپے
نصف صفحہ	تین روپے	آٹھ روپے	چودہ روپے	پچیس روپے
ربع صفحہ	دو روپے	پانچ روپے	نو روپے	پندرہ روپے

فہرست مضامین

اداریہ

اسلام کے ظہور سے قبل دنیا میں فتنہ و فساد کی آگ بھڑک رہی تھی، قرآن کریم فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ یعنی خشکی اور تری میں ہر جگہ فساد رونما ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس فساد کو دور کر کے باہم دست و گریبان قوموں میں یکجہتی اور اتحاد پیدا کرنے کے لئے ہوئی تھی۔۔۔ ایسی یکجہتی اور اتحاد جس کی بنیادیں نہایت محکم اور عالمگیر اصولوں پر قائم ہوں چنانچہ آپ نے بنی نوع انسان کو بار بار ایسے امور کی طرف توجہ دلائی، جن میں ان کا باہمی اشتراک ہے۔

سب سے پہلے آپ نے یہ نظریہ دنیا کے سامنے پیش کیا، کہ تمام جہان کا رب ایک ہے اور وہی سب کا سرچشمۂ حیات ہے، اور اسی کی عبادت ہم سب کو کرنی چاہیئے، نوع انسانی اس کا کنبہ ہے، اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ۔

پھر دوسرا نظریہ یہ پیش کیا، کہ سب انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، اور قومی و نسلی امتیاز سب باطل ہیں، فرمایا يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَ أُنْثَىٰ۔ اے لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔

اور تیسرا نظریہ یہ بیان کیا، کہ سب جہان کی روحانی ہدایت و رہنمائی کا انتظام بھی ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ خدا تعالےٰ نے مختلف قوموں اور ملکوں میں ہادی و رہنما بھیجے، جو ایک ہی سلسلہ اور مقصد کی تکمیل کے لئے اپنے اپنے وقت پر آتے رہے، فرمایا:۔

وَ لَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا (نحل ۵) — ضرور ہم نے ہر ایک اُمت میں رسول بھیجا ہے۔

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر ۳) — ہر امت میں ایک ڈرانے والا گزرا ہے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (رعد ۱) — ہر ایک قوم کا ایک ہادی اور رہنما ہے۔

ان سب مشترک امور کی طرف توجہ دلانے سے مقصود یہ ہے، کہ مختلف قوموں اور ملکوں کے لوگوں میں وحدت و یگانگت کی رو پیدا کی جائے۔ جب سب لوگ اس حقیقت کو جان لیں گے کہ ان سب کا سرچشمہ حیات ایک ہی خدا ہے، وہ سب خدا کی کنبہ کے افراد ہیں، ان کے منصۂ شہود پر ظاہر ہونے کا باعث مرد اور عورت کا ایک ہی جوڑا ہے، اور ان کی طرف مختلف وقتوں میں ایک ہی پیغام مختلف نبی، رسول، رشی، منی اور مصلحین لیکر آتے رہے جن کا منبع خدائے واحد ہے، تو یقیناً جذباتِ مغائرت دور ہو جائیں گے اور باہمی اخوت پیدا ہوگی۔

اسلام سے قبل بھی جو نبی اور مصلحین آتے تھے، وہ اپنی قوم کے لئے رسول و معلم بن کر آتے تھے، مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے رسل و رسائل کی سہولتیں زیادہ نہ تھیں، اور بسا اوقات ایک ملک کے باشندے یہ سمجھتے تھے کہ ان کا ملک ہی ساری دنیا ہے، اس لئے قوموں اور ملکوں میں جو ہادی آتے تھے، ان کی سرگرمیاں محدود ہوتی تھیں، بلکہ ان کا دائرہ اصلاح اپنی قوم یا ملک تک ہی محدود رہتا تھا۔ لیکن جب دنیا میں تمدن ترقی کر گیا اور ایک قوم کے لوگ دوسری قوموں سے، اور ایک ملک کے باشندے دوسرے ممالک کے باشندوں سے روشناس ہونے لگے، تو خدا تعالے نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک عالمگیر اور ابدی پیغام دیکر بھیجا، اور آپ کی اصلاح کا دائرہ وسعت کے اعتبار سے تمام دنیا اور زمانہ کے لحاظ سے تا ابد قرار دیا، فرمایا:-

تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ — برکت والی ہے وہ ذات جس نے قرآن کو اپنے

عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا — بندے پر اتارا، تا وہ تمام جہانوں کو ڈرانے۔

(فرقان-۱)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ آج میں نے تمہارا دین تمہارے لئے مکمل
اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ کردیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کردی اور میں
رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ) نے دین اسلام کو تمہارے لئے پسند کیا۔

سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی اصلاح کا کام عربوں ایسی وحشی قوم سے شروع ہوا، جو اس زمانہ میں تمام دنیا سے گئی گذری اور انتہائی مفسد قوم تھی، لڑائی جھگڑا اور فتنہ وفساد اس کی رگ و پے میں سرایت کرچکا تھا، اور بظاہر اس میں محبت ومودت پیدا ہونے کے کوئی آثار نظر نہ آتے تھے، مگر آپؐ کی قوتِ قدسیہ نے بےنظیر کام کیا۔ اور اس صدیوں کی بگڑی ہوئی قوم میں زبردست انقلاب آگیا۔ وہ جو آپس میں خون کے پیاسے تھے، بھائی بھائی بن گئے، اور وہ جن کی رقابتیں اور عداوتیں مشہورِ عالم تھیں، اس قدر متحد ہوگئے، کہ ان کا اتحاد ضرب المثل بن گیا۔ اور اس طرح یہ بات دنیا پر ثابت ہوگئی، کہ اسلام کا پیغام اخوت اور محبت کا پیغام ہے، اور اسی کے ذریعہ دُنیا میں صلح وامن قائم ہوسکتا ہے۔

جیسا کہ بیان ہوا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دائرۂ اصلاح تمام دُنیا تھی، سو آپؐ کا پیغام عرب سے نکل کر عجم میں پہونچا، اور دُنیا میں پھیلتا گیا، جہاں جہاں وہ پہونچا، اس نے فتنہ وفساد کا قلع قمع کرکے اتحاد بین الاقوام کی بنیادیں استوار کیں، اور باہم مخالف طاقتوں کو ایک دوسری کے قریب تر کردیا، یہی وجہ ہے، کہ جن ممالک میں کبھی مسلمانوں کی حکومتیں قائم تھیں، وہاں اسلامی عہد میں فرقہ وارانہ لڑائیوں کا کوئی قابلِ ذکر نشان نہیں ملتا اور اس زمانہ میں جبکہ ساری دنیا ایک ملک کے حکم میں ہوگئی ہے، اور باہمی میل جول کے ذرائع بہت وسیع ہوگئے ہیں، علاوہ ازیں ایک قوم دوسری قوم سے نسل، مذہب اور قومیت کی بناء پر برسرِ پیکار رہی ہے، ایک مرتبہ پھر اس بات کی ضرورت تھی، کہ اسلام کی ان تعلیمات

کو بالخصوص دنیا کے سامنے پیش کیا جائے، جن میں اتحاد بین الاقوام کے اصول بیان ہوئے ہیں، تا دنیا موجودہ کشمکش اور لڑائی جھگڑوں سے نجات پاکر پھر صلح و امن کا زمانہ دیکھے

ہمارے ملک ہندوستان کو باقی تمام دنیا کے ممالک سے یہ خصوصیت و امتیاز حاصل ہے کہ یہاں ہر مذہب و ملت اور قومیت کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ قدرت نے چاہا کہ اس زمانہ میں اسی ملک سے اصلاح کا کام شروع ہو، چنانچہ موجودہ زمانہ کے مصلح حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے ہندوستان میں مبعوث فرمایا، آپ نے قرآن مجید کی مذکورہ بالا تعلیم کو دوبارہ اجاگر کیا، اور ان میں سے اس اصول پر خصوصیت سے زور دیا کہ ہر قوم اور ملک میں خدا تعالیٰ کے نبی اور ہادی گذرے ہیں، تا مختلف مذاہب کے پیروؤں میں رواداری کے جذبات پیدا ہو ان کے باہمی تعلقات میں جو کشیدگی پیدا ہو چکی ہے، وہ خوشگواری سے بدل جائے۔

حضرت مرزا صاحب نے آج سے قریباً پچاس برس قبل جب یہ آواز بلند کی تھی، ہندوستان کی زہر دارانہ فضاء میں ایک زبردست ہیجان برپا تھا، ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذاہب اور ادیان پر بے باکانہ حملے کرتے تھے، اور اس میدان میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانا چاہتے تھے، جس کا نتیجہ یہ تھا، کہ مختلف مذاہب اور قوموں میں خطرناک کشمکش جاری تھی، خدا تعالیٰ نے آپ کی آواز میں قوت تاثیر بخشی، اور اس سے ایک ایسی رو پیدا ہوئی، جس سے ہندوستان کا سمجھدار طبقہ متاثر ہوا، اور اس میں یہ خیال پیدا ہو گیا، کہ سب مذاہب کے بزرگوں کی عزت کرنی چاہیئے، بلکہ اب تو ہندوستان میں بعض ایسے فرقے نمودار ہو گئے ہیں، جن کا یہ اعتقاد ہے، کہ سارے مذاہب کے بانی سچے تھے، جو عملاً اسلام کی تعلیم کی سچائی کے اقرار کے مرادف ہے۔

آج سے نصف صدی پیشتر کی فضاء سے موجودہ فضاء کا مقابلہ کیا جائے، تو ایک بین فرق نظر آتا ہے، اور اس نہایت سرعت اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات پر نگاہ کرکے پورے اعتماد اور وثوق سے

کہا جاسکتا ہے، کہ وہ دن دور نہیں، جبکہ دُنیا اسلام کے بیان کردہ اصولِ اتحاد بین الاقوام کی طرف آنے پر مجبور ہوگی، اور صرف اسلامی تعلیمات ہی دُنیا میں قیامِ امن کی ضامن سمجھی جائینگی۔

جس طرح آج یورپ کی مختلف قوموں میں خطرناک قومی رقابتیں پائی جاتی ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہٖ وسلم کی بعثت کے وقت عرب کا بھی یہی حال تھا، اور یہ ایک آزمایا ہُوا نسخہ ہے، کہ اسلام کی تعلیم سے عربوں کے فساد مٹ گئے، آج بھی ہمارا یہ یقین ہے، کہ یورپ بلکہ تمام دُنیا میں اگر امن قائم ہوسکتا ہے، تو اسلام کے بتائے ہوئے اصول کو ماننے ہی سے ہوسکتا ہے، پس ان اصول کی تبلیغ و اشاعت دنیا میں امن و امان کے قیام کے لئے ازبس ضروری ہے۔

جماعت احمدیہ نے امسال اپنی مجلس مشاورت میں بمنظوری سیدنا حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز یہ فیصلہ کیا ہے، کہ سال میں ایک مرتبہ اسلام کی اس بے نظیر رواداری کی تعلیم کی اشاعتِ عامہ کے لئے کہ دُنیا کی ہر قوم میں خدا تعالے نے ہادی اور رہنما بھیجے ہیں" یوم پیشوایانِ مذاہب" منایا جائے، جس میں تمام مذاہب کے ہادیوں اور رہنماؤں کے پاکیزہ حالات زندگی بیان کئے جائیں، اس غرض کے لئے نظارت دعوۃ و تبلیغ سلسلہ احمدیہ نے سالِ رواں میں ۳ر دسمبر کا دن مقرر کیا ہے، اس روز جماعت احمدیہ کے زیر اہتمام ہر جگہ جلسے منعقد کئے جائینگے، جن میں بلا لحاظ مذہب و ملت تمام لوگوں کو دعوت دی جائے گی، کہ وہ سب مذاہب کے رہنماؤں اور ہادیوں کو خراجِ عقیدت ادا کریں۔ اس مبارک تقریب میں حصّہ لینے کے لئے ہم رسالہ "ریویو" کا یہ خاص نمبر شائع کر رہے ہیں، یہ حقیر ہدیۂ عقیدت ہے، جو اس موقعہ پر پیش کیا گیا ہے، خدا کرے اسے قبولیت حاصل ہو۔

یہاں یہ ذکر کردینا ضروری ہے، کہ سیدنا حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے ماتحت جماعت احمدیہ گذشتہ بارہ سال سے سیرت النبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سالانہ جلسے پورے اہتمام اور شان سے منعقد کرنے کا انتظام کر رہی ہے، جن میں صرف آنحضور علیہ السلام کی زندگی اور

تعلیم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی جاتی ہے، اور اس موقعہ پر بکثرت لٹریچر بھی شائع کیا جاتا ہے، اس لئے زیر اشاعت نمبر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر کوئی خاص علیحدہ مضمون شائع نہیں کیا گیا۔ کیونکہ اس کے لئے پہلے الگ موقعہ مقرر ہے۔ ہمارا ارادہ ہے اگر حالات نے مساعدت کی، تو آئندہ سال سیرۃ النبیؐ کے جلسوں کی تقریب پر بھی رسالہ کا ایک خاص نمبر شائع کرینگے، انشاء اللہ وھو الموفق۔

بالآخر ان تمام احباب اور بزرگوں کا شکریہ ادا کرنا واجب ہے، جنھوں نے اس نمبر کی تیاری میں باوجود اپنی مصروفیات کے قلمی اعانت فرمائی۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو جزا دے۔ حقیقت یہ ہے، کہ اگر ان کی طرف سے دست تعاون نہ بڑھایا جاتا تو اس نمبر کا نکلنا ناممکن تھا۔

مہاتما بدھ

(از جناب مولٰنا محمد دین صاحب سابق مبلغ امریکہ)

مہاتما بدھ کی شخصیت مذہبی دنیا میں ایک ممتاز ہستی ہے، دنیا ایک تہائی سے لیکر ایک چوتھائی تک تو براہ راست آپ کے پیروؤں میں شامل ہے، لیکن اس کے علاوہ بھی دُنیا کا ایک بہت بڑا حصہ آپ کی بزرگی اور خدا رسی کا قائل ہے، یورپ میں ایک بہت بڑا حصہ تعلیم یافتہ طبقے کا آپ سے حسن عقیدت رکھتا ہے، یہی حال ایشیا کے تمام ممالک کا ہے، گو ہندوستان میں اب بدھوں کی تعداد بہت کم ہے، (حالانکہ ہندوستان ہی اس مذہب اور اس کے بانی کا جنم بھوم ہے) تاہم ہندوستان کے ہندو قریباً سب کے سب آپ سے عقیدت رکھتے ہیں، اور آپ کو دیوتا سمجھتے ہیں، اور اب تو ہندو ہندوستان اس بات پر فخر کرتا ہے، کہ اس قسم کی فخر انسانیت ہستی یہاں پیدا ہوئی، مسلمان بھی آپ کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور آپ کو مہا پُرش خیال کرتے ہیں، اور مسلمانوں میں ایک گروہ تو مہاتما بدھ کو خدا کا رشی خیال کرتا اور ان کو روحانی مصلح کا درجہ دیتا ہے، اور جس طرح وہ اپنے دیگر انبیاء کو دعا و صلوٰۃ سے یاد کرتا ہے، اسی طرح وہ حضرت بُدھ کو بھی بڑی عزت اور دعا سے یاد کرتا ہے۔

مگر تعجب ہے، کہ اتنی بڑی شخصیت کے متعلق تاریخی مواد بہت ہی مختصر اور تاریخی اعتبار سے بالکل افسانہ کی حیثیت رکھتا ہے، ہندوؤں کے متعلق مشہور ہے، کہ وہ تاریخ سے بہت کم دلچسپی رکھتے تھے، لیکن جن لوگوں نے ان کو اپنا پیشوا بنایا، اور مذہبی گرو کی حیثیت دی، انہوں نے بھی محض حکایات پر اکتفا کیا، اور آپ کی سوانح عمری کے متعلق کوئی کوشش نہیں کی، حالانکہ اس قسم کے معلم جو دُنیا میں ایک خاص مشن لیکر آتے ہیں، ان کی اپنی زندگی ان کی تعلیم کا عملی عکس ہوتا ہے، بلکہ اکثر صورتوں میں ان کی تعلیم ان کی عملی زندگی سے ہی سمجھ میں آسکتی ہے، یہ بالکل صحیح ہے، کہ بعض حالات میں تعلیم

معمولی طور پر اور رنگ پکڑ جاتی ہے، مگر عملی اور خاص حالات کے ماتحت اس تعلیم دہندہ کو اس اصول کو محدود صورت دینی پڑتی ہے، مگر یہ استثنائی صورت ہوتی ہے۔ عام طور پر ان کے قول و فعل میں تطابق ہوتا ہے، اور ہونا چاہیئے، لیکن تعجب ہے کہ حضرت مسیح کی طرح بہت سی حکایات، افسانے اور افسانے بھی ایسے جو دور از قیاس ہیں ان کی پیدائش کے متعلق گھڑ لئے گئے ہیں۔ حضرت مسیح کی پیدائش کا لمبا چوڑا ذکر انجیلوں میں ملتا ہے۔ پھر سفر پر جانے کا واقعہ، پھر ہیکل میں بچپن ہی میں علماء سے بحث کا واقعہ۔ اور پھر یکلخت ہی ۳۰ برس کی عمر میں آپ کا پہلے حضرت یحییٰ کی بیعت کا، اور اس کے بعد ان کے اپنے مشن کی تبلیغ کا ذکر ہے۔ گویا واقعات کے لحاظ سے قابل ذکر صرف چار پانچ باتیں ہیں، جن میں ان کے صلیب دیئے جانے کا واقعہ بھی شامل ہے۔ ہاں انکے معجزات کا ذکر اکثر جگہ آتا ہے۔ . . یہی حال حضرت بدھ کی لائف کا ہے۔ ان کی پیدائش کے متعلق بھی بہت سی بے سروپا حکایات ہیں۔ اس کے بعد پردہ گر جاتا ہے، پھر پردہ اٹھتا ہے، تو ان کی شادی اور لڑکے کی پیدائش کا ذکر ہے۔ اس کے بعد پھر کوئی ذکر نہیں، یہاں تک کہ آپ کی عمر ۲۹ سال کی ہو جاتی ہے تو آپ کسی خواب کی بناء پر گھر بار چھوڑ کر چلے جاتے ہیں، اس کے بعد آپ کے تپسیا، زہد اور جلاوطنی کا ذکر ہے، بعد ازاں ان کی بعثت کا ذکر آجاتا ہے، اس بعثت کے بعد کا بھی ایک لمبا زمانہ ہے، مگر اس میں سوائے اس کے کہ آپ فلاں علاقہ میں گئے، اور آپ نے اپنے اصولوں کی تبلیغ کی، اور کوئی ذکر نہیں، کہیں کہیں استثنائی طور پر بحث مباحثہ کا ذکر آجاتا ہے، یا اپنے رشتہ داروں کی ملاقات وغیرہ کا ذکر، اور کہیں آپ کے مریدوں کے اختلاف کا بیان ہے، لیکن روزمرہ کی زندگی کے حالات، مجلسی، شہری، قومی، ازدواجی یا معاشرتی تعلقات کا کوئی ذکر نہیں، ہاں معجزات اور افسانہ نگاری بہت ہے، اور وہ

بھی اس رنگ کی کہ سوائے دور از قیاس باتوں کے کسی معقول چیز کا ذکر نہیں ملتا، اس لئے یہ امر مشکل ہو جاتا ہے، کہ انسان ان کی عملی زندگی سے کوئی سبق یا نتائج اخذ کر سکے۔ بہر حال یہ مشکل دنیا کے بہت سے روحانی معلمین کے متعلق پیش آتی ہے، سوائے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے جن کی زندگی کا ہر پہلو نمایاں ہے، اور اس کو ہر لحاظ سے پرکھا جا سکتا ہے، اور انسانی زندگی کا کوئی ایسا حصہ نہیں، جس کے متعلق آپؐ کی زندگی سے سبق نہ ملتا ہو۔

یورپین مونیین کو بھی یہ دقت لاحق ہوئی ہے۔ لیکن چونکہ ان کے اپنے ہاں یہی حال ہے۔ اس لئے انہوں نے اتنا ہی لکھنے پر کفایت کی ہے، کہ انہیں حضرت بدھ کی زندگی کے عملی پہلو کے متعلق زیادہ علم حاصل نہیں ہو سکتا، یہ کہکر انہوں نے سرے سے ہی اس کی اہمیت کو نظر انداز کرتے ہوئے ان کی تعلیم پر زیادہ زور دیا ہے، اور کتابوں کی کتابیں اس کے فلسفی نکات اور بحثوں کی تشریح میں سیاہ کر ڈالی ہیں، اور یا پھر بدھوں کی اس قسم کی کتابوں کے تراجم شائع کر دیئے، جن میں صرف تعلیمی پہلو اور باریک فلسفی بحثوں کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اور عملی زندگی سے بالکل بے اعتنائی برتی گئی ہے، اس لئے ہمارے لئے مشکل ہے کہ حضرت بدھ کی زندگی کے متعلق کوئی نئی بات لکھ سکیں، سوائے اس کے جو عام طور پر مشہور ہے۔ مگر پیشتر اس کے کہ ہم مختصر طور پر ان امور کا ذکر کریں، ایک دو ایسی باتیں بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں، جن سے انسان کسی نتیجے تک آسانی سے پہونچ سکتا ہے۔

اول تو یہ بات ہے، کہ حضرت بدھ کو گذرے ہوئے قریباً اڑھائی ہزار سال ہو گئے ہیں، اور ان کی تعلیم میں یہ بات واضح طور پر نمایاں ہے، کہ وہ اپنے آپ کو ایک رہبر کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور اپنا ایک خاص مشن ومقصد لیکر دنیا کے سامنے پیش ہوتے ہیں، اور نہ صرف یہ کہ محض دعوے ہی کرتے ہیں، بلکہ تحدی سے یہ کہتے ہیں، کہ وہ اپنے

مشن میں کامیاب ہونے والے ہیں، چنانچہ وہ اپنا نام بطور سدھارت کے پیش کرتے ہیں، جس کے معنے ہیں" جس نے اپنا مقصد پا لیا" ان کے مرید بھی ان کو اسی نام سے ہمیشہ سے یاد کرتے آئے ہیں، اور گو ان کا اصل نام جو ان کے والدین نے رکھا تھا "گوتم" تھا، مگر وہ اس نام کو قریبًا قریبًا ترک کر دیتے ہیں، اور زیادہ تر اپنے آپ کو شاہزادہ سدھارت کے نام سے پیش کرتے ہیں، حالانکہ یہ نام نہ تو ان کی گوت کا ہے، اور نہ ان کے والدین کا رکھا ہوا۔ اور بُدھ کا لقب جس سے اب وہ عام طور پر مشہور ہیں، اسے گو کبھی کبھی وہ اپنی متعلق اپنی زندگی میں استعمال کرتے رہے ہیں، لیکن اس کا عام رواج دو تین صدیاں آپ کی وفات کے بعد ہوا، مگر وہ زیادہ تر اپنے آپ کو شاہزادہ سدھارت یا محض سدھارت کے نام سے ہی پیش کرتے ہیں جس کے یہ معنے ہیں، کہ انہوں نے اپنا گوہر مقصود پا لیا، اور وہ فائز المرام ہو گئے۔

صاف ظاہر ہے، کہ ایک شخص دُنیا میں ایک مقصد لیکر اُٹھتا ہے، اور وہ مقصد بھی اصلاح نفس و اصلاحِ خلق ہے، کوئی دُنیاوی یا نفسانی مقصد نہیں، اور وہ تمام عمر اس غرض کے پورا کرنے میں صرف کر دیتا ہے، پھر اس کا دعویٰ ہے، کہ وہ اس خاص غرض کے لئے مبعوث کیا گیا ہے، اور وہ یہ بھی کہتا ہے، کہ وہ کامیاب ہو کر جائیگا، اور واقعات بھی اس کی تائید کرتے ہوں، اب ایسے شخص کو اگر ہم رشی یا برگزیدۂ خدا نہ مانیں، تو اور کیا قرار دیں؟

۲۵ سو سال گذرتے ہیں، کہ ایک مدّعی کے پیرووں کی تعداد بڑھتی ہی چلی گئی ہو، اس کے نام اور انفاس طیّبہ کی برکت سے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں کی زندگیاں سنور گئی ہوں، اس کے نام کا یہ اثر ہو، کہ اس پر ہزاروں آدمی ہر زمانے میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے طیار ہوں، اس کے نام اور تعلیم میں یہ برکت ہو، کہ وہ انسان کی زندگی کی کایا پلٹ دینے والی ہو، اور

اس کے نام و کام و تعلیم میں یہ اثر ہو، کہ ایک حصہ دنیا کا اپنے آپ کو اس کے ساتھ منسوب کرنے میں اپنی نجات سمجھے، ان سب حالات کے پیش نظر ہم مجبور ہیں، کہ اس کو وہی درجہ و رتبہ دیں، جو ہم دنیا کے دیگر بیچے ہادیوں کے لئے تجویز کرتے ہیں، کیونکہ اس کا مشن، غرض بعثت اور کام خدا کے برگزیدوں کا سا ہے، خواہ ہمیں ان کی زندگی کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں، اور خواہ ان کی طرف منسوب شدہ تعلیم میں ہمیں بعض ایسی باتیں بھی نظر آئیں، جو بظاہر عام ہادیوں کے حالات سے مختلف ہوں، ہم ان سب امور کو حوالہ بخدا کر کے اصل اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اس امر کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور ہیں، کہ حضرت بدھ بھی ایک خدا رسیدہ بزرگ تھے جو اپنے وقت میں اپنی قوم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے تھے،

بے شک ان کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ ان کی تعلیم میں اللہ تعالےٰ کی ذات و صفات کا کوئی ذکر نہیں، بے شک ان کے متعلق بعض ان کے اپنے ماننے والوں کا بھی خیال ہے، کہ وہ روح کے قائل نہ تھے، مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ دیگر پاک اور روحانی مصلحین کی طرح ان کے خلاف بھی سخت پروپیگنڈا ہوا ہے، اور یہ مخالفت ان کی زندگی میں ہی شروع ہوگئی تھی، جس نے آخر اس قدر خطرناک صورت اختیار کر لی، کہ ایک رنگ میں بدھ مت اپنی زادِ بوم سے بالکل مفقود ہوگیا، اور اب اس مت کے ماننے والوں کی تعداد غیر ممالک ہی میں پائی جاتی ہے دُور کیوں جائیں، ہم اپنے زمانے ہی کے پروپیگنڈا کو دیکھ لیتے ہیں، کس طرح اچھے بھلے خدا کے ماننے والے گروہوں کو ان کے مخالف ناستک اور دہریہ قرار دینے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں، اور بہت سے ناواقف لوگ ان کی باتوں سے دھوکا بھی کھا جاتے ہیں، یہی حال حضرت بدھ کے ساتھ ہوا، برہمن جیسے چالاک و ذہین دشمن سے آپ کو واسطہ پڑا، ظاہر ہے کہ اس نے جوشِ مخالفت میں انتہائی زور لگایا، اور آپ کو بدنام کیا، پھر بدھ کی صاف اور سیدھی تعلیم

فلسفیوں منطقیوں فقیہوں اور ذہبیوں کے ہاتھوں چڑھ کر کچھ کا کچھ بن گئی۔ اس وقت یہ پتہ لگانا مشکل ہے
کہ حضرت بدھ کی اصل تعلیم کیا تھی؟ کیونکہ جو پہلی کتابیں آپ کی تعلیم پر مشتمل سمجھ کر لکھی گئیں، وہ آپ کی وفات
کے بہت بعد کونسلیں اور مشورے کر کے لکھی گئیں، اور ان کی آخری ترتیب اڑھائی صد سال بعد وفات
حضرت بدھ راجہ اشوک کے زمانے میں طے و قرار پائی۔ اتنے عرصہ بعد کی ترتیب میں معلوم نہیں کیا کیا لکھا
لکھایا گیا، اور کیا کیا کتر بیونت کی گئی، آپ کی تعلیم کے ساتھ بعینہٖ وہی سلوک روا رکھا گیا، جو حضرت مسیحؑ
کی تعلیم کے ساتھ ان کے ماننے والوں نے روا رکھا تھا۔ ؎

جو پیچھے سے لکھنے لکھاتے رہے خدا جانے کیا کیا بناتے رہے

جس زمانے میں حضرت بدھ پیدا ہوئے، وہ ایک طوائف الملوکی کا زمانہ تھا، جگہ جگہ اور گاؤں گاؤں
راجے مہاراجے ہوتے تھے، خاص کر کے جس علاقہ میں حضرت بدھ پیدا ہوئے تھے وہ ایک قبائلی علاقہ
تھا، ایک قبیلے کی دوسرے قبیلوں سے لڑائی بھڑائی ہی رہتی تھی، حضرت بدھ کا والد بھی اصل میں ایک
زمیندار تھا، مگر اس زمانے میں اس کو راجہ ہی کہتے تھے، یہ جو مشہور ہے، کہ آپ شاہی نسل سے تھے،
بعد کی ایجاد ہے، اصل یہ ہے کہ جس طرح شملہ کے علاقہ میں ڈپٹی کمشنر شملہ کے ماتحت بیسیوں راجے
ہیں اسی طرح کا راجہ حضرت بدھ کا والد تھا، بہرحال آپ معزز لوگوں میں سے تھے، تاریخی حقیقت صرف
اسی قدر ہے۔

طوائف الملوکی کے زمانے میں جو معاشرتی و اخلاقی حالت ملک کی ہوا کرتی ہے، وہ اس علاقہ
کی بھی تھی، ساتھ ہی ہندو مذہب کا دور دورہ تھا، مگر ویدوں کا ہندو مت نہیں، بلکہ اس کی ایک بگڑی
ہوئی شکل جو اصل ویدک تعلیم سے بہت دور جا چکا تھا، مذہب نے اصلی صورت چھوڑ دی تھی، اور اس
کی جگہ منطقی فارمولوں نے لے لی تھی، اور مذہب کی غرض و غایت فلسفیانہ بحث و مباحثہ تک محدود ہو چکی تھی
دہریت بھی ویدک آڑ لے رہی تھی، اگرچہ کھلے کھلے دہریئے بھی موجود تھے، جس طرح پرانے یونان میں جگہ جگہ

ہوجاتا ہے، کہ ان کے پاس لفظی علم کے سوا اور کوئی شئے نہیں، تو وہ ان سے الگ ہو کر علیحدہ جنگل میں پرانی ہندو شریعت و طریقت کے ماتحت ریاضت شاقہ و چلّہ کشی شروع کر دیتے ہیں، اس زمانہ میں یہ عام خیال تھا کہ معمولی بھوکے رہنے اور چلہ کشی کرنے، اور اسی قسم کی تمام ایذا رسان ریاضتوں سے انسان کے اندر رُوحانیت پیدا ہوجاتی ہے، جیسا کہ اب اس زمانہ میں بھی بعض لوگوں کا یہ خیال ہے، حالانکہ اپنی ذات میں ان چیزوں سے اگر کچھ حاصل ہوسکتا ہے، تو وہ استدراج ہے، جس کا اصل رُوحانیت سے کوئی تعلق نہیں، لیکن چونکہ اس زمانے میں لوگ بکثرت اس قسم کے مشاغل میں اعتقاد رکھتے تھے، اس وجہ سے آپ کے کئی ایک مرید بھی ہوگئے تھے، اور جوں جوں آپ کا جسم کمزور اور نحیف ہوتا جاتا، ان مریدوں کا اعتقاد بڑھتا جاتا، یہ امر خالی از دلچسپی نہ ہوگا، کہ آپ کے یہ پہلے مرید برہمن تھے، حالانکہ حضرت بدھ کشتری تھے، اور راجپوت نسل کے لوگ ابھی تک اس گوت کے موجود ہیں، جو گوتم کہلاتے ہیں۔

ان ریاضتوں اور چلہ کشیوں کے دنوں میں شیطان آپ کے ساتھ اسی طرح لگا ہوا تھا، جس طرح حضرت مسیحؑ کے ساتھ ان کے چالیس روزوں کے ایام میں لگا رہا تھا، اور جس طرح، ہاں حضرت مسیحؑ کو اس نے راہِ راست سے ورغلانے کی کوشش کی تھی، یہاں بھی حضرت بدھ کو ورغلانے کی کوشش کی، بہر حال حضرت بدھ اس قدر کمزور ہوگئے، کہ آپ پر غشی کے دورے آنے شروع ہوگئے، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت بدھ اس تجربہ کے بعد ان ریاضتوں سے اس قدر متنفر ہوگئے، کہ آپ نے کہا ان کو رُوحانیت سے کوئی تعلق نہیں، چنانچہ آپ نے یہ سب کچھ ترک کر دیا، اور باقاعدہ کھانا پینا اور سونا شروع کر دیا، اس پر وہ برہمن جو آپ کے مرید ہوئے تھے آپ کو یہ خیال کر کے چھوڑ گئے، کہ ان کی استقامت میں فرق آگیا ہے۔ آپ بھی وہاں سے چلے گئے، اور راج گڑھ کے قریب جہاں اور بھی کئی لوگ غاروں وغیرہ میں رہتے تھے، اقامت اختیار کر لی، شاید ان برہمن مریدوں کو یہ غلط فہمی ہوئی، کہ آپ ہمیشہ کے لئے اس چلہ کشی میں مصروف رہیں گے۔ مگر معلوم ہوتا ہے، آپ نے اول ایماد الٰہی کے ماتحت روزے

وغیرہ رکھے ہونگے، اور پھر ان سے کہا ہوگا، کہ محض روزے اور چلہ کشی اور ریاضات شاقہ کوئی چیز نہیں،
ہاں القاء والہام الٰہی کے ماتحت سنت انبیاء کے مطابق یہ بھی ایک وقت کے لئے ضروری ہیں، چنانچہ
جب وقت پورا ہو گیا، اور وہ وقت آ گیا، جبکہ آپ پر کامل انکشاف ہونے لگا، تو آپ سنت انبیاء
کے مطابق غاروں اور بیابانوں میں چلے آئے، اور گیان دھیان میں لگ گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالےٰ
نے اپنی نعمت پوری کرنے کی غرض سے آپ کو اپنے زمانے کی اصلاح کے لئے مبعوث کیا، اور اصلاح
خلق کا مشن آپ کے سپرد کیا، چنانچہ جس رات گیا میں ایک پیپل کے درخت کے نیچے آپ پر تجلی الٰہی
وارد ہوئی، تو آپ اپنے مشن کو سرانجام دینے کے لئے روانہ ہو پڑے،

پہلے آپ کو خیال آیا، کہ اپنے دو برہمن استادوں کو اس نعمت سے مستفید کریں، مگر جب معلوم
ہوا کہ وہ وفات پا چکے ہیں، تو آپ نے بنارس کا رُخ کیا، راستہ میں ایک دوست مل گیا، اور آپ کے
چہرہ پر نور دیکھکر متحیر سا ہو گیا، اور پوچھا، کہ آپ کے چہرہ پر جو نور برس رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟
آپ نے جواب دیا، کہ مجھے دنیاوی خواہشات، جہالت، گناہ اور نفسانی جذبات پر غلبہ حاصل ہو گیا
ہے، پھر اس نے دریافت کیا، کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا، کہ مجھے نور و عرفان حاصل
ہو گیا ہے، اور میں بنارس جا رہا ہوں، تا ان لوگوں کو جو جہالت اور گناہ کی تاریکی میں مبتلا ہیں، اس
نور سے منور کروں، اور انسان کے لئے دائمی و ابدی زندگی کے دروازے کھول دوں، اس نے اسے
ایک مجنون کی بڑ سے زیادہ وقعت نہ دی، اور یہ کہکر کہ آپ کا راستہ وہ ہے اور میرا یہ، جدا ہو گیا اور وہ
چلا گیا، تو آپ بنارس کی طرف روانہ ہو گئے، عجیب بات ہے کہ وہی پانچ برہمن مرید جو آپ کو چھوڑ کر
چلے گئے تھے، بنارس شہر کے باہر چند میل کے فاصلہ پر آپ کو ملے، جہاں وہ اپنے خیال کے مطابق
عبادت و ریاضت میں مصروف تھے، حضرت بدھ کو دیکھکر اور اسی پرانی غلط فہمی کی بناء پر کہ ان کی
استقامت میں فرق آ گیا ہے، انہوں نے مشورہ کیا، کہ حضرت بدھ کو جتلا دیا جائے، کہ وہ ان کی نظروں

میں گر چکے ہیں، اس لئے بجائے کسی ادب کے لفظ کے ان کو ان کا نام لیکر بلایا، مگر یہ جانتے ہوئے کہ آخر وہ خاندانی آدمی ہیں، ان کو بیٹھنے کے لئے مونڈھا (موڑھا۔پنجابی) دیا، صرف ایک ان میں سے اس سازش سے الگ رہا، حضرت بدھ اپنی فراست سے ان کی حالت کو سمجھ گئے، آپ نے فرمایا، کہ مجھے کسی معزز خطاب کرنے کی ضرورت نہیں، مَیں تو آپ جیسا بشر ہوں، صرف فرق اتنا ہے، کہ مجھے نجات کی راہ مل گئی ہے، لیکن آپ لوگ ابھی تک اسی پرانے دُکھ اور نا امیدی کے راستہ پر ہیں، انہوں نے کہا، کہ جو شخص ایک چھوٹے سے معاملہ میں استقامت نہیں دکھلا سکا، اور جسمانی خواہشات اس پر غلبہ پا گئی ہیں، وہ کس طرح دعوےٰ کر سکتا ہے، کہ اس نے اپنی روح پر غلبہ پا لیا ہے، اور اس کا نفس ہمیشہ کے لئے رام ہوگیا ہے، اس پر حضرت بُدھ نے ان کو تقویٰ کی وہ تمام راہیں بتلائیں، جو فیضانِ الٰہی سے ان پر نازل ہوئی تھیں، پھر آپ نے فرمایا، کہ میری راہ ایک وسطی راہ ہے، جو افراط اور تفریط سے بچاتی ہے، (یہ وسطی راہ جو افراط وتفریط سے بچاتی ہے، ہم کسی اور موقعہ پر بیان کرینگے، انشاء اللہ) روایت کہتی ہے، کہ پہلے وہ برہمن جو بحث میں نہ تھا، اور اس سازش میں شریک نہ تھا، ایمان لایا، پھر اس کے بعد باقی برہمن بھی کچھ عرصہ بحث مباحثہ اور تبادلہ خیالات کرکے ایمان لے آئے۔

حضرت بدھ نے چھ سال کا عرصہ اس طرح صرف کیا، اس کے بعد ۴۵ سال تک آپ باقاعدہ اپنے مشن کا وعظ کرتے رہے، ہر برسات کے ایام میں وہ ایک جگہ قیام کرکے اپنے مشن کی تبلیغ کرتے، اور گرد و نواح میں دورے کرتے، آپ کے مخالف بھی اور موافق بھی سب عام طور پر آپ کی عزت کرتے، چنانچہ مگدھ کا بادشاہ اور اس کے مرنے کے بعد اس کا لڑکا بڑی عزت سے پیش آتے تھے، آپ کے مریدوں میں مرد و عورت، برہمن غیر برہمن، شودر غیر شودر سب شامل ہوتے تھے، آپ نے ذات پات کا امتیاز مٹا دیا، اور کہا، کہ نجات کا دروازہ سب کے لئے کھلا ہے

آپ دوزخ، بہشت، جزا و سزا، فرشتوں اور جنات وشیاطین کے قائل تھے، آپ حیات جاودانی کے بھی قائل تھے، اور یہ جو کہا جاتا ہے، کہ آپ خدا اور رُوح کی ہستی کے منکر تھے، یہ آپ پر آپ کے مخالفین کی زیادتی ہے، انشاء اللہ کسی دوسرے موقعہ پر اس حصّہ پر بحث کی جائیگی۔

۸۰ سال کی ان تھک تبلیغ کے بعد آپ نے وفات پائی، آپ ہر ایک قسم کی چیز کھا لیتے تھے، یہاں تک کہ گوشت بھی، چنانچہ آپ کی وفات بھی گوشت کھانے کی وجہ سے ہوئی۔ آپ ہر ایک قسم کے آدمی کے ہاں کھانا کھا لیتے، چنڈالوں اور شودروں وغیرہ سے بھی پرہیز نہ تھا، بلکہ حضرت مسیحؑ کی طرح بُرے کسب کی عورتوں کے ہاں بھی کھانا کھا لیتے، اور قطعاً کسی انسان سے بطور انسان کے ان کو پرہیز نہ تھا، اور یہی امر بہت حد تک ان کی ترقی اور کامیابی کا باعث بھی بنا آپ نے برہمنوں کے عروج کو توڑا، اور جو لوگ دوزخ وجنّت کے ٹھیکہ دار بنے ہوئے تھے، ان کے طلسم کو پاش پاش کیا، آپ نے فرمایا، تمام انسان یکساں ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت نہیں، سوائے اس کے کہ وہ نیکی اور تقوے میں بڑھا ہوا ہو، وہ ان لوگوں سے زیادہ خدا ملا رکھتے تھے، جن کو عام لوگ چنڈال، غیر شریف اور کسب حرام کرنے والے کہتے ہیں، ان کے نزدیک گناہ اور کمزوری کا احساس رکھنے والا گنہگار چنڈال، مغرور و کبر کو بھرے ہوئے خدائی کے دعویدار برہمن سے بہتر تھا یہی وجہ ہے کہ یہ مظلوم طبقے جوق در جوق ان کے ساتھ آملے، اور کئی صدیوں تک برہمنوں کو ان غلاموں کے آگے جھکنا پڑا ؛

کنفیوشس

(راز ابن عمر بی۔اے۔ مولوی فاضل)

دنیا کے برگزیدہ بادیانِ مذاہب میں کنفیوشس کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، اور اس لائق ہے، کہ اس کی زندگی اور تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے، اس چینی حکیم، مدبر، فلاسفر اور مصلح نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اپنے ابنائے وطن کی ملکی، اخلاقی اور رُوحانی حالت کے سدھارنے میں صرف کیا، اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کیں، انتہائی تکلیفیں سہیں، اور جان کو مہلک خطرات میں بے دھڑک ڈال دیا، اور کبھی اپنا قدم پیچھے نہ ہٹایا، بلکہ ہمیشہ یہ یقین رکھا، کہ وہ آسمان سے ایک خاص مقصد کے لئے مامور ہے، اور جب تک اس کی تکمیل نہیں ہوجاتی، اس کو ضرر پہنچانے کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی[1]۔ ایک موقعہ پر جب اس کے بعض شاگردوں نے اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں پر اظہار رنج و دُکھ کیا، تو اس نے کہا " دلگیر مت ہو، خدا تمہارے معلم سے انسانوں کو اپنی فرمانبرداری کی دعوت دینے کے لئے ایک جرس کا کام لے رہا ہے" اور اس طرح صبر یقین اور استقلال کے ساتھ اپنے بلند و برتر مقصد کے لئے ہمت و کوشش کرتا رہا، بلاشبہ دنیا میں بہت لوگوں نے اپنے ہمجنسوں کی بھلائی اور بہبودی کے لئے اس قدر کم کامیابی کی امید کے باوجود اتنے استقلال اور بے لوثی سے اتنی محنت کی ہوگی، اور یہ اسی محنت اور جد و جہد کا نتیجہ ہے، کہ بدرجۂ کار مشکلات کا خاتمہ ہوگیا، مصیبتوں کے بادل چھٹ گئے، اور اس نے اپنی قوم کو ذہنی۔ اخلاقی، رُوحانی اور مادی بلندی کی ایک معین سطح تک پہنچا دیا۔

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹینکا زیر عنوان کنفیوشس۔

ورنہ صرف قومی مجالس قانون ساز کے نظم ونسق کی بنیاد ہی کنفیوشس کے اصولوں پر رکھی گئی، بلکہ اہل چین کے نجی اور خانگی زندگی کے اہم ترین اعمال کی بھی اس کے تعلیم کردہ قوانین کے مطابق تشکیل ہوئی، اور چینی فلسفہ سے کنفیوشس کا فلسفہ، اور چینی اخلاقیات سے وہ اصولِ اخلاق مراد لئے جانے لگے، جو کنفیوشس کے فلسفۂ اخلاق میں بیان ہوئے ہیں، اور اس طرح بساطِ چین پر کنفیوشس کی کامرانی اور کامگاری مکمل ہوگئی۔ بلکہ اب بھی جبکہ اس کی وفات پر قریباً اڑھائی ہزار برس گذر چکے ہیں، اس برگزیدہ کی عزت وتوقیر ربع مسکون کی تہائی آبادی کے دلوں میں قائم ہے، اور ہمہ گیر اثر کے نقطۂ نگاہ سے یہ وہ عظمت ہے، جو اسے بدھ اور مسیح ناصری کی صف میں لاکھڑا کرتی ہے، اور یہ صف ایسی ہے، کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان تین کے سوا غالباً اور کسی کی اس میں گنجائش نہیں۔

مشہور چینی مؤرخ سیماژن (Sze-matsin) کی تحقیق کے مطابق ۵۵۰ء قبل مسیح میں کنفیوشس پیدا ہوئے، لیکن کنگ یانگ (Kung yang) اور کوہ لیانگ (Kuh-Liang) کے نزدیک ۵۵۱ء قبل مسیح میں پیدائش ہوئی۔ سائیکلوپیڈیا آف انڈیا کا مضمون نگار ۵۵۰ء ق۔م بتاتا ہے، ایک اور مصنف نے غالباً محض اندازہ سے ۴۰۹ء ق۔م متعین کیا ہے[1] لیکن قولِ راجح یہی ہے کہ کنفیوشس کی پیدائش بدھ کی پیدائش سے سات سال قبل یعنی ۵۵۸ء ق۔م میں ہوئی۔ اور اسی قول کو انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس نے اختیار کیا ہے، مملکتِ لُو کے چوہلی نام شہر کو ان کے زادِ بوم ہونے کا فخر حاصل ہے، قدیم شہر اب موجود نہیں، اس کی جگہ اب شہر شننگ آباد ہے، جو موجودہ مملکت شانٹنگ میں شامل ہے۔

کنفیوشس کا خاندانی نام کُنگ تھا، جس کے معنے فلاسفر کے ہیں، اور فیوشے (Fusutse

---

[1] السٹریٹڈ ڈکشنری آف ریلیجن فلاسفی پالیٹکس اینڈ لا ص ۱۵۸

انہیں اس لئے کہتے تھے، کہ ان کی پیدائش کو ونی کی فیوشے نامی خانقاہ میں ہوئی تھی، اس طرح ان کا پورا نام کُنگ فیوشے ہوگیا، اور کنفیوشس اس کی لاطینی شکل ہے، بچپن میں انہیں کیو بھی کہتے تھے، جس کے معنے ایک چھوٹی پہاڑی کے ہیں، ایک اور نام چُنگ نی بھی تھا، جس کے معنے ہیں، نی کی دُوسری پہاڑی۔ "نی کی دوسری پہاڑی" انہیں اس لئے کہتے تھے، کہ پہلے سے "نی کی پہاڑی" ان کے ایک اخیافی بھائی کا نام تھا۔

کنفیوشس کا خاندان چین کا ایک معزز خاندان تھا، ان کے والد شو لیانگ ہے [illegible]) وہاں کی ایک خودمختار ریاست شُنگ کے بڑے معزز فوجی عہدیدار تھے لیکن کنفیوشس کی پیدائش کے وقت اپنے عہدہ سے فارغ ہوچکے تھے، پہلی بیوی سے ان کے ہاں نَو لڑکیاں اور ایک معذور لڑکا تھا۔ ستر برس کی عمر میں انہوں نے دوسری شادی کی، جس سے کنفیوشس پیدا ہوئے۔

کنفیوشس کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، کوئی بات ایسی نہ ہونے دی جاتی تھی جس سے ان کے دل پر بُرے اثرات پڑیں۔ اسی طرح انہیں کسی ایسے مقام پر نہ لے جایا جاتا تھا، جس کی آب و ہوا خراب ہو، یا جہاں کا نظارہ دلکش نہ ہو، اور اس امر کی پوری کوشش کی جاتی تھی، کہ انہیں بہتر سے بہتر ماحول میں رکھا جائے، کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ جسم، اخلاق اور رُوح کی تربیت میں ماحول کا بہت دخل ہوتا ہے، اس طرح کنفیوشس کی تربیت قریباً اسی انداز پر ہوئی، جس پر ان کے ہم عصر مصلح مہاتما بدھ کی ہوئی تھی۔

کنفیوشس کی زندگی کو پانچ دَوروں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ دَورِ اول [illegible] ق م میں ان کا بچپن، عنفوانِ شباب، تعلیم، شادی، ضلع شور (Tsou) کے سرکاری ذخیرۂ اناج کی منصری اور شاملاتِ اراضی کی نگرانی کا زمانہ شامل ہے۔ دَورِ دوم ([illegible] ق م) میں جو

تیس سال تک ممتد ہے انہوں نے اپنے تئیں کلیتہً وعظ و تلقین میں لگا دیا، اس زمانہ میں انہوں نے پرانے چینی گیتوں اور تاریخی دستاویزوں کو از سر نو مدون کیا۔ دورِ سوم (سنہ ۵۰۰ سے ۴۹۶ ق م) میں وہ مرکزی حکومت کی ملازمت میں رہے، اور یکے بعد دیگرے مجسٹریٹ، وزیر عمال اور وزیر عدل کے عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ دورِ چہارم (سنہ ۴۹۵ سے ۴۸۳ ق م) عہد سیاحت و تلقین ہے، اور دورِ پنجم (سنہ ۴۸۲ سے ۴۷۸ ق م) میں انہوں نے اپنے تئیں تالیف و تصنیف کے لئے وقف کر دیا، شروع میں کچھ وقت قدیم یادداشتوں کی تدوین میں صرف کئے، اور پھر زندگی کے آخری دنوں تک اپنی کتاب (Ch'un-Ch'iu) کی تالیف میں مصروف رہے۔

جب کنفیوشس تین سال کے تھے تو باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کا بوجھ ان کی والدہ شُنگ لِٹ کے کندھوں پر پڑا۔ سات سال کی عمر تک تعلیم گھر پر ہوتی رہی، پھر انہیں سکول میں داخل کر دیا گیا، سکول کی تعلیم کا زمانہ دس سال تک ممتد ہے۔ سکول سے فارغ ہو کر انہیں سرکاری ذخیرۂ اناج کی منشی گری کا کام مل گیا۔ کنفیوشس کا مشہور مرید مِن سی اس (سنہ ۳۷۲-۲۸۹ ق م) کہتا ہے، کہ اپنی غربت اور ناداری کی وجہ سے یہ حقیر کام ان کو کرنا پڑا۔ یہ کنفیوشس ہی کی خوش کرداری کا نتیجہ تھا، کہ اس محکمہ کے زیر انتظام ایک زراعتی مدرسہ کا اجراء ہوا اور آپ ہی کو اس کا منتظم بنایا گیا۔ یہ کام بھی انہوں نے اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا، کہ انہیں انسپکٹر کے عہدہ تک ترقی دیدی گئی، لیکن اس زمانہ میں ان کی والدہ فوت ہوگئی، اور انہیں مجبوراً ان کاموں سے سبکدوش ہو کر قریباً تین سال تک خانگی معاملات کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اسی زمانہ میں انہوں نے شُنگ خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی۔

اب کنفیوشس کی عمر تیس سال کی ہو چکی تھی، اور وہ علوم ظاہری و باطنی سے کما حقہٗ آراستہ تھے، اور خانگی الجھنوں سے بھی انہیں اطمینان ہو چکا تھا، ان کی بیوی ان کے نیک ارادوں کی تکمیل

میں ان کی ممد ثابت ہونے کی استعداد رکھنے کے ساتھ مستعد بھی تھی۔ اس لئے وہ راعی اور رعایا کی اصلاح و درستی کی طرف متوجہ ہوئے۔

چین کے لئے یہ وہ زمانہ تھا، جب رعایا سخت بدحال تھی، چاروں طرف بدامنی اور شرارت کے آثار نظر آرہے تھے، لوگ حرص و طمع کے غلام بنے ہوئے ایک دوسرے کی تباہی میں مصروف ہونیکے علاوہ ہر لحاظ سے بے عمل ہو رہے تھے، ان میں ایک مغلوج کن مذہبی تصور کارفرما تھا، حکومت کے اعتبار سے ملک ۱۲۵ ریاستوں میں بٹ چکا تھا، اور ان میں جاگیردارانہ نظام جاری تھا، یہ نظام حکومت اس نوعیت کا ہوتا ہے، کہ اگر مرکزی گرفت مملکت کے وفاقی اجزاء پر سخت نہ ہو، تو ملک طوائف الملوکی کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ یہی حالت اس وقت چین کی تھی، چو خاندان جس کی بنیاد ۱۱۲۲ سنہ ق۔ م میں شاہجہان وُو نے ڈالی تھی، رُو بہ انحطاط تھا، مرکزی اقتدار ڈھیلا پڑ گیا تھا، اور اس میں ماتحت جاگیروں پر کنٹرول کرنے کی طاقت نہ رہی تھی۔ جن سی اس کہتا ہے "کنفیوشس قومی تاریخ کے ایک نہایت نازک دور میں ظاہر ہوئے، ملک رُو بہ انحطاط تھا، اور درست نظریے مفقود ہو چکے تھے"۔ کنفیوشس نے یہ کوشش شروع کردی، کہ ان کو کوئی نواب یا رئیس ایسا مل جائے جو انہیں اپنا مشیر بنا لے، اور اس طرح وہ وسیع پیمانہ پر ملک کی اصلاح و تجدید کا ایک مرکز بنانے میں کامیاب ہو سکیں، رئیسوں کی سرپرستی حاصل کرنے اور حکومت کے عہدے لینے کے لئے کنفیوشس کی بے انتہاد کوششوں کو دیکھتے ہوئے بعض مغربی مصنفین نے ان پر جاہ طلبی کا الزام عاید کیا ہے، لیکن اس پاکباز پر یہ الزام درست نہیں، حقیقت یہ ہے، کہ کنفیوشس کو بخوبی علم تھا، کہ اَلنَّاسُ علٰی دینِ مُلُوکِہِم۔ اس لئے ان کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ جب تک عمالِ حکومت کی حالت درست نہ ہوگی، تب تک عام باشندگانِ ملک کی حالت نہیں سُدھر سکتی، جب بڑے لوگ ہی انصاف کا خون کر رہے ہوں، تو ملک کے قانون شکن لوگوں کا خاتمہ کیونکر کیا جا سکتا ہے، اس لئے انھوں نے حکومت

کے کاروبار میں گھس کر پہلے اس کی اصلاح کرنا چاہی، راعی کی درستی کے ساتھ رعایا کی اصلاح کا یہ طریق چینی فطرت کے عین مطابق تھا، کیونکہ جدھران کے بادشاہ ہوتے ہیں، چینی لوگ اُدھر ہی جھک جاتے ہیں، اور وہ بڑی سختی سے اس بات کے قائل ہیں، کہ بادشاہ کے خراب ہونے سے تمام ملک گمراہ اور بادشاہ کے نیکوکار ہونے سے تمام ملک میں نیکی کا دَور دَورہ ہوجاتا ہے۔

کنفیوشس اپنی کتاب شُو کِنگ میں ایک جگہ چودھویں صدی قبل مسیح کے ایک مشہور چینی وزیر آئی ہن کا قول درج کرتے ہیں، کہ "اگر ملک ملک کے ذکور و اناث میں سے کوئی بھی ضبطِ نفس سے قاصر رہا، تو اس کے معنے یہ ہیں، کہ بادشاہ کی نیکی میں کمی ہے"، خود کنفیوشس کا اپنا قول ہے "کہ بادشاہ کی مثال ہوا جیسی ہے، اور رعایا گھاس کی مانند ہے، گھاس کی فطرت میں یہ بات ہے، کہ ہوا کے رُخ کے مطابق جھک جاتے، اس لئے ..... اگر بادشاہ خود اپنی ذات میں صحیح العمل ہوگا، تو رعایا بغیر کہے اپنے فرض بجا لائے گی۔"

کنفیوشس کے زمانہ ہی میں جب ان کے ایک مرید پر اعتراض کیا گیا، کہ تمہارا مطاع رئیسوں کی سرپرستی حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے، اور ملک کو مصیبتوں سے نجات دلانے کے اور سب ذرائع مفقود ہیں، تو کیوں رہبانیت نہ اختیار کرلی جائے۔ اور کہا گیا، کہ

"ملک میں ابتری اُبھرنے والے طوفان کی طرح پھیل رہی ہے، اور کسی میں یہ اہلیت نہیں، کہ اسے دبا سکے، اس لئے کیا کسی ایسے شخص کی متابعت کرنے سے جوان لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے دربدر مارا مارا پھر رہا ہے، جو اسے قبول نہیں کرتے، یہ بہتر نہیں، کہ تارک الدنیا لوگوں میں شمولیت اختیار کرلی جائے؟"

اس اعتراض کا جو جواب کنفیوشس نے دیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ جاہ طلبی انکے مدنظر نہ تھی، اور نہ رئیسوں کی سرپرستی کا حصول ان کا مقصود تھا، بلکہ اس ذریعہ سے وہ زبردستوں اور

کنفیوشس

(راز ابن عمر بی۔ اے۔ مولوی فاضل)

دنیا کے برگزیدہ ادیان مذاہب میں کنفیوشس کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے، اور اس لائق ہے، کہ اس کی زندگی او تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے، اس چینی حکیم۔ مدبر۔ فلاسفر اور مصلح نے اپنی عمر کا بہترین حصہ اپنے ابناءِ وطن کی ملکی، اخلاقی اور رُوحانی حالت کے سدھارنے میں صرف کیا، اس کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کیں، انتہائی تکلیفیں سہیں، اور جان کو مہلک خطرات میں بے دھڑک ڈال دیا، اور کبھی اپنا قدم پیچھے نہ ہٹایا، بلکہ ہمیشہ یہ یقین رکھا، کہ وہ آسمان سے ایک خاص مقصد کے لئے مامور ہے، اور جب تک اس کی تکمیل نہیں ہوجاتی، اس کو سزا پہنچانے کی ساری کوششیں رائیگاں جائیں گی۔[1] ایک موقعہ پر جب اس کے بعض شاگردوں نے اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں پر اظہار رنج و دُکھ کیا، تو اس نے کہا "دلگیر مت ہو، کہ خدا تمہارے مطاع سے انسانوں کو اپنی فرمانبرداری کی دعوت دینے کے لئے ایک جرس کا کام لے رہا ہے" اور اس طرح صبر یقین اور استقلال کے ساتھ اپنے بلند و برتر مقصد کے لئے ہمت و کوشش کرتا رہا، بلاشبہ دنیا میں بہت لوگوں نے اپنے ہمجنسوں کی بھلائی اور بہبودی کے لئے اس قدر کم کامیابی کی امید کے باوجود اتنے استقلال اور بے لوثی سے اتنی محنت کی ہوگی، اور یہ اسی محنت اور جد و جہد کا نتیجہ ہے، کہ بدرجۂ کار مشکلات کا خاتمہ ہوگیا، مصیبتوں کے بادل چھٹ گئے، اور اس نے اپنی قوم کو ذہنی۔ اخلاقی، رُوحانی اور مادی بلندی کی ایک معین سطح تک پہنچا دیا

---

[1] انسائیکلو پیڈیا برٹینکا زیر عنوان کنفیوشس۔

اور نہ صرف قومی مجالس قانون ساز کے نظم و نسق کی بنیاد ہی کنفیوشس کے اصولوں پر رکھی گئی، بلکہ اہل چین کے نجی اور خانگی زندگی کے اہم ترین اعمال کی بھی اس کے تعلیم کردہ قوانین کے مطابق تشکیل ہوئی۔ اور چینی فلسفہ سے کنفیوشس کا فلسفہ، اور چینی اخلاقیات سے وہ اصولِ اخلاق مراد لئے جانے لگے، جو کنفیوشس کے فلسفہ اخلاق میں بیان ہوئے ہیں، اور اس طرح بساطِ چین پر کنفیوشس کی کامرانی اور کامگاری مکمل ہوگئی۔ بلکہ اب بھی جبکہ اس کی وفات پر قریباً اڈھائی ہزار برس گذر چکے ہیں، اس برگزیدہ کی عزت و توقیر ربع مسکون کی تہائی آبادی کے دلوں میں قائم ہے، اور مہاتما بدھ کے نقطۂ نگاہ سے یہ وہ عظمت ہے، جو اسے بدھ اور مسیح ناصری کی صف میں لا کھڑا کرتی ہے، اور یہ صف ایسی ہے، کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد ان تین کے سوا غالباً اور کسی کی اس میں گنجائش نہیں۔

مشہور چینی مورخ سیماژن (Sze - malsin) کی تحقیق کے مطابق سنہ ۵۵۱ قبل مسیح میں کنفیوشس پیدا ہوئے، لیکن کنگ یانگ (Kung yang) اور کوہ لیانگ (Kuh-Liang) کے نزدیک سنہ ۵۵۱ قبل مسیح میں پیدائش ہوئی۔ سائیکلو پیڈیا آف انڈیا کا مضمون نگار سنہ ۵۵۰ ق م بتاتا ہے، ایک اور مصنف نے غالباً محض اندازہ سے سنہ ۴۰۹ ق م متعین کیا ہے[1] لیکن قولِ راجح یہی ہے کہ کنفیوشس کی پیدائش بدھ کی پیدائش سے سات سال قبل یعنی ۵۵۱ھ ق م میں ہوئی۔ اور اسی قول کو انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس نے اختیار کیا ہے، مملکتِ لُو کے چوہلی نام شہر کو ان کے زادِ بوم ہونے کا فخر حاصل ہے، قدیم شہر اب موجود نہیں۔ اس کی جگہ اب شہر شنگ آباد ہے، جو موجودہ مملکت شانٹنگ میں شامل ہے۔

کنفیوشس کا خاندانی نام کنگ تھا، جس کے معنے فلاسفر کے ہیں، اور فیوشے (Futsu

---

[1] السٹریٹڈ ڈکشنری آف ریلیجن فلاسفی پالیٹکس اینڈ لا صفحہ ۱۵۸

انہیں اس لئے کہتے تھے، کہ ان کی پیدائش کو وُنی کی فیوشے نامی خانقاہ میں ہوئی تھی، اس طرح ان کا پورا نام کُنگ فیوشے ہو گیا، اور کنفیوشس اس کی لاطینی شکل ہے، بچپن میں انہیں کیو بھی کہتے تھے جس کے معنے ایک چھوٹی پہاڑی کے ہیں، ایک اور نام چُنگسنی بھی تھا، جس کے معنے ہیں، نی کی دُوسری پہاڑی۔ "نی کی دوسری پہاڑی" انہیں اس لئے کہتے تھے، کہ پہلے سے "نی کی پہاڑی" ان کے ایک اخیافی بھائی کا نام تھا۔

کنفیوشس کا خاندان چین کا ایک معزز خاندان تھا، ان کے والد شو لیانگ ہیہ (Shuh Heih Liang) داں کی ایک خود مختار ریاست شُنگ کے بڑے معزز فوجی عہدیدار تھے لیکن کنفیوشس کی پیدائش کے وقت اپنے عہدہ سے فارغ ہو چکے تھے، پہلی بیوی سے ان کے ہاں نو لڑکیاں اور ایک معذور لڑکا تھا۔ ستر برس کی عمر میں انہوں نے دوسری شادی کی، جس سے کنفیوشس پیدا ہوئے۔

کنفیوشس کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، کوئی بات ایسی نہ ہونے دی جاتی تھی جس سے ان کے دل پر بُرے اثرات پڑیں۔ اسی طرح انہیں کسی ایسے مقام پر نہ لے جایا جاتا تھا، جس کی آب و ہوا خراب ہو، یا جہاں کا نظارہ دلکش نہ ہو، اور اس امر کی پوری کوشش کی جاتی تھی، کہ انہیں بہتر سے بہتر ماحول میں رکھا جائے، کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ جسم، اخلاق اور رُوح کی تربیت میں ماحول کا بہت دخل ہوتا ہے، اس طرح کنفیوشس کی تربیت قریباً اسی انداز پر ہوئی، جس پر ان کے ہم عصر مصلح مہاتما بدھ کی ہوئی تھی۔

کنفیوشس کی زندگی کو پانچ دَوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دَورِ اوّل [illegible] ق م میں ان کا بچپن، عنفوانِ شباب، تعلیم، شادی، ضلع شور (Tsou) کے سرکاری ذخیرۂ اناج کی منصرمی اور شاملاتِ اراضی کی نگرانی کا زمانہ شامل ہے۔ دَورِ دوم ([illegible]) میں جو

تیس سال تک مسلسل انہوں نے اپنے تئیں کلیتہً وعظ و تلقین میں لگادیا، اس زمانہ میں انہوں نے پرانے چینی گیتوں اور تاریخی دستاویزوں کو از سرِ نو مدون کیا۔ دورِ سوم (۵۰۱ سے ۴۹۶ ق۔م) میں وہ مرکزی حکومت کی ملازمت میں رہے، اور یکے بعد دیگرے مجسٹریٹ، وزیرِ عمال اور وزیرِ عدل کے عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ دورِ چہارم (۴۹۵ سے ۴۸۳ ق۔م) عہدِ سیاحت و تلقین ہے۔ اور دورِ پنجم ([illegible] ق۔م) میں انہوں نے اپنے تئیں تالیف و تصنیف کے لئے وقف کر دیا۔ شروع میں کچھ وقت تعلیم اور داشتوں کی تدوین میں صرف کئے، اور پھر زندگی کے آخری دنوں تک اپنی کتاب (Ch[illegible]) کی تالیف میں مصروف رہے۔

جب کنفیوشس تین سال کے تھے تو باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کا بوجھ ان کی والدہ شُنگ لِٹ کے کندھوں پر پڑا۔ سات سال کی عمر تک تعلیم گھر پر ہوتی رہی، پھر انہیں سکول میں داخل کر دیا گیا، سکول کی تعلیم کا زمانہ دس سال تک ممتد رہا۔ سکول سے فارغ ہو کر انہیں سرکاری ذخیرۂ اناج کی منشی گیری کا کام مل گیا۔ کنفیوشس کا مشہور مرید منسی اس (۳[illegible] ۲۸۰ ق۔م) کہتا ہے، کہ اپنی غربت اور ناداری کی وجہ سے یہ حقیر کام ان کو کرنا پڑا۔ یہ کنفیوشس ہی کی خوش کرداری کا نتیجہ تھا، کہ اس محکمہ کے زیرِ انتظام ایک زراعتی مدرسہ کا اجراء ہوا اور آپ ہی کو اس کا منتظم بنایا گیا۔ یہ کام بھی انہوں نے اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دیا، کہ انہیں انسپکٹر کے عہدہ تک ترقی دیدی گئی، لیکن اس زمانہ میں ان کی والدہ فوت ہوگئی، اور انہیں مجبوراً ان کاموں سے سبکدوش ہو کر قریباً تین سال تک خانگی معاملات کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اسی زمانہ میں انہوں نے شنگ خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی۔

اب کنفیوشس کی عمر تیس سال کی ہو چکی تھی، اور وہ علوم ظاہری و باطنی سے کما حقہٗ آراستہ تھے، اور خانگی الجھنوں سے بھی انہیں اطمینان ہو چکا تھا، ان کی بیوی ان کے نیک ارادوں کی تکمیل

میں ان کی ممد ثابت ہونے کی استعداد رکھنے کے ساتھ مستعد بھی تھی۔ اس لئے وہ راعی اور رعایا کی اصلاح و درستی کی طرف متوجہ ہوئے۔

چین کے لئے یہ وہ زمانہ تھا، جب رعایا سخت بدحال تھی، چاروں طرف بدامنی اور شرارت کے آثار نظر آرہے تھے، لوگ حرص و طمع کے غلام بنے ہوئے ایک دوسرے کی تباہی میں معروف ہونے کے علاوہ ہر لحاظ سے بے عمل ہورہے تھے، ان میں ایک مفلوج کن مذہبی تصور کارفرما تھا، حکومت کے اعتبار سے ملک باون ریاستوں میں بٹ چکا تھا، اور ان میں جاگیردارانہ نظام جاری تھا، یہ نظام حکومت اس نوعیت کا ہوتا ہے، کہ اگر مرکزی گرفت مملکت کے وفاقی اجزاء پر سخت نہ ہو، تو ملک طوائف الملوکی کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ یہی حالت اس وقت چین کی تھی، چو خاندان جس کی بنیاد ۱۱۲۲ ق۔م میں شاہجہاں وُو نے ڈالی تھی، رُو بہ انحطاط تھا، مرکزی اقتدار ڈھیلا پڑگیا تھا، اور اس میں ماتحت جاگیروں پر کنٹرول کرنے کی طاقت نہ رہی تھی، مِن سی اس کہتا ہے "کنفیوشس قومی تاریخ کے ایک نہایت نازک دَور میں ظاہر ہوئے، ملک رُو بہ انحطاط تھا، اور درست نظریہ مفقود ہو چکے تھے،" کنفیوشس نے یہ کوشش شروع کردی، کہ ان کو کوئی نواب یا رئیس ایسا مل جائے جو انہیں اپنا مشیر بنا لے، اور اس طرح وہ وسیع پیمانہ پر ملک کی اصلاح و تجدید کا ایک مرکز بنانے میں کامیاب ہوسکیں، رئیسوں کی سرپرستی حاصل کرنے اور حکومت کے عہدے لینے کے لئے کنفیوشس کی بے انتہا کوششوں کو دیکھتے ہوئے بعض مغربی مصنفین نے ان پر جاہ طلبی کا الزام عاید کیا ہے لیکن اس پاکباز پر یہ الزام درست نہیں، حقیقت یہ ہے، کہ کنفیوشس کو بخوبی علم تھا، کہ اَلنَّاسُ علیٰ دِینِ مُلُوکِہِم۔ اس لئے ان کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ جب تک عمّالِ حکومت کی حالت درست نہ ہوگی، تب تک عام باشندگانِ ملک کی حالت نہیں سدھر سکتی، جب بڑے لوگ ہی انصاف کا خون کر رہے ہوں، تو ملک کے قانون شکن لوگوں کا خاتمہ کیونکر کیا جاسکتا ہے، اس لئے انہوں نے حکومت

کے کاروبار میں گھس کر پہلے اس کی اصلاح کرنا چاہی، راعی کی درستی کے ساتھ رعایا کی اصلاح کا یہ طریق چینی فطرت کے عین مطابق تھا، کیونکہ جدھر ان کے بادشاہ ہوتے ہیں، چینی لوگ اُدھر ہی جھک جاتے ہیں، اور وہ بڑی سختی سے اس بات کے قائل ہیں، کہ بادشاہ کے خراب ہونے سے تمام ملک گمراہ، اور بادشاہ کے نیکوکار ہونے سے تمام ملک میں نیکی کا دَور دَورہ ہوجاتا ہے۔

کنفیوشس اپنی کتاب شوکنگ میں ایک جگہ چودھویں صدی قبل مسیح کے ایک مشہور چینی وزیر آئی ہن کا قول درج کرتے ہیں، کہ "اگر ملک ملک کے ذکور و اناث میں سے کوئی بھی ضبطِ نفس سے قاصر رہا، تو اس کے معنے یہ ہیں، کہ بادشاہ کی نیکی میں کمی ہے"، خود کنفیوشس کا اپنا قول ہے، کہ "بادشاہ کی مثال ہوا جیسی ہے، اور رعایا گھاس کی مانند ہے، گھاس کی فطرت میں یہ بات ہے، کہ ہوا کے رُخ کے مطابق جھک جائے، اس لئے، . . . . اگر بادشاہ خود اپنی ذات میں صحیح العمل ہوگا، تو رعایا بغیر کہے اپنے فرض بجا لائے گی۔"

کنفیوشس کے زمانہ ہی میں جب ان کے ایک مرید پر اعتراض کیا گیا، کہ تمہارا مطاع رئیسوں کی سرپرستی حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے، اور ملک کو مصیبتوں سے نجات دلانے کے اور سب ذرائع مفقود ہیں، تو کیوں رہبانیت نہ اختیار کر لی جائے۔ اور کہا گیا، کہ

"ملک میں ابتری اُبھرنے والے طوفان کی طرح پھیل رہی ہے، اور کسی میں یہ اہلیت نہیں، کہ اسے دبا سکے، اس لئے کیا کسی ایسے شخص کی متابعت کرنے سے جو ان لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے دربدر مارا مارا پھر رہا ہے، جو اسے قبول نہیں کرتے، یہ بہتر نہیں، کہ تارک الدنیا لوگوں میں شمولیت اختیار کر لی جائے؟"

اس اعتراض کا جو جواب کنفیوشس نے دیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ جاہ طلبی انکے مدنظر نہ تھی، اور نہ رئیسوں کی سرپرستی کا حصول ان کا مقصود تھا، بلکہ اس ذریعہ سے وہ زیردستوں اور

انہیں اس لئے کہتے تھے، کہ ان کی پیدائش کو وِنی کی فیوشے نامی خانقاہ میں ہوئی تھی، اس طرح ان کا پورا نام کُنگ فیوشے ہو گیا، اور کنفیوشس اس کی لاطینی شکل ہے، بچپن میں انہیں کیو بھی کہتے تھے، جس کے معنے ایک چھوٹی پہاڑی کے ہیں، ایک اور نام چُنگ نی بھی تھا، جس کے معنے ہیں، نی کی دوسری پہاڑی۔ "نی کی دوسری پہاڑی" انہیں اس لئے کہتے تھے، کہ پہلے سے "نی کی پہاڑی" ان کے ایک اخیافی بھائی کا نام تھا۔

کنفیوشس کا خاندان چین کا ایک معزز خاندان تھا، ان کے والد شو لیانگ ہیہ (Shuliang Heih) وہاں کی ایک خودمختار ریاست تُسنگ کے بڑے معزز فوجی عہدیدار تھے۔ لیکن کنفیوشس کی پیدائش کے وقت اپنے عہدہ سے فارغ ہو چکے تھے، پہلی بیوی سے ان کے ہاں نَو لڑکیاں اور ایک معذور لڑکا تھا، ستر برس کی عمر میں انہوں نے دوسری شادی کی، جس سے کنفیوشس پیدا ہوئے۔

کنفیوشس کی تربیت کا خاص خیال رکھا جاتا تھا، کوئی بات ایسی نہ ہونے دی جاتی تھی، جس سے ان کے دل پر بُرے اثرات پڑیں۔ اسی طرح انہیں کسی ایسے مقام پر نہ لے جایا جاتا تھا، جس کی آب و ہوا خراب ہو، یا جہاں کا نظارہ دلکش نہ ہو، اور اس امر کی پوری کوشش کی جاتی تھی، کہ انہیں بہتر سے بہتر ماحول میں رکھا جائے، کیونکہ وہ جانتے تھے، کہ جسم، اخلاق اور رُوح کی تربیت میں ماحول کا بہت دخل ہوتا ہے، اس طرح کنفیوشس کی تربیت قریباً اسی انداز پر ہوئی، جس پر ان کے ہم عصر مصلح مہاتما بدھ کی ہوئی تھی۔

کنفیوشس کی زندگی کو پانچ دَوروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ دَورِ اوّل (۵۵۱ تا ۵۳۱ ق م) میں ان کا بچپن، عنفوان شباب، تعلیم، شادی، ضلع سُور (Tsou) کے سرکاری ذخیرۂ اناج کی منصری اور شاملاتِ اراضی کی نگرانی کا زمانہ شامل ہے۔ دَورِ دوم (۵۳۱ تا ۵۰۱ ق م) میں جو

تیس سال تک ممتد ہے انہوں نے اپنے تئیں کلیتہً وعظ و تلقین میں لگا دیا، اس زمانہ میں انہوں نے پرانے چینی گیتوں اور تاریخی دستاویزوں کو از سرِ نو مدوّن کیا۔ دورِ سوم (۵۰۶ سے ۴۹۶ ق م) ہیں ۱۰ مرکزی حکومت کی ملازمت میں رہے، اور یکے بعد دیگرے مجسٹریٹ، وزیر عمال اور وزیر عدل کے عہدوں پر سرفراز ہوئے۔ دورِ چہارم (۴۹۵ سے ۴۸۳ ق م) عہد سیاحت و تلقین ہے۔ اور دورِ پنجم (۴۸۳ سے ۴۷۸ ق م) میں انہوں نے اپنے تئیں تالیف و تصنیف کے لئے وقف کر دیا۔ شروع میں کچھ وقت قدیم یادداشتوں کی تدوین میں صرف کئے، اور پھر زندگی کے آخری دنوں تک اپنی کتاب (Ch[illegible]) کی تالیف میں مصروف رہے۔

جب کنفیوشس تین سال کے تھے تو باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اور ان کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری کا بوجھ ان کی والدہ شُنگ لِٹ کے کندھوں پر پڑا۔ سات سال کی عمر تک تعلیم گھر پر ہوتی رہی، پھر انہیں سکول میں داخل کر دیا گیا، سکول کی تعلیم کا زمانہ دس سال تک ممتد ہے۔ سکول سے فارغ ہو کر انہیں سرکاری ذخیرۂ اناج کی منصرمی کا کام مل گیا۔ کنفیوشس کا مشہور مرید مِن سی (۳۷۲ سے ۲۸۹ ق م) کہتا ہے، کہ اپنی غربت اور ناداری کی وجہ سے یہ حقیر کام ان کو کرنا پڑا۔ یہ کنفیوشس ہی کی خوش کرداری کا نتیجہ تھا، کہ اس محکمہ کے زیر انتظام ایک زراعتی مدرسہ کا اجراء ہوا، اور آپ ہی کو اس کا منتظم بنایا گیا۔ یہ کام بھی انہوں نے اس خوبی اور خوش اسلوبی سے سر انجام دیا، کہ انہیں انسپکٹر کے عہدہ تک ترقی دیدی گئی، لیکن اس زمانہ میں ان کی والدہ فوت ہو گئی، اور انہیں مجبوراً ان کاموں سے سبکدوش ہو کر قریباً تین سال تک خانگی معاملات کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ اسی زمانہ میں انہوں نے شُنگ خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی۔

اب کنفیوشس کی عمر تیس سال کی ہو چکی تھی، اور وہ علوم ظاہری و باطنی سے کما حقہٗ آراستہ تھے، اور خانگی الجھنوں سے بھی انہیں اطمینان ہو چکا تھا، ان کی بیوی ان کے نیک ارادوں کی تکمیل

غریبوں کی دستگاری کا سامان مہیا کرنا چاہتے تھے، ورنہ ان کی حقیقی مصاحبت غریبوں ہی کے ساتھ تھی چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

"دنیا سے کنارہ کشی اور پرندوں اور درندوں کی مصاحبت جنہیں ہم سے کوئی لگاؤ نہیں ناممکن بات ہے، میری مصاحبت صرف مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ ہوسکتی ہے، ملک کی شدید ابتر حالت ہی تو مجھے بلاتی ہے، اگر ملک میں درست قوانین جاری ہوتے، تو میری بعثت کی کیا ضرورت تھی؟"

غرض کنفیوشس کا رئیسوں کی سرپرستی حاصل کرنے کی کوشش کرنا کسی خود غرضی یا جاہ طلبی کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ چین کے مخصوص حالات کی بناء پر اس وجہ سے تھا، کہ جب تک حکومت کا پشت پناہ نہ ہوگا، اور حکومتی اداروں میں اپنے کام کے لئے مرکزیت تلاش نہ کی جائے گی اصلاح غیر ممکن ہے، اور وہ اسی غرض سے قریباً دس سال تک سارے ملک میں گھومتے رہے، آخر جب انہوں نے دیکھا، کہ اس طرح درباروں میں کامیابی ممکن نہیں، تو اصلاح کی ایک اور صورت پیدا کی، اور اپنے شہر سے اصلاحی تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اور محلوں، بازاروں اور چوراہوں میں کھڑے ہوکر برائیوں بدکرداریوں اور بے عملیوں کے خلاف وعظ کرنے اور لوگوں کو سمجھانے لگے، کہ ان برائیوں میں پڑکر اپنے قیمتی وجودوں کو ضائع نہ کرو، اور غلط وتباہ کن مذہبی تصورات پر اپنے اعمال کی بنیاد نہ رکھو، لیکن بہت کم لوگوں نے آپ کی باتوں کو سنا، مگر کنفیوشس مایوس نہ ہوئے، اور ان چیزوں سے لاپرواہ ہوکر انہوں نے اپنے وعظوں کا سلسلہ اور وسیع کردیا، اور اردگرد کے شہروں میں بھی لیکچر دینے لگے، مگر یہاں بھی وہی حال تھا، چند منٹ کے لئے لوگ جمع ہوجاتے، اور پھر جنگلی کبوتروں کی طرح ذرا سی دیر میں اڑجاتے تھے، بعض جو ٹھہرے رہتے وہ بھی ان کا منہ تکتے، اور دل میں حیران ہوتے، کہ یہ کیا کہتا ہے؟ بعض منہ پھٹ تو یہاں تک کہدیتے "چنگ نی! ہم تمہاری باتوں کو ایک پاگل کی بڑسے زیادہ نہیں سمجھتے،" اور کبھی ایسا ہوتا، کہ کوئی بدسرشت استہزاء کے لئے بحث شروع کردیتا

اور اس قسم کے بیہودہ اعتراضات کرنا جنہیں سُنکر بجز دُکھ اور رنج کے کچھ حاصل نہ ہو، کنفیوشس خوب سمجھتے تھے کہ یہ لوگ میراوقت ضائع کرنے یا ایذا دہی کے لئے ایسا کرتے ہیں، لیکن تحمل اور بُرد باری کے ساتھ اور بے عزتی، بدنامی اور مصیبت کے ہر تصور سے بے نیاز ہو کر برابر اپنے کام میں لگے رہے، اور چونکہ ان کے ارادے نیک تھے، اور ایک پاکیزہ مقصد لیکر کھڑے ہوئے تھے، کب ممکن تھا، کہ انہیں کامیابی حاصل نہ ہوتی، آخر لوگوں کو ان کے درس و تدریس اور وعظ و تلقین کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

اس ابتدائی کامیابی کے چند سال بعد کنفیوشس نے ایک کالج کی بنیاد ڈالی، جس میں سیاسیات، قانون، ادب، فلسفہ، اخلاق اور ریاضی کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی، چند ہی سال میں ان کے فارغ التحصیل شاگردوں کی تعداد تین ہزار تک پہونچ گئی، یہ تعداد ان شاگردوں کی ہے جو ملک میں نامور ہوئے، اس میں وہ شاگرد شامل نہیں، جو کسی وجہ سے اپنے تئیں میدان شہرت میں آگے نہ لا سکے۔

کنفیوشس نے اپنے شاگردوں میں یہ جذبہ پیدا کر دیا تھا، کہ وہ عدل و انصاف کے نام لیوا ہیں، نیکی کے جھنڈے کو بلند کرنا ان کا مقصدِ زندگی ہے، ظلم، بدکرداری اور بے عملی سے زیادہ قابلِ نفرت ان کے لئے کوئی چیز نہیں، جہاں کہیں ان کا کوئی شاگرد پہونچ جاتا تھا، وہ چھاتی تان کر ظلم اور برائی کا مقابلہ کرتا تھا، ملک میں جہاں کہیں نیکی و بدی اور انصاف و ظلم برسرِ پیکار ہوتے تھے چین میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی، کہ کنفیوشس کے شاگرد ضرور نیکی اور انصاف کے طرفدار ہونگے۔

چونکہ ملک کے بڑے عہدوں پر ایسے افسر مامور تھے، جو خود بھی خراب تھے، اور اپنی سلامتی کے لئے لوگوں کو بھی خراب رکھنا چاہتے تھے، اس لئے کنفیوشس نے سوچا کہ اگر ملک میں ایسے قابل اور چند باعمل نوجوان پیدا کر دیئے جائیں، جو نظامِ حکومت میں گھُس کر ملک اور قوم کی بہتری میں لگے رہیں

ہیں ان کی ممد ثابت ہونے کی استعداد رکھنے کے ساتھ مستعد بھی تھی۔ اس لئے وہ راعی اور رعایا کی اصلاح و درستی کی طرف متوجہ ہوئے۔

چین کے لئے یہ وہ زمانہ تھا، جب رعایا سخت بدحال تھی، چاروں طرف بدامنی اور شرارت کے آثار نظر آرہے تھے، لوگ حرص و طمع کے غلام بنے ہوئے ایک دوسرے کی تباہی میں مصروف ہونے کے علاوہ ہر لحاظ سے بے عمل ہو رہے تھے، ان میں ایک مخلوط کن مذہبی تصور کارفرما تھا، حکومت کے اعتبار سے ملک ہاؤں ریاستوں میں بٹ چکا تھا، اور ان میں جاگیردارانہ نظام جاری تھا، یہ نظام حکومت اس نوعیت کا ہوتا ہے، کہ اگر مرکزی گرفت سلطنت کے وفاقی اجزاء پر سخت نہ ہو، تو ملک طوائف الملوکی کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ یہی حالت اس وقت چین کی تھی، چو خاندان جس کی بنیاد سلطنت ق۔ م میں شاہ جہاں وُو نے ڈالی تھی، رُو بہ انحطاط تھا، مرکزی اقتدار ڈھیلا پڑگیا تھا، اور اس میں ماتحت جاگیروں پر کنٹرول کرنے کی طاقت نہ رہی تھی، من سی اس کہتا ہے "کنفیوشس قومی تاریخ کے ایک نہایت نازک دور میں ظاہر ہوئے، ملک رُو بہ انحطاط تھا، اور درست نظریے مفقود ہو چکے تھے۔" کنفیوشس نے یہ کوشش شروع کر دی، کہ ان کو کوئی نواب یا رئیس ایسا مل جائے جو انہیں اپنا مشیر بنا لے، اور اس طرح وہ وسیع پیمانہ پر ملک کی اصلاح و تجدید کا ایک مرکز بنانے میں کامیاب ہو سکیں، رئیسوں کی سرپرستی حاصل کرنے اور حکومت کے عہدے لینے کے لئے کنفیوشس کی بے انتہا کوششوں کو دیکھتے ہوئے بعض مغربی مصنفین نے ان پر جاہ طلبی کا الزام عاید کیا ہے لیکن اس پاکباز پر یہ الزام درست نہیں، حقیقت یہ ہے، کہ کنفیوشس کو بخوبی علم تھا، کہ اَلنَّاسُ عَلیٰ دِینِ مُلُوکِہِم۔ اس لئے ان کا یہ پختہ عقیدہ تھا کہ جب تک عمالِ حکومت کی حالت درست نہ ہوگی، تب تک عام باشندگانِ ملک کی حالت نہیں سدھر سکتی، جب بڑے لوگ ہی انصاف کا خون کر رہے ہوں، تو ملک کے قانون شکن لوگوں کا خاتمہ کیونکر کیا جا سکتا ہے، اس لئے انہوں نے حکومت

کے کاروبار میں گھس کر پہلے اس کی اصلاح کرنا چاہی، راعی کی درستی کے ساتھ رعایا کی اصلاح کا یہ طریق چینی فطرت کے عین مطابق تھا، کیونکہ جدھر ان کے بادشاہ ہوتے ہیں، چینی لوگ اُدھر ہی جھک جاتے ہیں،، اور وہ بڑی سختی سے اس بات کے قائل ہیں، کہ بادشاہ کے خراب ہونے سے تمام ملک گمراہ، اور بادشاہ کے نیکوکار ہونے سے تمام ملک میں نیکی کا دَور دَورہ ہو جاتا ہے۔

کنفیوشس اپنی کتاب شوکنگ میں ایک جگہ چودھویں صدی قبل مسیح کے ایک مشہور چینی وزیر آئی ہن کا قول درج کرتے ہیں، کہ" اگر ملک ملک کے ذکور و اناث میں سے کوئی بھی ضبط نفس سے قاصر رہا، تو اس کے معنے یہ ہیں، کہ بادشاہ کی نیکی میں کمی ہے"، خود کنفیوشس کا اپنا قول ہے، کہ" بادشاہ کی مثال ہوا جیسی ہے، اور رعایا گھاس کی مانند ہے، گھاس کی فطرت میں یہ بات ہے، کہ ہوا کے رُخ کے مطابق جھک جائے، اس لئے ...... اگر بادشاہ خود اپنی ذات میں صحیح العمل ہوگا، تو رعایا بغیر کہے اپنے فرض بجا لائے گی"۔

کنفیوشس کے زمانہ ہی میں جب ان کے ایک مرید پر اعتراض کیا گیا، کہ تمہارا مطاع رئیسوں کی سرپرستی حاصل کرنے میں ناکام رہا ہے، اور ملک کو مصیبتوں سے نجات دلانے کے اَور سب ذرائع مفقود ہیں، تو کیوں رہبانیت نہ اختیار کر لی جائے۔ اور کہا گیا، کہ

"ملک میں ابتری اُبھرنے والے طوفان کی طرح پھیل رہی ہے، اور کسی میں یہ اہلیت نہیں، کہ اسے دبا سکے، اس لئے کیا کسی ایسے شخص کی متابعت کرنے سے جو ان لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے دربدر مارا مارا پھر رہا ہے، جو اسے قبول نہیں کرتے، یہ بہتر نہیں، کہ تارک الدنیا لوگوں میں شمولیت اختیار کر لی جائے"۔

اس اعتراض کا جو جواب کنفیوشس نے دیا، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ جاہ طلبی انکے مدِنظر نہ تھی، اور نہ رئیسوں کی سرپرستی کا حصول ان کا مقصود تھا، بلکہ اس ذریعہ سے وہ زیردستوں اور

غریبوں کی سنگاری کا سامان مہیا کرنا چاہتے تھے، ورنہ ان کی حقیقی مصاحبت غریبوں ہی کے ساتھ تھی چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

"دنیا سے کنارہ کشی اور پرندوں اور درندوں کی مصاحبت جنہیں ہم سے کوئی لگاؤ نہیں ناممکن بات ہے، میری مصاحبت صرف مصیبت زدہ لوگوں کے ساتھ ہوسکتی ہے، ملک کی شدید ابتر حالت ہی تو مجھے بلائی ہے، اگر ملک میں درست قوانین جاری ہوتے، تو میری بعثت کی کیا ضرورت تھی؟"

غرض کنفیوشس کا رئیسوں کی سرپرستی حاصل کرنے کی کوشش کرنا کسی خود غرضی یا جاہ طلبی کی وجہ سے نہ تھا، بلکہ چین کے مخصوص حالات کی بناء پر اس وجہ سے تھا، کہ جب تک حکومت کا درپشت پناہ نہ ہوگا، اور حکومتی اداروں میں اپنے کام کے لئے مرکزیت تلاش نہ کی جائے گی اصلاح غیر ممکن ہے، اور وہ اسی غرض سے قریباً دس سال تک سارے ملک میں گھومتے رہے، آخر جب انہوں نے دیکھا کہ اس طرح درباروں میں کامیابی ممکن نہیں، تو اصلاح کی ایک اور صورت پیدا کی، اور اپنے شہر سے اصلاحی تقریروں کا ایک سلسلہ شروع کیا۔ اور محلوں، بازاروں اور چوراہوں میں کھڑے ہوکر برائیوں بدکرداریوں اور بےعملیوں کے خلاف وعظ کرنے اور لوگوں کو سمجھانے لگے، کہ ان برائیوں میں پڑکر اپنے قیمتی وجودوں کو ضائع نہ کرو، اور غلط و تباہ کن مذہبی تصورات پر اپنے اعمال کی بنیاد نہ رکھو، لیکن بہت کم لوگوں نے آپ کی باتوں کو سنا، مگر کنفیوشس مایوس نہ ہوئے، اور ان چیزوں سے لاپرواہ ہوکر انہوں نے اپنے وعظوں کا سلسلہ اور وسیع کردیا، اور اردگرد کے شہروں میں بھی لیکچر دینے لگے، مگر یہاں بھی وہی حال تھا، چند منٹ کے لئے لوگ جمع ہو جاتے، اور پھر جنگلی کبوتروں کی طرح ذرا سی دیر میں اڑ جاتے تھے، بعض جو ٹھہرے رہتے وہ بھی ان کا منہ تکتے، اور دل میں حیران ہوتے، کہ یہ کیا کہتا ہے؟ بعض منہ پھٹ تو یہاں تک کہہ دیتے "چنگ نی! ہم تمہاری باتوں کو ایک پاگل کی بڑ سے زیادہ نہیں سمجھتے" اور کبھی ایسا ہوتا، کہ کوئی بدسرشت استہزاء کے لئے بحث شروع کردیتا

اور اس قسم کے بیہودہ اعتراضات کرنا جنہیں سُنکر بجز دُکھ اور رنج کے کچھ حاصل نہ ہو، کنفیوشس خوب سمجھتے تھے کہ یہ لوگ میرا وقت ضائع کرنے یا ایذا دہی کے لئے ایسا کرتے ہیں، لیکن تحمّل اور بُردباری کے ساتھ اور بے عزّتی، بدنامی اور مصیبت کے ہر تصوّر سے بے نیاز ہو کر برابر اپنے کام میں لگے رہے، اور چونکہ ان کے ارادے نیک تھے، اور ایک پاکیزہ مقصد لیکر کھڑے ہوئے تھے، تب ممکن تھا، کہ انہیں کامیابی حاصل نہ ہوتی، آخر لوگوں کو ان کے درس و تدریس اور وعظ و تلقین کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔

اس ابتدائی کامیابی کے چند سال بعد کنفیوشس نے ایک کالج کی بنیاد ڈالی، جس میں سیاسیات، قانون، ادب، فلسفہ، اخلاق اور ریاضی کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ چند ہی سال میں ان کے فارغ التحصیل شاگردوں کی تعداد تین ہزار تک پہونچ گئی، یہ تعداد ان شاگردوں کی ہے جو ملک میں نامور ہوئے، اس میں وہ شاگرد شامل نہیں، جو کسی وجہ سے اپنے تئیں میدان شہرت میں آگے نہ لا سکے۔

کنفیوشس نے اپنے شاگردوں میں یہ جذبہ پیدا کر دیا تھا، کہ وہ عدل و انصاف کے نام لیوا ہیں، نیکی کے جھنڈے کو بلند کرنا ان کا مقصدِ زندگی ہے، ظلم، بدکرداری اور بے عملی سے زیادہ قابلِ نفرت ان کے لئے کوئی چیز نہیں، جہاں کہیں ان کا کوئی شاگرد پہونچ جاتا تھا، وہ چھاتی تان کر ظلم اور برائی کا مقابلہ کرتا تھا، ملک میں جہاں کہیں نیکی و بدی اور انصاف و ظلم برسرِ پیکار ہوتے تھے، چین میں یہ بات عام طور پر مشہور تھی، کہ کنفیوشس کے شاگرد ضرور نیکی اور انصاف کے طرفدار ہونگے۔

چونکہ ملک کے بڑے عہدوں پر ایسے افسر مامور تھے، جو خود بھی خراب تھے، اور اپنی سلامتی کے لئے لوگوں کو بھی خراب رکھنا چاہتے تھے، اس لئے کنفیوشس نے سوچا کہ اگر ملک میں ایسے قابل اور چند باعمل نوجوان پیدا کر دیئے جائیں، جو نظامِ حکومت میں گھُس کر ملک اور قوم کی بہتری میں لگے رہیں

تو اہل ملک کا بھلا ہو سکتا ہے، اور قوم کی حالت کو سدھارا جا سکتا ہے، اسی خیال کے پیش نظر کالج کی بنیاد ڈالی گئی، اور اس میں سیاسیات کا مضمون لازمی قرار دیا گیا، اور داخلہ کی ایک ضروری شرط یہ قرار دی گئی، کہ طالب علم فارغ التحصیل ہو کر سرکاری ملازمت میں ضرور داخل ہوگا، اس قاعدہ کی پابندی پر کنفیوشس بہت زور دیتے، اور اسے نظر انداز نہ ہونے دیتے تھے، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ ان کے اکثر شاگرد گورنمنٹ چین کے بڑے بڑے عہدوں پر پہونچ گئے، اور انہوں نے نظام حکومت میں دخیل ہو کر ظلم و تعدی اور شرارت کو دُور کیا، اور اس طرح کنفیوشس کا مقصد پورا ہوا،

جب کنفیوشس اپنی عمر کی پچاس منزلیں طے کر چکے، تو حکومت کے ارکان کو بھی محسوس ہوا، کہ ان کی خدمات حاصل کی جائیں، اور خود کنفیوشس نے بھی اس خیال سے اپنے آپ کو شاہی ملازمت کے لئے پیش کر دیا، کہ وہ اہل ملک کے سامنے عموماً اور اپنے شاگردوں کے سامنے خصوصاً اس امر کا عملی نمونہ پیش کر سکیں، کہ سرکاری ملازمت میں رہ کر ایک انسان کس طرح اصلاح و تہذیب کا کام سرانجام دے سکتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ایام ملازمت میں ثابت کر دیا، کہ شاہی نوکری خرابیاں پیدا کرنے اور حکومت کے نشے میں سرشار ہو کر غرور و نخوت دکھانے کے لئے نہیں ہے، بلکہ اس کا کام یہ ہے، کہ راعی اور رعایا کے تعلقات کو بہتر، مضبوط اور پائیدار بنا کر اصلاح خلق کا کام سرانجام دیا جائے۔

سب سے پہلے ان کو ریاست لُو کے شہر چنگ ٹو کا چیف مجسٹریٹ بنایا گیا، جس کے نتیجہ میں تاریخ ہمیں بتاتی ہے، کہ شہر کی کایا پلٹ گئی، اور نیکی کا دَور دورہ ہو گیا، والیٔ شہر رئیس طنگ نے خوش ہو کر انہیں وزیر عدل بنا دیا، اور چھپن برس کی عمر تک نہایت کامیابی سے اس کے فرائض سرانجام دیتے رہے لیکن ؎

حسد متاع کمال ہنر کو کیا کیجے

اس لئے بعض خود غرضوں نے رئیس کے کان بھرنا شروع کر دیئے۔ ہمسایہ ریاست چی کو ریاست لُو کی یہ ترقی ایک آنکھ نہ بھاتی تھی، اور کنفیوشس کی اصلاحات میں اسے اپنی بربادی نظر آتی تھی، اس لئے اس نے بھی کنفیوشس کو بے دخل کرنے کی سرتوڑ کوشش کی، اور اس کے لئے ناجائز سے ناجائز ذرائع کو کام میں لانے سے بھی دریغ نہ کیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ آخر کنفیوشس کو مستعفی ہونا پڑا، اب انہوں نے پھر جگہ بجگہ گھوم کر وعظ و تلقین کا طریق اختیار کر لیا، وہی کنفیوشس تھے، جن کے لیکچروں پر کوئی کان نہ دھرتا تھا، مگر اب یہ جہاں بھی جاتے، ان کے شاگرد ان کے استقبال کے لئے موجود ہوتے تھے، اور ان کی تقریریں سننے کے لئے ملک کے بڑے بڑے آدمی ساکت و صامت بیٹھے رہتے تھے، وعظ و تلقین کے اس طریق پر کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا تھا، کہ اسی رئیس نے انہیں پھر بلوا کر وزارتِ عمال ان کے سپرد کر دی۔

لیکن اس دور میں کنفیوشس نے اپنا وقت زیادہ تر علمی کاموں میں صرف کیا، ان کی اکثر کتابیں اس زمانہ کی لکھی ہوئی ہیں۔ مختلف زمانوں میں ان کتابوں کی مختلف فہرستیں ترتیب دی گئی ہیں لیکن اب عام طور پر ان کی تعداد نو بیان کی جاتی ہے، اور یہ سب کی سب کنفیوشس کی تعلیمات کی حامل ہیں مگر درحقیقت ان میں صرف پانچ ایسی ہیں، جو کنفیوشس نے خود تالیف یا تصنیف کیں، ان کے مجموعہ کو کنگ کہتے ہیں، اور بقیہ چار ان کے انتقال کے بعد ان کے فاضل شاگردوں نے لکھیں، یہ یا کنفیوشس کے ملفوظات ہیں، یا ان کی کتابوں کی شرحیں۔ ان مؤخر الذکر چار کو شُو کہتے ہیں۔ پانچ کنگ یہ ہیں:-

شُو کنگ۔ اس میں ۲۳۵۵ سنہ ق۔م سے لیکر ۶۱۹ سنہ ق۔م تک چین کی تاریخ کے جستہ جستہ حالات درج ہیں۔ لیکن اس میں صرف تاریخ چین ہی بیان نہیں ہوئی، بلکہ قریباً وہ سب چیزیں بیان کی گئی ہیں، جس کی چینیوں کو اُس وقت ضرورت تھی، اس میں ان کی سیاسیات کے اصول، مذہبی رسوم، اصولِ جنگ وغیرہ بہت سے مضامین بیان کئے گئے ہیں۔

شو کنگ دنیا میں غالباً تاریخ کی سب سے قدیم کتاب ہے، کنفیوشس نے یہ کتاب خاندان چو کی شاہی دستاویزوں سے تیار کی تھی، انگریزی میں اس کتاب کے ایک حصہ کا ترجمہ ہو گیا ہے اور انگریزی سے لیکر "صحیفۂ چین" کے عنوان سے ایک حصہ کو اُردو میں بھی منتقل کیا گیا ہے، نمونہ عبارت درج ذیل ہے، جس سے یہ بھی معلوم ہو سکے گا، کہ کنفیوشس کا طرز تحریر کیا تھا، اور واقعات کے بیان میں ان کو کس قدر قوت حاصل تھی۔ ایک جگہ چینی شہنشاہ یاؤ (۲۳۵۵ سنہ ق۔م) کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"وہ خدا کی طرح مہربان اور رحمدل تھا۔ اور دیوتاؤں کی طرح عقلمند اور ہوشیار، دُور سے اس کی چمک ابرِ تاباں سے مشابہ تھی، اور قریب سے خورشید زرفشاں جیسی، وہ امیر تھا مگر مغرور نہیں، وہ شاہی طبیعت رکھتا تھا، لیکن عیاش نہ تھا ...... اس کے چھپر کی اولتیاں ہموار کٹی ہوئی نہیں تھیں، اور نہ کڑیاں چوکور اور چورس تھیں، اس کے گھر کے اندر شہتیروں پر کسی قسم کا نمائشی کام نہ تھا، اس کا روزمرہ کا کھانا ایک قسم کا دلیا ہوتا تھا، جو بغیر کسی خاص اہتمام کے بنایا جاتا تھا، وہ اپنا روز کا دلیا مٹی کے پیالے اور لکڑی کے چمچے سے کھاتا تھا۔ وہ اپنے جسم کی زینت کسی قسم کے جواہرات سے نہ کرتا تھا، اور نہ اس کے کپڑے زرنگار ہوتے تھے۔ بلکہ سادہ اور ہمیشہ ایک سے ...... اس کی دربار کی گاڑی بھی مرصع نہ تھی۔ اور نہ اس کے گھر کی دیواروں پر رنگ و روغن تھا گھر کی دریاں اور چاندنیاں بے جھالر تھیں ...... باوجود ان سب باتوں کے وہ مملکتِ وسطیٰ کے گذشتہ اور آئندہ سارے بادشاہوں سے زیادہ متموّل، زیادہ عقلمند اور زیادہ عمر والا بادشاہ تھا۔" (صحیفۂ چین)

شی کنگ یعنی صحیفۂ منظوم۔ یہ ان قصیدوں، نظموں اور قطعوں کا مجموعہ ہے، جو رئیسوں کے شاعر مقررہ مواقع پر شہنشاہ کے حضور نذر گزرانتے تھے۔ ان کی کل تعداد ۳۱۱ ہے۔

یی کنگ یعنی صحیفۂ تغیّرات۔ یہ کتاب پہلے ۱۱۵۰ سنہ ق۔م میں وُو وانگ نے قید کی حالت

میں لکھی تھی، کنفیوشس نے اس کی مفصل شرح لکھکرا سے دوبارہ شائع کیا۔

لی کنگ۔ یعنی صحیفۂ آداب و رسوم۔ اسے انسان کامل کا مکمل نصاب کہنا چاہیئے، اس میں چینیوں کی تمام اہم رسوم کو مفصل طور پر بیان کیا گیا ہے، اور وہ آداب سکھائے گئے ہیں، جن کی پیروی سے انسان درجہ بدرجہ ترقی کر کے ظل اللہ بن سکتا ہے

چن شی یعنی صحیفۂ بہار و خزاں۔ پہلی چار کتابیں کنفیوشس کی تصنیفیں نہیں، بلکہ انہیں تالیفیں کہنا زیادہ درست ہے، لیکن یہ کتاب باقاعدہ طور پر کنفیوشس کی اپنی تصنیف ہے۔ اس میں ریاست لُو کی اڑھائی صد سالہ تاریخ بیان کی گئی ہے۔ مَن سی اس لکھتا ہے

"دُنیا میں ابتری پھیلی ہوئی تھی، سچائی اور حقیقت کی کوئی توقیر نہ رہی تھی، کنفیوشس ڈرا، اور اس نے یہ کتاب لکھدی تاکہ دنیا کی ہدایت کا موجب ہو"

چار شُو حسب ذیل ہیں:۔

لُن یُو یعنی کنفیوشس کے ملفوظات۔ اس میں کنفیوشس کے وہ اقوال اور خطبات درج ہیں، جو ان کے شاگردوں نے وقتاً فوقتاً سُنے اور جمع کر لئے۔

طائی ہیاں۔ یعنی کتاب علم اعظم۔ اس میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے، کہ انسان کیونکر ارتقائی منازل طے کر سکتا ہے۔ یہ کنفیوشس کی اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہے۔

چنگ ینگ۔ یعنی کتاب اصولِ اوسط۔ اسے کنفیوشس کے پوتے کُنگ کی نے تالیف کیا تھا، جو اپنے دادا کی تعلیمات کے ماہر سمجھے جاتے تھے۔

من سی اس۔ یہ کنفیوشس کے مشہور مرید اور خلیفہ من سی اس کے اقوال کا مجموعہ ہے، جس میں کنفیوشس کی تعلیمات کی تشریح کی گئی ہے۔

چین میں سرکاری ملازمت کی ایک شرط یہ تھی، کہ ان نو کتابوں کے امتحان میں کامیابی حاصل کی

جائے۔ داخلہ کا یہ طریق خاندان سُنگ (۹۶۰ء سے ۱۲۷۶ء) کے مشہور بادشاہ ہنگ وُو کے زمانہ سے جاری کیا گیا تھا، اور برابر بیسویں صدی تک قائم رہا۔ آخر آج سے چونتیس برس قبل یعنی ۱۹۰۵ء میں اسے موقوف کر دیا گیا۔ یہ امتحان ہر تیسرے سال ہوتا تھا، کنفیوشس ازم (جسے چین میں Ju-Chiao یعنی مکتب دانشمند کہتے ہیں) کے ابتدائی اور بنیادی لٹریچر کا ذخیرہ جو کچھ ہے، بس یہی کتابیں ہیں، اور چینیوں کے نزدیک الہامی نوشتوں کا درجہ رکھتی ہیں۔ کنفیوشس کی وفات کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے، کہ ایک صبح کنفیوشس اٹھے، تو ان کی زبان پر یہ الفاظ جاری تھے:۔

"یقیناً ایک عظیم الشان پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیگا۔ ایک مضبوط شہتیر ضرور ٹوٹ جائے گا، اور ایک عقلمند انسان ایک پودے کی طرح مرجھا جائیگا"

ان کے مرید سی کُنگ نے جب یہ سُنا، تو بھاگا ہوا آیا، اور پوچھا، کہ کیا بات ہے۔ اس پر کنفیوشس نے اپنی رؤیا سُنائی، اور بتایا کہ یہ میری وفات کی خبر ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کنفیوشس اسی روز صاحب فراش ہو گئے، ان کی بیماری کی حالت میں ان کے بہت سے شاگرد ان کے پاس تھے، اور بڑی تندہی سے علاج میں مصروف رہے، لیکن موت کا کیا علاج ہو سکتا تھا، آخر ساتویں دن کنفیوشس کی روح جسدِ خاکی سے پرواز کر گئی۔ اور اس طرح یہ حکیم، دانا، سیاستدان، فلسفی، مؤرخ، ہزاروں کا مشفق استاد اور ملک و قوم کا پیشوا اس دُنیا سے چل بسا، رُبع مسکون کی ایک تہائی آبادی جس کی مدح گستر ہے۔ آپ کی وفات ۴۷۹ء ق۔م میں تہتر سال کی عمر میں ہوئی، آپ نے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا چھوڑا۔ آپ کی نسل اب تک چین میں نہایت معزز سمجھی جاتی ہے۔

کنفیوشس کے متبعین نے بڑے اہتمام کے ساتھ کوہ فوہنگ کے مقام پر انہیں سپرد خاک کیا، اور قبر کے گرد جھونپڑیاں ڈال لیں اور برابر تین سال تک ماتم کناں رہے، ایک عظیم الشان دروازہ سے داخل ہونے کے بعد ایک خوبصورت راستہ ہے، جس کے دونوں پہلوؤں میں سرو کے خوشنما درختوں

کی خوبصورت قطاریں ہیں، یہ راستہ کنفیوشس کے مقبرہ کی طرف لے جاتا ہے، جس کی عمارت کے سامنے ایک مرمریں مجسمہ نصب ہے، جس پر یہ عبارت کندہ ہے:۔

"سب سے زیادہ دانشمند اور قدیم استاد

ہر جہت سے مکمل اور باخبر بادشاہ۔"

آج تک کنفیوشس کی قبر مرجع خلائق ہے۔

"فداکاری، مشفقانہ اقتدار، اور اس کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا، تواضع، میانہ روی، عفت اور جبر و استبداد سے تنفر و اجتناب، اور ہر چہ بر خود پسندی بر دیگراں مپسند کا زریں معاشرتی قانون کنفیوشس کی تعلیمات کے بنیادی اصول ہیں۔"[1]

کنفیوشس کی اخلاقی تعلیمات کو ہم دو حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں، اوّل فلسفۂ تعلیماتِ خمسہ اور دوم فلسفۂ انسانِ کامل۔ فلسفۂ تعلیماتِ خمسہ "لی" یعنی چند آداب پر قائم اور انسانی فطرت کے سمجھنے پر مبنی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے، کہ انسانی فطرتِ صحیحہ اجتماعی ہے، اس لئے رفتارِ زندگی میں دو طرفہ اتحادِ عمل ہونا چاہیئے، بادشاہ اور رعایا، خاوند اور بیوی، باپ اور بیٹا، بڑے اور چھوٹے بھائی، اور دوست اور دوست کے تعلقاتِ خمسہ ہی کی درستی میں کنفیوشس وہ الہٰی طاقت دیکھتے ہیں، جو نیکی پیدا کرنے اور نیکی کو عام کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے،

نظریہ انسانِ کامل میں کنفیوشس کا تخیل بہت بلند اور پاکیزہ ہو جاتا ہے، منافع کا حصول، خواہ اس دُنیا میں کامیابی کی شکل میں ہو، یا دوسری دُنیا میں کیف و نجات کی صورت میں ان کے نزدیک ناقابلِ تقلید چیز ہے، ان کے نقطۂ نظر سے اگر نیکی کسی اور مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے کی جائے، یا برائی سے دفعِ مضرت کے خیال سے بچا جائے، تو وہ نیکی نہیں، غالب

---

[1] One Hundred Great Lives

نے اسی نظریہ کو اپنے شوخ انداز میں یوں بیان کیا ہے:-

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ

دوزخ میں ڈال دے کوئی لیکر بہشت کو

معاشیات کے متعلق کنفیوشس کی تعلیم یہ ہے، کہ جو لوگ مالیہ کی پیدائش کا باعث ہیں ان کی تعداد کثیر ہونی چاہیئے، اور ضروری ہے، کہ ان کے لئے ہر طرح کی سہولتیں پیدا کی جائیں، اور مالیہ کے خرچ کرنے والوں کو اقتصاد اور کفایت مدنظر رکھنی چاہیئے۔

سیاسیات کے متعلق کنفیوشس ہمیں بتاتے ہیں، کہ بادشاہِ وقت کی اطاعت فرض ہے اور اس کے احکام سے سرتابی جائز نہیں، لیکن بادشاہ بھی عزت اور اطاعت کا حقیقی حقدار اسی وقت ہوتا ہے، جبکہ وہ رعایا کی بہتری اور بہبودی اپنا فرض سمجھے، لیکن اگر وہ ان فرائض سے تساہل برتے، تو اُسے یہ بلند منصب چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے، پھر وہ بتاتے ہیں، کہ سختی، ظلم اور سزا کے دباؤ سے جن لوگوں پر حکومت کی جاتی ہے، وہ گو قانونی طور پر جرائم سے باز آجائیں لیکن ان کے اخلاق بالکل برباد ہو جاتے ہیں، اور نیک حکومت کی ماتحتی میں رعایا نہ صرف جرائم سے بچی رہتی ہے، بلکہ جرائم کے تصورات سے بھی پاک ہو جاتی ہے،

کنفیوشس کے مذہبی معتقدات کے متعلق سخت غلط فہمی پائی جاتی ہے، انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس کا مضمون نگار لکھتا ہے، کہ کنفیوشس کوئی مذہبی معلم نہ تھے، ایک اور مصنف کا قول ہے، کہ کنفیوشس میں مذہبی جذبات اور احساسات کا کوئی نشان نہیں ملتا[1]

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا کا مضمون نگار لکھتا ہے:-

"ہر چند کہ کنفیوشس ازم کو عام طور پر ایک مذہب قرار دیا جاتا ہے، لیکن یہ ایک اخلاقی

---

[1] یونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ زیر عنوان چین۔

لائحۂ عمل ہے۔" غرض کنفیوشس پر لکھنے والے قریبًا تمام مستشرقین اور ان کے خوشہ چینوں نے اسی نظریہ کو اختیار کیا ہے، کہ کنفیوشس کوئی مذہبی ہادی و رہنما نہ تھے، لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے، ان کی کتاب شوکنگ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے، کہ کس طرح وہ واقعات کی توجیہہ اور علل و اسباب کی تعیین خالص مذہبی نقطۂ نگاہ سے کرتے تھے؛ کیونکہ حکومتوں کے ابھرنے اور مٹنے میں انہیں خدا کا ہاتھ نظر آتا تھا، اور کیسے برائیوں اور فسق و فجور کو ملکی بدحالیوں کے پس منظر میں دیکھتے تھے، وہ اکثر اپنی کتاب میں ایسے خطبات نقل کرتے ہیں، جو صرف ایک مذہبی آدمی ہی کا کارنامہ ہو سکتا ہے، مثلاً ایک جگہ وہ شہنشاہ طانگ (۱۷۶۶ ق م) کے وزیر آئی چنگ کا خطبہ نقل کرتے ہیں :-

"اس میں ذرہ برابر بھی شک نہیں، کہ اگلے وقتوں میں "ہی آ" کے حکمران نیکیوں کے پتلے ہوتے تھے، اور اسی لئے مخلوق غضب الٰہی سے نجات میں تھی، لیکن ان کے ورثاء اور ناخلف جانشینوں نے اپنے آباؤ اجداد کی نیک مثال کی پیروی نہ کی، تو خدائے واحد و بزرگ نے بڑی سخت مصیبتیں نازل فرمائیں، اور بالآخر اس نے ہمارے بادشاہ طانگ کو توفیق دے کر آخری فیصلہ کے لئے منتخب کیا۔" (صحیفۂ چین ص۲۲)

ایک دوسری جگہ اسی وزیر کا قول لکھا ہے، جس میں لَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ؏ کا مضمون بیان کرتے ہوئے وزیر کہتا ہے :-

"حاکم حقیقی کے ہاں تغیر و تبدل نہیں، نیکی و بھلائی کرنے والوں پر اس کی ان گنت رحمتیں نازل ہوتی ہیں، اور بداعمالوں پر وہ مصیبتیں اور تکالیف بھیجتا ہے۔"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

"جب مسلسل سات سال تک خشک سالی نے ملک کو نہ چھوڑا، تو خود شہنشاہ (طانگ) نے اپنا جائزہ لیا، "تا معلوم کرے کہ کون کونسی بات اس نے خوشنودیٔ الٰہی کے خلاف کی تھی، جس کی

پاداش میں یہ مصیبت نازل ہو رہی تھی، چنانچہ وہ شہنشوت کے جنگل میں چلا گیا، اور وہاں چھ ایسی باتوں کا دل میں اقرار کیا، جو قابلِ الزام تھیں، اور خدا سے بخشوع وخضوع توبہ کی، اور رحم ومعافی کا خواستگار ہوا، ابھی اس کی توبہ اور دعا ختم بھی نہ ہوئی تھی، کہ رحمت خداوندی جوش میں آئی، اور بارانِ رحمت نازل ہونی شروع ہوگئی۔" (صحیفۂ چین ص۱۴۸)

پھر آگے چل کر کنفیوشس طائی کیا کی توبہ کا ذکر کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں، کہ کس طرح اس بادشاہ نے اپنے گناہوں کا اعتراف کیا، اور کہا۔

"اب میں آخرت حاصل کرنے کی کوشش کرونگا،" پھر کنفیوشس آئی ین کی زبان سے اس طرح کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ کا درس دیتے ہیں:۔

"بلاشبہ خدا کسی کی ناجائز طرفداری نہیں کرتا، لیکن جو اس کی عبادت اور عشق کے اہل ہوتے ہیں، ان پر وہ رحمت کی نظر رکھتا ہے، . . . . عوام مسلسل اور دوامی عبادت کے اہل نہیں ہوتے، لیکن وہ اہلِ دل عارفوں سے وسیلہ رکھتے ہیں۔ . . . . . یہ خیال ہرگز نہ کرنا چاہیئے، کہ مخلوق کی کامیابی یا ناکامی بے سوچے سمجھے مقدر کردی گئی ہے، بلکہ خدائی فیصلہ حق بحق دار رسید کے مطابق ہوتا ہے۔" (صحیفۂ چین ص۱۴۹)

پھر الہام کا مضمون اس طرح بیان کیا ہے:۔

"شاہانِ سلف جن سے بڑے بڑے کارنامے ظہور میں آئے، بہمہ عقل و دانش فرمانِ الٰہی کی پیروی کرتے رہے، اگر ہم نے اسلاف کے طریق پر عمل نہ کیا، تو ہمارے پاس اس کی کیا ضمانت ہے، کہ خدائی الہامات ہمارے لئے آتے ہی رہیں۔" (صحیفۂ چین ص۵۳)

اور ایک جگہ شہنشاہ یاؤ کے ساتھ خانقاہِ ہوا کے ایک پجاری کی گفتگو نقل کر کے آخرت کا ذکر یوں کیا ہے:۔

"اگر ملک کو عروج کے بدلے ضلالت وگمراہی سے واسطہ پڑا، تو پھر تمہیں چاہیئے، کہ راج چھوڑ کر گمنامی میں زندگی بسر کرو، اور اپنی ذات میں نیکیاں اور بھلائیاں پیدا کرو، تاجب دنیاوی زندگی ختم ہو، اور انسانی تعلقات منقطع، تو تم دیوتاؤں سے جاملو، اور اس طرح بادلوں کو عبور کر کے رفعتِ اعلیٰ پر جا پہونچو، پھر بھلا گھٹاؤ اور تنزل کا کیا موقعہ ہے۔"

اگر کنفیوشس ایک روحانی اور مذہبی رہبر نہ ہوتے، تو شوکنگ جس کے حوالجات اوپر درج ہوئے ہیں، اور جسے کنفیوشس نے تاریخ کے پرانے واقعات کو محفوظ کرنے سے زیادہ آنے والوں کی عبرت نصیحت اور رہبری کے لئے لکھا تھا، اور جس کی یہ غرض تھی، کہ وہ لوگ جن کا ازلی و ابدی اور اٹل قانون یہ تھا، کہ آباؤ اجداد کی پیروی کی جائے، اپنے لئے صحیح راستہ متعین کر سکیں، اس میں ہرگز واقعات کی تعبیریں مذہبی اور روحانی نقطۂ نگاہ سے نہ کرتے، اور خدا، قضاء قدر، توبہ و استغفار، الہام اور بعث بعد الموت کے مضامین کو اس انداز میں بیان نہ فرماتے۔

اس میں کوئی شک نہیں، کہ اس قسم کے مضامین پر کنفیوشس کی تعلیمات میں زیادہ زور نہیں دیا گیا، اور اصل نقطۂ نگاہ کو بیان کرنے کے بعد اسے چھوڑ دیا گیا، اور زیادہ زور اخلاقی تمدنی اور معاشرتی حالت کی درستی پر دیا گیا ہے، اور اعتقادی اصلاح سے زیادہ عملی اصلاح کو مقدم رکھا گیا ہے، لیکن اس کی وجہ یہ نہ تھی، کہ وہ مذہبی یا روحانی آدمی نہ تھے، بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ تھی، کہ ضرورت زمانہ کا اقتضاء ہی یہ تھا، کہ خالص مذہبی اعتقادات کے بجائے عملی اصلاح پر زیادہ توجہ کی جاتی، کیونکہ اس وقت کے چینی لوگ بداعتقادیوں سے زیادہ بداعمالیوں میں مبتلا تھے، علاوہ ازیں ایک اور وجہ یہ بھی تھی، کہ کنفیوشس اپنی قوم کو مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کے اصول کے ماتحت چلانا چاہتے تھے، چنانچہ کنفیوشس فرماتے ہیں:۔

"کوئی شخص الٰہیات کے مسائل کو کیونکر سمجھ سکتا ہے، جبکہ اسکے لئے اپنے گردوپیش کے زمینی حالات کو سمجھنا ہی[*]

[*] مشکل ہو۔" پس کنفیوشس نے اسی لئے اپنی قوم کی تمدنی اور معاشرتی اصلاح پر زیادہ زور دیا، گو جیسا کہ شوکنگ کے مذکورہ اقوال و حوالجات سے ظاہر ہے، مذہبی اعتقادات کی اصلاح پر بھی کافی زور دیا گیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام

(از پروفیسر محمد اسلم صاحب ایم۔اے گورنمنٹ کالج لاہور)

(۱)

اسلامی تعلیم کی مثال اس قصر کی ہے جس کی تعمیر بنی نوع انسان کے معرض وجود میں آنے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی، اور جو کئی مرحلوں کو طے کرتی ہوئی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود اور آپ کی لائی ہوئی کتاب قرآن شریف کی صورت میں اپنی تکمیل کو پہونچی، اس قصر کی تعمیر کی تاریخ روح انسانی کی ترقی کی تاریخ ہے جب سے اللہ تعالےٰ نے انسان کو پیدا کیا، اور اس کے لئے ہدایت کا انتظام شروع کیا، اس وقت سے اسلام دنیا میں موجود ہے، ہر نبی نے آکر کوئی خاص شکل اس کو دیدی، اور زمانہ کے تقاضے کے ماتحت وہی شکل اس کی موزون شکل تھی، لیکن جونہی کہ وہ زمانہ بدلا، خدا تعالےٰ نے وہ تعلیم بھی بدل دی، اس کا جو حصہ رکھنے کے قابل تھا، اسے رکھ لیا، اور جو رکھنے کے قابل نہ تھا، اُسے مٹا دیا، اور اس کی جگہ کوئی اور تعلیم اس جیسی یا اس سے بہتر دیدی۔ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا زمانہ آیا، اور بنی نوع انسان اپنی مجموعی حیثیت میں ایک کامل تعلیم حاصل کرنے کے قابل ہو گئے، تب خدا تعالےٰ نے ایک کامل تعلیم قرآن شریف کے ذریعہ انسان کو دی، اور ایک کامل نمونہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک وجود میں انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں شعل راہ بننے کے لئے بخشا، اب اس کامل تعلیم اور کامل نمونہ کے ہوتے ہوئے انسان کو کسی اور تعلیم اور نمونہ کی ضرورت نہ رہی، لوگوں کی یاد کو تازہ رکھنے کے لئے روحانی مصلحین کا سلسلہ جاری کیا گیا، جو ایک طرف فہم قرآن شریف کو زندہ رکھتے رہے، اور دوسری طرف اپنی اخلاقی اور روحانی تاثیر سے اخلاقِ محمدی کا نمونہ زندہ رکھتے رہے، اور نہ صرف بعض

غلطیوں کی اصلاح کرتے رہے، بلکہ خدا تعالے اور دیگر روحانی امور پر لوگوں کے ایمانوں میں تازگی پیدا کرتے رہے،

ہمارے زمانہ کے مہیب خطرہ کے پیش نظر خدا تعالے نے ایک عظیم الشان روحانی مصلح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وجود میں بھیجا، اور بنی نوع انسان کے دلوں میں خدا تعالے اور اس کی صفات کے متعلق جو عدم علم اور عدم یقین پیدا ہوچکا تھا، اس کو دور کرنے کا عالی مرتبہ کام آپ کے سپرد کیا گیا، اور اس کام کے مرتبہ کے مطابق آپ کو نشان اور علوم بھی دیئے گئے، اور آپ نے پھر خدا تعالیٰ کی اسی کامل کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے کامل نمونہ کی اصلی شان اپنے خداداد علوم، نشانوں اور اخلاقی و روحانی نمونہ سے دوبارہ قائم کر دی، گویا اسلام یعنے خدا تعالے کی تعلیم جو آہستہ آہستہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت میں آپ کے نمونہ اور آپ کی وحی میں مکمل ہوئی، دُنیا میں ایک نئے دور اشاعت کے لئے تیار ہوگئی،

مَیں نے کہا تھا، کہ اسلام کی مثال ایک قصر کی ہے، جو انسان کی رُوحانی تاریخ کا ماحصل ہے، اس مثال سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے آنیوالے نبیوں اور روحانی پیشواؤں کا مقام اور منصب بھی معلوم ہوجاتا ہے، اور بعد میں آنیوالوں کا بھی۔ پہلے ان بنیادوں، دیواروں، کمروں، یا قصر کے مختلف حصوں کی طرح ہیں، جو خدا تعالے کے نقشہ کے مطابق اپنے اپنے وقت پر طیار ہوتے رہے، اور بعد میں یا تو قصر کا مستقل حصہ بن گئے، اور یا وہ اپنی ضرورت پوری کر چکنے کے بعد (جیسا کہ بڑی بڑی عمارتوں میں کئی چناٹیاں ایسی ہوتی ہیں، جن کو بنا کر اور جو کام ان سے لینا ہوتا ہے، لیکر گرا دیا جاتا ہے) مٹ گئے، اور بعد میں آنیوالوں کی مثال ان کی ہے، جو گرد و غبار سے آلودہ قصر کی صفائی پر مقرر کئے جاتے ہیں، اور اپنی محنت سے اس قصر کو پھر قابلِ رہائش بناتے ہیں، اور اپنے پاک مذاق سے لوگوں کو دوبارہ سکھاتے ہیں، کہ اس قصر میں رہائش کے صحیح آداب کیا ہیں!

کسی اور مذہب میں دنیا کے رُوحانی پیشواؤں کے مقام کو اس طرح بیان نہیں کیا گیا، جس طرح قرآن شریف میں بیان کیا گیا ہے، اور مذاہب میں کسی ایک پیشوا کو مرکزی حیثیت دیدی جاتی ہے، اور باقیوں کا ذکر اوّل تو ہوتا ہی نہیں، اور اگر ہوتا ہے، تو یہ نہیں بتایا جاتا، کہ وہ دنیا میں کیوں آئے، اور کس مقام اور منصب کے بزرگ تھے، اور بنی نوع انسان کی روحانی تاریخ اور دنیا کے روحانی نظام میں ان کو کیا مرتبہ حاصل تھا، لیکن اسلام کی کتاب قرآن شریف تمام رُوحانی پیشواؤں کو ایک لڑی کی طرح پیش کرتی ہے، اس میں ہر ایک کا مقام بتایا گیا ہے، اور پھر تمام کو جمع کر کے ایک روحانی تصویر پیش کی گئی ہے، جس کے رنگ ایک ایک کر کے دنیا کے مختلف روحانی دوروں میں بھرے گئے، اور جس کی خوبصورتی کی تکمیل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوئی، اور جس کی چمک دمک کا سامان حضرات مجددین رحمۃ اللہ علیہم اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے ذریعہ کیا گیا۔

اسی واسطے تو قرآن شریف میں پہلے انبیاء کا ذکر آتا ہے، اور یہی وجہ ہے، کہ جہاں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے، وہاں یہ بھی بتایا جاتا ہے، کہ آپ میں تمام پہلے نبیوں کی صفات پائی جاتی ہیں، ہاں کسی سے آپ کی مشابہت بہت زیادہ ہے، اور کسی سے کم، اور یہ فرق اس کامل نمونہ کی جزئیات کے تناسب اور توازن کے لئے ضروری تھا، جو آپ کے ذریعہ دنیا میں پیش ہونا تھا، اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ۔الآیۃ۔

(۲)

اس لحاظ سے جب ہم قرآن شریف کو پڑھتے ہیں، تو ہمیں معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت موسےٰ علیہ السلام اور باقی انبیاء علیہم السلام میں ایک امتیاز پایا جاتا ہے، اور وہ یہ کہ جہاں اور انبیاء کا ذکر قرآن شریف میں تھوڑی مرتبہ یا زیادہ مرتبہ آتا ہے، وہاں حضرت مُوسےٰ علیہ السّلام کا ذکر قریبًا پچاس دفعہ آتا ہے، اس سے زیادہ مرتبہ کسی اور نبی کا ذکر قرآن شریف میں نہیں آتا۔ حضرت مُوسےٰ علیہ السلام کا

ذکر کوئی چالیس دفعہ آتا ہے۔ اور باقی انبیاء کا اس سے کم۔ گویا یہ سمجھنا چاہیئے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ مشابہت حضرت موسےٰ علیہ السلام سے ہے۔ اور پھر ان کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جیسی تو حضرت موسےٰ علیہ السلام کے تفصیلی حالات قرآن شریف میں بیان کئے گئے، بلکہ صاف طور پر حضرت موسےٰ علیہ السلام سے آپ کی شدید مماثلت پیش کی گئی ہے۔ چنانچہ فرمایا:-

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا

یہ وحی آپ کی بالکل ابتدائی وحیوں میں سے ہے، اور لطف کی بات یہ ہے، کہ کوئی دو ہزار سال پہلے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی کتاب میں انہی الفاظ میں آپ کی بعثت کی پیشگوئی کی گئی تھی، یہ مشہور پیشگوئی کتاب استثنا باب ۱۸ آیت ۱۸ میں موجود ہے، اور اس میں آپ کو بنو اسمٰعیل میں سے پیدا ہونے والا "تیرے جیسا نبی" بتایا گیا ہے، یہ بھی بتایا گیا ہے، کہ آپ کی وحی کا ہر حصہ بسم اللہ سے شروع ہوگا، اور یہ بھی بتایا گیا ہے، کہ آپ خدا کے فضل سے اپنے کام اور اپنے مشن میں بہت ہی کامیاب ہونگے، اور آپ کے دشمن بری طرح ہلاک ہونگے، چنانچہ تاریخ کا فیصلہ موجود ہے، کہ ایسا ہی ہوا، اس فیصلہ کی رو سے پیشگوئی کی سچائی آپ کی اپنی اور حضرت موسےٰ علیہ السلام کی سچائی کا پتہ دیتی ہے، اور خدا تعالےٰ کی ہستی اور اس کے اس زبردست روحانی نظام کا ثبوت ملتا ہے، جو زمانے کے گذرنے کے ساتھ ساتھ عین اپنے ٹائم ٹیبل کے مطابق روحانی دنیا میں تعمیر ہوتا چلا گیا۔

مختصر یہ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو حضرت موسےٰ علیہ السلام سے ایک خاص مماثلت اور مشابہت ہے، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغام اور آپ کی تعلیم کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے، کہ ہم حضرت موسےٰ علیہ السلام کے حالات کو اپنے سامنے رکھیں۔ حضرت موسیٰ بھی ایک

شارع نبی تھے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی شارع نبی تھے۔ حضرت موسےٰؑ کو بھی حکومت وقت سے مقابلہ کرنا پڑا، اس سے ہجرت اختیار کرنی پڑی، اور ہجرت کے بعد آپ کو کامیابی ملی، اور کامیابی کے بعد آپ نے عملاً اپنی تعلیم اور اپنا تمدّن اپنی قوم میں جاری کر دیا، آنحضرت صلعم کو بھی اپنے وقت کے سرداروں سے مقابلہ کرنا پڑا، ان سے ہجرت اختیار کرنی پڑی اور ہجرت کے بعد آپ کو کامیابی ملی، اور کامیابی کے بعد آپ نے اپنی تعلیم اور اپنا تمدّن جاری کر دیا۔ حضرت موسےٰؑ نے بھی تفصیلی احکام بیان کئے، اور عقائد معاشرت ہر دو معاملات میں رہنمائی کی، آنحضرت صلے اللہ علیہ نے بھی تفصیلی احکام بیان فرمائے، جو نہ صرف عقائد پر مشتمل ہیں بلکہ اصول معاشرت وتمدن پر بھی حاوی ہیں۔ ہاں آنحضرت صلعم کو حضرت موسےٰؑ پر ہر لحاظ سے فوقیت حاصل تھی، اور وہ آپ کی کامل اور کبھی نہ مٹنے والی تعلیم کی رُو سے تھا، نیز آپ کے کامل نمونہ کی وجہ سے اور اس وجہ سے تھا، کہ آپ نے حضرت موسےٰ علیہ السلام کی طرح صرف بنی اسرائیل کو مخاطب نہ کیا تھا بلکہ تمام بنی نوع انسان کو مخاطب کیا تھا، اور ہمیشہ جاری وساری رہنے والا پیغام انسان کو دیا تھا۔

(۳)

حضرت موسےٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات بائبل اور قرآن شریف میں مذکور ہیں۔ بائبل میں تفصیل زیادہ ہے، قرآن شریف میں مجمل حالات بیان کئے گئے ہیں، ان میں اختلافات بھی ہیں، اور بعض اختلاف اہم بھی ہیں، لیکن مجموعی طور پر قرآن شریف نے بائبل کے بیان کی تائید کی ہے، احادیث میں بھی حضرت موسےٰ علیہ السلام کی زندگی کے حالات کے متعلق بعض روایات پائی جاتی ہیں، لیکن ان روایات کا صحیح مفہوم معلوم کرنا بغیر لمبی تحقیق کے ممکن نہیں، بائبل اور قرآن شریف میں جو کچھ حضرت موسےٰ علیہ السّلام کے متعلق آتا ہے، ان دونوں میں سے

قرآن شریف کا بیان ہی اس قابل ہے، کہ اُسے حضرت موسٰے علیہ السّلام کی سوانح حیات کے لئے بنیاد بنایا جائے۔ اور یہ مَیں اس لئے نہیں کہتا، کہ مَیں مسلمان ہُوں، بلکہ اس لئے کہتا ہُوں، کہ تاریخی لحاظ سے بائیبل کا وہ پایہ نہیں، جو قرآن شریف کا ہے، اوّل تو بائیبل ترجمہ در ترجمہ ہو کر اپنی اصلیت کو بہت کچھ کھو چکی ہے، دوسرے اس میں دانستہ تحریف کا بھی قطعی ثبوت پایا جاتا ہے، ہاں جو تفاصیل قرآن شریف کے کسی بیان کے خلاف نہیں، وہ ہم بائیبل سے لے سکتے ہیں۔

حضرت موسٰے علیہ السلام کی ایک خصُوصیت یہ ہے، کہ آپ کی ذات کو سراسر افسانہ کسی نے نہیں کہا، آپ کو تاریخی مقام حاصل ہے، اور اس سے کسی نے انکار نہیں کیا کہ آپ واقعی بنی اسرائیل کے سب سے بڑے لیڈر تھے۔ یہ کہنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی ہے، کہ آپ کے بعد آنیوالے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تاریخی حیثیت سے انکار ہُوا ہے، اور حضرت عیسٰےؑ کی شخصیت کو سراسر افسانہ ماننے والے موجود ہیں۔ حال میں مشہور ماہر نفسیات فرائیڈ نے بھی اپنی زندگی کی آخری تصنیف "موسٰے اور توحید" میں اس بات سے انکار نہیں کیا، کہ حضرت موسٰےؑ واقعی ایک زبردست مذہبی پیشوا تھے، اور یہ کہ تورات میں جو تعلیم مذکور ہے، وہ واقعی آپ کی تعلیم ہے، بلکہ صرف اس بات سے انکار کیا ہے، کہ آپ اسرائیلی تھے، فرائیڈ نے اس کتاب میں قیاس آرائی سے بہت کام لیا ہے، اور ان تمام روایتوں کا جو تواتر سے بائیبل اور پھر قرآن شریف کے ذریعہ سے (اور یہی حضرت موسٰے اور تاریخ بنی اسرائیل کے دو بڑے ماخذ ہیں) ہم تک پہونچی ہیں، بعض نہایت کمزور امکانات کو سامنے رکھکر انکار کر دیا ہے، فرائیڈ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حضرت موسٰےؑ کا نام عبرانی نہیں ہے، بلکہ مصری ہے، مَیں اس علمی بحث پر کچھ کہنے کے قابل اپنے آپ کو نہیں پاتا۔ لیکن بہرحال جب یہ تسلیم کیا جاتا ہے، کہ آپ نے پرورش مصر کے شاہی خاندان میں پائی۔ تو باوجود اسرائیلی ہونے کے آپ کا نام اگر مصری رکھا گیا ہو، یا بن گیا ہو، تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ یہ بھی ہوسکتا ہے، کہ اتنا عرصہ مصر میں بود و باش رکھنے کے بعد اس مصری نام میں بھی کوئی خاص قابل اعتراض

بات آپ کو، آپ کے والدین کو یا آپ کی قوم کو نظر نہ آئی ہو، یہ عجیب بات ہے، کہ فرائیڈ خود تسلیم کرتا ہے، کہ اور مؤرخین بھی جنھوں نے موسٰے نام کو مصری قرار دیا ہے، اس بات سے انکار نہیں کرتے، کہ آپ اسرائیلی تھے:

فرائیڈ نے اس بات کو افسانہ قرار دیا ہے، کہ آپ کو پولیس کے خوف کے مارے آپ کے والدین نے ایک بکس میں ڈال کر دریا میں بہا دیا تھا، اور پھر جب بکس ذرا آگے نکل گیا، تو اتفاق سے شاہ مصر کی ایک لڑکی نے، جو نہانے کے لئے دریا کے کنارے پر آئی ہوئی تھی، اس بکس کو اٹھوا لیا۔ فرائیڈ نے اس کے افسانہ ہونے کا ثبوت یہ دیا ہے، کہ مصری تاریخ میں اور بھی اس قسم کے افسانے ملتے ہیں، اور یہ بات اغلب ہے، کہ اسرائیلیوں نے بعد میں کسی قدر اختلاف سے یہ افسانہ اپنے لیڈر کے متعلق دلچسپی پیدا کرنے کے لئے موسٰے کی سوانح حیات میں داخل کر دیا ہو، حالانکہ یہ زیادہ اغلب ہے، کہ دوسری کہانیاں جو حضرت موسٰیؑ کے دریا میں پھینکے جانے اور پھر اٹھائے جانے کے مشابہ ہیں، حضرت موسٰیؑ کے واقعہ سے بنا لی گئی ہوں، غرضیکہ بائبل اور قرآن شریف میں جو حالات حضرت موسٰے علیہ السلام کے بیان ہوئے ہیں، اور جو کچھ بھی اس بیان سے مرتب ہو سکتا ہے، اس سے اختلاف کر کے محض قیاس آرائی پر کسی اور بیان کی بنیاد رکھنا تاریخی لحاظ سے سخت غلطی ہے۔

قرآن شریف اور بائبل میں جو حالات حضرت موسٰے علیہ السلام کی سوانح حیات کے متعلق بیان ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ آج سے قریباً ساڑھے تین ہزار سال پہلے مصر میں اس زمانہ میں جبکہ شاہ مصر نے مصریوں کی ایجی ٹیشن سے متاثر ہو کر یہ حکم دے رکھا تھا، کہ اسرائیلی قوم کی لڑکیوں کو چھوڑ دیا جائے، اور لڑکوں کو مار دیا جائے، ایک اسرائیلی گھرانے میں پیدا ہوئے تھے، کچھ دیر تو والدین نے اس بچہ کو چھپائے رکھا، آخر حکومت کے افسروں کے ڈر سے کہ مبادا پکڑے نہ جائیں، انہوں نے ایک بکس تیار کیا، اور اس میں بچہ کو ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا۔ قرآن شریف میں آتا ہے

کہ خدا نے موسیٰؑ کی ماں کو وحی کی کہ تو یوں کر۔ بچہ بہتا بہتا دریا کے کنارے پر اُگے ہوئے گھاس پھوس میں ایک جگہ جا کر اٹک گیا۔ وہیں اتفاق سے شاہی خاندان کی ایک لڑکی نہانے کے لئے آئی تھی، وہ عورت تھی، اپنی فطرت سے مجبور ہو کر اور باوجود یہ جاننے کے کہ یہ کوئی اسرائیلی بچہ ہی ہوگا، اسے اُٹھوا لیا، بچہ کے والدین نے اس کی بڑی بہن کو پیچھے پیچھے لگا رکھا تھا، کہ دیکھے بچہ کہاں جاتا ہے، اور اس کا کیا حشر ہوتا ہے، جب مصری شہزادی نے بچہ اٹھوا لیا، تو اس نے اپنے خدمتگاروں سے خواہش ظاہر کی، کہ بچہ کی پرورش کا بھی کچھ انتظام ہونا چاہیئے۔ اس پر بچہ کی بہن کو موقعہ مل گیا، اس نے آگے ہو کر کہدیا کہ پاس ہی ایک گاؤں میں ایک بڑی اچھی دایہ رہتی ہے، اگر حکم ہو، تو اسے بُلا لایا جائے، شہزادی نے یہ تجویز قبول کر لی، اور بہن اپنی ماں ہی کو لے آئی، اور اس طرح حضرت موسیٰ نے اپنی ماں کی گود میں لیکن مصر کے شاہی محل میں پرورش پائی (خروج ۲ باب) ایسے حالات میں یہ بالکل قرین قیاس ہے، کہ بڑے ہوتے ہی آپ کو اپنی اصلیت کا پتہ لگ گیا ہوگا، اور آپ کو یہ بھی معلوم ہو گیا ہوگا کہ آپ اسرائیلی ہیں، اور خدا تعالےٰ کی قدرت سے کسی طرح بچ نکلے ہیں، پھر آپ کو اپنی قوم کی پچھلی تاریخ کا بھی علم ہو گیا ہوگا، اور قوم کی غلامی اور بےبسی دیکھ دیکھ کر آپ کا دل کُڑھتا ہوگا، ادھر آپ مصریوں میں بھی ایک معروف شخصیت رکھتے ہونگے، اور یہ بھی ممکن ہے، کہ قومی ہمدردی کے جذبہ کی وجہ سے آپ مصریوں کو کھٹکتے بھی ہونگے، آپ کی جوانی کا واقعہ ہے، کہ آپ نے ایک مصری کو ایک اسرائیلی پر ظلم کرتے دیکھا (اسرائیلی غلاموں اور مزدوروں کی زندگی بسر کرتے تھے، اور اکثر ان میں سے شاہی عمارتوں کے لئے اینٹیں پاتھنے کا کام بالکل قلیل گذارہ پر کرتے تھے) آپ نے مظلوم کی حمایت میں ظالم کو ایک مُکّا دے مارا، اور مُکّا کچھ ایسا لگا، کہ ظالم مصری بعد میں مر ہی گیا، اور گو آپ شاہی محل میں پرورش پا چکے تھے، اور وہیں رہتے تھے، لیکن آخر اسرائیلی تھے، اس لئے آپ کو یہ خوف ہو گیا، کہ آپ کے ساتھ انصاف نہیں کیا جائیگا، اور یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ آپنے

ظالم کے مقابلہ میں مظلوم کی حمایت کی ہے، اور مُکّا مارنے سے آپ کا ارادہ مار دینے کا نہ تھا، بلکہ صرف ظلم کو روکنے کا تھا، اس کا مرجانا محض اتفاقی تھا، اس سے آپ نے یہ صورت اختیار کی، کہ آپ بحیرہ قلزم کے مشرق کی طرف علاقہ مدین میں چلے گئے (۲۸: ۲۲) مدین میں آپ کو عجیب واقعہ پیش آیا، آپ کو ہمیشہ خدا کی طرف توجہ رہتی تھی، اور کوئی تعجب کی بات نہ ہوگی، اگر یہ سمجھا جائے، کہ جوانی کی عمر ہی سے آپ کو خدا تعالےٰ کی طرف سے کسی نہ کسی رنگ میں ہدایات آنی شروع ہوگئی ہوں اور یہ مدین والا سفر بھی کسی الٰہی اشارہ کے باعث ہی ہوا ہو، مدین میں آپ ایک دفعہ ایک چشمہ کے پاس بیٹھے تھے، کہ آپ نے دیکھا، کہ بہت سے لوگ اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے ہیں، اور ان سے الگ دو لڑکیاں اپنی بکریاں لئے کھڑی ہیں، گویا اس جمگھٹے اور شرم کی وجہ سے آگے نہیں بڑھتیں کہ وہ بھی اپنی بکریوں کو پانی پلالیں، حضرت موسےٰ علیہ السلام کو ان سے ہمدردی ہوئی، آپ نے پوچھا، کہ تم کون ہو، اور یہاں تمہارا کیا کام ہے، انہوں نے بتایا، کہ ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے، اور خود کام نہیں کرسکتا، اس لئے ہم اس کے بجائے کام کرتی ہیں، اور یہ آدمی جب تک ہٹیں نہ ہم اپنی باری نہیں لے سکتیں، حضرت موسےٰ علیہ السلام نے اپنے رعب سے آدمیوں کو ہٹایا، اور لڑکیوں نے بھی اپنے جانوروں کو پانی پلا لیا۔ اس پر وہ چلی گئیں، گھر جا کر ذکر کیا ہوگا، باپ کو اس نوجوان کے اخلاق بہت پسند آئے، اور اس نے ایک لڑکی کے ہاتھ کہلا بھیجا، کہ وہ نوجوان آکر مل جائے، حضرت موسےٰ علیہ السلام اس شیخ کبیر مدین کے رئیس سے جس کا نام جتھروؔ تھا ملنے چلے گئے، اور دونوں اس ملاقات سے اس قدر متاثر ہوئے، کہ ادھر حضرت موسےٰ نے دعا کی، کہ اگر ہو سکے تو میری شادی یہیں ہوجائے، ادھر جتھرو نے فیصلہ کیا، کہ وہ اپنی ایک لڑکی اس صالح اور بہادر نوجوان سے بیاہ دیگا۔ اس نے حضرت موسےٰؑ سے اس بات کا ذکر بھی کر دیا۔ اور حضرت موسےٰ علیہ السلام نے قبول کر لیا۔ شرط یہ ٹھہری کہ حضرت موسےٰؑ آٹھ سال اور اگر ہو سکے، تو دس سال

ان کی بکریاں چرائیں، اور زمینداره کام میں مدد دیں حضرت موسےٰ علیہ السلام نے یہ بات مان لی ، بوڑھے بزرگ نے شاید آپ کا امتحان لینا تھا، اور آپ کی لیاقت اور آپ کے کیریکٹر کو پوری طرح دیکھنا تھا، بہر حال حضرت موسےٰ علیہ السلام اس امتحان میں پورے اترے ، آپ کی شادی ہوگئی، اور دس سال مصر سے باہر رہنے کے بعد آپ واپس مصر تشریف لے گئے (۲۹ ۲۴/ ۲۸) واپسی پر راستہ میں آپ کو آگ کی ضرورت ہوئی، ایک طرف آپ کو آگ نظر آئی، چنانچہ آپ اپنے اہل کو چھوڑ کر آگ کی طرف چل پڑے، جب واں پہونچے تو آپ پر خدا تعالےٰ نے یہ وحی نازل کی، فرمایا:- اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ، اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۝ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ . . . . .
وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ۝ (۱۱/ ۲۰)

آپ کو کشفی رنگ میں یہ بھی بتایا گیا، کہ آپ کو دو خاص معجزے دیئے جائینگے، ایک یہ کہ ضرورت اور وقت پر آپ کا سونٹا سانپ بن جایا کرے گا، اور دُوسرا یہ کہ آپ کا ہاتھ روشنی سے چمک پڑیگا، آپ کو خدا تعالےٰ نے حکم دیا، کہ آپ فرعون مصر کے پاس جا کر بنی اسرائیل کی مخلصی کے لئے کوشش کریں، اس پر آپ نے خدا تعالےٰ سے دُعا کی، کہ وہ آپ کے سینہ کو کھول دے، اور آپ کو ملکۂ تقریر بخشے، اور ایک ساتھی کے لئے بھی خدا تعالےٰ سے درخواست کی، اور عرض کی، کہ میرے بھائی ہارون کو ساتھ کر دیا جائے۔ (۲۵ ۲۴/ ۲۰) خدا تعالےٰ نے یہ سب کچھ قبول کیا، اور آپ اور حضرت ہارون فرعونِ مصر کے دربار میں تشریف لے گئے ، اور واں قوم اسرائیل کی مخلصی کے لئے گفت وشنید کی، بہت لمبی چوڑی بحث ہوئی، اس بحث میں حضرت موسےٰ علیہ السلام نے فرعون کو نرمی سے سمجھایا، کہ آپ خدا تعالےٰ کے نبی ہیں، اور فرعون کے لئے اچھا ہوگا، کہ وہ آپ کی بات مان لے اور پہلے جو کچھ خدا تعالےٰ کے پیغاموں سے سرکشی کرنے والوں کا حال ہوتا رہا ہے، وہ سُنا کر فرعون کو ڈرایا بھی، لیکن فرعون انکار پر مُصر رہا، بلکہ مقابلہ میں اپنی ہمہ دانی اور طاقت کا دعویٰ کرتا رہا۔

(۴۰:۲۸-۴۵)۔ اس موقعہ پر حضرت موسےٰؑ پر خفیہ ایمان لانے والا فرعونِ مصر کا ایک درباری حضرت موسےٰ علیہ السلام کی طرف سے بحث میں حصہ لیتا رہا (۴۰:۲۸-۴۴) فرعون نے نشانات کا مطالبہ کیا، ہر مامور کے زمانہ میں نشانات کا مطالبہ ہوتا رہا ہے، اس مطالبہ کے پیچھے بھی حیلہ سازی ہوتی ہے، اور نشان دیکھ چکنے کے بعد بھی انکار پر اصرار ہوتا ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دونوں نشان یعنی سونٹے کا سانپ بننا اور ید بیضا یعنی ہاتھ کا روشن ہوجانا دکھائے (۷:۱۰۸) فرعون نے مقابلہ میں اپنے جادوگر اور شعبدہ باز جمع کروائے، لیکن ان کی شعبدہ بازیاں حضرت موسیٰؑ کے مقابلہ میں بالکل نہ چلیں (۷:۱۱۲-۱۱۳) بلکہ وہ شعبدہ باز خود مرعوب ہوگئے اور ایمان لے آئے، لیکن فرعون ذرا بھی نرم نہ ہوا، اس کے بعد خداتعالےٰ نے کئی نشانات دکھائے، اور پے در پے عذاب آئے، لیکن تورات (۸:۱۰) عذاب چکھنے کے باوجود فرعون نے اپنی سرکشی میں اور اپنی سختیوں میں کوئی کمی نہ کی، ہر عذاب کے موقعہ پر حضرت موسےٰؑ سے فرعون کہتا کہ اس دفعہ دعا کرکے عذاب ٹلادو، اس کے بعد میں مان لونگا، لیکن عذاب ٹل جانے کے بعد وہ پھر انکار کردیتا (۷:۱۳۴-۱۳۵) اس پر حضرت موسےٰؑ نے اپنی قوم کو صبر کی تلقین کی، اور خدا کے حضور گرنے اور اس سے دعائیں مانگنے کی طرف ان کو متوجہ کیا، (۷:۱۲۸ و ۱۰:۸۴) ایک عرصہ تک صبر سے تمام سختیاں برداشت کیں، آخر خداتعالےٰ نے حکم دیا، کہ آپ اپنی قوم کو لیکر مصر سے نکل پڑیں، گویا ہجرت کا حکم آگیا، یہ عظیم الشان ہجرت جس کے بعد بنی اسرائیل کی گویا کایا ہی پلٹ گئی، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک زبردست مشابہت ثابت کرتی ہے، اور اس میں یہ بھی گہرا نکتہ پایا جاتا ہے، کہ خداتعالےٰ کے نزدیک جابر حکومتوں کے مقابلہ کا آخری علاج یہ نہیں، کہ ان کے ماتحت رہ کر ان کے قانونوں کو توڑا جائے، بلکہ جب سب حیلے ناکام ہوچکیں، تو پھر مومن اور خدا پرست انسان کے لیئے یہی چارہ ہے، کہ وہ اس حکومت کو چھوڑ کر کہیں باہر چلا جائے، اور اگر خدا توفیق دے،

تو پھر باہر سے حکومت کا مقابلہ کرے ۔ حضرت موسٰے علیہ السلام کی ہجرت میں ہی بنی اسرائیل کی مخلصی اور ان کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے سامان رکھدیئے تھے ، بنی اسرائیل کی ہجرت فرعون اور اس کی حکومت کے لئے ایک زبردست اقتصادی نقصان تھا ، کیونکہ اتنی سستی مزدوری کا انتظام وہ اور کسی صورت سے نہ کرسکتا تھا ، پھر اس کے رعب اور دبدبہ کو بھی نقصان تھا ، کہ ایسی غریب بیکس اور غلام قوم نے ذرا اس کی پرواہ نہ کی ، پھر اس کی نیک نامی کے لئے بھی یہ بہت بڑا صدمہ تھا ، غرضیکہ اس ہجرت میں خدا تعالےٰ نے ظالم حکومتوں کے مقابلہ کے لئے ایک اعلیٰ درجہ کی تجویز بتائی ہے ، جو ہر زمانہ میں کام آسکتی ہے ، اور جو عدم تعاون اور سول نافرمانی سے اخلاقی لحاظ سے بھی بہت بلند و بالا ہے ، اور نتائج کے لحاظ سے بھی بہت زیادہ بابرکت ہے ، اسی ہجرت پر خدا تعالےٰ نے حضرت موسٰے سے عمل کروایا ، اور اسی پر خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عمل کروایا ، اور اس کے ذریعہ سے آپ کو کامیاب بھی کیا ، چنانچہ یہی ہجرت مسلمانوں کی الگ جمعیت اور تربیت اور بعد میں کئی ایک فتوحات کا اور اس آخری اور سب سے بڑی فتح کا جسے فتح مکہ کہتے ہیں ، موجب بن گئی ، حضرت موسٰے علیہ السلام کے لئے یہ ہجرت آسان نہ تھی سفر کی مشکلات ، کھانے پینے کی ضروریات ، اپنی قوم کا ڈسپلن ، اس قوم کا ڈسپلن جو صدیوں کی غلامی سے اخلاق سے بالکل عاری ہو چکی تھی ، یہ سب مشکلات تھیں ، جو آپ کے سامنے تھیں ، اور جن کا حل آپ نے کرنا تھا ، اگر خدا سے آپ کا گہرا تعلق نہ ہوتا ، اور خدا کی خاص نصرت آپ کے ساتھ نہ ہوتی ، تو یہ مشکلات کیسے سر ہوسکتی تھیں ، بہرحال آپ اپنی قوم کو لیکر نکل کھڑے ہوئے ، فرعون نے ایک طرح سے آپ کو اجازت بھی دیدی تھی ، لیکن بعد میں اُس نے آپ کو روکنا چاہا ، اور آپ کے پیچھے پیچھے ہولیا ، حضرت موسٰے علیہ السلام جب بحیرہ قلزم کے اس حصہ کے پاس پہونچے جو آب سویز کی تنگ نہر کے ذریعہ بحیرہ روم کے ساتھ ملادیا گیا ہے

لیکن خدا نے آپ کو ان الزامات سے بَری کیا، پھر آپ نے اپنی قوم سے وادی مقدس کی طرف مارچ کرنے کو کہا، لیکن آپ کی قوم قربانیوں کی تاب نہ لا سکی، اور عین اس وقت جبکہ خدا کا وعدہ پورا ہونے والا تھا، اس نے آگے چلنے سے انکار کر دیا، اس پر چالیس سال تک آپ کی قوم سرگردان پھرتی رہی، اور اس پر خدا تعالےٰ نے آپ کو بتایا، کہ آئندہ وحی شریعت بنی اسرائیل میں نہیں رہے گی، بلکہ ان سے چھین کر ان کے بھائیوں یعنی بنی اسمٰعیل کو دیدی جائیگی چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جو حضرت موسےٰ علیہ السلام کی اس پیشگوئی کے مصداق ہیں بنی اسمٰعیل میں سے تھے...... اس کے بعد آپ فوت ہو گئے۔

(۴)

اب میں حضرت موسےٰ علیہ السلام کے مقام اور ان کے امتیازات کو اختصار سے بیان کر دیتا ہوں، جو آپ کو تاریخ الادیان میں حاصل ہیں، اور مضمون کے اس حصہ کو میں حضرت امیر المؤمنین امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تقریر "انقلاب حقیقی" سے بیان کرتا ہوں اس تقریر میں حضور نے ایک غائر نظر تاریخ مذہب پر ڈالی ہے، اور خدا تعالےٰ کے اس قانون کا مفصل نقشہ پیش کیا ہے، کہ جب کوئی تعلیم اپنی ضرورت کو پورا کر چکتی ہے، تو اس کو قائم رکھنے کی خواہ لوگ ہزار کوشش کریں، وہ مٹا دی جاتی ہے، اور اس سے بہتر تعلیم اس کے بجائے قائم کر دی جاتی ہے، اور جب کسی اچھی اور مفید تعلیم کو لوگ خود بھلا دیتے ہیں، اور اس کی جگہ کوئی خود ساختہ تعلیم اور تمدن قائم کر لیتے ہیں، تو پھر وہ خود ساختہ تعلیم اور تمدن مٹا دیا جاتا ہے اور اس کی جگہ وہی اصلی تعلیم اور تمدن جسے خدا تعالےٰ نے پسند کیا ہوتا ہے، دوبارہ قائم کر دیا جاتا ہے، تاریخ مذہب سے معلوم ہوتا ہے (اور غور کیا جائے، تو ساری تاریخ ہی تاریخ مذہب کے گرد چکر لگاتی ہوئی نظر آتی ہے) کہ دَور کے بعد دَور آیا، ہر دَور خدا تعالےٰ کے قانون کی ایک

یا دوسری شق کی مثال تھا، اور سب دَور ملکر ایک زبردست روحانی نظام پیش کرتے ہیں، جس کی تکمیل آخرکار اسلام میں ہوئی، پہلا دور آدم کا تھا، جس میں ابتدائی تمدن انسانی کی بنیاد رکھی گئی، دوسرا دَور نوح کا تھا، جس میں صحیح عقائد کو شریعت کی شکل دیکر سکھایا گیا، تیسرا دور ابراہیم کا تھا، جس میں شرک کی باریک قسموں کا قلع قمع کیا گیا، اور انسان کو وجودِ باری کا فہم عطا کر کے انسانیت کی تکمیل کی گئی، چوتھا دَور موسوی تھا، اس دَور میں تین روحانی انقلاب آئے، اور یہ تینوں انقلاب حضرت موسےٰ علیہ السلام کی شان اور مقام کو ابدالآباد تک قائم رکھنے کے لئے کافی ہیں، یہ تین انقلاب کیا ہیں؟ اول انقلاب یہ تھا، کہ الٰہی تعلیم میں صرف عقائد وعبادات ہی کو داخل نہ کیا گیا، بلکہ عقائد، عبادات، رُوحانیت، سیاست اور تمدن کی تفصیلات کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا، زمانہ حال میں بھی بعض لوگ اس پر چڑتے ہیں، اور چونکہ اسلامی تعلیم میں یہ انقلاب ایک کامل حد تک شامل کیا گیا ہے، اس لئے اسلامی تعلیم پر یہ لوگ اور بھی چڑتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ مذہب کو سیاست اور تمدن سے کیا واسطہ حالانکہ وہ نہیں جانتے، کہ بڑے بڑے عاقل انسان سیاسی اور تمدّنی معاملات کو حل کرتے رہے، لیکن آج تک کوئی صحیح بنیاد ان کو نہ ملی، جھگڑوں کا خاتمہ ہی ہونے میں نہیں آتا، اور اختلاف در اختلاف ہوتا چلا جاتا ہے، پھر وہ چٹان کب نظر آئے گی، جس پر بنی نوع انسان عافیت سے اپنے تمدن اور سیاست کی بنیاد رکھ سکیں گے، پس ضرورت تھی، کہ انسان کی رہنمائی تمدن اور سیاست کے بارے میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے کردی جاتی۔ دوسرے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے، کہ انسانی عقل زیادہ سے زیادہ قانون تجویز کرسکتی ہے، لیکن اس قانون پر لوگوں سے عمل کرانا انسانی عقل سے بالا ہے، اس کے لئے تو ایسے سامان چاہئیں، جن سے انسانوں کو اندر سے تحریک ہو، اور وہ کسی اعلیٰ قانون کو اعلیٰ سمجھ کر دل سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اس کو "تزکیہ" کہا جاتا ہے، اور تزکیہ کا سامان انسانی عقل ہرگز

نہیں کر سکتی، یہ سامان انبیاء کے اخلاق اور روحانی نمونہ میں ہی مل سکتا ہے، پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک بہت بڑا انقلاب یہ جاری کیا، کہ اپنی تعلیم میں عقائد و عبادات کے ساتھ ساتھ تمدن و سیاست کو بھی شامل کر دیا۔

دوسرا انقلاب حضرت موسےٰ علیہ السلام کے ذریعہ یہ ہؤا، کہ صفات الٰہیہ کی تفاصیل ظاہر کی گئیں، اور صفاتِ الٰہیہ بجائے خود ایک علم بن گئیں، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں صفات الٰہیہ کی بعض باریکیاں ظاہر ہو چکی تھیں، مگر صفاتِ الٰہیہ کے باہمی تعلقات اور صفاتِ الٰہیہ کی وسعت کو دنیا نہ سمجھ سکتی تھی، نہ سمجھی، پس حضرت موسےٰ علیہ السلام کی تعلیم میں صفاتِ الٰہیہ کو ایک سائنس کی طرح بیان کیا گیا، اس انقلاب کی تکمیل بھی آگے جا کر اسلامی تعلیم یعنی قرآن شریف میں ہو گئی۔

تیسرا انقلاب جو حضرت موسےٰؑ کے ذریعہ پیدا ہؤا، وہ وحی الٰہی کے طریق کے متعلق ہے، پہلے جو وحی انبیاء کو ہوتی تھی، وہ زیادہ تر رؤیا و کشوف پر مشتمل ہوتی تھی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی میں بالمشافہ کلام زیادہ تھا، اسی لئے خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں فرمایا۔ کَلَّمَ اللّٰہُ مُوسٰی تَکْلِیْمًا۔ شریعت اور شریعت کی جزئیات کو محفوظ کرنے کے لئے ایسے ہی کلام کی ضرورت تھی، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وحی سراسر کلام الٰہی نہ تھی، جیسا کہ میں اوپر لکھ آیا ہوں، آپ کے وقت میں یہ ہوتا تھا، کہ خدا نے کلام نازل کیا، اور آپ نے اسے کچھ اصلی الفاظ میں اور کچھ اپنے الفاظ میں محفوظ کر لیا، گویا الفاظ سارے کے سارے محفوظ نہ سمجھے جا سکتے تھے، قرآن شریف کی وحی میں اس انقلاب کو بھی تکمیل تک پہنچا دیا گیا، کیونکہ قرآن شریف کا لفظ لفظ اللہ کا کلام ہے، اور اب تک اسی طرح محفوظ ہے جس طرح وہ نزول کے وقت تھا، فرمایا۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ (۷۵) اور اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۵) اس کی طرف کتاب موسیٰؑ کی پیشگوئی کے ان الفاظ میں اشارہ تھا۔

"کہ میں اپنا کلام اسکے منہ میں ڈالونگا، اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا وہ ان سے کہیگا" اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

زیتون کی پہاڑی سے عرفات کے میدان تک

(از "سالم عربی" ایم-اے)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ حشر کے روز جب سب نبی اپنی اپنی امتوں کو لیکر اللہ کے حضور حاضر ہوں گے، تو کئی نبی ایسے ہونگے، جن کے ساتھ ایک بھی ماننے والا نہ ہوگا، دنیوی و مادی معیاروں کے لحاظ سے ایسے انبیاء کے متعلق جو اپنی ساری زندگی میں ایک متنفس کو بھی اپنے مامور من اللہ ہونے کا یقین نہ دلا سکے، یہ کہا جا سکتا ہے، کہ وہ دنیا سے ناکام گئے، لیکن الٰہی، اور آسمانی معیاروں کے مطابق کوئی نبی دنیا سے ناکام نہیں گیا، مامورین و مرسلین منصور من اللہ اور مؤیّد بتائیدات الٰہیہ ہوتے ہیں، اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ کی نصرت اور تائید حاصل ہو، اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ دنیا سے ناکام گیا، بہت بڑی جسارت اور کلام الٰہی کی تکذیب ہے۔ پس جس طرح کسی مامور کا ایک شخص کو بھی اپنے دعویٰ کی صداقت کا قائل کر لینا، اس کے مشن کی ناکامی کا صحیح اور یقینی معیار نہیں قرار دیا جا سکتا، اسی طرح ان لوگوں کی کثرت جو اپنے آپ کو کسی نبی یا رسول یا مصلح اور ریفارمر کی طرف منسوب کرتے اور اپنے آپ کو اس کا نام لیوا ظاہر کرتے ہیں، اس نبی یا رسول اور مصلح کی بہت بڑی کامیابی کا ثبوت بھی نہیں ہو سکتا۔ اگر کسی نبی کے ماننے والوں کی محض کثرت ہی اس کی کامیابی کا معیار مقرر کر لیا جائے، تو ناصرہ کا فقیر منش مصلح جس کی ساری زندگی غم اور دکھ میں گذری، اور جو دشمنوں اور دوستوں، اور ماننے والوں اور انکار کرنے والوں دونوں کے ہاتھوں ستایا گیا، مذہبی دنیا کا سب سے کامیاب مصلح ہے، اس کے ماننے والے آج ساری دنیا پر چھائے ہوئے ہیں، ریت کے ذرات کی طرح ان کا گننا مشکل ہے، سمندروں،

پہاڑوں اور ہواؤں پر ان کی حکومت ہے، صحرا، میدان اور جنگل ان کے قبضہ میں ہیں، دولت، عزت، علم، طاقت اور رعب ان کے در کے غلام ہیں، قومیں ان کی تقلید کرنا فخر سمجھتی ہیں، جس چیز کو وہ اچھا کہیں، وہی اچھی سمجھی جاتی ہے، جس کو وہ ردّ کردیں، وہ ردّ کرنے کے قابل خیال کی جاتی ہے۔ تاریخ عالم میں یہ شوکت، سطوت، اور یہ عظمت و دولت کبھی کسی قوم کو حاصل نہیں ہوئی جہاں بانی، جہاں رانی اور جہاں گیری کے جس مقام تک مسیح ناصری کے ماننے والے پہونچے ہیں، اس مقام تک مسلمان اپنے انتہائی عروج کے وقت میں بھی نہ پہونچے تھے، اور قوموں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

لیکن جہاں مسیح کے ماننے والوں کی دینوی ومادی ترقی نسلِ آدم کا ایک بہت بڑا شاہکار ہے، خود مسیح کی اپنی زندگی مذہبی دنیا کی سب سے بڑی ٹریجڈی (حزنیہ) ہے۔ اگرچند منٹوں کے لئے روحانی معیاروں کو نظرانداز کردیا جائے، اور محض مورخانہ حیثیت سے ان کی زندگی پر نظر ڈالی جائے، تو حضرت مسیح کی زندگی ان انبیاء سے بھی ناکام نظر آئے گی، جو اپنی ساری تبلیغی زندگی میں ایک شخص کو بھی اپنے مشن کی صداقت کا قائل نہ کر سکے۔

مسیح کو ماننے والے اور انکار کرنے والے چار قسم کے لوگ ہیں، پہلی قسم میں وہ لوگ داخل ہیں، جو سرے سے ان کی ہستی ہی سے منکر ہیں۔ وہ اس بات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں، کہ کبھی کوئی ایسا شخص دنیا میں پیدا ہوا، جس کا ذکر عہد نامہ جدید میں ہے۔ وہ کہتے ہیں، کہ یہ ساری سرگزشت محض ایک افسانہ ہے، جس کو تاریخی طور پر ذرہ برابر حیثیت بھی حاصل نہیں، یہ لوگ ہزاروں کی تعداد میں امریکہ اور یورپ میں پائے جاتے ہیں۔ دوسری قسم میں وہ منکرین مسیح ہیں، جو آپ کو نعوذ باللہ ایک مکار، مفتری اور سراپا جھوٹا انسان یقین کرتے ہیں، اور آپ کی ولادت تک کو ناپاک خیال کرتے ہیں۔ یہ یہودی لوگ ہیں۔ تیسرے لوگ عیسائی ہیں جو آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا یقین کرتے ہیں۔ اور چوتھی قسم میں مسلمان شامل ہیں، جو حضرت مسیح کو ایک انسان

لیکن خدا کا پیارا انسان اور مامور یقین کرتے ہیں۔

پہلی قسم کے لوگوں کو چھوڑ کر کہ حضرت مسیحؑ کے متعلق ان کا نقطۂ نظر علمی اور تاریخی لحاظ سے واضح طور پر ناقابلِ ثبوت اور ناقابلِ تسلیم ہے، مسلمانوں، عیسائیوں اور یہودیوں میں ان کی ولادت، حالاتِ زندگی اور موت کے متعلق اسقدر متضاد خیالات پائے جاتے ہیں کہ جب انسان خالی الذہن ہو کر ان خیالات پر غور کرتا ہے، تو حیران رہ جاتا ہے، کہ ایک تاریخی شخصیت کے متعلق خیالات میں اتنا تضاد اور تباین کس طرح سے ممکن ہے خیالات میں اسی تضاد اور تباین کو دیکھکر پہلی قسم کے لوگوں نے سرے سے ہی اس بات کا انکار کر دیا ہے، کہ کوئی مسیح نام کا انسان دنیا میں کبھی پیدا ہوا۔ وہ دلیل ہی یہ دیتے ہیں، کہ ایک شخص جو ایک لمبے عرصے تک دنیا میں رہا جس کو بہت سے لوگوں نے مانا، اور جو اپنے وقت کی سب سے مہذب اور متمدن حکومت کے گورنر کے حکم سے صلیب دیا گیا، اس کی زندگی کے سارے واقعات کے متعلق اس کے ماننے اور انکار کرنے والوں کے خیالات میں اتنا فرق ہونا، جتنا مسیحی، مسلم اور یہودی خیالات میں ہے، ایک ناممکن بات ہے، اور پھر یہ کہ ان متمدن و مہذب رومی لوگوں کے اس وقت کے تاریخی حالات میں کسی ایسے شخص کا ذکر بھی موجود نہ ہو، جن صفات کے حامل شخص کا ذکر عہد نامہ جدید میں ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں، کہ ایک ایسے شخص کو تاریخی حیثیت دینا جس کی ساری زندگی پر شبہات کے پردے پڑے ہوئے ہیں، متحقق اور مسلّم الثبوت واقعات کی تاریخی حیثیت کو بھی مجروح و مشکوک کر دینا ہے۔

یہ کس قدر حسرت انگیز بات ہے، کہ دنیا ابھی تک تاریخی شواہد اور دلائل کی بناء پر حضرت مسیحؑ کی پیدائش کی نوعیت پر بھی متفق نہیں ہو سکی، یہودیوں پر لعنت بھیجئے، کہ وہ خدا کے ایک مقدس اور برگزیدہ رسول کی ولادت کو ناپاک خیال کرتے ہیں۔ خود مسلمانوں اور عیسائیوں

میں بھی تو آپ کی ولادت کے متعلق سخت اختلاف پایا جاتا ہے۔ عیسائی ایک طرف ان کو ابن اللہ کہتے ہیں، اور دوسری طرف یوسف نجار کا بیٹا۔ مسلمانوں کا سواد اعظم بے شک قرآنی تعلیم کے مطابق حضرت مسیحؑ کی ولادت کو ایک خارق عادت اعجاز تسلیم کرتا ہے، اور یہ خارق عادت ولادت بنی اسرائیل کے لئے ایک آخری تنبیہہ تھی۔ اس امر کے متعلق کہ اب نبوت ہمیشہ کے لئے ان سے چھینی جانے والی ہے، کیونکہ اسرائیل کے سارے گھرانے میں ایک انسان بھی اب ایسا نہیں، جس کے نطفہ سے خدا کا مامور پیدا ہو سکے، لیکن یہ ایک عقیدہ کی بات ہے، اور ہمارا اسی بات پر ایمان ہے، کہ مسیح بے باپ پیدا ہوئے، مگر اس سوال پر تاریخی لحاظ سے کبھی روشنی نہیں ڈالی گئی، اور ایک ایسے شخص کے لئے جو کسی بات کو ممکن الوقوع یا امر واقع تسلیم کرنے کے لئے صرف تاریخی شواہد اور قرائن کی شہادت ہی کو صحیح مانتا ہو، کسی انسان کی بے باپ ولادت کو محض اس لئے مان لینا کہ ایک قوم کی مذہبی کتاب اس کی ولادت کو ایسا ہی قرار دیتی ہے، ایک مشکل امر ہے، میری غرض اس امر کے بیان کرنے سے صرف یہ ظاہر کرنا ہے، کہ مسیح ناصریؑ کی زندگی کیسی حسرتناک زندگی تھی، کتنی بڑی ٹریجڈی تھی، کہ ان کی ولادت کی نوعیت کے متعلق کوئی دو تو میں بھی تو متفق الخیال نہیں ہو سکیں۔

جس قدر تاریخی لحاظ سے حضرت مسیحؑ کی ولادت پر شکوک کے پردے پڑے ہوئے ہیں، اس سے بڑھکر ان کی زندگی شبہات کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے، عہد نامہ جدید سے ان کی زندگی کے صرف تین سالوں کے حالات ملتے ہیں، اور وہ بھی تاریخی لحاظ سے شکوک اور شبہات سے محفوظ نہیں ہیں، نہیں کہا جا سکتا، کہ جو کچھ متی، مرقس یا لوقا میں بیان ہوا ہے، (یوحنا کو کوئی تاریخی مقام حاصل نہیں) وہ تاریخی واقعات ہیں، یا عقیدت مند مریدوں کی بعد میں بنائی ہوئی مبالغہ آمیز تصویر۔ بہر حال جو کچھ بھی ان تین سالوں کے واقعات کے متعلق عہد نامہ جدید سے معلوم ہوتا ہے

وہ چند تمثیلیں ہیں، چند معجزات، اپنے مریدوں کو چند نصائح، کچھ پیشگوئیاں، ایک وعظ جو پہاڑی وعظ کے نام سے مشہور ہے، اور گرفتاری اور پھانسی کے متعلق مختصر سا بیان۔ یہ کل کائنات ہے، اس شخص کی زندگی کی، جس کو عیسائی دنیا خدا، خدا کا بیٹا، اور معلوم نہیں کیا کیا کچھ کہتی اور سمجھتی ہے۔

نئی تاریخی تحقیقات نے یہ ثابت کیا ہے، کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ بچ نکلے تھے، اور فلسطین سے کشمیر کی طرف ہجرت کر آئے تھے اور صلیب کے واقعہ کے ۸۷ برس بعد تک وہ کشمیر میں زندہ رہے، اور اپنا پیغام وہاں کے لوگوں کو پہونچاتے رہے۔ بعض مؤرخین اس طرف بھی گئے ہیں، کہ حضرت مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد نہیں، بلکہ پہلے ہندوستان کی طرف آئے (کیونکہ ان کا ہندوستان اور کشمیر کی طرف آنا تاریخ سے قطعی طور پر ثابت ہے) لیکن یہ بات صحیح نہیں، یہ امر اب قریباً یقینی طور پر تاریخ سے ثابت ہے، کہ حضرت مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد نہ پہلے کشمیر اور ہندوستان آئے، اور کشمیر میں قریباً ۸۷ برس رہے، لیکن یہ کس قدر حسرت انگیز بات ہے، اور آپ کی زندگی کو کیسی ناکام زندگی ثابت کرتی ہے، کہ وہ ملک جہاں آپ نے اپنی قریباً ساری عمر اور بہت لمبی عمر گذار دی وہاں آپ کے مشن کا نشان تک بھی نہیں ملتا، سارے کشمیر میں ایک خاندان بھی تو نہیں، جو حضرت مسیحؑ کے وقت سے اب تک عیسائی چلا آتا ہو، یا تو حضرت مسیحؑ کی روحانی قوت کچھ غیر معمولی طور پر کمزور تھی، یا اسلام کی تعلیم میں کوئی اعجازی قوت پنہاں تھی، کہ حضرت مسیحؑ اور آپ کے حواریوں کی چھ سو سال کی کوششوں کے نتائج اسلام کے سیلاب کے سامنے ایک دم میں خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے، اور عیسائیت کا وادیٔ کشمیر سے اس طرح سے نشان مٹ گیا، گویا یہاں کبھی کوئی عیسائی ہوا ہی نہ تھا، اور نہ مسیحؑ یہاں رہے تھے، اور نہ ان کے حواری۔

فلسطین میں آپ چند سال رہتے ہیں، صرف ۱۲ آدمی آپ کے دعویٰ پر ایمان لاتے ہیں۔ اور وہ ایمان ایسا کمزور ہے، کہ پہلی ہی آزمائش کے وقت ان کا سب سے پیارا اور معتمد مرید اُن پر لعنت بھیجکر

ان کے متعلق بے خبری اور بے تعلقی کا اظہار کرتا ہے، اور دوسرا چند روپے لیکر ان کو پکڑوا دیتا ہے، فلسطین میں آپ کی تبلیغی کوششوں کے یہ نتائج اور کشمیر میں ۷۰ سالہ جدوجہد کا یہ حال کہ آج یہ امر خود مشتبہ ہوگیا ہے، کہ آپ کبھی یہاں آئے بھی تھے یا نہیں۔ اس سے بڑھکر بھی کسی مشن کی ناکامی تصور میں آسکتی ہے؟

یہ تو حضرت مسیح کی ولادت اور تبلیغی کوششوں کی کیفیت ہے، آپ کی موت ایسے حالات میں ہوئی۔ اور اسی بے خبری اور گمنامی میں ہوئی، کہ نہ آپ کے ماننے والے اور نہ انکار کرنے والے آج تک قطعی طور پر تاریخی شواہد کے رو سے فیصلہ کر سکے ہیں، کہ آپ کی وفات کہاں ہوئی اور کس طرح ہوئی، عیسائی کہتے ہیں، کہ آپ فلسطین میں یروشلم کے باہر صلیب پر لٹکائے گئے، اور وہاں ہی آپ نے جان دیدی، لیکن یہ نہیں بتلاتے، کہ اگر مسیح فلسطین میں مارے گئے، تو وہ دفن کہاں ہوئے؟ جلائے تو وہ گئے نہ تھے، آسمان پر جانے کی کہانی کو تو صرف عوام کالانعام ہی مان سکتے ہیں، پڑھے لکھے اور سمجھدار عیسائی تو یہ خیال بھی نہیں کر سکتے، کہ وہ جسم جو یروشلم میں صلیب دیا گیا، آسمان پر چلا گیا، نہ آسمان کوئی ایسی چیز ہے، جہاں زمین سے لوگ جا کر رہتے ہوں، اور نہ اللہ تعالےٰ کا کوئی معین اور محدود مقام ہے، جہاں حضرت مسیح اس کے پاس چلے گئے ہوں، روح کا روحانی رفع تو سمجھ میں آسکتا ہے، لیکن جسم خاکی کا آسمان پر چلا جانا، یہ گتھی سلجھنے میں نہیں آتی پس یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، کہ آسمان پر آپ کا صلیب پر دیا ہوا جسم گیا نہیں، فلسطین میں کہیں ان کی قبر کا کوئی نشان نہیں، جلائے وہ نہ گئے تھے، آخر ان کی نعش گئی کہاں! یہودی بھی کہتے ہیں، کہ وہ صلیب پر مارے گئے، اور اسی لئے وہ توریت کے مطابق لعنتی ٹھہرے (نعوذ باللہ) لیکن وہ بھی یہ نہیں بتاتے، کہ مرنے کے بعد ان کی لاش کے ساتھ کیا سلوک ہوا، فلسطین میں باقی ان کے سب نشانات موجود ہیں، جہاں انہیں پھانسی پر لٹکایا گیا، وہ جگہ موجود، جہاں رو رو کر انہوں نے آخری دعا کی، اس کا نشان موجود،

وہ پہاڑی موجود جہاں انہوں نے وعظ کیا، اس جگہ کے نشانات موجود جہاں ان پر مقدمہ چلایا گیا، لیکن نہیں نشان ملتا، تو اس بات کا نہیں ملتا، کہ موت کے بعد وہ دفن کہاں ہوئے؟ مسلمانوں کے جہلا بھی یہ کہتے ہیں، کہ وہ اس خاکی جسم کے ساتھ آسمان پر چلے گئے، اور خدا تعالےٰ کے پاس آسمان پر بیٹھے ہیں، تاریخی لحاظ سے یہ عقیدہ قطعی لغو اور بیہودہ ہے، اور اب تو اس کی لغویت کو خود مسلمانوں کے مولوی اور جہلا تک مان چکے ہیں،

جیسا کہ میں اُوپر بیان کر چکا ہوں، جدید تاریخی معلومات کے رُو سے حضرت مسیحؑ واقعہ صلیب کے بعد ہجرت کر کے کشمیر آ گئے، اور یہاں ہی بقیہ زندگی انہوں نے گذاری، اور آخر یہاں ہی فوت ہوئے، اور سری نگر کے محلہ خانیار میں ان کی قبر ہے، اور جو کتبہ آج بھی ان کی قبر کے اُوپر آویزاں ہے خود اس کی عبارت سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے، کہ یہ حضرت مسیحؑ کی قبر ہے، خود انجیل سے اس بات کا قطعی ثبوت ملتا ہے، کہ حضرت مسیحؑ صلیب پر مرے نہ تھے۔ وہ بے ہوشی کی حالت میں صلیب سے زندہ اتار سے گئے، اور ایک قبر نما کوہ میں رکھے گئے، جہاں اپنے زخموں کے اچھا ہونے تک وہ اپنے معتمد مریدوں کے ساتھ رہے، اور جب سفر کے قابل ہو گئے، تو کشمیر کی طرف ہجرت کر گئے، جہاں بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں میں سے ۱۰ قبیلے رہتے تھے، اور صرف دو قبیلے فلسطین میں رہتے تھے۔

اس مضمون کا موضوع وفات مسیحؑ نہیں ہے، ورنہ میں تفصیلاً بائیبل سے یہ ثابت کرتا، کہ حضرت مسیحؑ صلیب سے زندہ اترے، جب یہ مان لیا جائے، کہ وہ صلیب پر مرے نہ تھے، تو ان کی بقیہ زندگی کا حال معلوم کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اور تاریخی طور پر یہ بات ثابت ہو چکی ہے، کہ آپ واقعہ صلیب کے بعد ہجرت کر کے کشمیر آ گئے تھے، اور یہیں آپ نے وفات پائی، آپ کی وفات کے متعلق آپ کے ماننے والوں اور منکرین میں اس قدر اختلاف کا ہونا، اور اس وقت کی رومی تاریخ میں حضرت مسیحؑ کی گرفتاری اور سزا کے ذکر تک کا نہ ہونا اس بات کو ضرور ثابت کرتا ہے، کہ حضرت مسیحؑ

نے ایک بے حیثیت اور گمنام زندگی بسر کی۔ بہرحال آپ کی ساری زندگی ولادت سے وفات تک ایک چیستان اور معمہ بنی رہی ہے۔

یہ تو حضرت مسیحؑ کی زندگی کے حالات ہیں، زندگی میں (کم ازکم معلوم فلسطینی زندگی میں) آپ نے اپنے مخالفین سے سخت دکھ اٹھائے، لیکن جو حقیقی اور دائمی نقصان آپ کی زندگی کے بعد آپ کے ماننے والوں نے آپ کو پہونچایا، اس کے مقابلہ میں خود صلیب کا واقعہ بے حیثیت ہوجاتا ہے، یہ معلوم بات ہے، کہ حضرت مسیحؑ کے حواری بے حیثیت اور نسبتًا کم علم لوگ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد ایک شخص پولوس نام نے عیسائیت کو قبول کیا، بعض اقوال کے مطابق حضرت مسیحؑ کی زندگی میں یہ شخص عیسائی ہوچکا تھا، لیکن خواہ وہ حضرت مسیحؑ کی زندگی میں عیسائی ہُوا ہو، یا بعد میں، یہ امر واقعہ ہے، کہ وہ حضرت مسیحؑ سے ملا نہیں، یہ ایک عالم شخص تھا، اور اپنے وقت کے مروجہ علوم سے خوب واقف تھا، اس وقت بحیرہ روم کے اردگرد کے ممالک میں عیسائیت کے موجودہ تثلیثی عقیدہ سے ملتے جلتے کچھ خیالات پائے جاتے تھے۔ حضرت مسیحؑ کے پہلے حواریوں کی کم علمی سے فائدہ اٹھا کر اس نے ان خیالات کو مسیحی تعلیم میں جاری کردیا، چونکہ صاحب علم شخص تھا، پطرس اور مسیحؑ کے دیگر حواریوں کی اس کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ گئی، اور حضرت مسیحؑ کا مذہب بگڑ کر موجودہ تثلیثی مذہب بن گیا، جو خالصًا پولوس کی ایجاد ہے، اس سے بڑھکر کسی شخص کی زندگی کیا حسرت و یاس انگیز ہوسکتی ہے، کہ جب تک وہ زندہ رہا، اپنے دشمنوں سے تکلیفیں اٹھاتا رہا، جب اس دنیا سے چلا گیا، تو اس کے ماننے والوں نے اس کی تعلیم کو بالکل بگاڑ دیا، اگر حضرت مسیحؑ کو اختیار دیا جاتا، تو وہ ہزار صلیبی موت قبول کرتے، اس روحانی موت کے مقابلہ میں، جو پولوس کے پھیلائے تثلیثی عقیدہ کے نتیجہ میں ان کی قوم پر وارد ہوئی، اور جس موت سے زندہ کرنے کے لئے اللہ تعالٰے نے ایک اور مسیح کو بھیجا ہے، جو پہلے مسیحؑ سے اپنی تمام شان میں بڑھکر ہے۔

حضرت مسیح کے مقابلے میں ہمارے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ایک تاریخی انسان ہیں، آپ کی پیدائش سے لیکر وفات تک کے مکمل اور صحیح حالات ہم تک پہونچے ہیں، بلکہ حق تو یہ ہے، کہ آجتک کسی زندہ یا مُردہ انسان کے حالات اس تفصیل اور صحت کے ساتھ محفوظ نہیں ہیں، جتنے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے، یہاں تک کہ گھر کے پرائیویٹ اور اپنی بیویوں سے تعلقات تک کے حالات محفوظ ہیں، کہاں حضرت مسیحؑ کہ جن کی ولادت کے حالات مشتبہ، جن کی زندگی کے حالات غیر معلوم، جن کی وفات کے واقعات مشکوک، اور کہاں پاکوں کا سردار محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کہ اُن کی ساری زندگی کی ایک ایک ساعت کا پورا نقشہ ہمارے پاس موجود ہے۔

برخلاف مسیح کے بانیٔ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک تاریخی ہستی ہیں، اور آپ کے افعال واقوال ایسے یقینی طور پر محفوظ ہیں، کہ مکمل تاریخ عالم کسی ایسے شخص کو پیش کرنے سے عاجز ہے، جس کی زندگی کے کوائف اور حالات ایسے محفوظ رہے ہوں۔ آپ کی تعلیم اور آپ کی سُنّت کامل طور پر ایسی ہی ہم تک پہونچی ہیں، جیسی ان لوگوں کو ملی تھیں، جن میں آپ پیدا ہوئے، اور اپنے مشن کی تبلیغ فرماتے رہے، پہلی صدی ہجری اور چودھویں صدی ہجری کے مسلمان میں صرف یہ فرق ہے، کہ پہلی صدی ہجری کے مسلمان اس ماہِ منورؐ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے، اور اب حضورؐ اپنے جسم خاکی کے ساتھ دنیا میں موجود نہیں ہیں، ورنہ آپؐ کی مکمل شریعت قرآن، آپؐ کی سُنّت، اور آپ کے اقوال جس شکل میں قرنِ اوّل کے مسلمانوں کے سامنے تھے، بعینہٖ اسی شکل میں ہمارے پاس موجود ہیں، اور قیامت تک انشاء اللہ یہ چیزیں اسی طرح محفوظ چلی جائینگی، دوسرے کسی مذہب کے بانی یا مصلح کو یہ بات حاصل نہیں، صرف یہی بات اس امر کا ایک ناقابل تردید ثبوت ہے، کہ دوسرے مصلحین اور انبیاء کی شریعتیں مختص الزمان اور مختص المکان تھیں، اس لئے مرورِ زمانہ کے اثر سے وہ محفوظ نہ رہ سکیں، لیکن بانیٔ اسلام علیہ السلام کا اسوہ اور آپ کی شریعت

ہر قوم اور ہر وقت کے لئے تھی، اس لئے وہ دنیا میں آجتک محفوظ ہیں، اور زمانہ کا کوئی تغیر اور کوئی گردش ان کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔

ان قیمتی جواہر ریزوں کے ہم تک محفوظ پہونچنے کے لئے ضروری تھا، کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فداکاروں کی ایک ایسی جماعت ملتی، جن کی فدائیت اور وفاداری کی مثال بھی کسی اور قوم میں نہ پائی جاتی، یہ ایک ٹھوس اور سچی تاریخی حقیقت ہے، کہ جیسی خالص اور بے غرض محبت نبی عرب صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے والوں نے آپ سے کی، کبھی کسی عاشق نے ویسی محبت اپنے معشوق سے نہیں کی، ان کی محبت کا یہ عالم تھا، کہ جہاں اتفاق سے رسول اللہؐ کو ٹھوکر لگی وہ خود ٹھوکر کھاتے تھے، مسیحؑ کے پطرس نے آپ پر لعنت بھیجکر آپ سے اپنی بے تعلقی کا ثبوت پیش کر کے اپنی جان بچائی، اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی بیوی اور بچے آپ پر قربان کر کے خوش ہوتے تھے، کہ ہم اپنی مراد کو پا گئے۔ اس آسمانی شمع کو جس نے دنیا کو قیامت تک منور کرنا تھا، ایسے ہی پروانوں کی ضرورت تھی، ورنہ قرآن اور سنت رسولؐ اور احادیث رسولؐ ہم تک کس طرح پہونچ سکتے تھے، انہوں نے قرآن اور احادیث کو اپنے سینوں میں محفوظ رکھکر ہم تک پہنچایا، اور آپؐ کی سنت پر اس وفاداری سے عمل کیا، کہ وہ اپنی صحیح شکل میں ہم تک پہونچی، حضرت مسیحؑ کی ساری تبلیغ اور تعلیم کا نچوڑ ایک "پہاڑی وعظ" ہے۔ جو غیر محفوظ شکل میں ہم تک پہونچا ہے۔ لیکن اس کے برخلاف بانی اسلامؐ کے سینکڑوں مواعظ اور نصائح اکثر حالتوں میں لفظاً لفظاً ہم تک محفوظ پہنچے ہیں، عیسائی دُنیا کو "پہاڑی وعظ" پر بڑا ناز ہے، یہی کچھ ہے، جو عیسائیت کے پاس ہے، یہی عیسائیت کا قرآن ہے، یہی اس کی بخاری اور مسلم ہے، قرآن کریم تو خیر کلام الٰہی ہے، "پہاڑی وعظ" کو اس سے کیا نسبت، اور بخاری اور مسلم بھی روحانی علوم کے خزانوں سے بھرپور ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سینکڑوں ہزاروں وعظوں میں سے کسی ایک وعظ کا مقابلہ بھی "پہاڑی وعظ" نہیں

کر سکتا حضور مختصر گو تھے۔ لیکن کلام الٰہی کی طرح حضور کے کلام کے کئی کئی بطن ہوتے تھے۔ آپ کو جوامع الکلم عطا ہوئے تھے۔ اور آپ کا ایک ایک فقرہ جامع و مانع مضامین کا حامل ہوتا تھا۔ بے شک حضرت مسیح کا طرز کلام بھی ایک دلکشی اپنے اندر رکھتا تھا۔ لیکن جو جذب، جو مقناطیسی قوت اور جو کانی علوم کے خزانے حضور علیہ السلام کا کلام اپنے اندر رکھتا تھا، وہ بات حضرت مسیح کے کلام کو کہاں نصیب! "پہاڑی وعظ" جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے حضرت مسیح کی تعلیم کا نچوڑ اور خلاصہ ہے۔ مگر اس کی تاریخی حیثیت تو اس بات ہی سے ظاہر ہے، کہ اس وعظ کا مرقس کی انجیل میں کہیں ذکر نہیں، جو تاریخی لحاظ سے اناجیل اربعہ میں سے سب سے زیادہ معتبر و مستند مانی گئی ہے۔ اس وعظ میں حضرت مسیح چند اخلاقی امور یعنی رحمدلی، راستبازی، پاک دلی وغیرہ کی تعریف فرمانے کے بعد چند شرعی احکام بیان فرماتے ہیں۔ اور وہ یہ ہیں:-

۱۔ تم سن چکے ہو، کہ اگلوں سے کہا گیا تھا، کہ خون نہ کر، اور جو کوئی خون کریگا، وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا، لیکن میں تم سے کہتا ہوں، کہ جو کوئی اپنے بھائی پر غصے ہوگا، وہ عدالت کی سزا کے لائق ہوگا،

۲۔ تم سن چکے ہو، کہ کہا گیا تھا، کہ زنا نہ کر، لیکن میں تم سے کہتا ہوں، کہ جس کسی نے بری خواہش سے کسی عورت پر نگاہ ڈالی، وہ اپنے دل میں اس کے ساتھ زنا کر چکا۔

۳۔ تم سن چکے ہو، کہ اگلوں سے کہا گیا تھا، کہ جھوٹی قسم نہ کھا...... لیکن میں تم سے کہتا ہوں، کہ بالکل قسم نہ کھانا۔ ۱/

۴۔ تم سن چکے ہو، کہ کہا گیا تھا، کہ آنکھ کے بدلے آنکھ اور دانت کے بدلے دانت۔ لیکن میں تم سے یہ کہتا ہوں، کہ شریر کا مقابلہ نہ کرنا، بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے، دوسرا بھی اس کی طرف پھیر دے۔ اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے، تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے، اور

جو کوئی تجھے ایک کوس بیگار میں لے جائے، اس کے ساتھ دو کوس چلا جا۔ جو کوئی تجھ سے مانگے اُسے دے، اور جو تجھ سے قرض چاہے، اس سے مُنہ نہ موڑ۔

۵۔ تم سُن چکے ہو، کہ کہا گیا تھا، اپنے پڑوسی سے محبت رکھ، اور اپنے دشمن سے عداوت۔ لیکن مَیں تم سے یہ کہتا ہوں، کہ اپنے دشمن سے محبت رکھو، اور اپنے ستانے والوں کے لئے دعا مانگو۔ الخ

اس کے بعد راستبازی، دُعا، خیرات، ریاکاری، روزہ، دوسروں پر الزام لگانے اور خدا پر بھروسہ رکھنے کے بارہ میں نصائح ہیں، اور "پہاڑی وعظ" ختم ہوتا ہے اور ساتھ ہی شریعت غرّائے عیسوی بھی۔

اب کوئی مذہب ۔ ۔ ۔ یہ تعلیم نہیں دیتا، کہ انسان راستباز نہ ہو، پاک دل نہ ہو، سنگدل ہو، خون کرتا پھرے، یا لوگوں پر بے وجہ ناراض ہو جائے، غیر عورتوں کو بدنظری سے دیکھے، بے وجہ اور بلا ضرورت بے وقار انسان کی طرح قسمیں کھائے، شرارت کا ہر حالت میں مقابلہ کرے، اور دشمن کو انتقام لئے بغیر نہ چھوڑے اور اس سے عداوت رکھے۔

یہ پہاڑی وعظ جس پر عیسائیت کو اتنا ناز ہے، اور جس کو اس کے منّاد گلی کوچوں میں فخر سے بیان کرتے پھرتے ہیں، ایک معمولی اخلاقی وعظ ہے، جو ہر مصلح وقتاً فوقتاً اپنے عقیدت کیشوں کو کرتا ہے۔ اور بعض حصّے تو اس وعظ کے ایسے ہیں، کہ مخصوص حالات میں تو ان پر عمل کیا جا سکتا ہے، اور وہ عمل اچھے نتائج بھی پیدا کر سکتا ہے، لیکن اگر ان پر غیر مشروط طور پر ماحول کا خیال کئے بغیر ہر صورت اور ہر حالت میں عمل کیا جائے، تو بجائے کسی فائدہ کے بہت بڑا اخلاقی اور روحانی فساد پیدا ہو سکتا ہے۔ اس ساری تعلیم کا خلاصہ یہ ہے، کہ دشمنوں سے محبت کرو، اور سختی کا جواب نرمی سے دو، یہ اچھی باتیں ہیں، لیکن یہ بھی تو بتایا جاتا، کہ ایک حالت میں کسی انسان کا دوسرے کے منہ پر تھ

ایک قسم کا سلوک کرنا محبت کہلاتا ہے، اور دوسرے وقت میں اسی قسم کا سلوک کرنا اس سے بدترین قسم کی دشمنی ہوتا ہے، بہت ممکن ہے، کہ ایک انسان اسی تعلیم کے ماتحت اپنے ایک ڈاکو اور چور دشمن کو اپنے گھر میں پناہ دے کر اس کو قانون کی گرفت سے محفوظ کر کے اس سے محبت کر رہا ہو، اور حقیقت میں وہ اس کے اخلاق اور روحانیت کو برباد کر رہا ہو، اور سوسائٹی کے امن کو برباد کر کے نہ صرف محبت کی بجائے اس دشمن سے دشمنی کر رہا ہو، بلکہ انسانی سوسائٹی کے ساتھ بھی مرتکب عداوت کر رہا ہو، یہ تو ایک لمبا مضمون ہے، جس کے بیان کا یہاں نہ موقعہ ہے، اور نہ گنجائش لیکن یہ صحیح بات ہے، کہ "پہاڑی وعظ" اپنے اندر کوئی ایسی امتیازی خصوصیت نہیں رکھتا، جس پر فخر کیا جائے، اسلام نے کس خوبصورتی سے ایک ہی فقرہ میں انسانی اعمال کے حسن و قبح کے فلسفہ کو بیان فرما دیا ہے، قرآن کریم فرماتا ہے، کہ انسان کا کوئی فعل اپنی ذات میں اچھا یا برا نہیں، ہر فعل کسی طبعی تقاضے کا نتیجہ ہے، اور طبعی تقاضوں کے جائز استعمال کا نام فعل حسن، اور ناجائز استعمال کا نام گناہ ہے۔

اس فلسفہ کے پیش نظر انسان کے اعمال مختلف حالات میں مختلف شکل اختیار کرتے جائینگے اور حالات کی تبدیلی کے ساتھ اعمال کی شکل بدلتی چلی جائیگی۔ جب تک انسان اس فلسفہ کو نہ سمجھ لے اور اپنے اعمال میں اس کو مد نظر نہ رکھے اس کے اعمال جانوروں کے طرح طبعی جذبات اور تقاضوں کا نتیجہ ہیں، اور ان کو اچھا یا برا کہنا ہی غلطی ہے، یہ پہاڑی وعظ حضرت مسیح کا .... Testament آف لاسٹ یعنی وصیت نامہ ہے، اس کے مقابلہ میں میں یہاں صرف رسول اکرمؐ کے اس وعظ کا خلاصہ نقل کرتا ہوں، جو آپ نے عرفات کے میدان میں حجۃ الوداع میں ایک لاکھ سے زیادہ مریدان باصفا کے سامنے فرمایا۔ ازانجملہ اور باتوں کے حضور نے فرمایا:۔

ا۔ کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت ہے۔ تم سب آدمؑ

کی اولاد ہو، اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا تھا۔

۲۔ تمام مسلمان بھائی بھائی ہیں، اپنے غلاموں کو وہی خوراک دو، جو تم خود کھاتے ہو اور وہی لباس دو، جو تم خود پہنتے ہو،

۳۔ عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرو، جس طرح تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں، عورتوں کے حقوق بھی تم پر ہیں۔

۴۔ جاہلیت کے سارے سُود منسوخ ہیں، اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباس کا سُود فسخ کرتا ہوں۔

کہنے کو تو یہ تین چار فقرے ہیں، لیکن انہی تین چار فقروں میں موجودہ زمانہ بلکہ ہر زمانہ کے سیاسی، سوشل اور اقتصادی مفاسد کا آپ نے علاج بیان فرما دیا ہے۔

دنیا کے امن کو جس قدر اس فاسد خیال نے برباد کیا ہے۔ کہ ایک قوم سمجھتی ہے کہ میرا تمدن اور میرا کلچر اور میری تہذیب میری ہمسایہ قوم کے تمدّن اور تہذیب سے بہتر ہے، اور کسی چیز نے اتنا نہیں کیا۔ دنیا میں جتنی جنگیں ہوئی ہیں، اور جتنی کوششیں ایک قوم نے دوسری قوم کو مغلوب و مفتوح بنانے میں خرچ کیں، ان سب کے پیچھے یہی خیال کارفرما تھا، کہ حملہ آور قوم اپنے آپ کو اس قوم سے جس پر وہ حملہ کرتی تھی، نسل، رنگ، قومیت، تہذیب اور تمدن کے لحاظ سے افضل سمجھتی تھی اور اس بات میں اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتی تھی کہ ایک کم درجہ کے تمدّن اور تہذیب کو برباد کر کے اس کی جگہ اپنے بہتر کلچر کو قائم کرے۔ بابلی، یونانی، ایرانی اور رومی قوموں نے اپنے اپنے وقت میں اسی خیال کے ماتحت دوسری قوموں کو زیر کیا۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں مغربی اقوام نے بھی اسی بہانے سے سارے ایشیا اور افریقہ کی گردن میں زبردستی غلامی کا جُوا ڈالا، اور خدا کی مخلوق کو سفید، سیاہ، زرد اور بھورے میں تقسیم کر کے اپنے حق میں دنیا کی حکومت کی دائمی اجارہ داری اور

افریقی اور ایشیائی قوموں کے حق میں ابدالآباد کی غلامی کا پٹہ لکھ دیا۔ گزشتہ دس سالوں میں جاپان نے منچوریا پر اسی بہانہ سے حملہ کیا، اور اب وہ چین کو اسی بہانہ سے ہضم کر رہا ہے۔ اطالیہ میں اٹلی حبشی لوگوں کو تعلیم دینے اور مہذب بنانے کی خاطر داخل ہوا ہے، اور گزشتہ سال ہٹلر نے زیکوسلواکیہ پر قبضہ کرنے کی یہی دلیل دی تھی، کہ یورپ وسطی اور خود چیکوسلواکیہ کی بھی اسی میں بہتری ہے، کہ ایک بہتر قوم ایک افضل کلچر کو ایک کمتر کلچر کی جگہ قائم کرے۔ گزشتہ صدی میں تو مغربی اقوام ایشیائی اور افریقی ممالک پر اپنے ظالمانہ اور غاصبانہ قبضہ کو نہایت مشفقانہ انداز میں سفید قوموں کے کندھوں پر بوجھ" کے نام سے یاد کرتی تھیں، اس قزاقانہ ملکی مار دھاڑ کا نام انہوں نے White man's burden رکھا ہوا تھا، یعنی یورپ نے جو ایشیاء اور افریقہ پر قبضہ جمایا ہوا ہے، یہ تو بیچاری یورپین اقوام کے کندھوں پر ایک بے فائدہ بوجھ ہے، مغربی اقوام تو ایشیاء اور افریقہ میں اپنے کسی فائدہ کے لئے نہیں بلکہ ایشیائی اور افریقی غیر متمدن لوگوں کو تہذیب سکھانے گئی ہیں۔ یہ اس تہذیب سکھانے کا ہی نتیجہ تھا، کہ مغربی اقوام کو "زرد خطرہ" اور "سیاہ خطرہ" نظر آنے لگا۔ اور ان قوموں میں اپنے خلاف ایک بے پناہ طوفانِ مخالفت اٹھتا ہوا نظر آیا۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس خطرہ کا سد باب اپنے آخری وعظ میں کیا، اور فرمایا نسل، رنگ اور قومیت کے امتیازات آج سے مٹائے جاتے ہیں، کسی قوم کو ان وجوہات کی بناء پر دوسری قوم پر کوئی فضیلت نہ ہوگی، آج سے عرب اور عجم کا جھگڑا ختم کیا جاتا ہے، کالے گورے اور بھورے کا سوال مٹایا جاتا ہے، اب دنیا میں ایک ہی قوم ہوگی اور وہ بنی نوع انسان ہے۔ تمام قومی تفاخر، تمام قومی خدا اور دیوتے، قومی رسول اور مصلح، قومی شریعتیں، قومی قبلے سب دنیا سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دیئے جائینگے، اب دُنیا کا ایک خدا، ایک رسول، ایک شریعت اور ایک قبلہ ہوگا، کس خوبصورتی سے آپؐ نے ایک ہی فقرہ میں ایک ایسی بیماری کو دنیا سے دور کیا

جو قوموں اور نسلوں کو نسل کی طرح کھا رہی تھی، آپ کے ماننے والوں میں کم از کم کبھی قوموں کی تفریق رنگ، نسل اور قومیت کی بنا پر نہیں ہوئی، وہ عرب جو دوسری تمام قوموں کو عجم یعنی گونگے سمجھتے تھے، جہاں کہیں بھی گئے، دوسری قوموں کو انہوں نے اپنا بھائی سمجھا، اور ان سے بھائیوں جیسا سلوک کیا۔ یہ دنیا کی سب سے مہلک اور خطرناک سیاسی بیماری تھی، جس کا علاج آپ نے ایک مختصر سے فقرہ میں بیان فرمایا۔

دوسری سوشل بیماری جو اپنے اثرات کے لحاظ سے پہلی بیماری سے کم خطرناک نہ تھی یہ تھی کہ بنی نوع انسان کا ایک حصہ یعنی عورت بے رُوح اور بے جان سمجھی جاتی تھی، اس سے بہائم کا سا سلوک ہوتا تھا۔ یونان، ایران، روم اور ہندوستان وغیرہ ممالک میں اس سے ایک جیسا سلوک کیا جاتا تھا اس کو چتا میں اپنے مردہ خاوند کے ساتھ جلایا جاتا تھا، وہ زندہ گاڑی جاتی تھی، وہ مذہبی عبادات میں حصہ نہ لے سکتی تھی، ایک مرد جتنی عورتوں سے چاہے بیک وقت شادی کر سکتا تھا، اور جب چاہتا ان کو طلاق دے سکتا تھا، وہ ورثہ میں تقسیم ہوتی تھی، وہ بازار میں جانوروں کی طرح خریدی اور بیچی جاتی تھی، وہ میراث سے محروم رکھی جاتی تھی، غرضیکہ تمام قوموں اور تمام مذاہب نے عورت کو ایک نہایت ذلیل حیثیت دے رکھی تھی، وہ محض مرد کی دل لگی اور عیش کا ایک سامان تھی، اس سے زیادہ کچھ نہ تھی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے میدان میں لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کو اور اُن کے ذریعہ آنے والی نسلوں کو یہ ارشاد فرمایا، کہ عورت مرد کی دل لگی کے لئے ہی پیدا نہیں کی گئی، وہ محض اس کے عیش کا سامان ہی نہیں، وہ انسانیت کا ایک پورا نصف ہے، دوسرا نصف مرد ہے، عورت مرد کے بغیر اور مرد عورت کے بغیر نامکمل اور ناقص وجود ہے، عورت کو اللہ تعالیٰ نے مرد پر ایسے ہی حقوق عطا فرمائے ہیں، جیسے مرد کو عورت پر۔ بے شک بہت سے مرد کامل ہونے میں لیکن

کامل انسانیت کامل مرد اور کامل عورت کے مجموعہ سے ہی پیدا ہوسکتی ہے، آپ نے فرمایا کہ آج ہی عورت کو تمام وہ حقوق حاصل ہونگے، جو بحیثیت انسان مرد کو حاصل ہیں، بے شک عورت اور مرد کے حقوق کی نوعیت اور تفصیل میں فرق ہوگا، لیکن وہ نوعیت اور تفصیل خدا کی مقرر کردہ ہوگی، مرد کو ان حقوق کے کم کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ آج جو نسوانی بغاوت مغرب میں رونما ہے، اور عورت زندگی کے ہر شعبہ میں مرد کا مقابلہ کرنے پر تُلی ہوئی ہے، اس کی وجہ یہی ہے، کہ اس کو اس کے جائز حقوق سے ہزاروں سال محروم رکھا گیا۔ اور ہم دعوے سے کہتے ہیں، کہ مغرب کے اتنے دعویٰ تہذیب کے باوجود اور عورتوں کے اپنے حقوق کے حصول کے لئے ایجی ٹیشن کے باوجود "مہذب" اور "متمدن" مغرب کے کسی ملک نے آج بھی عورت کو وہ حقوق نہیں دیئے، جو اسلام نے آج سے چودہ سو سال پہلے عطا فرمائے۔ بے شک...... عورتوں کے ہاکی اور کرکٹ کھیلنے، سمندروں میں تیرنے کے مقابلہ میں ان کا حصہ لینے، ہوائی جہازوں میں بطور ہوا بازوں کے کام کرنے، دنیا کے گرد موٹروں میں گھومنے اور سینما تھیٹر اور منبروں پر چڑھکر مردوں کے سامنے اپنے حُسن کی نمائش کرنے کو اسلام پسند نہیں کرتا۔ لیکن وراثت، پرورش اولاد، خانگی امور کی سرانجام دہی اور نظام جماعت کے چلانے اور قوم کی بچیوں کی تربیت کے معاملہ میں.... نہ صرف ان کے حقوق کو معین طور پر تسلیم کرتا بلکہ ان کو ان امور کے متعلق پورے طور پر ذمہ وار قرار دیتا ہے۔

تیسرا نہایت اہم امر جس نے دنیا کے اقتصادی نظام کو تباہ کر کے رکھدیا ہے، اور دنیا میں اقتصادی بربادی اور تباہ کاری کا باعث ہُوا ہے، وہ سُود کا مسئلہ ہے، آج دُنیا میں دولت کی ناہموار تقسیم کا رونا ہر طرف رویا جا رہا ہے، دنیا کا اقتصادی نظام اس قدر بگڑا ہوا ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس دولت کی اس قدر افراط ہے، کہ وہ حیران ہیں کہ اس کو کیا کریں، اور دوسرے لوگ ہیں، کہ ان کو کھانے کو روٹی اور تن ڈھانکنے کو کپڑا میسر نہیں، پھر ظلم یہ ہے، کہ امیر اور امیر

ہوتا ہے، اور غریب غریب تر ہو رہا ہے، غریبوں کے لئے بوجہ افلاس کے ترقی کے سب دروازے مسدود ہیں، اور امیر لوگوں کے بچے بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے تمام دنیوی نعماء اور لذات سے متمتع ہو رہے ہیں، وہ جو دنیا کے لئے کھانے اور پینے کا سامان پیدا کرتے ہیں، وہ ننگے سوتے ہیں اور بھوکے اٹھتے ہیں، لیکن "منہ میں چاندی کا چمچہ" لئے پیدا ہونے والے انسانی سوسائٹی کے چور دوسروں کی کمائی پر عیش کرتے ہیں، یہ ظلم، یہ بے انصافی، یہ نارواتقسیم سُود اور محض سُود کا نتیجہ ہے۔

سود روپیہ کو کھینچتا ہے، اور روپیہ کی بہتات کی وجہ سے ملک کا سارا کاروبار، ساری تجارت چند افراد کے ہاتھ میں چلی جاتی ہے، اس کے علاوہ جنگیں سودی قرضہ کے سہارے لڑی جاتی ہیں، موجودہ جنگ میں صرف برطانیہ کا روزانہ مصارفِ جنگ کا خرچ ساٹھ لاکھ پونڈ یعنی ۹ کروڑ روپیہ ہے کس حکومت کے پاس اتنا روپیہ جمع ہے، کہ وہ اتنے بڑے مصارف کے ساتھ جنگ کو دیر تک جاری رکھ سکے، لیکن امیر لوگ حکومتوں کو سود پر روپیہ قرض دیتے ہیں، جس کے نتیجہ میں لڑنے والے غریب سپاہی میدانِ جنگ میں مارے جاکر اپنے پیچھے بیوہ عورتیں اور یتیم بچے چھوڑ جاتے ہیں، اور یہ دفتر میں بیٹھے ہوئے موٹے پیٹوں والے سودی قرضہ وصول کرکے اور زیادہ امیر ہوتے ہیں۔ غریب مرتے ہیں، اِن کا مال بڑھتا ہے، دنیا تباہ ہوتی ہے یہ خوش ہوتے ہیں، اور چونکہ جنگ کے جاری رہنے سے ان کو مالی فائدہ پہونچتا ہے، اس لئے یہ جنگ کو لمبا کرنے کی تدبیریں سوچتے ہیں، یہ بنی نوع انسان کے سب سے بڑے دشمن ہیں، نبی عرب صلے اللہ علیہ وسلم کی دُوربین نگاہ نے سُود کی تباہ کاریوں کو آج سے چودہ سو سال پہلے دیکھا، اور قرآن کریم نے فرمایا، کہ اگر تم سود لینا اور دینا بند نہ کروگے، تو خدا سے تمہاری جنگ ہوگی، یعنی اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ دنیا میں جنگیں ہوں گی، عرفات کے میدان میں آنے آخری حج کے موقعہ پر جب آپ کو یقین تھا، کہ دوبارہ اتنے انسانوں کو مخاطب کرنے کا آپ کو موقعہ نہیں ملیگا، آپ نے مسلمانوں کو اور مسلمانوں کے ذریعہ بنی نوع انسان کی آنے والی نسلوں کو سُود لینے اور سُود

دینے سے بتاکید منع فرمایا۔ یہ تین باتیں تھیں، جن پر دُنیا کے سیاسی، سوشل اور اقتصادی امن کا انحصار تھا۔ اور حضور علیہ السلام نے تین مختصر فقروں میں اِن تین بیماریوں کا علاج بتا دیا۔

یہ تھا نبی عربؐ کا آخری وعظ، جو عرفات کے میدان میں مسلمانوں کے ایک انبوہِ کثیر کو نہیں، بلکہ قوموں کو اور آنے والی نسلوں کو مخاطب کر کے آپؐ نے فرمایا۔ عیسائی دنیا ذرا اس مختصر سے وعظ کے ساتھ مسیح کے "پہاڑی وعظ" کا مقابلہ تو کرے، "پہاڑی وعظ" میں کونسی نئی بات ہے، جو دوسرے مصلحین اور ریفارمروں کے مواعظ میں نہیں ہوتی۔ اور رسول اکرمؐ کے وعظ میں جس کا صرف ایک حصّہ میں نے اختصاراً بیان کیا ہے، جن سوشل، سیاسی اور اقتصادی امراض کا علاج بیان کیا گیا ہے، کس تعلیم میں، کس نبی کے کلام میں اور کس مصلح کے وعظ میں اس حُسن اور خوبصورتی کے ساتھ ان امراض کو اور ان کے علاج کو بیان کیا گیا ہے۔ اسلامی تعلیم کی خوشہ چینی سے تو اب یہ باتیں بیان کی جا سکتی ہیں، لیکن کسی مذہب کا کوئی پیرو اپنی کسی مذہبی کتاب سے نکال کر تو دکھائے، کہ اتنی مختصر سی عبارت میں علوم کے اتنے خزانے بھر دیئے گئے ہوں۔

ناصرہ کے فقیر منش پیغمبر کی شاہِ عرب کے مقابلہ میں کیا حیثیت تھی، سارے نبی موسیٰؑ، ابراہیمؑ، زرتشت، کرشنؑ، بدھ، نہیں بلکہ ساری کائنات مل کر بھی اس دلبرِ یگانہ کے حُسنِ بے مثال کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن
واں مسیحِ ناصری شد از دمِ او بے شمار

اتحاد نسلِ انسانی

(از جناب چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب ممبر ایگزیکٹو کونسل وائسرائے ہند)

کتب الٰہیہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی منشا یہ ہے، کہ ایک وقت میں تمام بنی نوع انسان کے درمیان ایک ایسا تعلق اور رشتہ قائم ہو جائے، جیسے کہ ایک خاندان کے مختلف افراد کے درمیان ہوتا ہے۔ اور اب تو مشاہدہ بھی اس امر کی زور کے ساتھ تائید کرتا ہے کہ دنیا نہایت سرعت کے ساتھ اس منشاء کی تکمیل کی طرف بڑھ رہی ہے، فاصلے کا تو احساس ہی قریباً غائب ہو رہا ہے۔ آج سے ڈیڑھ سو سال قبل جب ہندوستان کے بعض حصوں میں برطانوی عملداری کا آغاز ہوا، تو انگلستان اور ہندوستان کے درمیان کی مسافت چار ماہ میں طے ہوا کرتی تھی، اور آج یہ صورت ہے، کہ ایک شخص اتوار کی صبح کو کراچی سے ڈچ ہوائی جہاز پر سوار ہو کر تین دن بعد بدھوار کی شام کو لنڈن پہونچ جاتا ہے، اور لنڈن پہونچکر ٹیلیفون کے ذریعہ اپنے عزیزوں کے ساتھ جو پیچھے ہندوستان میں پانچہزار میل کے فاصلہ پر منتظر بیٹھے ہوں، گفتگو کر سکتا ہے، وہ اس کی آواز سنتے ہیں، اور یہ ان کی آواز سنتا ہے، گویا یہ سب ایک کمرے کے اندر موجود ہیں، اور وہ وقت نہایت قریب ہے، کہ اتنے فاصلہ سے باتیں کرتے وقت طرفین ایک دوسرے کو اسی طرح دیکھ بھی سکیں، جس طرح ایک دوسرے کی آواز سُن سکتے ہیں۔

اسی طرح زندگی کے ہر شعبہ میں ایک تیز حرکت اتحاد اور یک جہتی کی طرف پیدا ہو رہی ہے، اور دنیا کو ناچار تسلیم کرنا پڑا ہے، کہ تمام انسان دراصل اخوت کے مضبوط رشتہ میں جکڑے

ہوتے ہیں، اور قومی اور نسلی اور ملکی تفریقیں اور تقسیمیں باہمی میل جول اور جان پہچان کی سہولت کے لئے ہیں، نہ کہ باہمی تعلقات کی روک کے لئے، اور ان کی غرض یہ ہے، کہ انسانی معاشرت کے مختلف شعبوں میں رونق اور ترقی ہو، نہ کہ آپس میں مخالفت اور منافرت بڑھے۔ اسی احساس کے ماتحت آئے دن بین الاقوامی سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی مجلسیں باہمی مشاورت کے لئے قائم کی جا رہی ہیں، تاکہ بنی نوع انسان کی ترقی کی راہیں متحدہ طور پر طے کی جاسکیں، کہیں جنگ کے ختم کر دینے کے طریق سوچے جا رہے ہیں، کہیں دنیا کے اقتصادیات پر بحث ہو رہی ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عام طور پر انسانوں کے دلوں میں اتحاد کی ضرورت کا احساس تو ہے، لیکن ذاتی، قومی اور ملکی اغراض و مفاد اکثر اوقات اس اتحاد کے عملی حصول کے رستہ میں حائل ہو جاتے ہیں، دنیا کی اکثر مشکلات کا حل اسی طریق سے ہو سکتا ہے، کہ انسان منشاء الٰہی کو سمجھیں، اور ان تدابیر کو اختیار کرنے کی کوشش کریں جن سے وہ منشاء پورا ہوتا نظر آئے، ورنہ آخر ہوگا تو وہی جو خدا چاہتا ہے، اور وہ قومیں اور حکومتیں اور ملک جو اس رستہ میں روک ہونے کی کوششیں کرینگے وہ اس رستہ سے ہٹا دیئے جائینگے، اور اللہ تعالےٰ کا منشا اپنی تکمیل کو پہونچے گا۔

یہی حالت روحانی اُمور میں ہے، جہاں اللہ تعالےٰ نے ہر زمانہ میں بنی نوع انسان کی جسمانی پرورش اور تربیت کا انتظام کیا ہے، وہاں ساتھ ساتھ ہر زمانے اور ہر قوم میں انسانوں کی روحانی پرورش اور تربیت کا انتظام بھی فرمایا ہے، اور مختلف زمانوں اور قوموں میں وُہ راستباز اور پاک انسانوں کو بنی نوع انسان کی روحانی ہدایت اور تربیت کے لئے مقرر فرماتا رہا ہے، اور باوجود انسانی مخالفت اور منصوبوں کے دُنیا دیکھتی رہی ہے، کہ آخر اللہ تعالیٰ کا منشا ہی

غالب ہوتا رہا ہے، اور اس کے صادقوں ہی کو ہمیشہ غلبہ ہوتا رہا ہے، اور مخالف خواہ افراد ہوں خواہ قومیں اور خواہ حکومتیں آخر مغلوب ہوتی رہی ہیں۔ اللہ تعالےٰ کی اس سنت کے ماتحت اس کا نور مختلف زمانوں اور ملکوں اور قوموں میں چمکا اور ظاہر ہوا۔ لوگوں نے اسے بجھانے کی کوششیں کیں، لیکن یہ نور بڑھتا اور تیز ہی ہوتا گیا۔ اور جن لوگوں نے اسے بجھانے کی کوشش کی، وہ مٹا دیئے گئے یہی حالت دنیا نے زرتشت، اور بدھ کے وقت دیکھی، اور اسی نور کا غلبہ رام چندر اور کرشن میں دیکھا، یہی نور ابراہیمؑ اور موسےٰ کے ذریعہ ظاہر ہوا، یہی نور تھا جس کے اظہار کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالےٰ نے مسیح کو زندہ صلیب سے اتار لیا، اور یہی نور تھا جس کا کامل جلوہ فاران کی چوٹیوں اور بطحا کی وادی اور یثرب کے باغوں میں محمد (صلے اللہ علیہ وسلم۔ فداہ ابی و امی) کی ذات میں دیکھا۔ (ان تمام راستبازوں اور صادقوں پر اللہ تعالےٰ کی سلامتی ہو)

لیکن ہر نبی کے ظہور اور غلبہ کے بعد جوں جوں زمانہ گذرتا گیا، انسانی خواہشوں اور تاویلوں نے الٰہی ھدایت میں دخل اندازی شروع کر دی، اور آہستہ آہستہ ان ہدایات کا اثر زائل ہوتا گیا، حتیٰ کہ وہ زمانہ آگیا، کہ جب انسانی تعلقات اس قدر قریب آ گئے، کہ اللہ تعالےٰ کی حکمت نے تمام دنیا کی ہدایت کے لئے ایک ہی ہدایت نامہ اور ایک ہی کامل نمونہ تجویز فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ساتھ ہی یہ بشارت بنی نوع انسان کے مختلف طبقوں کو دی، کہ جب مادی حالات کی ترقی مختلف قوموں اور انسانوں کو قریب تر لے آئے گی، اور مختلف قومیں ایک ہی خاندان کا جزو شمار ہونے لگیں گی، اور مختلف ملک ایک ہی شہر کے محلے نظر آنے لگیں گے، تو روحانیت میں بھی وہ اتحاد جو ازل سے چلا آتا ہے، ظاہر میں بھی نظر آنے لگے گا، اور دنیا پہچان لے گی، کہ زرتشت بدھ، رامچندر، کرشن، ابراہیم، موسیٰ، مسیح اور خدا کے بے شمار اور راستباز (ان سب پر خدا تعالیٰ کی سلامتی ہو) اسی نور کی مختلف چمکیں تھیں، جو آخر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اپنے کمال

میں ظاہر ہوا، اور یوں ہوگا، کہ آپ کے ایک غلام پر خدا تعالےٰ اس نور کی ایک چمک ڈالے گا جس میں زرتشت کے شیدائی زرتشت کو، بدھ کے نام لیوا بدھ کو، رام چندر اور کرشن کا نام جپنے والے رامچندر اور کرشن کو، ابراہیمؑ اور موسےٰ کے متبعین ابراہیمؑ اور موسےٰ کو، مسیحؑ کو محبوب رکھنے والے مسیح کو، اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم پر جانیں فدا کرنے والے حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو ایک کامل عکس کے طور پر دیکھ لیں گے، اور پکار اٹھیں گے، کہ یہی وہ نور تھا، جو ہمارے بزرگوں کے ذریعہ ظاہر ہوا، اور اس طرح تمام اختلافات کو جو روحانی امور میں پیدا ہو گئے ہیں، اٹھا دیئے جائینگے، اور دنیا مادی اور جسمانی اور روحانی اتحاد اور اخوت کی طرف تیزی سے بڑھنا شروع کر دے گی، اور صلح اور آشتی اور پریم اور شانتی کا زمانہ شروع ہو جائیگا، چنانچہ وہ پاک انسان احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی ظاہر ہو چکا، اور گو ابتدا میں اس کے ساتھ بھی انسانوں نے وہی سلوک کیا، جو ہمیشہ خدا کے راستبازوں کے ساتھ ہوتا چلا آیا ہے، اور انسانوں نے اسے رد کیا، اور دکھ دیا، اور حقارت سے دیکھا، لیکن آخر وہی ہوگا، جو خدا کا منشاء ہے، اور اللہ تعالےٰ اپنے بندے کی راستبازی اور صداقت قائم کرے گا، اور تمام روکیں اسکے رستہ سے مٹا دے گا، تا کہ بنی نوع انسان روحانی اتحاد کے نقطہ پر جمع ہو سکیں۔

اس لئے ضروری ہے، کہ دنیا میں تمام راستبازوں کی صداقت کو تسلیم کیا جائے، اور ان کی عزت کو تمام قوموں میں قائم کیا جائے، اور میں صدق دل سے اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ ہم نوا ہو کر کہتا ہوں، خدا کے راستباز بندے کرشن پر خدا کی سلامتی ہو، کرشن علیہ السلام کی جے ؛

حضرت کرشن علیہ السلام

اسلام نے اللہ تعالےٰ کی صفات میں سے ایک صفت رَبُّ الْعٰلَمِیْن بیان کی ہے جس کے معنے ہیں، سب جہانوں کی پرورش کرنے والا۔ یعنی سَرو لوک پالک۔ اس نے اپنی صفت ربوبیت کے ماتحت ہمارے جسم کے لئے، جو آج ہے، اور کل نہیں ہوگا، ہزارہا نعمتیں پیدا کی ہیں، ہزاروں اور لاکھوں قسم کی لذیذ سے لذیذ اشیاء اور خوبصورت سے خوبصورت چیزیں ہمارے کھانے، پینے، دیکھنے اور دیگر جسمانی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ہمیں بخشی ہیں، اور سچ یہ ہے، کہ وہ نعمتیں جو اس ربّ العٰلمین نے اپنی مخلوق کی محض جسمانی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے پیدا کی ہیں، ان کا شمار ہی نہیں ہو سکتا، وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا۔

جس رحیم و کریم خدا نے ہمارے فانی جسم کی غذا و بقاء کا اس قدر عظیم الشان انتظام کیا ہے، اس نے ہماری روح کی غذا و بقاء کا انتظام بھی کیا ہے، کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا، کہ روح، جو جسم کے مقابلہ میں باقی رہنے والی ہے، اس کو نظر انداز کر دیا گیا ہو، یہ حکیم خدا کی شان کے منافی ہے۔

روح کی غذا کیا ہے؟ عشق اور وصالِ الٰہی۔ اور حقیقی عشق اور وصالِ الٰہی بجز وحی و الہام حاصل نہیں ہو سکتا، اس لئے خدا تعالےٰ نے جس طرح ہر قوم اور ملک کے رہنے والوں کی جسمانی

ضروریاتِ زندگی پورا کرنے کا سامان کیا ہے، اور اپنی عام رحمت سے کسی کو مستثنیٰ نہیں کیا، اسی طرح روحانی ضرویات کو پورا کرنے کا سامان بھی عام کیا ہے، اور کسی قوم یا ملک کو اس سے محروم نہیں رکھا جسمانی اور روحانی نظام یکساں اور برابر چلتے ہیں، ان میں کوئی تضاد نہیں ہوسکتا، کیونکہ دونوں ایک ہی خدا کے جاری کردہ ہیں۔ پس اس نے سب قوموں اور ملکوں کی روحانی غذا کے لئے ان میں وحی و الہام کا سلسلہ جاری کیا، اور اپنے نبی اور رسول بھیجے، قرآن کریم فرماتا ہے، وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ یعنی ہم نے ہر قوم میں ڈرانیوالا بھیجا ہے، اور دوسری جگہ فرمایا، مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ، یعنی اے نبی! بعض رسولوں کا ہم نے تیری وحی میں ذکر کیا ہے، اور بعض کا ذکر نہیں کیا ہے، مؤخر الذکر آیت میں یہ اشارہ ہے، کہ یہ خیال نہ کرنا چاہیئے، کہ جتنے نبیوں اور رسولوں کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ان کے سوا اور کوئی نبی اور رسول نہیں گذرا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ہے، کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی خدا کی طرف سے مختلف وقتوں میں آچکے ہیں۔

دنیا کی ہدایت و رہنمائی کے لئے خدا تعالےٰ کی طرف سے جو نبی مختلف قوموں میں آتے رہے ان میں سے ہندوستان کے نبی حضرت کرشن علیہ السلام کا درجہ بہت بلند ہے، جو اس ملک کے لوگوں کی روحانی اصلاح کے لئے مبعوث کئے گئے تھے، ہندوستان میں حضرت کرشن کو جو قبولیت عامہ حاصل ہے، اور اس ملک کے باشندوں کو آپ کے نام سے جو اخلاص اور محبت ہے، وہ سوائے خدا تعالےٰ کے مقرب اور پاکباز بندوں کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتی۔ ایک طرف جب ہم حضرت کرشن کی یہ قبولیت اور لوگوں کی آپ سے یہ عقیدت دیکھتے ہیں، اور دوسری طرف قرآن مجید میں یہ فرمانِ الٰہی پاتے ہیں، کہ ہم نے ہر قوم اور ملک میں اپنے نبی اور رسول بھیجے ہیں، تو ہم اس بات

کو ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں، کہ شری کرشن یقیناً خدا تعالیٰ کے نبی تھے۔ کروڑوں انسان قرنہا قرن سے ایک شخص کے دامنِ تقدّس سے وابستہ ہوں، اور یہ وابستگی ہر زمانہ میں ان کی زندگیوں میں ایک پاکیزہ تغیّر پیدا کرتی رہی ہو، اور ایک بڑی قوم اسے اوتار یعنی خدا کا مظہر مانتی چلی آئی، اور اس کے نام کی برکت سے اس میں نیکی پیدا ہوتی رہی ہو، ایسے شخص کی نبوت میں کیا شک ہو سکتا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ جس قبولیت اور کروڑوں انسانوں کے دلوں میں محبت و عقیدت کا مقام حضرت کرشن ؑ کو حاصل ہے، وہ سوائے خدا کے خاص مقربوں اور نبیوں کے اور کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ غالباً یہی وجہ ہے، کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی مرحوم ؒ بانی مدرسہ دیوبند جیسے عالم ربّانی اور حضرت مرزا مظہر جان جاناں جیسے صوفی کامل نے بھی حضرت کرشن ؑ کی نبوت کو تسلیم کیا ہے۔ اور اس زمانہ کے مامور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السّلام کو تو خدا تعالےٰ نے کشفاً یہ بتایا، کہ حضرت کرشن نبی تھے چنانچہ آپ اپنی کتاب تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۳۰ میں فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالےٰ نے کشفی حالت میں بارہا مجھے اس بات پر اطلاع دی ہے، کہ آریہ قوم میں کرشن نام ایک شخص جو گذرا ہے، وہ خدا کے برگزیدوں اور اپنے وقت کے نبیوں میں سے تھا۔"

نیز فرماتے ہیں:۔

"واضح ہو کہ راجہ کرشن، جیسا کہ مجھ پر ظاہر کیا گیا ہے، درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا، جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی، وہ اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا، جس پر خدا کی طرف سے روح القدس اترتا تھا، وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا، وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا، جس کی تعلیم کو پیچھے سے بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا، وہ خدا کی محبت سے پُر تھا، اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی

(کتاب "لیکچر سیالکوٹ" صفحہ ۳۴)

یہ بات قطعی طور پر ناقابل تسلیم ہے، کہ خدا نے ہندوستان جیسے عظیم الشان ملک کو جسے ایک چھوٹا سا اعظم کہنا بیجا نہ ہوگا، اپنی نبوت و رسالت کے فیضان سے محروم رکھا ہو۔ اور اس ملک کے باشندوں کی روحانی غذا کا کوئی انتظام نہ کیا ہو۔ یقیناً اس نے اپنے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں سے بہت سے نبی اس ملک کے لوگوں کی روحانی اصلاح و رہنمائی کے لئے بھی بھیجے ہونگے۔ اور حضرت کرشن کی عام قبولیت کو دیکھکر یہ ماننا پڑتا ہے، کہ ان کو اس ملک کے سب نبیوں میں ایک بڑا اور بلند مقام حاصل ہے۔

اس کے ساتھ ہی جب ہم ایک مشہور حدیث کو دیکھتے ہیں، جس میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کہ ہندوستان میں ایک سیاہ رنگ کا نبی کاہن نام گزرا ہے، تو حضرت کرشن کی نبوت کی شرعی تصدیق و تعیین بھی ہو جاتی ہے۔ حدیث میں کاہن کا لفظ آیا ہے، جو کنہیا کا معرّب ہے۔ یہ حضرت کرشن کے نام کا ایک حصہ ہے۔ ہندو آپ کو کرشن کنہیا کے نام سے پکارتے ہیں۔

مذکورہ بالا حدیث حضرت امام دیلمیؒ کی کتاب تاریخ ہمدان میں بیان کی جاتی ہے، گو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی یہ حدیث اپنی کتاب چشمۂ معرفت میں درج کی ہے، مگر آپ نے حضرت کرشن کی نبوت کی بنیاد زیادہ تر اپنے کشف پر رکھی ہے۔

بعض لوگ اس حدیث پر یہ جرح کرتے ہیں، کہ یہ بلا اسناد ہے، لیکن اہل علم پر روشن ہے، کہ صوفیاء میں بعض احادیث بلا اسناد مشہور چلی آتی ہیں، جنہیں محدثین نے بھی تسلیم کیا ہے، مثلاً

ایک حدیث لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ہے، اور دوسری عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِيَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْل۔ یہ دونوں بلا اسناد ہیں، مگر باوجود اس کے سب علماء ان کو مانتے، اور اپنی تصانیف میں انہیں درج کرکے ان سے استدلال کرتے چلے آئے ہیں، اور محدثین نے بھی انہیں مشہور قرار دیا ہے، حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ شرح نخبۃ الفکر میں فرماتے ہیں، کہ مشہور حدیث وہ ہے، جو لوگوں کی زبان پر عام شہرت حاصل کر چکی ہو، اور اس لحاظ سے اس حدیث کو بھی مشہور کہہ سکتے ہیں، جس کی سرے سے کوئی اسناد ہی نہ ہو۔ اور اس کی مثال کے طور پر حاشیہ میں محشی نے بعض ایسی حدیثیں لکھی ہیں، جن کی کوئی اسناد نہیں ہے، اور ان میں سے ایک حدیث لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ہے۔[۱] پس حضرت کرشنؑ کی نبوت کے بارے میں جو حدیث آئی ہے، گو اس کی اسناد نہ ہو، تاہم اُسے مشہور حدیث کا درجہ حاصل ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ حدیث قرآن مجید کے اِس مضمون کے مطابق ہے، کہ ہر قوم میں خدا تعالےٰ نے اپنے نبی اور رسول بھیجے ہیں، اس لئے اس کی صحت میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کسی حدیث کی صحت کا اس سے بڑھکر کیا ثبوت ہوسکتا ہے، کہ قرآن مجید کی متعدد آیات اس کی تائید و تصدیق کریں۔

مولانا شبلی نعمانی مرحوم نے بجا فرمایا ہے، کہ:۔

"ہندوستان کے پیغمبر افسانوں کے حجاب میں گم ہیں۔"[۲] اس قاعدہ سے نہ مہاتما بدھ مستثنیٰ ہیں، نہ حضرت کرشنؑ اور نہ ہندوستان کا کوئی اور گذشتہ زمانہ کا نبی اور رسول۔ اس لئے ان سب

[۱] شرح نخبۃ الفکر مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۱۳، مع حاشیہ مولوی محمد عبید اللہ ٹونکی۔
[۲] سیرۃ النبی جلد اوّل صفحہ ۳۔

برگزیدوں کے صحیح حالات کا پورا علم نہیں ہو سکتا، بعض کے متعلق نہایت ناگفتہ بہ باتیں افسانوں کے رنگ میں مشہور ہیں، جن کے متعلق پورے یقین اور وثوق سے کہا جا سکتا ہے، کہ یہ غلط اور بے بنیاد ہیں، جو بعد میں ان کے نادان دوستوں یعنی ماننے والوں یا دشمنوں یعنی منکروں اور مخالفوں نے ان کی طرف منسوب کر دیں۔ یہ باتیں نہ صرف عقائد کے متعلق ہیں، بلکہ ان نیک اور راستباز لوگوں کے کیریکٹر کے متعلق بھی ہیں، جو طبیعت پر اچھا اثر نہیں ڈالتیں، اور بعض تو ان میں سے ایسی ہیں جو کسی معمولی شریف آدمی کی شان کے بھی شایاں نہیں، چہ جائیکہ ایک روحانی انسان کی نسبت انہیں درست تسلیم کیا جائے۔ ممکن ہے یہ باتیں بطور استعارہ و تمثیل بیان کی گئی ہوں، اور اس صورت میں یہ تاویل طلب ہوں گی، بہرحال ان کو ظاہر پر محمول کر کے ان نیک بزرگوں کی طرف انہیں منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت کرشن علیہ السّلام کی زندگی کے دو مأخذ قدیم ہندو لٹریچر میں اس وقت موجود ہیں، ایک مہابھارت اور دوسرا بھاگوت۔ ان دونوں سے اس زمانہ کی حالت کا جو کچھ علم آج دُنیا کو ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ ہر طرف ظلم اور ناانصافی کا دَور دَورہ تھا، بالخصوص بادشاہ اور حُکّامِ وقت کی حالت نہایت گندی ہو چکی تھی، اور وہ رعایا کو سخت تنگ کر رہے تھے، قمار بازی ان کا محبوب مشغلہ تھا، اور جوئے بازی میں وہ اپنی بیویوں تک کو ہار دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے، یہ تو بڑے لوگوں کا حال تھا، چھوٹے لوگ اس سے بھی زیادہ ابتر حالت میں تھے، روحانی طور پر تو وہ گرسنہ ہوئے تھے ہی، دنیاوی طور پر بھی ان کی حالت اچھی نہ تھی۔ راجہ اور اس کے عمّال طرح طرح کے مظالم غریب رعایا پر کرتے تھے، اور ان پر کئی قسم کے بھاری ٹیکس لگائے جاتے تھے، جن کی سختی سے وصولی کی جاتی تھی یہ لکھا ہے، کہ راجہ کے ظلم سے زمین بوجھ سے

دبنے لگی، یعنی رعایا مظالم سے تنگ آگئی، تو دیوتاؤں کی ایک کانفرنس ہوئی، جس میں یہ طے پایا کہ مظلوم رعایا کا ایک وفد بھگوان سے فریاد کرے، اور اپنے دُکھ کی کہانی سُنائے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، بھگوان نے حکم دیا، کہ تم سب مدد کے لئے جمع ہو، ہم کرشن کے نام سے اوتار لیں گے۔ یہ ایک تمثیل ہے، جس میں دیوتاؤں سے مراد اس زمانہ کے نیک لوگ ہیں، اور بھگوان کے پاس وفد لیجا کر۔ فریاد سے مراد خدا سے دعا ہے۔ اس دعا کے نتیجہ میں خداتعالےٰ نے کرشن کو بھیجا، جس نے سب ظلموں کا قلع قمع کیا۔

حضرت کرشن کی پیدائش آج سے قریبًا پانچہزار برس پیشتر متھرا میں بیان کی جاتی ہے آپ کی ولادت کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے، کہ متھرا کا راجہ کنس آپ کا ماموں بڑا ظالم تھا، اسے جوتشیوں اور نجومیوں نے بتایا، کہ تیری بہن کا لڑکا تیرا قاتل اور تیری حکومت کو برباد کرنے والا ہوگا، اس لئے کنس نے اپنی بہن اور بہنوئی کو قید کر دیا۔ اور ان کے ہاں جو بچہ پیدا ہوتا تھا، اسے قتل کر ڈالتا تھا، اور اس طرح اس کے کئی بچے ضائع کر چکا تھا۔ حضرت کرشنؑ کی پیدائش رات کو ہوئی، آپ کے والد سخت بارش میں ان کو متھرا سے گوکل لے گئے، جہاں نند نامی ایک گوالے کے ہاں اس کی بیوی جسودھا سے اسی رات ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی حضرت کرشنؑ کے والد نے نند سے اپنی مصیبت و مظلومی کی ساری داستان کہی، نند کو رحم آیا، اس نے کہا، کہ اپنا لڑکا مجھے دے جائیں، اور میری نوزائیدہ لڑکی آپ لے جائیں، انہوں نے ایسا ہی کیا، کنس کو جب خبر پہونچی، کہ میری بہن کے ہاں بچہ پیدا ہوا ہے، تو اس نے اپنے آدمیوں کو حکم دیا، کہ اسے قتل کر دیا جائے، چنانچہ انہوں نے اس حکم کی تعمیل کی، اور لڑکی کو قتل کر دیا۔ حضرت کرشن نند گوالے کے ہاں پرورش پاتے رہے، اور ذرا بڑا ہونے پر

بچوں کے ساتھ جنگل میں گائیں بھی چراتے تھے۔ جب آپ پل کر جوان ہوئے، تو اپنی خداداد قوت اور حسن تدبیر سے کنس کو قتل کیا، اور اپنے ماں باپ اور رعایا کو اس ظالم کے پنجۂ استبداد سے آزاد کرایا۔

بھگوت گیتا حضرت کرشنؑ کے اقوال کا مجموعہ ہے، جو آپ نے ارجن کو مخاطب کرکے فرمائے۔ آپ ہندوؤں کے مذہبی لٹریچر میں ویدوں کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے، گو حضرت کرشنؑ کی مکمل تعلیم کا کوئی یقینی سراغ نہیں ملتا، تاہم گیتا سے آپ کی تعلیم کے چند موٹے موٹے اصول معلوم ہو جاتے ہیں۔

دنیا میں دو طرح کے انسان ہمیشہ سے چلے آئے ہیں۔ ایک وہ جنہیں دُنیا دار کہنا چاہیئے، اور دوسرے وہ جنہیں تارک الدنیا۔ دُنیا دار وہ ہیں، جو دنیاوی کاروبار ہی میں مصروف رہتے ہیں، اور عاقبت کی انکو کچھ فکر اور خیال نہیں ہوتا۔ اور تارک الدنیا وہ ہیں، جو دنیاوی دھندوں سے بے نیاز ہو کر، یا یوں کہیئے کہ کشمکشِ حیات سے تنگ آ کر باہر جنگلوں میں چلے جاتے ہیں، اور وہیں کنارہ کشی کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ حضرت کرشنؑ کے ظہور کے وقت بھی یہ دونوں گروہ پائے جاتے تھے، ایک افراط کی راہ پر تھا، اور دوسرا تفریط کی راہ پر۔ حضرت کرشن نے اپنی زندگی میں اپنے عملی نمونہ سے یہ تعلیم دی، کہ ان دونوں راستوں کے بیچ کا راستہ جس نے "عمل" اور "ترک" کا اجتماع ہوتا ہے، بہتر اور اعلیٰ ہے، گویا نہ دنیا سے بالکل مُنہ پھیر لینا اچھا ہے، اور نہ کلی طور پر دُنیا میں محو ہو جانا بلکہ صحیح راستہ یہ ہے، کہ انسان درمیانی راہ چلے، اسلام کی بھی یہی تعلیم ہے۔

جس طرح "عمل" اور "ترک عمل" میں بعض لوگ افراط کی طرف چلے گئے ہیں، اور بعض تفریط کی طرف، اسی طرح شریر کو سزا دینے یا معاف کر دینے کے متعلق بھی ایک گروہ نے افراط کی راہ اختیار کی

ہے، اور دوسرے نے تفریط کی۔ بعض لوگ تو یہ کہتے ہیں، کہ شریر کو سزا بالکل نہیں دینی چاہیئے۔ اور بعض کا یہ خیال ہے، کہ ہر حالت میں سزا دینی چاہیئے، حالانکہ صحیح راستہ یہ ہے، کہ انسان دونوں راستوں کے بیچ میں ایک درمیانی راہ پر چلے، اور موقعہ و محل کے مطابق سزا اور عفو سے کام لے چنانچہ حضرت کرشنؑ نے بھی یہی تعلیم دی۔ آپ کے زمانہ میں وہ عظیم الشان جنگ ہوئی تھی، جو ہندوستان کی تاریخ میں جنگِ مہابھارت کے نام سے مشہور ہے۔ یہ جنگ کوروکشیتر کے میدان میں کوروں اور پانڈوں کے درمیان ہوئی تھی، جس میں قریباً ۳۵ لاکھ نفوس ہلاک ہوئے تھے کورو ظالم تھے، اس لئے حضرت کرشنؑ نے پانڈوں کا ساتھ دیا۔ جب میدانِ جنگ میں طرفین کے بہادر اُترے، اور جنگ کا بگل بج گیا، تو ارجن نے دوسری طرف اپنے قریبی رشتہ داروں کو دیکھکر حضرت کرشنؑ سے کہا، کہ ہمارے مقابل میں ہمارے عزیز اور قریبی رشتہ دار ہیں، مجھ میں انہیں قتل کرنے کی ہمت نہیں ہے، اے شری کرشن! مجھے حکومت کی ضرورت نہیں ہے، اگر مجھے تین جہانوں کی حکومت بھی مل رہی ہو، تب بھی مَیں ان کو نہیں مارونگا، یہ کہکر ارجن تیر کمان پھینک کر بیٹھ گئے۔ لیکن حضرت کرشنؑ نے نہایت زبردست تقریر کی، اور ارجن کو کہا کہ کیا تُو ان کے لئے افسوس کرتا ہے، جن کے لئے افسوس نہیں کرنا چاہیئے، انصاف اور راستی کے قیام اور ظلم اور ناراستی کو برباد کرنے کے لئے جو جنگ کی جائے، وہ جنّت کا دروازہ کھولدیتی ہے، اگر تُو اس دھرم کی لڑائی میں شامل نہ ہوگا، تو گنہگار ہوگا۔ اس پر ارجن اُٹھے اور ظالم کوروں سے اٹھارہ دن تک لڑتے رہے، اور بالآخر فتحیاب ہوئے۔ اس جگہ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے، کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے حضرت کرشنؑ نے ہر طرح سے فریقین میں صلح کی کوشش کی، مگر جب کورو اپنی ضد پر اَڑے رہے اور ناراستی کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوئے، تب حضرت کرشنؑ نے پانڈوں کے ساتھ ہوکر ظلم کے خلاف لڑائی کی، اور پھر اس بات کی کوئی پرواہ نہ کی، کہ مقابل پر رشتہ دار اور اپنی ہی

قوم کے لوگ ہیں۔ اس میں آپ نے یہ تعلیم دی، کہ ظالم خواہ کوئی ہو، اس کا مقابلہ کرنا چاہیئے، اور ظلم کے مٹانے میں کسی چیز کی پرواہ نہیں کرنی چاہیئے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء نے بھی جو لڑائیاں کیں، وہ مجبوراً کیں، اور دشمنِ حق جب کسی طرح بھی راہِ راست پر نہ آئے، تو تلوار سے ان کو نیست و نابود کرنا پڑا، تا دنیا میں امن قائم ہو۔ دراصل ہمیشہ سے تمام نبیوں کا طرزِ عمل شریر کو سزا دینے اور اس کے شر کو دفع کرنے کے بارے میں یہی رہا ہے۔

عبادتِ الٰہی کے متعلق حضرت کرشنؑ کی تعلیم یہ ہے، کہ نیکی صرف خدا تعالےٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرنی چاہیئے۔ گیتا ادھیائے ۲ میں ہے، کہ ارجن نے آپ سے دریافت کیا، کہ کیا مجھے خدا کی عبادت کرنے کا پھل ملیگا؟ آپ نے فرمایا، کہ بے شک جو شخص نیک اعمال اور خدا کی عبادت کرتا ہے، یقیناً اسے پھل ملیگا۔ لیکن پھل کی نیت سے نیکی کرنا ادنیٰ خیال ہے، بلکہ نیکی کو نیکی سمجھکر اور اس لئے کرو کہ خدا تم سے راضی ہو جائے، پس اپنے سارے کاموں اور عبادتوں میں پھل ملنے کی خواہش کو دل سے نکال دو، تا تمہیں رضاء الٰہی حاصل ہو، اور تم خدا کے پیارے بن جاؤ۔ نیکی کے متعلق یہ نہایت بلند نظریہ ہے۔ قرآن مجید بھی فرماتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ یعنی اے لوگو! اگر تم خدا سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی کرو، تم خدا کے محبوب بن جاؤ گے۔

نفسانی خواہشات کو دبانے اور ذکرِ الٰہی سے اطمینانِ قلب حاصل کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے آپ فرماتے ہیں، کہ انسان کو چاہیئے، اپنے نفس کو خواہشات کے سمندر میں ڈوبنے سے بچائے، اور یہ بالکل سچ ہے، کہ نفس ہی انسان کا دوست ہے، اور یہی اس کا دشمن بھی ہے، نفس ان لوگوں کا دوست ہے، جنھوں نے نفسِ امّارہ پر غلبہ حاصل کر لیا، اور جو اس کے مغلوب ہو گئے، یہ ان کا دشمن ہے۔ پس

جو شخص اپنے نفس کی خواہشات کو دبا کر اور راتوں کو خدا تعالےٰ کی عبادت کرکے اطمینانِ قلب حاصل کرتا ہے، وہ اپنے نفس پر غالب آ سکے گا۔ اور ایسے آدمی کو خدا ملتا ہے[1]

پھر آپ فرماتے ہیں، کہ خدا کے سچے بھگت جن کے پہلے گناہ نیکی کرنے کی وجہ سے جاتے رہے اور جو حق الیقین کو پہونچ گئے، اور سب شبہات دور ہو گئے، اور گناہ کی غلامی سے نجات پا گئے، اور جنہوں نے مخلوقِ خدا کی ہمدردی کو شعار بنایا، اور اپنے نفس کی معرفت ان کو حاصل ہوگئی، یہی لوگ ہیں، جن کو دائمی نجات حاصل ہوتی ہے۔

یہ حضرت کرشنؑ کی تعلیم کے چند نمونے ہیں، ان سے ظاہر ہے، کہ آپ نے دیگر انبیاء کی طرح اپنے متبعین کو نیکی، تقوےٰ اور ظلم کو دُور کرنے کی تعلیم دی، گو آپ کی تعلیم بہت حجابوں میں مستور ہے اور اس میں بہت سی غلط باتیں داخل کر دی گئی ہیں، مگر پھر بھی اس میں سچائی کی جھلک نظر آتی ہے

کرشنؑ پر خدا کی سلامتی ہو

---

[1] گیتا ادھیائے ۶۔

حضرت بابا نانک صاحب

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ)

ولادت [illegible] ضلع شیخوپورہ کی بستی "رائے بھوئے کی تلونڈی" کو، جو آب ننکانہ صاحب کے [illegible] یہ فخر حاصل ہے کہ حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ جیسے ولی اللہ اور بزرگ انسان وہاں پیدا [illegible] آپ کی پیدائش [illegible] میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام مہتہ کالوجی اور والدہ کا نام ماتا ترپتا جی تھا [illegible] یہ عام رواج ہے، کہ لڑکی اپنے پہلے حمل کے وضع کے ایام اپنے باپ کے ہاں گذارتی [illegible] بعض لوگوں کے نزدیک ماتا ترپتا جی بھی اسی رسم کے مطابق اپنے میکے آئی ہوئی تھیں، کہ بابا صاحب کی پیدائش ہوئی۔ بعض لوگ آپ کے نانک نام ہونے کی یہی وجہ بیان کرتے ہیں، کہ آپ اپنے نانا کے ہاں پیدا ہوئے تھے، آپ کی ہمشیرہ صاحبہ کا نام نانکی بھی اسی وجہ سے تھا۔ نانک نام پنجاب میں ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہے۔ جنم ساکھی بھائی بالا میں، جس کو بابا صاحب کی سوانح عمری کے طور پر پیش کیا جاتا ہے لکھا ہے، کہ جب پنڈت نے آپ کا نام نانک تجویز کیا، تو آپ کے والد نے یہ کہا، کہ چونکہ یہ نام ہندوؤں اور مسلمانوں میں مشترک ہے، اس لئے یہ نام نہ رکھا جائے، لیکن قدرت کو یہ منظور نہ تھا، کہ آپ کا نام خالص ہندوانہ ہو، اس لئے یہی نام رہنے دیا گیا۔ گیانی گیان سنگھ تواریخ گورو خالصہ ص۱۲۸ میں لکھتے ہیں، کہ "مسلمان بابا صاحب کو نانک شاہ کے نام سے پکارتے تھے۔" اور آپ کے بیٹے سری چند صاحب نے بھی آپ کو نانک شاہ کے نام ہی سے پکارا ہے (پراچین گورا یڈیشن ص۳۱۵) لیکن خود بابا صاحب نے اپنا نام نانک شاہ ملنگ بتایا ہے۔ (جنم ساکھی بھائی بالا ص۲۰۵)

رسم زنار بابا صاحب کے والد کھتری بیدی تھے، اس لئے ہندو مذہب کے رُو سے زنار پہننے کی رسم جس کو اپ نین سنسکار کہتے ہیں، کی ادائیگی ضروری تھی، چنانچہ جب بابا صاحب کی عمر بڑی ہوئی تو آپ کے والد نے اس رسم کی ادائیگی کے لئے سمگری منگائی، پنڈت جی نے ہَون کیا، اور خاتمہ پر آپ کے گلے میں زنار ڈالنے لگا، تو آپ نے اس کا ہاتھ تھام کر فرمایا، کہ مجھے اس دھاگہ کے زنار کی کچھ ضرورت نہیں بلکہ

دیا کپاہ سنتوکھ سوت جت گنڈھی ست وٹ
ایہہ جنیؤ جیو کا ہے تاں پانڈے گھت

یعنی محبت کی کپاس اور صبر کا سوت کات کر اس میں راستگوئی کا بل دو، اور پرہیزگاری کی گرہ دو، یہ حقیقی زنار ہے۔

تعلیم | مورخین نے لکھا ہے، کہ باباصاحبؒ کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے پنڈت کے پاس بھیجا گیا مگر وہ آپ کو پڑھا نہ سکا۔ پھر مولوی کے پاس بھیجا گیا، اور وہ بھی پڑھا نہ سکا لیکن گیانی گیان سنگھ نے مسٹر کننگھم کی تاریخ کا حوالہ دیکر لکھا ہے، کہ اس نے اسلامی تاریخوں کے حوالے سے بتایا ہے، کہ سید حسین جو ننکانہ کے علاقہ میں ولی کرامات اہلِ کمال اور سیئے لاگ پیر مانا ہوا تھا، اور کالوجی کے گھر کے پاس اس کی جائے رہائش تھی، اپنا سارا علم دینی و دنیاوی باباصاحب کو پڑھایا، اور بڑے بڑے بھید راہِ حق کے بتائے (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۸۹)

سچا سودا | آپ چھوٹی عمر ہی میں خداتعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے، اکثر جنگل میں چلے جاتے، اور زیادہ وقت خدا کی بھگتی میں گوشہ نشینی میں گذارتے، جو کچھ گھر سے ملتا، اسے اپنے ہمجولیوں اور غریبوں میں تقسیم کر دیتے، پندرہ برس کی عمر میں آپ کو ایک دفعہ آپ کے والد صاحب نے پچاس روپیہ دیکر کہا کہ بیٹا اس روپیہ کو نفع بخش تجارت میں لگاؤ۔ اور آپ کے ہمراہ بھائی بالاجی کو کر دیا۔ باباصاحب یہ روپیہ لیکر قصبہ چوہڑکانہ کے قریب پہونچے، تو ایک فقیروں کا گروہ یادِ الٰہی میں مصروف پایا۔ آپ نے اس روپیہ کی جنس منگا کر ان بھوکے فقیروں کو کھانا کھلا دیا۔ اور کہا، کہ اس سے بڑھکر اور کونسا سچا سودا ہوسکتا ہے۔

عشقِ الٰہی | آپ کی فقیری طرز کو دیکھکر لوگوں نے آپ کے والد کو کہا، کہ تیرا بیٹا دیوانہ ہوگیا ہے، اس نے آپ کے علاج کے لئے ایک طبیب کو بلایا، باباصاحب نے اسے مخاطب کرکے فرمایا۔

وَید بلایا وَید گی پکڑ ڈھنڈ ولے بانہہ
بھولا وَید نہ جانیئے کرگ کلیجہ مانہہ

یعنی طبیب کو علاج کے لئے بلایا گیا ہے، جس نے دیکھکر نبض ٹٹولی، مگر سادہ لوح طبیب کو کیا خبر ہے، کہ کلیجہ میں عشق حقیقی کا درد ہے۔

ملازمت | مہتہ کالوجی نے یہ سوچکر کہ میرا بیٹا جو کام کرتا ہے، وہ دنیاوی نقطۂ نگاہ سے نرالا ہوتا ہے باباصاحب کو آپ کے بہنوئی جے رام کے پاس سلطان پور (ریاست کپورتھلہ) میں بھیجدیا تا وہ کسی کاروبار میں لگ جائیں۔ وہاں آپ کو جے رام نے سلطان پور کے نواب دولت خاں کے مودی خانہ میں ملازم کرا دیا، اور آپ نے اپنے فرائض نہایت دیانتداری سے ادا کئے۔

شادیاں اور اولاد | ۱۸ برس کی عمر میں آپ کی پہلی شادی ماتا سلکھنی سے ہوئی۔ ماتا سلکھنی کا باپ

[illegible] الاحتا، بابا صاحب کی برات سلطان پور سے بٹالہ آئی۔ آپ نے دوسری شادی اپنی آخری عمر میں ایک پٹھان حیات خاں کی لڑکی سے کی۔ پہلی بیوی کے بطن سے دو فرزند ہوئے بڑے کا نام سری چند اور چھوٹے کا نام لکھشمی چند تھا۔ سری چند نے شادی نہ کی تھی، لکھشمی چند کی اولاد والے بیدی کہلاتے ہیں، جو ڈیرہ بابا نانک وغیرہ میں آباد ہیں۔ دوسری بیوی سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اس سے کوئی نرینہ اولاد نہ ہوئی۔

سفر پر روانگی

سلطان پور کے مودی خانہ میں آپ نے اپنی خداداد قابلیت اور ذہانت سے نہایت اچھا کام کیا، جس سے نواب دولت خاں بہت خوش ہوئے، یہاں آپ دس سال سے زیادہ عرصہ رہے۔ جب آپ نے اپنی سفری زندگی شروع کرنے کے ارادہ سے ملازمت ترک کرنی چاہی، تو نواب صاحب نے بہت کوشش کی، کہ کسی طرح آپ نہ جائیں، مگر چونکہ آپ کے دل میں توحید الٰہی پھیلانے کا بہت جوش تھا، اس لئے آپ نے ملازمت ترک کر دی، اور سفر پر روانہ ہو گئے،

اخوت انسانی کی تعلیم

آپ کی نگاہ میں ہندو اور مسلمان، اونچ اور نیچ، امیر اور غریب کا کوئی فرق نہ تھا، آپ نے اپنے مشن کو پھیلانے کے لئے جو سفر دور دراز ممالک کے کئے، ان میں آپ نے اپنے ساتھ ایک ہندو، بالا نامی اور دوسرا مسلمان مردانہ رکھا، اور ان کو بھائی کا خطاب دیا، اسی طرح شودروں میں سے جن لوگوں نے آپ کی پیروی کی، ان کو بھی یہی خطاب دیا، یہ اس بات کا سبق تھا، کہ دنیا میں سب انسان بھائی بھائی ہیں، اور ایک ہی برادری کے مختلف اجزا ہیں۔

جرأت و غریب نوازی

سلطان پور سے روانہ ہو کر پھرتے پھراتے آپ سید پور میں، جس کا نام اب ایمن آباد (ضلع گوجرانوالہ) ہے پہونچے۔ وہاں آپ لالو ترکھان کے ہاں مہمان ٹھہرے، جسے اونچی ذاتوں کے لوگ شودر سمجھتے تھے۔ ایمن آباد کے رئیس اعظم ملک بھاگو نے برہم بھوج کیا جس میں بہت سے برہمن فقیر اور سادھو مدعو تھے۔ بابا صاحب کی آمد کی خبر سُنکر ملک بھاگو نے آپکو بھی دعوت دی، لیکن آپ نے اس وجہ سے اس کی دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا، کہ اس کی کمائی ظلم کی تھی، اور یہ بات آپنے اسکے مُنہ پر اسے کہدی۔ اس سے جہاں یہ معلوم ہوتا ہے، کہ آپکو سچ بات کہنے میں کوئی باک نہ تھا، وہاں آپکی غریب نوازی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

اسی قسم کا ایک اور واقعہ یہ ہے، کہ جب آپ سلطان پور میں ملازم تھے، تو ایک روز آپ نواب دولت خاں کے ساتھ مسجد میں نماز باجماعت پڑھنے گئے، لیکن نصف نماز پڑھکر آپ نیت توڑ کر علیحدہ کھڑے ہو گئے، نواب صاحب نے نماز کے بعد وجہ دریافت کی، تو آپ نے کہا، کہ قاضی صاحب کا دل تو کابل میں گھوڑے خریدنے کی فکر میں تھا، میں نماز کس کے پیچھے پڑھتا۔ بابا صاحب کو کشفاً قاضی صاحب کی حالت دکھائی گئی ہوگی، اور آپ نے اس کا

اظہار بغیر کسی قسم کے خوف اور ڈر کے کر دیا۔ وہ نواب صاحب کے ملازم تھے، اور قاضی صاحب کا دربار میں بہت لحاظ اور عزت تھی، مگر آپ نے نڈر ہو کر جرأت سے اصل بات جو اُن پر ظاہر کی گئی تھی، کہدی۔ یہ کام کیریکٹر کے آدمی کا کام نہیں ہے، کہ صاف گوئی اور حقیقت کے اظہار میں بڑے سے بڑے آدمی کی پرواہ نہ کرے اسی طرح لکھا ہے، کہ جب بابر بادشاہ سے آپ کی ملاقات ہوئی، اور بادشاہ نے خوش ہو کر کہا، کہ مانگ کیا مانگتے ہو، تو باباصاحب نے فرمایا ؎

کہے نانک سُن بابر میر   تجھ سے مانگے سو احمق فقیر

یعنے اسے بابر، نانک کہتا ہے، کہ تجھ سے کوئی بیوقوف فقیر ہی مانگ سکتا ہے۔ اس واقعہ سے آپ کی بیرشچی اور بہادری دونوں کا پتہ چلتا ہے، نیز یہ کہ آپ پکے موحد اور صرف خدا کی ذات پر توکل اور بھروسہ رکھنے والے تھے اور اسی کو اپنا حاجت روا اور مشکل کُشا سمجھتے تھے، انسان خواہ کتنا ہی بڑا ہو، آپ کی نگاہ میں اُسکی کوئی حیثیت نہ تھی

صاف بیانی اور حق گوئی آپکی صاف بیانی اور حق گوئی کا ایک اور دلچسپ واقعہ یہ ہے، کہ آپ ہردوار تشریف لے گئے، تو ہندو پانڈوں کو دیکھا، کہ وہ دریا کا پانی سورج کی طرف پھینک رہے ہیں، آپ نے دریا کی مخالف سمت کی طرف مُنہ کر کے پانی پھینکنا شروع کر دیا۔ پانڈے حیران ہو کر پوچھنے لگے۔ یہ کیا کرتے ہو؟ آپ نے سنجیدگی سے جواب دیا، کہ کرتار پور میں میری کھیتی خشک ہو رہی ہے، اسے پانی دے رہا ہوں، انہوں نے ہنسکر کہا، کہ یہ پانی کرتار پور کیونکر پہونچ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا، اگر میرا پانی کرتار پور نہیں پہونچ سکتا، تو تمہارا پانی سورج تک جو کروڑوں میل فاصلہ پر ہے، کس طرح پہونچ سکتا ہے؟ اس پر سب پانڈے لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے، اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ آپ توحید الٰہی کی تبلیغ نہایت حکمت اور دانائی سے کرتے تھے۔ اور کوئی موقعہ تبلیغ کا ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے، اور بروقت آپکو نہایت معقول بات سوجھتی تھی۔

توحید الٰہی آپ کے کلام کا اکثر حصہ سکھ صاحبان کی مذہبی کتاب گرنتھ صاحب میں درج ہے، آپ کی تعلیم کا خلاصہ توحید باری تعالیٰ ہے۔ آپ کے اقوال کو پڑھکر ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ آپ خدا کی وحدانیت کے عاشق تھے۔ نہایت میٹھے انداز میں اس مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں، ایک جگہ ارشاد ہوتا ہے ؎

"صاحب میرا ایکو ہے۔ ایکو ہے بھائی ایکو ہے"

نیز فرماتے ہیں:۔ "اُس با بجو کو نہیں کس آگے کرے پُکار"۔ یعنی سوائے خدا کے دوسرا کوئی معبود نہیں، پھر دوسری کس ہستی کے آگے تو واویلا کرتا ہے۔ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"ایکو کرتار اور نہ کوئی۔ ایکو سیو اور نہ کوئی"

یعنی خالقِ کُل ایک ہی ہے، صرف اسی کی عبادت کرو۔

زیارت روضۂ نبوی آپ نے دُور دراز ملکوں کی ایسے زمانہ میں سیر کی، جبکہ سفر کے ذرائع نہایت محدود تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسے زمانہ میں سفر کرنا آپ کی اولوالعزمی کا ثبوت ہے۔ ان سفروں میں آپ نے بیت اللہ کا حج بھی کیا، اور پھر مدینہ منورہ میں جا کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مطہرہ کی زیارت کی، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ آنحضورؐ کی ذات سے آپ کو کس قدر اخلاص تھا۔

مسلمان صوفیاء سے عقیدت آپ کو مسلمان صوفیوں سے بھی بہت محبت اور عقیدت تھی، چنانچہ آپ اولیاء اللہ کے مزاروں کی زیارت کیلئے بغداد، ملتان، پاکپتن، اجمیر شریف وغیرہ تشریف لے گئے، اور وہاں چلّہ کشی اور ذکر میں بیٹھے گئے۔ جنم ساکھی میں لکھا ہے، کہ آپ نے حضرت شیخ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک لمبا سفر کیا، پھر جب حضرت شیخ صاحب جُدا ہونے لگے، تو بابا صاحب نے نہایت محبت بھرے انداز میں فرمایا ؎

"آ وے بھنو آنگ ملو تیری سنگ ہیلڑیاں" یعنی آؤ ہم بغلگیر ہو کر ملیں، ہماری محبت تو بہت پرانی ہے۔

یادگاریں بابا صاحبؒ کی دو یادگاریں قابلِ ذکر ہیں، ایک چولہ صاحب جس پر قرآن مجید کی آیات لکھی ہوئی ہیں، اور آپ کی اولاد بیدی صاحبان کے پاس ڈیرہ بابا نانک میں ابتک موجود ہے، اور آپ کی دوسری یادگار قرآن مجید کا نسخہ ہے، جسے آپ ہمیشہ سفر و حضر میں اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ یہ قرآن مجید اب تک گورو ہر سہائے ضلع فیروزپور کے گوردوارہ میں محفوظ ہے۔ یہ اور اسی قسم کی بعض دوسری وجوہ کی بناء پر آپ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے آپکی نعش مبارک کو دفن کرنیکا ارادہ کیا تھا۔ خدا کے نیک بندے حضرت بابا نانک پر رحمت ہو۔

وصیتیں

نمبر ۵۴۸۳:- مَیں غلام مصطفےٰ ولد چوہدری شاہدین صاحب مرحوم قوم جٹ چٹھہ پیشہ زمینداری عمر ۴۲ سال پیدائشی احمدی ساکن چک ۴۳/۴R ڈاکخانہ ہارون آباد ضلع بہاول نگر صوبہ ریاست بہاولپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۹ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:- (۱) میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں (۲) لیکن میرا گذارہ کاشتکاری پر ہے جس سے مجھے فصل ربیعہ اور خریف پر آمدنی ہوتی ہے، (۳) میری سالانہ آمدنی کا اندازہ فی الحال مبلغ -/۱۶۰ روپیہ ہے، مَیں اپنی اس آمد کا ۱/۱۰ حصہ فصل ربیعہ اور خریف پر انشاء اللہ العزیز باقاعدہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا -(۴) اور مَیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں، کہ میری وفات پر جس قدر میری جائیداد ثابت ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی، (۵) لہذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان لکھدی ہے کہ سند رہے، فقط مورخہ ۲۱ ۱۰/۳۹ - العبد:- غلام مصطفےٰ احمدی بقلم خود قوم چٹھہ ساکن چک ۴۳/۴R ڈاکخانہ ہارون آباد ریاست بہاولپور- گواہ شد:- چوہدری لہب الدین نمبردار وموصی ساکن چک ۱۶۶ مراد ریاست بہاولپور- گواہ شد:- فیض احمد انسپکٹر بیت المال قادیان دارالامان ۲۱ ۱۰/۳۹

نمبر ۵۴۸۴:- مَیں رحمت اللہ ولد چوہدری شاہدین صاحب مرحوم قوم جٹ چٹھہ پیشہ کاشتکاری عمر ۲۶ سال پیدائشی احمدی ساکن چک ۴۳/۴R ڈاکخانہ ہارون آباد ضلع بہاول نگر ریاست بہاولپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۹ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:- (۱) میری جائداد اس وقت کوئی نہیں، (۲) لیکن میرا گذارہ کاشتکاری پر ہے، جس سے مجھے فصل ربیعہ اور خریف پر آمدنی ہوتی ہے- (۳) میری سالانہ آمدنی کا اندازہ فی الحال مبلغ -/۱۶۰ روپیہ ہے، میں اپنی اس آمد کا ۱/۱۰ حصہ فصل ربیعہ اور خریف پر انشاء اللہ العزیز باقاعدہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا (۴) اور مَیں یہ بھی وصیت کرتا ہوں، کہ میری وفات پر جس قدر میری جائیداد ثابت ہو، اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی (۵) لہذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ لکھدی ہے، کہ سند رہے- فقط مورخہ ۲۱ ۱۰/۳۹ - العبد:- رحمت اللہ احمدی قوم جٹ چٹھہ ساکن چک ۴۳/۴R ریاست بہاولپور ڈاکخانہ ہارون آباد- گواہ شد:- چوہدری لہب دین نمبردار وموصی ساکن چک ۱۶۶/مراد ریاست بہاولپور- گواہ شد:- فیض احمد انسپکٹر بیت المال قادیان دارالامان ۲۱ ۱۰/۳۹

نمبر ۵۴۸۵:- مَیں احمد الدین ولد چوہدری شاہدین صاحب مرحوم قوم جٹ چٹھہ پیشہ کاشتکاری عمر ۳۴ سال پیدائشی احمدی ساکن چک ۴۳/۴R ڈاکخانہ ہارون آباد ضلع بہاول نگر ریاست بہاولپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۳۹ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:- (۱) میری جائداد اسوقت کوئی نہیں

(۲) لیکن میرا گذارہ کاشتکاری پر ہے، جس سے مجھے فصل ربیع اور خریف پر آمدنی ہوتی ہے۔ (۳) میری سالانہ آمدنی کا اندازہ فی الحال مبلغ -/۱۱۰ روپے ہے میں اپنی اس آمد کا ۱/۱۰ حصہ فصل ربیع اور خریف پر انشاء اللہ العزیز باقاعدہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا (۴) اور میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں، کہ میری وفات پر جسقدر میری جائداد ثابت ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ (۵) لہذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان لکھدی ہے کہ سند رہے فقط مورخہ ۲۱-۹-۳۹ ۔ العبد:۔ احمد الدین احمدی قوم جٹ چیمہ ساکن چک ۱۲۳/۷ ڈاکخانہ ہارون آباد۔ ریاست بہاولپور۔ گواہ شد:۔ چوہدری لبھ دین نمبردار و موصی ساکن چک ۱۲۷/۷ ریاست بہاولپور۔ گواہ شد:۔ فیض احمد انسپکٹر بیت المال قادیان دار الامان ۲۱-۹-۳۹ ء

نمبر ۵۲۸ء:۔ میں محمد محبوب ولد محمد حسین صاحب قوم شیخ پیشہ ملازمت سرکار عمرہ ۲۳ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۳ء ساکن تعلقہ دیودرگ ڈاکخانہ دیودرگ ضلع رائچور صوبہ گلبرگہ شریف بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۲ جولائی ۱۹۳۹ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ اسوقت میری جائیداد متروکہ منقولہ وغیر منقولہ حسب فیصلہ ثالثی مولوی سید بشارت احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ حیدرآباد دکن (۱۶۰۰۰) سولہ ہزار قرار دی گئی ہے۔ جو میری برادری میں زیر تصفیہ ہے، اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے علاوہ میری گذران میری ماہوار آمد پر ہے جو بسلسلہ ملازمت بصورت تنخواہ ملتی ہے میری تنخواہ اسوقت (۵۳) ترپن روپیہ سکہ عثمانیہ ہے۔ اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ جو ماہوار ادا کرتا رہونگا۔ جائداد مذکورالصدر کے علاوہ اور کوئی جائداد میرے حق میں ثابت ہو، تو یہ وصیت اس پر بھی حاوی ہوگی۔ اگر میں کوئی اور جائداد پیدا کروں۔ یا بوقت وفات ثابت ہو، تو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط۔ العبد:۔ محمد محبوب مدرس۔ گواہ شد۔ محمد عبد الرحمٰن منڈی دیودرگ۔ گواہ شد:۔ محمد عبد الحکیم سوداگر چرم دیودرگ۔

نمبر ۵۲۹ء:۔ میں محمد صدیق مولوی فاضل ولد چوہدری عبد الرزاق صاحب قوم راجپوت بھٹی پیشہ وقف زندگی عمر قریباً ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن دار المجاہدین قادیان ڈاکخانہ خاص ضلع گورداسپور صوبہ پنجاب بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۸ / نومبر ۱۹۳۹ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں اس وقت میری کوئی جائداد نہیں۔ میرا گذارہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ اس وقت مبلغ پندرہ روپیہ ماہوار ہے جو کہ مجھے دفتر تحریک جدید سے بطور الاؤنس ملتے ہیں۔ میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۸ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرتا رہونگا اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں، کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اس کے بھی ۱/۸ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی، اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں، تو اس قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ فقط ۸ / نومبر ۱۹۳۹ء مطابق ۲۶ / شوال ۱۳۵۸ھ ۔ العبد:۔ خاکسار محمد صدیق مولوی فاضل واقف زندگی تحریک جدید۔ گواہ شد۔ مرزا محمد یعقوب ۱۸-۱۱-۳۹۔ گواہ شد:۔ عبد الرحمٰن انور ۱۸-۱۱-۳۹ ء

{لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ}

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اُردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۳۹ | ۲۳ ذوالحجہ سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق یکم فروری سنہ ۱۹۴۰ء | نمبر ۲

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ	مرتب
اداریہ	صـ۲	مرتب
ہندوؤں کا مقدس اوتار	صـ۶	جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر سابق ہوم سیکرٹری سرکار نظام حیدرآباد دکن
حضرت امیر المومنین کا منظوم کلام اور تصوف	صـ۲۵	ابن عمر و عبد الرب صدیقی۔
سری گورو تیغ بہادر صاحب کا قتل	صـ۴۶	جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلّغ۔

اداریہ:-

ہمارا جلسہ سالانہ اس مرتبہ ۲۶ر دسمبر سے ۲۹ر دسمبر تک نہایت کامیابی سے ہوا۔ چونکہ جلسہ میں جماعت احمدیہ کے قیام کی گولڈن جوبلی اور حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خلافت کی سلور جوبلی کی تقریب منانے کا پروگرام بھی شامل تھا، اس لئے اس سال کے جلسہ کی خاص اہمیت کے پیش نظر اس میں شمولیت کے لئے بڑی کثرت سے دور دراز سے لوگ آئے۔ احمدی احباب کے علاوہ غیر از جماعت مسلم و غیر مسلم اصحاب بھی غیر معمولی تعداد میں آئے۔ اندازہ ہے کہ کل پینتیس ہزار کے لگ بھگ مہمان بیرونجات سے شریک جلسہ ہوئے۔ بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے، کہ اتنا بڑا عظیم الشان اسلامی اجتماع اور کہیں نہیں ہوتا اور اگر یہ دیکھا جائے، کہ اس جلسہ میں شامل ہونے والوں کے قیام و طعام کا انتظام صدر انجمن احمدیہ کرتی ہے، تو اس اعتبار سے یہ کہنا بالکل صحیح ہے، کہ اس کی نظیر دنیا بھر کے کسی اجتماع میں نہیں مل سکتی۔ یورپ اور امریکہ کے ترقی یافتہ ممالک میں بعض بڑے بڑے اجتماع ہوتے ہیں، اور ان میں بلا شبہ کثیر تعداد میں لوگ آتے ہیں، مگر انکے قیام و طعام کا انتظام نہیں ہوتا، ہندوستان میں انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس میں سب سے زیادہ لوگ جمع ہوتے ہیں لیکن اس میں شامل ہونے والوں کی تعداد بھی یہی چالیس پینتالیس ہزار کے قریب ہوتی ہے۔ کانگریس کے اجلاس عموماً بڑے بڑے شہروں میں ہوتے ہیں، اور ان میں شامل ہونے والوں کا بہت بڑا حصہ مقامی لوگوں کا ہوتا ہے، مگر ہمارا جلسہ ایک معمولی قصبہ میں ہوتا ہے، اور اس میں پینتیس ہزار آدمی صرف باہر سے شامل ہونے والے ہیں۔ کانگریس کے جو اجلاس چھوٹے قصبات یا دیہات میں ہوئے ہیں، یقیناً ان میں اس سے زیادہ لوگ شامل نہیں ہوئے، پس ہمارا جلسہ مہمانوں کی تعداد کے اعتبار سے کانگریس کے سالانہ اجلاسوں کا مقابلہ کرتا ہے مگر قیام و طعام کے انتظام کے لحاظ سے ہمارا جلسہ دنیا بھر کے اجتماعوں میں نرالا اور بے نظیر ہے۔

اس جلسہ کی بنیاد سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۸۹۱ء میں رکھی تھی۔ پہلے جلسہ میں صرف ۷۵ آدمی شریک ہوئے۔ یہ ابتداء تھی، آہستہ آہستہ خدا تعالیٰ نے اسے ترقی دی، اور ہر سال زائرین کی تعداد گذشتہ سال سے بڑھتی گئی، اور اب تو یہ سالانہ اضافہ سینکڑوں سے گذر کر ہزاروں تک پہونچ گیا ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی خبر دی تھی، يَأْتِيكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ وَيَأْتُونَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ یعنی لوگ دور دراز راستوں سے تیرے پاس آئینگے۔ اس خبر کی سچائی دن بدن روشن سے روشن تر ہوتی جاتی ہے۔ اور بالخصوص جلسہ سالانہ کے ایام میں اسکی صداقت سورج کیطرح چمکنے لگتی ہے۔

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے حسب معمول اس سال ایک عام اصلاحی تقریر فرمائی، جو جماعتی امور پر سالانہ تبصرہ کے علاوہ وعظ و نصیحت کا رنگ بھی رکھتی تھی، اور ایک خالص علمی تقریر مسئلہ خلافت پر ارشاد فرمائی۔ اول الذکر تقریر میں حضور نے فرمایا، کہ ہماری جماعت نے جتنی توجہ اصلاح عقائد کی طرف کی ہے، اتنی اصلاح اعمال کی طرف نہیں کی۔ اور گو جماعت احمدیہ موجودہ حالت میں بھی خدا کے فضل سے عملی میدان میں دوسرے لوگوں سے بالا ہے، مگر ہمیں اس سے بھی بلند مقام حاصل کرنا چاہیئے۔ اسکے بعد آپنے نہایت مؤثر پیرایہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا خطبہ حجۃ الوداع پڑھکر سنایا۔ جس میں آنحضور علیہ السلام نے مسلمانوں کو یہ نصیحت کی ہے، کہ وہ ایک دوسرے کے مال اور جان اور آبرو کی اسی طرح عزت کریں جسطرح وہ مکہ اور حج کے مہینہ اور حج کے دن کی عزت کرتے ہیں۔ یعنی جس طرح کسی کیلئے یہ جائز نہیں ہے، کہ وہ مکہ معظمہ پر حملہ کرے یا ذوالحجہ کی بے حرمتی کرے، یا حج کے دن کی تنقیص کرے، اسی طرح کسی مسلمان کیلئے یہ جائز نہیں ہے، کہ کسی کے مال اور جان اور عزت پر حملہ کرے۔

یہ حدیث نہایت دلکش اور دلنشین طریق پر تمام حاضرین کو سنانیکے بعد آپنے ہدایت فرمائی، کہ جیسا کہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ ہر شخص جو یہاں موجود ہے وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث دوسروں تک پہنچائے۔ اور ان سے کہے، کہ وہ اسے آگے بیان کریں، حتیٰ کہ اسکی اشاعت عام ہو جائے اور ہر شخص کے دل میں یہ بات گڑ جائے، کہ کسی کی جان، مال اور عزت پر

حملہ کرنا ایسا ہی ناجائز ہے جیسا کہ مکہ معظمہ پر حملہ کرنا یا ذوالحجہ کی بےحرمتی کرنا یا یوم الحج کی بےعزتی کرنا۔ آخر میں آپ نے فرمایا، کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ آخری پیغام جو آپ نے اپنی امت کو دیا چھپوا کر سب میں تقسیم کرادونگا تا یہ سب کو اچھی طرح یاد ہوجائے چنانچہ حضور نے اگلے روز حسب ذیل مضمون چھپوا کر تقسیم کرایا۔

برادرم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں جبکہ آپکی وفات قریب آگئی بطور وصیت سب مسلمانوں کو جمع کرکے فرمایا۔
اِنَّ دِمَاءَکُمْ وَ اَمْوَالَکُمْ (اور ابی بکرہؓ کی حدیث میں ہے۔ وَاَعْرَاضَکُمْ) حَرَامٌ عَلَیْکُمْ کَحُرْمَۃِ یَوْمِکُمْ هٰذَا فِیْ شَهْرِکُمْ هٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ هٰذَا۔ اس شہر میں اس مہینہ میں اس دن کو اللہ تعالیٰ نے جو حفاظت بخشی ہے (یہ ایام حج کی بات ہے) وہی تمہاری جانوں اور تمہارے مالوں (اور ابی بکرہؓ کی روایت کے مطابق اور تمہاری عزتوں) کو خدا تعالیٰ نے حفاظت بخشی ہے یعنی جس طرح مکہ میں حج کے مہینہ اور حج کے وقت کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح پرامن بنایا ہے اسی طرح مومن کی جان اور مال اور عزت کی سب کو حفاظت کرنی چاہئے۔ جو اپنے بھائی کی جان، مال اور عزت کو نقصان پہنچاتا ہے گویا وہ ایسا ہی ہے، جیسے حج کے ایام اور مقامات کی بےحرمتی کرنیوالا۔ اسکے بعد آپنے دو دفعہ فرمایا کہ جو یہ حدیث سنے آگے دوسروں تک پہنچادے میں اس حکم کے ماتحت یہ حدیث آپ تک پہنچاتا ہوں۔ آپکو چاہیئے کہ اس حکم کے ماتحت آپ آگے دوسرے بھائیوں تک مناسب موقع پر یہ حدیث پہنچادیں، اور انہیں سمجھادیں کہ ہر شخص جو یہ حدیث سنے اسے حکم ہے کہ وہ آگے دوسرے مسلمان بھائی تک اسکو پہنچاتا چلاجائے۔ وَالسَّلَامُ۔ خاکسار مرزا محمود احمد خلیفۃ المسیح ثانی۔ ۱۷ ذوالقعدہ ۱۳۵۸ھ

اس تقریر میں حضور نے سلسلہ کے اخبارات و رسائل پر سرسری تبصرہ کرتے ہوئے رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو کے متعلق حسب ذیل الفاظ ارشاد فرمائے:۔

"رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو نے بہت ترقی کی ہے، اور اسمیں کچھ شک نہیں، کہ جب سے یہ رسالہ مولوی علی محمد صاحب کے ہاتھ میں آیا ہے، اس میں بہت قابل قدر تبدیلی پیدا ہوگئی ہے۔ یہ رسالہ جماعت کی توجہ کے قابل ہے۔ میر محمد اسحٰق صاحب اسکی توسیع اشاعت کیلئے تحریک کرتے رہتے ہیں، اور ابھی چند دن ہوئے، انہوں نے اخبار الفضل میں شائع کیا تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس خواہش کو پورا کریں کہ رسالہ ریویو کے دس ہزار خریدار ہوں نو ہزار ایک سو کی کمی ہے۔ دوستوں کو اس رسالہ کیطرف خاص توجہ کرنی چاہئے

حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے از راہِ ذرہ نوازی رسالہ کی ترقی پر اظہارِ خوشنودی کے جو الفاظ فرمائے ہیں، ان پر ادارۂ ریویو جتنا فخر کرے کم ہے، اور ہم حضور کی اس کریمانہ حوصلہ افزائی کے شکرگذار ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اس رسالہ کی بیش از بیش خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

رسالہ کو بہتر بنانے کیلئے ہم نے تمام ذرائع، جو ہمارے امکان میں تھے، استعمال کئے ہیں، اور الحمدللہ اسکا احساس سب بزرگوں اور احباب کو ہے۔ گذشتہ پرچہ میں ہم نے جماعت کو مخاطب کرکے لکھا تھا کہ رسالہ کے کارکنوں پر جو فرض عائد ہوتا ہے اُسی انہوں نے مقدور بھر ادا کرنیکی کوشش کی ہے، اب قوم کا یہ فرض ہے کہ وہ بھی اپنا فرض ادا کرے، اور رسالہ کی مالی حالت سنوارنیکی طرف توجہ کرے جلسہ سالانہ پر حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جو کچھ فرمایا، اسکا مفاد بھی یہی ہے، ہمیں امید ہے، کہ احباب جماعت اپنی ذمہ داری کا احساس کرکے اس رسالہ کی امداد و اعانت کیطرف متوجہ ہونگے۔ اسوقت رسالہ کو اسکی موجودہ حالت سے بھی زیادہ مفید اور اعلیٰ بنانے کیلئے ہمارے مدنظر کئی تجاویز ہیں جن پر حسب موقعہ عمل ہوتا رہیگا فی الحال ایک فوری تجویز، جس پر انشاءاللہ عنقریب عمل شروع ہو جائیگا، یہ ہے، کہ ہمارا ارادہ اس سال چند انعامی مضامین شائع کرنیکا ہے، اس سے ایک تو احمدی نوجوانوں میں علمی مضامین لکھنے کا شوق پیدا ہوگا، دوم غیر از جماعت اصحاب میں رسالہ سے دلچسپی بڑھیگی، اور سوم یہ کہ رسالہ کا علمی معیار بلند تر ہو جائیگا۔

مطلوبہ مضامین کی فہرست ملک کے اخبارات و رسائل میں مشتہر کر دیجائیگی، مضامین آمدہ میں سے جن اصحاب کے مضمون منصفوں کے فیصلہ کے رُو سے غالب رہینگے، ان کو ایک مقررہ رقم بطور انعام دیجائیگی، مضامین بعض اسلامی ہونگے اور بعض دیگر مذاہب کے متعلق۔ اور اس علمی مقابلہ میں بلالحاظ مذہب و ملت سب لوگوں کو حصہ لینے کی دعوت عام دیجائیگی، باقی تفصیلات انشاءاللہ سکیم کو مکمل کرکے اگلے پرچہ میں درج کی جائینگی۔

احباب کو یہ یاد رکھنا چاہیئے، کہ ہم کسی تجویز کو عملی جامہ نہیں پہنا سکتے، جب تک وہ ہمارے ساتھ تعاون نہ کریں۔ پس اگر وہ چاہتے ہیں، کہ ان کا یہ قومی رسالہ ترقی کرے، تو ان کو اس کی توسیع اشاعت اور امداد و اعانت سے دریغ نہ کرنا چاہیئے ؛

ہندوؤں کا مقدس اوتار

یعنی

سری کرشن رودّر گوپال

(از جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر سابق ہوم سیکرٹری سرکار نظام حیدر آباد دکن)

[یہ فاضلانہ مضمون جو علمی نکات اور قیمتی معلومات سے لبریز ہے جناب نواب صاحب نے ہماری درخواست پر ہمارے رسالہ کے پیشوایانِ مذاہب نمبر کے لئے تحریر فرمایا تھا، مگر تاخیر سے ملنے کی وجہ سے اس نمبر میں شائع نہ ہو سکا۔ لہٰذا اب اسے درج کیا جاتا ہے۔ ہم محترم نواب صاحب کے شکر گزار ہیں، کہ باوجود اپنی انتہائی مصروفیت کے آپ نے ہماری درخواست کو شرفِ قبولیت بخشا، اور یہ نہایت اعلیٰ علمی مقالہ رقم فرمایا۔ نواب صاحب موصوف اس قومی رسالہ کے خاص معاونین میں سے ہیں، اللہ تعالےٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ (ادارہ)]

یہ صحیح ہے، کہ میتھالوجی (Mythology) سے کسی مذہب کی صحیح تاریخ مرتب کرنے کے لئے کوئی قابلِ اعتبار مواد مہیا نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس سے صرف اعلیٰ معیار کے مذہبی افسانوں کے لئے پلاٹ حاصل کیا جاتا ہے۔ لیکن مہابھارت و شریمت بھگوت گیتا جیسی کتابوں نے ایک تاریخی اعتبار ضرور حاصل کر لیا ہے۔ مہابھارت اگر قوم میں جنگی اسپرٹ پیدا کرنے کا کام انجام دے سکتی ہے، تو بھگوت گیتا دھیان و گیان کی روح پیدا کرنے کا کام بطریقِ احسن انجام دے سکتی ہے۔ اس کتاب کی بدولت ہم ایک ایسی شخصیت کو اپنے سامنے دیکھتے ہیں، جس کی عظمت و فوقیت نہ صرف اپنے زمانہ میں بلکہ ہندوؤں کے

نزدیک سارے زمانوں میں تسلیم کی گئی ہے، اور تسلیم کی جانی چاہیئے اور وہ اب بھی اس پُرعظمت ہستی کے اس مقولہ کی بنیاد پر کہ:-

چو بنیاد دیں سست گردد بسے نمائیم خود را بشکل کسے

سابقہ روحانی عظمت کو واپس آتے ہوئے دیکھنا چاہتے ہیں، ٹھیک اسی طرح اور اُسی ذوق وشوق کے ساتھ جیسا کہ عیسائی اور مسلمان مسیح کی آمدِ ثانی اور مہدی معہود کے صدیوں سے منتظر ہیں۔

مسلمان اپنے سوا شاید دوسروں کے شوق و اشتیاق و انتظار سے قطعاً بے خبر ہیں۔ اور سر اقبال مرحوم نے تو اپنے مصلح موعود کے انتظار کے لئے بھی مسلمانوں کو یہ طعنہ دیا ہے، کہ اُن میں مہدی اور مسیح موعود کی آمد کا انتظار مجوسیت کے اثر و نفوذ کا نتیجہ ہے اس لئے عام طور پر دوسرے مسلمانوں کے فرقوں سے یہ توقع بیکار ہے، کہ وہ غیر اقوام کے مصلح موعود کو کوئی حیثیت دینگے، یا اس کی جانب کوئی توجہ دینگے۔ یہ خدمت بھی، جس طرح کہ اور اندرونی اصلاح و تجدید کا کام جماعت احمدیہ کے سپرد ہوا ہے، صرف اسی جماعت کے حصہ میں آئی ہے۔ غالباً اواخر ۱۹۰۴ء تک عام طور پر مسلمان اور خصوصاً ظاہر پرست مسلمان سری کرشن جی کی حیثیت سے بے خبر اور بے پرواہ سے تھے، جبکہ نومبر ۱۹۰۴ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سری کرشن جی کے متعلق سیالکوٹ کے لیکچر میں یہ ظاہر فرمایا کہ:-

"راجہ کرشن جیسا کہ میرے پر ظاہر کیا گیا ہے، درحقیقت ایک ایسا کامل انسان تھا جس کی نظیر ہندوؤں کے کسی رشی اور اوتار میں نہیں پائی جاتی، اور اپنے وقت کا اوتار یعنی نبی تھا، جس پر خدا کی طرف سے رُوح القدس اُترتا تھا وہ خدا کی طرف سے فتحمند اور با اقبال تھا، جس نے آریہ ورت کی زمین کو پاپ سے صاف کیا، وہ اپنے زمانہ کا درحقیقت نبی تھا جس کی تعلیم کو پیچھے سے

بہت باتوں میں بگاڑ دیا گیا، وہ خدا کی محبت سے پُر تھا، اور نیکی سے دوستی اور شر سے دشمنی رکھتا تھا۔ خدا کا وعدہ تھا، کہ آخری زمانہ میں اس کا بروز یعنے اوتار پیدا کرے، سو یہ وعدہ میرے ظہور سے پورا ہوا۔ مجھے منجملہ الہاموں کے اپنی نسبت ایک یہ بھی الہام ہوا تھا کہ ہے کرشن رودّر گوپال تیری مہما گیتا میں لکھی گئی ہے۔[1] (لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۲۳)

اس لیکچر کے بعد جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے دیگر دعاوی اور کارِ تجدید و اصلاح کی مخالفت مسلمانوں کی طرف سے کی گئی، اسی طرح اس لیکچر کے بعد بھی مخالفت کا گرد و غبار از سرِ نو بلند ہوا لیکن وہ زیادہ تر مقامی اور محدود حیثیت رکھتا تھا۔

کچھ شبہ نہیں، کہ فرقہ صوفیاء میں کرشن جی کی نسبت ایک خاص ادب و احترام ملحوظ رکھا گیا تھا لیکن عوام اور ظاہر پرست علماء صوفیاء کے خیالات سے علیحدہ اور بے تعلق رہے، آخر میں بعض نئے تعلیم یافتہ مسلمان بھی جن کو مذہب سے کچھ تعلق تھا، سری کرشن جی کے فلسفہ کی عظمت سے متاثر ہوئے ہیں۔ مَیں اس وقت جس عجلت سے یہ مضمون مرتب کر رہا ہوں، اس لحاظ سے یہ ناممکن ہے، کہ مَیں ان دونوں طبقات کے پورے احساسات و خیالات کی تفصیل کتابوں کے حوالوں سے کر سکوں، لیکن جو مواد مَیں اس وقت مہیا کر سکا ہوں، اس کے لحاظ سے چند حوالوں کا دیا جانا کافی ہوگا۔

مَیں سمجھتا ہوں، کہ سب حوالوں سے پہلے تیمناً و تبرکاً مجھے ایک نہایت ہی معقول و برگزیدہ ہستی کے کلام کا حوالہ دینا ضروری ہے، جو نہ صرف عام طور پر مسلمانوں کے بلکہ خاص طور پر صوفیاء کرام کے تمام خانوادوں اور جملہ سلاسل طریقت کے مسلّمہ ہادی و پیشوا ہیں، یعنی جناب علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہٗ کے کلام معرفت نظام کا حوالہ سب سے پہلے ضروری ہے۔

[1] تذکرہ صفحہ ۳۶۳ و ۴۹۳ و ۴۶۴ و ۴۸۳ و ۵۶۰۔

اِس حوالہ کے لئے مَیں اپنے ایک شیعہ دوست کا ممنون ہوں، جنہوں نے اپنے کتب خانہ سے تلاش کر کے یہ حوالہ مرحمت فرمایا ہے، یہ ایک قدیم قلمی کتاب ہے، جو چند رسائل کا مجموعہ کشکول کی حیثیت میں ہے۔ اس میں علاوہ چند رسائل صرف و نحو و شرح مائۃ عامل کے مثنوی مولانا روم و دیگر عربی و فارسی نظموں کا انتخاب ہے۔ اس کشکول میں ایک منظوم حصّہ مناقب حضرت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے نام سے بھی شریک ہے۔ اس منظوم مناقب کے سلسلہ میں مرتّب کتاب نے ایک مقام پر "نقل من منقولات حضرت مولا علی علیہ السلام" کا عنوان دیکر گیارہ اشعار کی ایک نظم نقل کی ہے۔ یہ نقل ایسے زشت خط میں ہے، کہ اس کا پڑھنا اور صحیح نقل کرنا دشوار ہے، اور اس میں جن معلومہ اقوامِ عالم اور ان کے انبیاء و ہادیوں کے ناموں کا ذکر ہے، اُن کا سمجھ لینا بھی آسان نہیں۔ لیکن یہ بات قابلِ اطمینان ہے، کہ جس شعر کا میں حوالہ دیتا ہوں، اس میں حضرت کشن کا نام ہندوستان کے تعلق سے صاف پڑھا جاتا ہے۔ کُل نظم کا مفہوم یہ ہے، کہ جب اور جہاں جہاں ہادیانِ مذاہب مختلف ناموں کے ساتھ آئے وہ سب میرے نام ہیں، چنانچہ خاتمہ کا شعر یہ ہے:-

بوالحسن میخوانندم بوالعشر از مادرم پس منم این نام من اینست گفتنم مرترا

اور کرشن جی کے متعلق یہ بیت وضاحت کرتی ہے:-

"ہندیا نم کشن خوانند گر جیا نم اتقیا در فرنگم شبطیا وُ در ختا بابولیا"

پس اس مقدس کلام سے مَیں اپنے مضمون کا افتتاح کرتا ہوں، جو صوفیاء اور علماء دونوں کے لئے قابلِ غور و فکر ہے۔ یہ گویا پہلی صدی ہجری کا حوالہ ہے۔

اس کے بعد چھٹی صدی ہجری کے اوائل کا بھی ایک حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے، جو دیلمی کی مشہور کتاب "فردوس الاخبار" میں درج ہے۔ دیلمی محدّث بھی ہے، اور مورخ بھی۔ اس کی وفات چھٹی صدی ہجری کے اوائل میں یعنی ۵۰۹ھ ہجری میں ہوئی۔ اُس نے اپنی کتاب مذکور میں اور غالباً تاریخ ہمدان میں بھی ایک حدیث کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے، "کان

فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا اَسْوَدَ اللَّوْنِ اِسْمُہٗ کَاھِنًا۔ بلاشبہ اس فقرے کو محدثین کے معیار پر حدیث کہنا دشوار ہے۔ لیکن اس سے اتنا تو ظاہر ہوتا ہے، کہ پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں یہ خبر کچھ شہرت رکھتی تھی، کہ ہندوستان میں بھی ایک نبی ہوا ہے، جس کا نام کاہنا[1] ہے۔ اور اس مضمون کے لئے چھٹی صدی ہجری کے مسلمانوں کے اس خیال و روایت کا حوالہ ہی کافی ہے۔

اس کے بعد بارھویں صدی کے ایک بزرگ کے ملفوظات کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔ حضرت مرزا مظہر جانجاناں شہید رحمۃ اللہ علیہ کے حالات مرتبہ حضرت شاہ غلام علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ مطبوعہ مطبع احمدی ۱۲۶۹ھ کے صفحہ ۲۶ پر ایک شخص کا خواب اور حضرت مرزا مظہر جانجاناں کا جواب اس طرح درج ہے:۔

"روزے شخصے در حضور ایشاں گفت در خوابے دیدہ ام کہ صحرائے است پُر از آتش و کشن درون آتش است و رامچندر در کنارۂ آں آتش۔ شخصے در تعبیر آں خواب گفت کہ کشن و رامچندر از کبرائے کفار اند در آتشِ دوزخ معذّب اند فقیر گفتم ایں خواب را تعبیرے دیگر است بر شخصے معیّن از گذشتگاں بے آنکہ کفر او از شرع ثابت شود حکم بکفر جائز نیست از احوال ایں ہر دو کتاب و سنّت ساکت است و بمقتضائے آیت شریفہ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ۔ ظاہر است کہ دریں جماعت نیز بشیرے و نذیرے گذشتہ باشند دریں صورت محتمل است کہ اینہا ولی یا نبی باشند رامچندر کہ در ابتدائے خلقت جن پیدا شد در آنوقت عمرہا دراز و قوتہا بسیار بود اہلِ زمانہ را بہ نسبت سلوکی تربیت میکرد و کشن آخریں بزرگانِ اینہا

[1] کنھیا (کرشن کنھیا)

است و دراں وقت نسبت بہ سابق عمرہا کوتاہ و قوتہا ضعیف گردید پس اہلِ زمانہ خود را بنسبت جذبی ہدایت میکرد۔ کثرت غنا و سماع کہ از روے منقول است دلیل است بر ذوق و شوق نسبت جذبہ۔ پس حرارتہائے نسبت عشق و محبت بصورت صحرائے آتش نمود ارشد۔ کشن کہ مستغرق کیفیتہائے محبت بود درون آتش ظاہر گردیدہ و رامچندر کہ راہ سلوک داشت در کنارہ آں پدید ارشد۔ واللہ اعلم!!

اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۹ کے مکتوبات چہاردہم "دربیان آئین کفار ہند" کے عنوان میں بصفحہ ۱۲۰ یہ عبارت درج ہے:۔

"و باید دانست کہ بحکم آیت کریمہ وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ...... و آیات دیگر در ممالک ہندوستان نیز بعثت انبیاء و رسل علیہم السلام واقع شدہ است و احوال آنہا در کتب اینہا مضبوط است و از آثار آنہا ظاہر میگردد کہ مرتبہ کمال و تکمیل داشتہ اند و رحمت عامہ رعایت مصالح عباد را دریں مملکت وسیع نیز فرو نگذاشتہ۔"

اس کتاب کے مرتّب حضرت غلام علی شاہ صاحب نے صفحہ ۷۶ پر ابو صالح خان سے ایک روایت نقل کی ہے، کہ وہ متھرا گئے ہوئے تھے، ان کو سات روپیوں کی ضرورت پیش آئی، ایک رات جبکہ وہ تہجّد ادا کر رہے تھے، ایک شخص کرشن جی کی شکل میں، جس طرح کہ ہندو کرشن جی کے متعلق بیان کرتے ہیں، ظاہر ہوا، اور بعد سلام کے اس نے سات روپے پیش کئے، مَیں نے کہا کہ ٹھہرو ذرا مَیں نماز ادا کر لوں۔ ادائے نماز کے بعد مَیں نے پوچھا، کہ تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا، کہ کرشن، اور یہ سات روپے تمہاری ضیافت کے ہیں، کہ تم میرے مقام پر آئے۔ مَیں نے کہا، کہ مَیں محمدی ہوں، اور محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے پیغمبر ہماری تمام حاجتیں پوری کرنے کے لئے کافی ہیں، مَیں غیروں

نکاہد یہ قبول نہیں کرسکتا، وہ شخص رویا، اور کہا کہ:۔

"ما وصف نبی آخر زماں و اخلاص اتباع او صلی اللہ علیہ وسلم شنیدہ بودیم زیادہ از آں مشاہدہ کردیم"

تیرھویں صدی کے صوفیاء میں سے مولانا غوث علی شاہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات موسومہ "تذکرہ غوثیہ" سے حضرت موصوف کے ایک خواب کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ یہ خواب کتاب مذکور کے صفحہ ۴۸ پر ہے۔ کتاب ۱۹۱۱ء میں مطبع مجتبائی دہلی میں طبع ہوئی ہے۔ حضرت موصوف نے اپنا خواب بیان کرنے سے پہلے صفحہ ۴۷ پر اس واقعہ کو بیان کرنا شروع کیا ہے جس کے بعد یہ خواب نظر آیا، اور وہ واقعہ یہ ہے، کہ ایک ہندو پنڈت کی تعلیم کی بنیاد پر آپ نے برہم گائتری کا پاٹ کیا۔ پاٹ کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:۔

"جس روز ہم پاٹ کر چکے، تو آخر شب میں یہ خواب دیکھا، کہ عین دریائے گنگ میں ایک طرف خاتم رسل جناب سرور کائنات خلاصۂ موجودات فخر خاندانِ آدم رحمت عالم باعث ایجاد ارض وسما سپہدار لشکرا نبیاء احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام تشریف لائے، اور ایک مجلس آراستہ و پیراستہ ہوئی۔ دوسری طرف مہاراج سری کرشن جی مع اپنے رفیقوں کے رونق افروز ہوئے، اور ایک سبھا جم گئی۔ کرشن جی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، کہ آپ ان کو سمجھا دیجئے، یہ کیا کرتے ہیں حضرت نے کہا، کہ مہاراج تم ہی سمجھاؤ۔ پھر مہاراج نے مجھ کو بلایا، اور کہا کہ سنو برخوردار! تمہارے ہاں کیا کچھ نہیں، جو دوسری طرف ڈھونڈھتے ہو، کیا تم نے دُوئی سمجھی ہے، یہاں اور وہاں سب ایک بات ہے"

یہ خیالات طبقۂ صوفیاء کے ہیں، جو وہ حضرت کرشن جی مہاراج کی نسبت رکھتے ہیں علماء میں سے مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی اپنی کتاب "دھرم پرچار" و "مباحثہ شاہجہانپور" میں

کرشن جی کو نبی مانا ہے۔

ان حوالجات سے ظاہر ہوتا ہے کہ صدر اوّل سے لیکر اس وقت تک اکثر صوفیاء اور بعض علماء نے حضرت کرشن جی کے متعلق اپنے خیالات احترام کا صاف اظہار فرمایا ہے۔

موجودہ زمانہ کے صوفیاء میں سے خواجہ حسن نظامی نے "کرشن بیتی" کے نام سے ایک پوری کتاب ہی لکھ ڈالی ہے، جو ۱۹۱۷ء میں ہلالی پریس دہلی سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کے صفحہ ۲۲ پر وہ نہایت پریم و محبت سے کرشن جی مہاراج کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:-

"سلام تجھ پر اے غریب گوالن کی گود ٹھنڈی کرنے والے۔ سلام تجھ پر اے گمناموں کے نام کو چار چاند لگانے والے۔ اے وہ جو ایک مفلس دودھ والی کی آغوش میں امیروں کی پھولوں کی سیج سے زیادہ آرام میں پاؤں پھیلائے سوتا ہے، تجھ پر ہزاروں سلام"۔

اسی کتاب کے صفحہ ۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں:-

"ہندوستان میں جس قدر اوتار اور راہنما گزرے ہیں، ان سب میں سری کرشن باعتبار صفات گوناگوں ممتاز تھے"۔

میں اپنے معلومات کی حد تک نئے تعلیم یافتہ حضرات میں سے مولوی محمد اجمل خانصاحب ایم۔ اے کا نام سب سے پہلے لینا چاہتا ہوں، جنہوں نے اپنی کتاب "نغمۂ خداوندی" میں تحریر فرمایا ہے، کہ:-

"مسلمانوں کا طرزِ عمل اور خصوصیت سے بعض صوفیائے کرام اور اولیائے عظام کا مسلک ظاہر اور واضح ہے، کہ وہ سری کرشن جی کو ایک بزرگ اور مصلح مانتے تھے۔ حضرت شاہ عبد الرزاق بانسوی قدس سرہٗ نے اپنے ملفوظات میں نہایت احترام سے سری کرشن جی کی بزرگی اور عظمت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ اسی طرح حضرت مولانا عبد الباری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اکثر فرمایا ہے، کہ سری کرشن جی

کے جو حالات ہیں، ان کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا ہے، کہ ممکن ہے، کہ وہ ہندوستان کے نبی ہوں، اس لئے کہ نصِ صریح لِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ آیت قرآن کریم کا نظریہ بتاتا ہے، کہ ہر ملک و قوم میں ایک نبی ضرور بھیجا گیا ہے، اور ہندوستان کا اس نظریہ سے مستثنیٰ ہونا بعید از قیاس ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے، کہ اکثر بزرگان دین نے ایسے مقامات پر خصوصیت سے عبادت اور چلہ کشی کی ہے، جہاں ہندوؤں کے مقدس مقامات ہیں۔" (نغمۂ خداوندی صفحہ ۲۰)

مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں صاحب اور مرتضیٰ احمد خاں صاحب ایڈیٹر جریدہ "افغانستان" کی نظمیں بھی بعض اخبارات میں کرشن جی کی تعریف میں شائع ہوئی ہیں۔ مولانا سید افقر موہانی ایڈیٹر "جام جہاں نما" لکھنؤ کا ایک نوٹ "کرشن اور اسلام" کے عنوان سے اخبار تیج کرشن نمبر مورخہ ۱۰ اگست ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے، وہ اپنے اس مختصر نوٹ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"میرے خیال میں وہ (کرشن جی) برگزیدہ اوتار تھے اور دنیا کی ہدایت کے لئے مامور من اللہ ہو کر ظاہر ہوئے تھے۔ ان کا تقدس اور احترام دنیا کے ہر متنفس پر یکساں واجب ہے۔"

ان اقتباسات وحوالجات سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیکچر سیالکوٹ کے بعد ہندوستان کے نئے تعلیم یافتہ طبقہ میں ہلچل ضرور پیدا ہو گئی، اور صوفیا تو پہلے ہی سے اس بات کو مانتے تھے۔ بعض صوفیاء کی مجھ سے جو گفتگو ہوتی ہے، اس پر مجھے بعض وقت بڑا ہی تعجب ہوا ہے، جبکہ میں کرشن جی کے حالات سے پورے طور پر واقف نہ تھا۔

مجھ سے ایک صوفی نے یہ ذکر کیا تھا، کہ دریائے جمنا کے اس مقام پر جہاں اب گھاٹ بنا ہوا ہے، اور جہاں کرشن جی کے اشنان کی نشاندہی کی جاتی ہے، صوفیوں کو اس

مقام پر انوارِ نبوت نظر آتے ہیں۔ میں نہیں جانتا ہوں، کہ اس بیان میں کہاں تک حقیقت ہے۔ جس زمانہ میں گفتگو ہوئی تھی، اس زمانہ میں میں کرشن جی کی حیثیت و حالات سے قطعًا ناواقف تھا۔ جمنا چونکہ میرے وطن (فرخ آباد) کے قریب ہی واقع ہے، اور متھرا میرے وطن سے کچھ دور نہیں ہے، اس لئے مجھے بعض اوقات صوفیوں سے اس کے متعلق تذکرہ سننے کا موقعہ ملا ہے۔ اس ذکر سے میرا صرف یہ مقصد ہے، کہ صوفیا پر کسی نہ کسی طرح حضرت کرشن جی کی عظمت کا اثر ابتداء ہی سے ہے۔

ان حوالجات کو ختم کرنے سے پہلے مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کی ایک رائے کا اظہار بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، جو اُن کی کتاب "فتاوٰی عزیزی" کے صفحہ ۱۳۱ پر ایک سوال کے جواب میں شائع ہوئی ہے۔ افسوس ہے، کہ مطبوعہ نسخہ جو میرے سامنے ہے، اس کا صفحہ اوّل اور آخر غائب ہے، اس لئے میں یہ بتانے سے قاصر ہوں، کہ یہ کتاب کب اور کس مطبع میں شائع ہوئی؟ کتاب مذکور کے صفحہ ۱۳۱ پر سوال بایں الفاظ ہے کہ:-

سوال و بٹ از روئے اخبار و تواتر و آثار کے بخوبی ثابت ہے، کہ بیچ ہند کے اوتار کثیر کہ قوم ہنود ان کو خالق اور بعضوں کو مقتدیٰ اپنا جانتے ہیں، گذرے۔ اور راجے باشوکت و قوت اور خلعت بہت ہوئے۔ ابتدائے پیدائش سے کون پیغمبر اس قوم میں بھیجا گیا، اور کونسی کتاب واسطے ہدایت ان کی زبانِ ہند یا دوسری زبان میں نازل ہوئی ہے، یا نہیں، اور بیچ صورت نہ ہونے کے سبب اس کا کیا ہے؟

جواب اس سوال کا کسی قدر طویل ہے، اور ایسی عبارت میں ہے، کہ اگر اس کو پورا نقل کیا جائے، تو اس کا سمجھنا دشوار ہوگا۔ مختصر یہ کہ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں، کہ آیت قرآنی اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ سے ظاہر ہوتا ہے، کہ ہر قوم میں ایک ڈرانے والا گذرا ہے، جو بُرے کاموں اور حقوق کے تلف کرنے سے ڈراتا رہا ہے، عام اس سے

کہ ڈرانے والا انبیاء سے ہو، یا علماء، واعظین، اولیاء یا خداشناسوں سے۔ اور معاملہ حضرت حق کا ہر فرقہ کے ساتھ بحسب اختلاف استعدادات مختلف ہے۔ بعض ممالک یا اقوام میں نبی کے معنے کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ ان کی طبیعت میں عبّاد، زُہّاد، تارکانِ دُنیا اور خلوت نشینوں کی عظمت و اعتقاد مرکوز ہے، اس لئے ممکن ہے، کہ اوتارِ ہنود مظاہر حق گذرے ہوں، خواہ افرادِ بشر سے ہوں، خواہ شیر و ماہی سے مثل عصائے موسیٰ اور ناقۂ حضرت صالح علیہما السّلام، لیکن عوام فرقۂ ہنود میں بسبب قصورِ فہم کے درمیان ظاہر و مظہر کے فرق نہ کرکے سب کو معبود کہا اور گمراہ ہو گئے۔

حضرت شاہ صاحب کی اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ اوتار ہنود کا تصوّر خواہ نبی سے کسی قدر مختلف ہی ہو، تاہم وہ مظاہرِ حق تھے، اور اس طرح ہر قوم کے ہادی کہے جا سکتے ہیں۔ پس اس فتوی کا مفاد بھی یہی ہے، کہ ان ہادیوں کی عظمت میں کوئی فرق نہیں آتا ہے، جو اوتار کے نام سے اس ملک میں تسلیم کئے گئے ہیں، انہیں میں سے حضرت کرشن جی ہیں، جن کی عظمت کے متعلق مَیں یہ مضمون لکھ رہا ہوں۔

سری کرشن جی مہاراج کے متعلق مسلمانوں کے خیالات اقتباسات بالا سے واضح ہو جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے ان روادارانہ خیالات کے ساتھ جب خود ہندوؤں کے بیانات پر نظر ڈالی جاتی ہے، تو وہ اتنے پیچیدہ، مبہم اور تعبیر طلب نظر آتے ہیں، کہ اگر ان کی کوئی تعبیر و توجیہہ نہ کی جائے، تو باہم ایک دوسرے سے قطعاً متضاد ہیں۔ ایک طرف تو ہندوؤں کے جدید اصلاح یافتہ فرقہ آریہ سماج کی طرف سے ایسے خیالات کا اظہار کیا جاتا ہے، جس سے سری کرشن جی کی مذہبی حیثیت و عظمت کو قطعاً تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری طرف سناتن دھرمی کرشن جی مہاراج کی انسانیت کو مافوق البشر وجود قرار دیکر فی نفسہٖ خالق کا وجود تسلیم کرتے ہیں، اور ان کو ہادی کے درجہ سے بڑھا کر قابلِ پرستش دیوتا قرار دیتے ہیں، اور ان کے ہدایت اور نبوت کے کارناموں کو ایسی شکل میں پیش کرتے ہیں، جس کو ایک معمولی شریف

انسان بھی اپنے لئے پسند نہیں کرسکتا۔

کرشن جی کی تصویریں جو عام طور پر منظر پر لائی جاتی ہیں، نہایت رنگیلے رقاص اور ناچنے گانے والے عیاش آدمی کی سی ہیں، جو عورتوں کو ناچ گا کر رجھاتا اور اپنی طرف مائل کرتا ہے۔ گوپیوں کی عشقبازی کا مشہور قصہ اور بانسری کی سریلی آواز سے ان کو مست کر دینے کا واقعہ اس قدر عام ہے، کہ اس کو چھپانے یا اس سے انکار کرنے کے بجائے عام طور پر ان کو کرشن جی کے کمالات میں سے شمار کیا جاتا ہے۔ اگر ان واقعات کو ہندوؤں کی قدیم میتھالوجی تصور کیا جائے۔ اور ان کی ایسی معقول توجیہہ و تعبیر کی جائے، جو ایک مذہبی ہادی کی عظمت و احترام کے شایانِ شان ہو، تو کچھ شبہ نہیں کہ گوپیوں کی عشقبازی کا قصہ اور بانسری کی سریلی تانیں اس معقول تعبیر و توجیہہ کے بعد حضرت کرشن جی کے کمالات ہی سے شمار کئے جا سکتے ہیں۔ اگر ان دو الزامات کی معقول تعبیر و توجیہہ کر دی جائے، یا مہاراج سری کرشن جی کی جیون چرتر (سوانح حیات) سے ان کو علیحدہ کر دیا جائے تو باقی جو کچھ ان کے حالات کے متعلق ہندوؤں کی کتابوں میں مل سکتا ہے، ان کی عظمت و بزرگی کے منافی نہیں ہے۔ اس معاملہ میں حضرت مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ذوق کے مطابق ایک نہایت اچھی بات اُس اقتباس میں بیان کی ہے، جو اُن کے مطبوعہ ملفوظات کے صفحہ ۷۶ سے نقل کر کے اُوپر درج کیا گیا ہے کہ:۔

"کشن آخریں بزرگان اینہا است و در آنوقت نسبت بہ سابق عمرہا کوتاہ وقوتہا ضعیف گردید پس اہل زمانہ خود را بہ نسبت جذبی ہدایت میکرد کثرت غناء وسماع کہ از وے منقول است دلیل است بر ذوق وشوق نسبت جذبیہ۔"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت موصوف، کرشن جی کے واقعات غناء و سماع کو ان کی نسبت جذبی پر دلیل سمجھتے ہیں، اور فرماتے ہیں، کہ اسی نسبت کے ذریعہ سے وہ اپنے زمانہ کے لوگوں کی ہدایت فرماتے تھے۔ یہ ایک معقول توجیہہ صوفیانہ مذاق کے مطابق کرشن جی کی بانسری بانسری نوازی اور گوپیوں کے عشق و محبت کی ہوسکتی ہے۔ اور مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب کے اس

بیان سے بھی جس کا میں نے اُوپر ذکر کیا ہے، یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ ظہورِ حق ہر قوم میں اس کے معتقد علیہ طریقہ سے ہوا کرتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے، کہ اس زمانہ میں کثرتِ غناء و سماع کی وجہ سے ہی یہ طریقے زیادہ محبوب اور مرغوب ہوں، اور ہدایتِ خلق اسی وسیلہ سے کی جانی مقدر ہو۔ ہر زمانہ کے واقعات کا حُسن و قبح اُسی زمانہ کے ماحول کے مطابق جانچا جانا چاہیئے۔ اس لئے چار ہزار برس پہلے کے واقعات کو ہم اپنے ماحول کے مطابق نہ پاکر زشت و قبیح نہیں کہہ سکتے ہیں۔

میں ہمیشہ یہ خیال کرتا رہا ہوں، کہ حضرت کرشن جی کی وہ تصاویر جو عام طور پر ہندو گھروں یا بازاروں یا کتابوں میں نظر آتی ہیں، خالص میتھالوجی ہے، جو صرف اُن خیالات و جذباتِ محبت کی ترجمانی کرتی ہیں، جو ایک نبی اور ہادی کو اپنے پیروؤں اور متبعین سے ہوتی ہے اور ہونی چاہیئے۔ اور گوپیوں کی شکلوں میں فی نفسہٖ طَالِبُ الدُّنْیَا مُؤَنَّثٌ[1] کا مرقع پیش کیا گیا ہے، اور ان کا ننگا ہونا لِبَاسُ التَّقْوٰی[2] سے عاری ہونے کے بجائے دکھایا گیا ہے، ندی سے نکل کر اس شخص سے جو درخت پر چڑھا ہوا ہے (جو اس کی علویت کو ظاہر کرتا ہے) کپڑے مانگنا تقوٰی کی خواہش اور ہدایت کی طلب کے مساوی ہے۔ ندی کو دُنیا سے تشبیہ ہے چنانچہ حافظ علیہ الرحمۃ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

"آشنایانِ رہِ عشق دریں بحرِ عمیق غرقہ گشتند و نگشتند بآب آلودہ"

"بآب آلودہ" سے دُنیا داری مراد لی جا سکتی ہے۔ پس اُن گوپیوں کی تصویر سے جو ندی کے کنارے ننگے کھڑے ہوئے کرشن جی سے اپنے لئے لباس طلب کر رہی ہیں، یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ دنیا دار مخلوق جو لِبَاسُ التَّقْوٰی سے عاری ہے، اپنے ہادی و رہبر سے تقویٰ اور ہدایت طلب کر رہی ہے، اور اس کی خواہش مند ہے۔ اس طرح اگر ہم کارِ پاکاں بر قیاس ..... اصول پر کاربند ہو کر اس میتھالوجی کی جو ان تصاویر سے ظاہر ہو رہی ہے

---

[1] دُنیا کا طالب مؤنث ہے۔ [2] پرہیزگاری کا لباس۔

یہ تعبیر و توجیہہ کریں، تو شاید بیجا نہ ہوگی۔ ابھی حال میں لاہور کے مشہور مصوّر چغتائی نے پُورے دیوانِ غالب کو مصوّر کر دیا ہے۔ یہ ایک اچھی مثال اس امر کی ہے، کہ کلام کس طرح مصوّر اور تصاویر کی زبان میں منتقل کیا جا سکتا ہے، اور تصاویر سے کلام کا مفہوم کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ اس خیال کو مَیں نے اپنے ایک لیکچر میں جو اار اگست ۱۹۳۶ء کو ٹینگ مینز کالیستھ یونین کے سالانہ جلسہ کرشن جنم میں دیا گیا تھا، ظاہر کیا تھا، اور یہ خیال اس وقت بہت پسند کیا گیا تھا۔

میرے ایک دوست نے مجھ کو اس مضمون کے لکھنے کے لئے مولانا خواجہ حسن نظامی صاحب کی کتاب "کرشن بیتی" فراہم کر دی ہے۔ خواجہ صاحب نے اس کتاب کے صفحہ ۴۴ تا ۴۶ پر رادھا جی کے متعلق ایک اچھا خیال کیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں، کہ "رادھا" سری کرشن جی کے جذبہ عشق کا صفاتی نام ہے۔ اس خیال کو خواجہ صاحب نے ایک خاص عنوان قائم کر کے دو تین صفحات پر پھیلایا ہے۔ بات تو یہ بھی اچھی ہے، لیکن عام طور پر سب گوپیوں سے اس کا متعلق کرنا دشوار ہے۔ اار اگست ۱۹۳۶ء کے لیکچر کے بعد مجھے پھر موقعہ نہیں ملا، کہ مَیں اس مضمون پر کوئی خیالات مزید ظاہر کر سکتا۔ خیال تھا کہ کسی دوسرے موقعہ پر کرشن جی کی بانسری کے متعلق بھی کوئی توجیہہ پیش کرونگا، لیکن اتفاق سے اس قسم کے لیکچروں کا سلسلہ جاری نہ رکھا جا سکا، اور آج مجھے اس مضمون کے سلسلے میں اس سلئے کو بڑھانے کا موقعہ مل گیا ہے۔ خواجہ صاحب نے اپنی کتاب "کرشن بیتی" کے صفحہ ۷۰ پر ایک خاص عنوان "بانسری" کا قائم کر کے ایک مختصر سا نوٹ تحریر فرمایا ہے، مگر اس میں مثنوی مولانا روم کے پہلے شعر کے سوا کچھ اور صراحت نہیں فرمائی ہے۔ وہ شعر جو مشہور اور زبان زد عام ہے، یہ ہے:۔

بشنو از نے چوں حکایت میکند وز جدائی ہا شکایت میکند

مجھے اس وقت ٹھیک یاد نہیں، لیکن غالباً حضرت نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ یا حضرت شاہ عبدالرزاق بانسوی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات میں مَیں نے ان بزرگوں میں سے کسی کا قول پڑھا ہے، کہ حضرت الٰہی نے "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" بیلو کی دھن ادا فرمایا تھا، جس کے جواب میں بے اختیار

ہو کر ارواحِ بنی آدم نے "بلیٰ" عرض کیا تھا، لیکن یہ ذوقی باتیں ہیں، ان بزرگوں کی جو سماع کے شائق تھے۔ ان کو ہر صدائے حق میں سماع ہی کا ذوق ملتا تھا بقول سعدیؒ ؎

کسانیکہ ایزد پرستی کنند برآواز دولاب مستی کنند

پس اس قسم کے ذوق و وجدان سے کوئی تمسک کرنا ضروری نہیں ہے۔

مثنوی مولانا روم کے شارحین نے "نَے" سے مراد انسانِ کامل لی ہے، "ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل" اس لئے ہو سکتا ہے، کہ انسان کامل کا وہ کلامِ ہدایت و حکمت جو اس کے مونہہ سے جاری ہوا، اور جس نے مخلوق کے قلوب کو جذب کیا ہو، بانسری کی شکل میں منظرِ عام پر لایا گیا ہو، قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ نے رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا ہے، وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا۔ یہ نہیں فرمایا، کہ قُلْ لَّهُمْ فِيْ سَمْعِهِمْ قَوْلًا۔ بلکہ فرمایا کہ قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا۔ یعنی اس جگہ یہ نہیں کہا، کہ ان کو صرف سنادو، بلکہ فرمایا، کہ اُن کے دلوں میں اتار دو۔ دلوں میں جو چیز اترتی ہے، وہ مرغوب اور پسندیدہ ہی بات ہوتی ہے جس کو دل اپنے اندر کھینچ لیتا ہو ؎

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

ایسی باتوں میں فلسفہ یا منطق کے سے دلائل نہیں ہوتے ہیں، بلکہ بہت ہی پاک و پیاری و دلربا باتیں ہوتی ہیں، جو خود بخود دل کے اندر اتر جاتی ہیں۔ پس قول بلیغ بھی جو انسانوں کے قلوب میں اُتر جائے اسی جذب وکشش بلکہ اس سے زیادہ تر قوت کی جذب وکشش کا حامل ہوتا ہے، جو بانسری کے ذریعہ سے پیدا کی جاسکتی ہے۔ اس لئے یہ بھی ممکن ہے، کہ حضرت کرشن جی کی بانسری وہ قولِ بلیغ ہو جو انسانی قلوب کو متاثر کرکے اپنی جانب کھینچ لیتا تھا، اور مصورین میتھالوجی نے اس جذب وکشش کی قوت یا آلہ جذب وکشش کو بانسری کی تصویر دیدی ہو، جو اپنے زمانہ میں واحد آلۂ موسیقی و ذریعہ جذب وکشش تصوّر کی جاتی تھی۔

اس بانسری کے سلسلہ میں مَیں سمجھتا ہوں، کہ بائیبل کے عہد عتیق کی کتابوں سے بھی ہم کو مدد

مل سکتی ہے۔ جن لوگوں نے پرانے عہدنامے کو پڑھا ہے، وہ جانتے ہیں، کہ پرانے عہدنامے کی کتابوں میں سے ایک کتاب کا نام "غزل الغزلات" ہے اور اس میں پہلی غزل یہ ہے:۔

"وہ اپنے مونہہ کے چوموں سے مجھے چومے، کیونکہ تیرا عشق مَے سے بہتر ہے، جیسی تیرے لطیف عطروں کی خوشبو سو تیرا نام ہے، اُس عطر کی مانند جو بہایا جائے اس واسطے کنواریاں تجھ پر عاشق ہیں، مجھے کھینچ تو ہم تیرے پیچھے دوڑینگی۔ بادشاہ مجھے اپنے محل میں لے آیا، ہم تجھ میں شادماں اور مسرور ہوں گی، ہم تیرے عشق کی تعریف مَے سے زیادہ کرینگی، وہ سچے دل سے تجھ پر عاشق ہیں۔" (۱/۲تا۴)

"اے تُو جو عورتوں کے درمیان نہایت شکیل ہے، اگر تو نہیں جانتی ہے گلّے کے نقش قدم پر جا، اور اپنے حیوانوں کو چرواہوں کے خیموں کے پاس پاس چرا۔ اے میری جانی میں تجھے فرعون کی رتھ کی گھوڑیوں میں سے ایک سے تشبیہہ دیتا ہوں، تیرے گال خوشنما ہیں، کہ ان پر موتیوں کی لڑیاں ہیں، اور ایسی ہی تیری گردن، کہ اس پر سونے کی زنجیریں۔ ہم تیرے لئے سونے کے طوق بنائینگے، اور ان میں چاندی کے پھول جڑینگے۔" (۱/۸تا۱۱)

اسی طرح تقریبًا پوری کتاب اسی قسم کی غزلوں سے مرصع ہے۔ یہ کوئی چھ سات صفحے کی کتاب ہے، لیکن اس میں سب اسی قسم کی غزلیں درج ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ بڑی مستی سے عشقبازی کا اظہار کیا گیا ہے۔ یہ کتاب حضرت سلیمان علیہ السلام کی "غزل الغزلات" کے نام سے مشہور ہے، جن کو مسلمان ایک مقدس نبی تصوّر کرتے ہیں۔ میری سمجھ میں تو ساری "غزل الغزلات" پیشگوئیوں سے بھری ہوئی ہے، مگر اس کے الفاظ اور اسلوب بیان ایسا ہے کہ صرف ظاہری الفاظ پر نظر رکھکر اس کا سمجھ لینا دشوار ہے۔ وہ خواب کی سی باتیں ہیں، جن کی تعبیر کی جاسکتی ہے، اور کی جانی چاہیئے۔ مَیں نے اس موقعہ پر صرف اس لئے اس کا حوالہ دیا ہے، کہ کرشن جی مہاراج کے جو قصے مشہور کئے گئے ہیں، وہ اگر صحیح بھی ہوں، تو وہ اسی طرح تعبیر طلب

ہیں، جس طرح قدیم عہد نامے کی دوسری کتابیں "غزل الغزلات" کی مثالیں تو میں نے آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ اب حضرت داؤد علیہ السلام کی زبور ملاحظہ فرمائیں۔

زبور فی نفسہٖ گانے اور گانے ہی کی کتاب کو کہتے ہیں۔ یہ کتاب حضرت داؤد علیہ السلام کی کتاب ہے، جو اُن پر نازل کی گئی تھی۔ وہ ایک اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ سورۃ سبا میں جہاں حضرت داؤد علیہ السلام کے فضائل کو بیان کیا گیا ہے، وہاں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًاؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِىْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ۔ اس کی تفسیر میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نہایت خوش الحان تھے، اور زبور کو اس خوش الحانی سے پڑھتے تھے، کہ پہاڑ بھی ساتھ پڑھتے اور روتے تھے، اور جانور پاس آبیٹھ کر اُسی طرح آواز کرتے تھے"۔ یہ ان فضلوں میں سے ایک فضل ہے، جو اللہ تعالےٰ نے داؤد علیہ السلام پر مبذول فرمائے تھے، جن سے ان کی فضیلت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کتاب میں پہلا زبور یعنی پہلا گانا کتنا پیارا، کتنا مقدس اور ہر ایک قسم کے مذہبی خیالات کے مطابق ہے۔ پہلا زبور یوں ہے:۔

"مبارک وہ آدمی ہے، جو شریروں کی صلاح پر نہیں چلتا، اور خطاکاروں کی راہ پر کھڑا نہیں رہتا، اور ٹھٹھا کرنیوالوں کی مجلس میں نہیں بیٹھتا، بلکہ خداوند کی شریعت میں مگن رہتا اور دن رات اس کی شریعت میں سوچا کرتا ہے۔ سو وہ اس درخت کی مانند ہوگا، جو پانی کی نہروں کے کنارے پر لگایا جائے، اور اپنے وقت پر میوے لائے، جس کے پتے مرجھاتے نہیں، اور اپنے ہر کام میں پھولتا پھلتا رہیگا۔ شریر ایسے نہیں، بلکہ وہ بھوسے کی مانند ہیں، جسے ہوا اُڑا لے جاتی ہے۔ سو شریر عدالت میں کھڑے نہ رہیں گے، نہ خطاکار صادقوں کی جماعت میں، کیونکہ خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے، پر شریروں کی راہ نیست و نابود ہوگی"۔ (۱/۱تا۶)

اس مقدس کتاب میں زبور ۴ اور زبور ۵ کے عنوانات یہ ہیں:۔

زبور ۴۔ "سردار مغنی کے لئے داؤد کا زبور جو بین کے ساتھ گایا جائے"۔

زبور ۵۔ سردار مغنی کے لئے داؤد کا زبور جو بانسری کے ساتھ گایا جائے۔"

مَیں نے مثالاً دو زبور کے عنوانات آپ کے سامنے پیش کئے ہیں، جن کو بانسری اور بین پر گانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ زبور ۶ اور زبور ۸ کے عنوانات یہ ہیں:۔

زبور ۶۔ سردار مغنی کے لئے داؤد کا زبور بین کے ساتھ شمینیت[1] پر گایا جائے۔"

زبور ۸۔ سردار مغنی کے لئے داؤد کا زبور جو جتیت کے سُر پر گایا جائے۔"

مَیں نے یہ عنوانات اس لئے منتخب کئے ہیں، تا یہ ظاہر کرسکوں، کہ زبور کے گانے کے لئے سُر بھی معیّن کردیئے گئے ہیں، گویا کہ زبور ایسی مقدس کتاب ہے، جو باقاعدہ طور پر سُروں کی پابندی کے ساتھ بین اور بانسری کے ساتھ گائی جانی چاہیئے۔ پس حضرت کرشن علیہ السلام کی بانسری کسی طرح پر بھی قابلِ اعتراض باقی نہیں رہتی۔

زبور اور غزل الغزلات کے ان اقتباسات سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے، کہ ہم اپنے خالص مذہبی یا اسلامی تمدّن کے نقطۂ نظر سے سابق پاکبازوں کو جانچ نہیں سکتے ہیں۔ بائیبل کے عہدِ قدیم کی ان دونوں کتابوں کی صحت کی نسبت خواہ کتنا ہی شبہ کیا جائے، لیکن یہ امر صاف ہے، کہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السّلام کی جانب ایسی ہی چیزیں منسوب کی گئی ہیں، جو اُن کے زمانہ میں مذہبی نقطۂ نظر سے نہ صرف ناقابلِ اعتراض، بلکہ مرغوب و محبوب تھیں۔ اسی کے ساتھ قرآن شریف کے سورۃ صٓ کی آیت شریفہ قَالَ لَقَدْ ظَلَمَكَ بِسُؤَالِ نَعْجَتِكَ إِلَىٰ نِعَاجِهِ کی تفسیر میں مفسرین نے حضرت داؤد علیہ السّلام کی ننّو بیویوں کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی گوپیوں کے ظاہری قصّہ سے ایک گونہ مشابہت رکھتا ہے۔ پس اگر کلام و خیالات و واقعات سے منسوب کئے جانیوالے بزرگ ہمارے مسلّمہ مقدس انبیاء ہیں، تو حضرت کرشن علیہ السلام کی جانب جو اسی قسم کی باتیں منسوب کی جاتی ہیں، یا تو ان کی نسبت تسلیم

---

[1] یہ ایک سُر کا نام ہے۔

کرنا پڑے گا۔ کہ وہ درحقیقت معیوب باتیں نہیں ہیں، اور ان سے کسی نبی کی شانِ تقدس کو کوئی نقصان نہیں پہونچتا ہے۔ یا ان کی کوئی معقول تاویل و تعبیر کرنا پڑے گی۔ دونوں صورتوں میں حق یہی رہتا ہے، کہ وہ بزرگ جن کی جانب عشق و محبت کے افسانے منسوب کئے جاتے ہیں، قابلِ الزام نہیں ہیں۔ یعنی حق ہر حال میں حق ہے، خواہ اس کو ظاہری صورت میں قبول کرو، یا اس کی تاویل و تعبیر کرو۔ پس حضرت کرشن جی کے بارے میں سب سے اچھی و صحیح آخری و قطعی رائے وہی ہے، جو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے براہین احمدیہ حصہ پنجم کے صفحہ ۷۹ میں باین الفاظ بیان فرمائی ہے کہ:-

"ہندوؤں میں..... ایک نبی گذرا ہے جس کا نام کرشن تھا..... افسوس کہ جیسے داؤد نبی پر شریر لوگوں نے فسق و فجور کی تہمتیں لگائیں، ایسی ہی تہمتیں کرشن پر بھی لگائی گئی ہیں۔ اور جیسا کہ داؤد خدا تعالےٰ کا پہلوان اور بڑا بہادر تھا، اور خدا اس سے پیار کرتا تھا، ویسا ہی آریہ ورت میں کرشن تھا۔ پس یہ کہنا درست ہے، کہ آریہ ورت کا داؤد کرشن ہی تھا، اور اسرائیلی نبیوں کا کرشن داؤد ہی تھا۔ اور یہ بالکل صحیح ہے، کہ ہم کہیں کہ داؤد کرشن تھا، یا کرشن داؤد تھا۔ کیونکہ زمانہ اپنے اندر ایک گردشِ دَوری رکھتا ہے، اور نیک ہوں یا بَد ہوں بار بار دنیا میں ان کے امثال پیدا ہوتے رہتے ہیں"

اس فیصلہ کُن کلام کے بعد کم از کم جماعت احمدیہ تو حضرت کرشن علیہ السّلام کو نبی تسلیم کرنے اور ان کی تقدیس کرنے سے گریز نہیں کر سکتی ہے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ

حضرت امیر المؤمنین کا منظوم کلام

اور تصوّف

(از ابن عمر و عبد الرب صدیقی)

[یہ مضمون ابن عمر بی۔اے اور عبد الرب صدیقی بی۔اے کی مشترکہ کوششوں کا نتیجہ ہے، جو انہوں نے رسالہ ہذا کے خلافت جوبلی نمبر کے لئے لکھا تھا، مگر گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے اس میں شائع ہونے سے رہ گیا۔ پہلے ہمارا ارادہ تھا، کہ اس مضمون کو دو قسطوں میں شائع کیا جائے، مگر پھر اس کی علمی حیثیت کو مدنظر رکھتے ہوئے یہی مناسب سمجھا گیا، کہ اسے یکجا شائع کر دیا جائے۔ مضمون نگار صاحبان ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انہوں نے نہایت محنت سے مرتب کر کے یہ علمی مضمون ارسال کیا۔ ادارہ]

بے لوث اور بے غرض فداکاری یا بلفظ دیگر محبت، تصوف کا بنیادی اصل ہے۔ اور گو تصور دیندار اور نیکوکار مسلمانوں کے لئے بالکل اجنبی تو نہ تھا لیکن وہ اس سے کچھ ایسے بہت مانوس بھی نہ تھے کیونکہ اللہ کی رافت و محبت اور رحم و کرم کی نسبت اس کی عظمت و جبروت اور ہیبت و انتقام کے نقوش ان کے دلوں پر بہت زیادہ گہرے تھے۔ قرآن عام طور پر خدا کو سخت گیر، جبار اور ناقابلِ رسائی، مطلق العنان فرمانروا کی شکل میں پیش کرتا ہے، جو اپنی مستبدانہ خواہشات کی تو کامل اطاعت چاہتا ہے لیکن انسان کے جذبات و عواطف اور اس کی تمناؤں اور آرزوؤں

کی طرف سے قطعاً بے پرواہ اور بے نیاز ہے۔ ایسا وجود جس نے ہی کی آسودگی کا موجب نہیں ہوسکتا، اور تصوّف کی ساری تاریخ خدا اور انسان کے درمیان اس غیر فطری بُعد اور جدائی کے خلاف ایک احتجاج ہے، جو ذاتِ باری کے متعلق اس تصوّر میں مضمر ہے"[1]

یہ پروفیسر نکلسن (Nicholson) کا قول ہے، جن کو تصوّف کے مطالعہ کا بڑا دعویٰ ہے، اور جنہوں نے اسلامی تصوّف پر ایک مستقل کتاب بھی لکھی ہے۔ بے شک یہ صحیح ہے کہ اسلام کے خدا کا تعلق انسانوں کے ساتھ اس نوعیت کا نہیں، جیسا کہ یونان اور روما کے معبودوں اور اولمپس کے باسیوں کا تھا، کہ وہ اپنی تخت گاہِ الوہیت سے اتر کر انسانوں میں گھل مل جاتے تھے، اور ان کی خوشی و ماتم کی محفلوں میں انسانوں ہی کی طرح شریک ہوتے تھے، اور اسی پر بس نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے پرستاروں کی بہو بیٹیوں پر عاشق ہوجاتے، اور موقعہ پاکر انہیں اُڑا بھی لے جاتے تھے۔ شاید انسان اور اس کے معبود کے درمیان تعلقات کا یہ منظر جو یونان اور روما کی دیومالاؤں میں دکھایا گیا ہے، پروفیسر نکلسن اور ان کے ہم مشرب مسیحی مستشرقین کے لئے، جو اسلام کی خوبیوں سے آنکھیں بند کرکے اس کو نہایت بھیانک شکل میں پیش کرکے حد درجہ لذّت و سرور محسوس کرتے ہیں، بہت جاذبِ نظر ہے، اور اسلامی لٹریچر میں شاید اسی کا فقدان انہیں اس سرتاسر غلط نتیجہ پر پہونچنے پر مجبور کرتا ہے، کہ اسلام کے خدا میں محبت و مؤدّت اور رحم و غفران کی صفات، جبروت و ہیبت اور انتقام و غصّہ کے جذبات کے نیچے دب کر رہ گئی ہیں، حالانکہ اسلام محبت کا مذہب ہے، اور اسلام کا خدا سب سے زیادہ محبت کرنے والا ہے۔ دیکھو کہ وہ "ربّ" "رحمٰن" اور "رحیم" ایک جگہ اپنی ہستی اور وحدانیت کا ثبوت دیتے ہوئے اپنے بندوں کے ساتھ کیسے پیارے الفاظ میں اپنی محبت، رافت اور احسان کا ذکر کرتا ہے۔

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ (کیا تمہارے معبود بہتر ہیں) یا وہ جس نے آسمانوں اور

[1] A Literary History of the Arabs. ص۲۳۱

اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ۝ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَ اِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (سورۃ نمل ع ۵)

زمین کو پیدا کیا، اور تمہارے لئے آسمان سے پانی اتارا، پھر اس سے سرسبز باغات اگائے، تمہارے لئے ممکن نہ تھا، کہ تم اس کے درخت اگاؤ۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ یہ (مشرک) لوگ حد سے تجاوز کرتے ہیں۔ یا وہ جس نے زمین کو ٹھہرنے کا ذریعہ بنایا، اور اس کے اندر نہریں بنائیں اور اس کے لئے وزنی پہاڑ بنائے اور دو سمندروں میں روک بنائی ہے کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ بلکہ ان میں سے اکثر بے علم ہیں۔ یا وہ جو بے قرار کی سنتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے، اور وہ دکھ کو دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں جانشین بناتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ تم کم ہی نصیحت پکڑتے ہو۔ یا وہ جو بیابان اور سمندر کے اندھیروں میں تمہاری راہنمائی کرتا ہے اور ہواؤں کو اپنی رحمت کے آگے خوشخبری دینے والی بنا کر بھیجتا ہے۔ کیا اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہے؟ اللہ کی ذات اس سے برتر ہے جسے وہ شریک ٹھہراتے ہیں۔

ہم نہیں جانتے کہ اس سے زیادہ جاذب نظر جالب توجہ اور مقناطیسی کشش سے بھرا ہوا محبت کا بلاوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ پھر ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے " رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ " میری رحمت دنیا کی تمام چیزوں پر غالب ہے۔ اور ان تمام چیزوں میں خدا تعالیٰ کی وہ صفات بھی شامل ہیں، جن کی موجودگی پروفیسر نکلسن اور ان کے رفقاء کیلئے

سودائے ردح ہے۔ لفظِ اسلام کے معنے میں تسلیم و رضا مضمر ہے ؛ جو محبت کا اہم ترین بلکہ اولین و آخرین عنصر ہے۔ اسلام نام ہے ، اپنی عزت و آبرو ، آل و اولاد اور جان و مال غرض سب کچھ محبوبِ حقیقی کے قدموں میں نثار کر دینے اور اس کے سپرد کر دینے کا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَسْلِمْ تو آپ نے عرض کیا " اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ "۔ یہ ارشاد " اَسْلِمْ " کوئی جابرانہ اور قاہرانہ حکم نہ تھا ، بلکہ ایک " طغیانِ ناز " تھا ، جو اس شمعِ حسن کی طرف سے ظہور میں آیا۔ یہ اس لئے نہ تھا ، کہ شرارِ حسن میں جلتے ہوئے پروانے یعنی ابراہیمؑ کو خاکستر بنا دے ، بلکہ خود خدا کے دل میں ابراہیم کی محبت کا چشمہ ابل رہا تھا ، اور جب اس نے کہا کہ اَسْلِمْ تو اس کے سوا کچھ نہ کہا کہ اے ابراہیمؑ ! اے میرے پیارے ! تو آ اور میرے ہی اندر اپنی ہستی کو محو کر دے ، تا جس طرح میں ابدی ہوں تو بھی ابدی ہو جائے۔ چنانچہ جب ابراہیمؑ نے اس محبت کی پکار کا جواب محبت سے دیا ، اور کہدیا " اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ " تو اس کو حیاتِ ابدی حاصل ہو گئی ، اسی دینِ ابراہیمی ، اسی مذہبِ سپردگی کا نام اسلام ہے ——— اور ادائے سپردگی محبت کی حسین ترین ادا ہے۔

اسلام کے خدا اور اس کے بندوں کے درمیان تعلق کی مثال ہمیں اس تعلق میں ملتی ہے ، جو ایک باپ اور بیٹے کے درمیان ہوتا ہے ، جس کی اساس " بے لوث اور بے غرض " محبت کے سوا کچھ نہیں ، جہاں ایک طرف اگر باپ کا دل بیٹے کی محبت میں گداز ہوتا ہے ، تو دوسری طرف اس کی ابوت بچے سے ایک طبعی احترام اور فرمانبرداری کی بھی متقاضی ہوتی ہے۔ اور بچہ کا دل جہاں ترغیب اور ترہیب کے خیالات سے آزاد والہانہ طور پر اپنے باپ سے پیار کرتا ہے ، وہاں وہی محبت اس کو مجبور کرتی ہے ، کہ اس کی عزت بھی کرے ، اور اس کا کہا بھی مانے ، کہ اسی میں وہ اپنے دل کی راحت ، اپنے صحیح جذبات کی تسکین ، اور اپنی ہر طرح کی بھلائی اور بہبودی دیکھتا ہے جیسا قرآنِ مجید میں بیان ہوا۔ اُذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا۔ یعنی تم اسی والہیت ، بے غرضی اور بے لوثی کے ساتھ اپنے رب کو پیار کرو جس طرح تم اپنے باپوں

سے پیار کرتے ہو، اور جس طرح تم اپنے باپوں کی اطاعت و فرمانبرداری بغیر کسی انعام کے طمع اور بغیر کسی سزا کے خوف کے کرتے ہو، اسی طرح خدا کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، بلکہ تمہارے اس پیار میں بہت زیادہ والہیت اشوق اور جوش ہو اور تمہارے اعمال بہت زیادہ بے غرضی پر مبنی ہوں۔ مسلمان "شریعت" کو "لعنت" نہیں سمجھتا، عذاب اور قہر نہیں جانتا، بلکہ اس کو اپنے محبوب کا حکم جان کر اس پر عمل کرتا ہے، اور اس کو یقین ہوتا ہے، کہ وہ اس کو تباہی کی طرف نہیں لیجائیگی، بلکہ اس کی فلاح و کامیابی کا زینہ بنے گی، اور اس کے ذریعہ وہ اپنے محبوب کا وصال حاصل کرلیگا اسلام کے خدا نے اپنی مخلوق کی پیدائش کی غرض ہی یہ بتائی ہے، لِيَعْبُدُونِ کہ وہ اس کی اس طور پر پرستش کریں، اور ایسا تعلق محبت و وفا کا اس سے باندھیں، کہ ان میں اور ان کے خدا میں کوئی جدائی باقی نہ رہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں سے غایت درجہ کی محبت رکھتا ہے، اور اگر کوئی بندہ اس سے روگردان ہوجائے، تو اس کو بہت سخت کرب ہوتا ہے، اور جب وہ بندہ پھر اس کی طرف رجوع کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کے دل کی وہی کیفیت ہوتی ہے، جو اس بیکس مسافر کی کہ ایک لق و دق، بے آب و گیاہ میدان میں اپنی اونٹنی کھو بیٹھتا، اور بہت تلاش کے بعد حیران و سرگردان، تھکا ماندہ زمین پر پڑ کر سو جاتا ہے، اور جب اس کی آنکھ کھلتی ہے، تو ناگاہ اپنی اونٹنی کو اپنے سامنے کھڑا پاتا ہے، تب اس وقت اس کے منہ سے بے اختیارانہ یہ جملہ نکل جاتا ہے کہ "اے خدا! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں"

پھر خدا تعالیٰ کے جو نام مثل "رب"، "رحمان"، "رحیم"، "رؤف"، "تواب"، اور "ودود" وغیرہ قرآن کریم میں مذکور ہیں، ایسے شدید محبت کرنے والے خدا کو ظاہر کرتے ہیں، کہ [illegible] کرنے والے وجود کا تصور بھی ناممکن ہے۔

پروفیسر نکلسن کو غلطی لگی ہے، کہ انہوں نے قرآن مجید کی ان آیات کو جن میں دوزخ کی اذیتوں کا ذکر ہے، یہ سمجھ لیا ہے، کہ اسلام محبت کے بجائے خوف پر خالق و مخلوق کے تعلقات

کی بنیاد رکھتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے، کہ جس طرح جنت کے نعماء کا اصل تخم محبتِ الٰہی ہے
اسی طرح دوزخ کے عذاب کی بنیاد بھی اسی محبت پر ہے، یہی وجہ ہے کہ دوزخ کے متعلق اسلامی
تصور یہ ہے، کہ وہ عارضی ہے، اور گنہگار اس میں ایک وقت تک رکھے جانے کے بعد جب وہ
گناہوں سے پاک ہوجائیں گے، وہاں سے نکال کر جنت کی نعماء کے حصہ دار بنا دیئے جائینگے،
اور اس طرح ایک وقت آئے گا، کہ دوزخ بالکل خالی ہوجائے گی، اور اس میں کوئی نہیں رہیگا
پس دوزخ کا وجود اسی لئے ہے، تاگنہگاروں کو جنھوں نے اپنے تئیں گندگیوں میں ملوّث
کر کے محبوب کے قرب و وصال کے قابل نہیں رکھا، پاک و صاف کر کے محبوب کے قرب و وصال
کے قابل بنا دیا جائے۔ اور اس طرح دوزخ کی حقیقی بنیاد رحم و کرم پر ثابت ہوتی ہے۔

پس یہ ایک بالکل غلط بات ہے، کہ اسلام نے خدا کے ایسے تصور کو پیش کیا ہے،
کہ اس کے ساتھ "بے لوث اور بے غرض فداکاری" اور محبت کا رشتہ قائم نہیں ہوسکتا،
اسی طرح یہ بھی درست نہیں، کہ تصوّف، جس کی بنیاد محبتِ الٰہی پر ہے، خدا کے اس تصوّر کے
خلاف جو قرآن میں پیش کیا گیا ہے، ایک احتجاج ہے۔ حق یہ ہے، کہ عشقِ الٰہی اور کمالِ تسلیم
اسلام کا پہلا اور آخری اصل ہے، اور جیسا کہ خود پروفیسر نکلسن کو اقرار ہے، تصوّف کی
چہت بھی "بے لوث و بے غرض فداکاری" کے عمود پر کھڑی ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا، کہ تصوّف
اپنی حقیقی شان کے ساتھ اور اپنی خالص اور اصلی شکل میں اسلام کے سوا کوئی دوسری چیز
نہیں۔ اور دنیا کا سب سے بڑا صوفی ہمیں سیّدنا و مطاعنا حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم
کی ذات میں ملتا ہے۔ جس نے اپنے وجود کو اپنے خالق کے وجود میں اس طرح گم کر دیا کہ دشمن
بھی پکار اُٹھے، عَشِقَ مُحَمَّدٌ عَلٰی رَبِّہٖ کہ محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) اپنے رب کا مفتون ہو اور

جس نے چل کر آپ دکھلا دی رہِ وصلِ حبیب جس نے بتلایا کہ یوں ملتا ہے یارِ بے نشاں

اور اس سیّد الاصفیاء سے اقتباسِ نور کرتے ہوئے اس کی نشاندادہ شاہراہ پر جب دوسرے
لوگ گامزن ہوئے۔ تو وہ بھی اپنے رب میں محو ہو کر خاک کے پتلوں سے نور کے پتلوں میں مبدّل

ہو گئے، اور اس کا یہ فیض زمان و مکان کی قید سے آزاد آج بھی ویسا ہی جاری و ساری ہے جیسا کہ کبھی پہلے تھا، اور اس مادہ پرستی کے زمانہ میں بھی ہمیں ایک ایسا وجود نظر آتا ہے، جو اس طرح للکارتا ہوا اس میدان میں آیا ہے ؎

شرارِ حسن کا جلتا ہوا پروانہ آتا ہے ذرا دل تھام لو اپنا کہ اک دیوانہ آتا ہے

یہ شرارِ حسن کا جلتا ہوا پروانہ اسی جری اللہ فی حلل الانبیاء کا جانشین ہے جس کے آنے کی غرض ہی یہ تھی۔ یُحْیِ الدِّیْنَ وَیُقِیْمُ الشَّرِیْعَۃَ کہ دینِ اسلام کو زندہ کرے اور شریعت محمدیہ کو اس کی اصل شکل میں قائم کرے، اور جس کا فرمان ہے، کہ جو قرآن کے سات سو حکموں میں سے کسی ایک حکم کو بھی ٹالتا ہے، وہ اس کی جماعت میں سے نہیں، اور خود اس صوفی صافی کا اپنے پیشوا کی نیابت میں یہ کام ہے۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیَاتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ۔ اس کا اپنا بیان ہے، کہ اس نے سب کچھ قرآن ہی سے حاصل کیا۔ پیچھے ہم نے پروفیسر نکلسن کا ایک طویل اقتباس درج کیا تھا، اب ذرا اس صوفی صافی کی پیاری زبان سے بھی سنو۔ کہ اس نے قرآن سے کیا حاصل کیا۔

"اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کا اس سے زیادہ متکفل ہوتا ہے، جتنا ماں باپ اپنے بچوں کے متکفل ہوتے ہیں، پس انسان کو اپنے تعلقات کی بنیاد اس محبت پر رکھنی چاہیئے، جو خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی نسبت ظاہر کرتا ہے۔ بہت سے لوگ خدا تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق ایسا رکھتے ہیں، جو صرف خوف پر مبنی ہوتا ہے، لیکن ایسا تعلق کبھی بھی انسان کے اندر روحانیت نہیں پیدا کرتا، وہی تعلق روحانیت پیدا کرتا ہے، جس میں خوف کے ساتھ محبت بھی شامل ہو، بلکہ محبت کا پہلو غالب ہو، اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے، رَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ یعنی میری رحمت تمام صفات پر غالب ہے، اور مخلوقات پر جس شدت سے میری دوسری صفات نازل ہوتی ہیں۔ اس سے زیادہ میری رحمت نازل ہوتی ہے۔

..... میں نے اپنی ساری عمر میں جو کچھ قرآن شریف سے حاصل کیا ہے، اور جو اس کے مخفی خزانے مجھ پر کھلے ہیں، ان کی بنیاد اس امر پر ہے، کہ میں نے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی محبت کو ہر دوسری محبت سے زیادہ محسوس کیا ہے...... پس آج عید کے دن جبکہ ہر ایک کا دل خوشی سے معمور ہے، اور جب عزیز عزیز کو تحفہ دینے کی خواہش رکھتا ہے، اور جب دوست اپنے دوست کی خدمت میں ہدیہ پیش کرتا ہے، میں چاہتا ہوں، کہ آپ لوگوں کو عید کا تحفہ پیش کروں، کہ ہمارا خدا کامل محبت ہے، کوئی محبت اس کے مقابل پر نہیں ٹھہر سکتی..... اس کی محبت ایک سورج ہے جس کے مقابل پر تمام محبتیں جگنو کی چمک سے بھی کم ہیں۔ پس اس محبت کو لے لو، اور اس محبت کو اپنے دل میں جگہ دو، کہ اس سے زیادہ قیمتی کوئی اور چیز نہیں جس کو یہ محبت مل گئی، اسے سب کچھ مل گیا، اور جسے یہ نہ ملی، وہ دُنیا کی ہر ایک نعمت سے محروم رہا....... میں نہیں سمجھ سکتا کہ...... کیوں مومن کہلانیوالا انسان شریعت پر اس لئے عمل کرتا ہے، کہ کہیں خدا اس کو سزا نہ دے، یہ سزا کا خیال ہمارے دل میں پیدا ہی کیوں ہو، جبکہ خدا نے ہمارے لئے حکم اس لئے نازل نہیں کئے، کہ ہم ان کو توڑیں، اور سزا پائیں، بلکہ اس لئے نازل کئے ہیں، کہ ہم کو ان سے ہدایت اور رہنمائی حاصل ہو اور ایسی پاکیزگی ہمارے دل میں پیدا ہو جائے، جس کی وجہ سے ہم اپنے قدوس خدا کو دیکھ سکیں۔ اس کی گرمی کو محسوس کر سکیں۔ اس کی شفقت کے ہاتھ کو چھو سکیں۔ اور اپنے دل کو خدا تعالیٰ کے انوار سے منور کر سکیں......"

(خطبہ عید الفطر ۱۹۳۶ء)

غرض ہمارے آقا ہمارے سردار امیرالمؤمنین حضرت میرزا بشیرالدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے وجود میں جنہیں خود خدا نے اپنی رضا کے عطر سے ممسوح

کیا۔" اور اپنے مُنہ سے مَظہَرُ الحَقِّ وَالعُلاءِ کے عظیم الشان لقب سے پکارا ہے ہیں دنیائے اسلام کا ایک جلیل القدر صوفی ملتا ہے، جس نے اپنا سب کچھ اپنے خدا کو سونپ دیا، آپ کی زندگی کے ہزارہا تجارب بہت سے گذشتہ صوفیا کے لئے باعثِ رشک اور آنے والے سالکین کے لئے مشعلِ ہدایت ہیں، اور آپ کے منثور و منظوم کارناموں میں ان تجارب کے شاندار نظر افروز، ایمان افزا، روح پرور اور دل نواز نمونے ملتے ہیں۔ آج کی صحبت میں ہم اس جہت سے صرف آپ کے منظوم کلام کا مطالعہ کریں گے، اور دیکھیں گے، کہ کس طرح آپ سالک بن کر درجہ بدرجہ، قدم بقدم، زینہ بزینہ منازل سلوک کو طے کرتے ہوئے "آغوشِ دلبر" میں جا بیٹھے ہیں۔

جیسا کہ بیان ہوا، تصوّف کی بنیاد محبتِ الٰہی پر ہے۔ اس محبت کی محرک اللہ تعالیٰ کے لازوال و بے مثال حُسن کی جھلک ہے، جو جب کسی بندہ کو نظر آجاتی ہے، تو دنیا کے تمام حُسن اس کی نظر میں حقیر و فرومایہ ہو جاتے ہیں، تمام روشنیاں خدا تعالےٰ کے خیرہ کر دینے والے نور کے آگے ماند پڑجاتی ہیں، اور بندہ کا دل مستانہ وار اس کے وصف میں یوں نغمہ سنج ہوتا ہے ؎

میں نے جس دل سے کہ پایا ہے ترا چہرہ دیکھا | پھر نہیں اور کسی کا رُخِ زیبا دیکھا
سچ کہونگا کہ نہیں دیکھی یہ خوبی ان میں | چہرۂ یوسف و اندازِ زلیخا دیکھا
خاک کے پُتلے تو دنیا میں بہت دیکھے تھے | پر کبھی ایسا نہ تھا نور کا پُتلا دیکھا

اور اس حُسن کی رعنائیوں میں گم ہو کر وہ طرح طرح سے اس کو بیان کرتا، اور دوسروں کو اس کے جلوے دکھانا چاہتا ہے، لیکن ابھی تو گرفتاری کا عالم ہے، پہلی جھلک نے ہوش و حواس کو اس طرح گُم کر دیا ہے، کہ وہ بعض دفعہ خود اس کی کیفیت و ماہیت کچھ جاننے سے قاصر رہ جاتا، اور اپنی کوشش کی بے چارگی کو یوں بیان کرتا ہے ؎

اس کے جلوہ کی بتاؤں تمہیں کیا کیفیت | مجھ سے دیکھا نہ گیا تم کو دکھایا نہ گیا

تاہم عشق اس کی جان میں قرار پکڑ لیتا ہے، اور کسی دم اس سے جُدا نہیں ہوتا، یہانتک کہ ہر رگ و پے سے یہ صدا نکلنے لگتی ہے، ؎

مئے عشقِ خدا میں سخت ہی مخمور رہتا ہوں یہ ایسا نشہ ہے جس میں کہ ہر دم چور رہتا ہوں

لیکن بہت جلد محبوب کی بلندی، پاکیزگی اور رفعت کے ساتھ اپنی بے مائگی، بیچارگی اور بے بال و پری کا احساس ہوتا ہے، اور وہ یہ کہہ اٹھتا ہے ؎

دیکھو کہ دل نے ڈالی ہے جا کر کہاں کمند کودا تو ہے یہ بحرِ محبت میں پر کہاں

تاہم وہ یہ بھی جانتا ہے کہ ؎

عشق و بےکاری اکٹھے ہو نہیں سکتے کبھی عرصۂ سعیٔ محباں تا ابد ممدود ہے

اس لئے وہ منازل سلوک کے طے کرنے اور شاہدِ حقیقی کو پالینے پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ وہ "شاہِ جہاں" خود پاکیزہ ہے، اور اس سے پیوند بھی صرف "پاک دل" ہی کو حاصل ہو سکتا ہے، ؎

پاک ہو جاؤ کہ وہ شاہِ جہاں بھی پاک ہے جو کہ ہو ناپاک دل اس سے نہیں کرتا وہ پیار

اس لئے سالک سب سے پہلے تصفیہ و تزکیۂ نفس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور توبہ کے مقام کو حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس کوشش کو یہاں تک پہونچانا چاہتا ہے، کہ ؎

کوئی مجھ سا گنا ہوں پر پشیماں ہو نہیں سکتا کوئی یوں غفلتوں پر اپنی گریاں ہو نہیں سکتا

اور اس طرح وہ گناہوں کے بوجھ سے سبکبار ہو کر جادۂ سلوک پر راہ سپار ہو جاتا ہے، گو گناہوں کے بوجھ سے تو اس نے اپنے تئیں ہلکا کر لیا ہوتا ہے، لیکن وہ محسوس کرتا ہے، کہ منازلِ سلوک کی راہبری کے لئے ایک مرشد کی بھی ضرورت ہے، اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اس کو مل جاتا ہے، اور وہ اس یقین کے ساتھ قدم آگے بڑھاتا ہے، کہ ؎

نقش پا پر جو محمد کے چلے گا ایک دن پیروی سے اس کی محبوبِ خدا ہو جائیگا

اور اثنائے راہ میں اپنے دل کو غیر اللہ کی یاد سے خالی کرتا جاتا ہے، کہ ؎

وہ غنی ہے پر نہیں اس کو یہ ہرگز بھی پسند غیر سے تیرا تعلق رہے اس کا ہو کر

اور ہر فانی چیز سے منہ موڑ لیتا ہے ؂

حسنِ فانی سے نہ دل کاش لگائے کوئی اپنے ہاتھوں سے نہ خاک اپنی اڑائے کوئی

یہی نہیں، بلکہ محبوب کے وصال کی خواہش اس درجہ ترقی کر جاتی ہے، کہ عقبٰے کی نعمتوں کے خیال سے بھی درگذر کرتا ہے ؂

مطلوب ہے فقط مجھے خوشنودیٔ مزاج امیدِ حور و خواہشِ باغِ جناں نہیں

اور ؂

مَیں تو بھوکا ہوں فقط دیدِ رُخِ جاناں کا باغِ فردوس نہ ہو، روضۂ رضوان نہ ہو

اور جب اس مرشدِ کامل کی رہبری کی برکتوں سے چلتے چلتے اپنے محبوب کو اس طرح پکارتا ہی ؂

مَیں نے مانا تُو نے لاکھوں نعمتیں کی ہیں عطا پر مَیں انکو کیا کروں تیرے طلبگاروں میں ہوں

تب اللہ تعالےٰ اس کو اپنا ایک ہلکا سا جلوہ دکھاتا ہے، لیکن اپنی بے بضاعتی کو دیکھکر سالک کو یقین نہیں آتا، اور وہ کہتا ہے ؂

میری یہ آنکھیں کجا رویتِ دلدار کجا حالتِ خواب میں ہوں مَیں کہ یہ بیداری ہے

اس ابتدائی قرب کے بعد ہجر کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے، اور زندگی بدمزہ اور بے کیف ہو کر رہ جاتی ہے ؂

فرقت سے تیری ہر جگہ ویرانہ بن گئی اب زندگی کے دن یہ کروں مَیں بسر کہاں
ہر لحظہ انتظار ہے، ہر وقت جستجو رہتا ہے، اب تو منہ پہ مرے بس کدھر کہاں

اور صدمۂ افتراق کی اذیتوں سے بیقرار ہو کر چلّا اٹھتا ہے :-

مری جاں تیرے جامِ وصل کی خواہش میں پیاسی ہے مثالِ ماہیٔ بے آب ہر دم تلملاتی ہے

اور کبھی اپنی بے مائگی اور محبوب کی رفعتِ شان کا تصور کر کے بعض لمحے اس پر ایسے آجاتے ہیں، کہ وہ کہتا ہے ؂

واں ہم جا نہیں سکتے، یہاں وہ آ نہیں سکتے ہمارے درد کا کوئی بھی درماں ہو نہیں سکتا

لیکن وہ محبوب کی غیر محدود قدرتوں کو یاد دلاتے ہوئے کہتا ہے ؎

الٰہی پھر سبب کیا ہے کہ درماں ہو نہیں سکتا ہمارا دردِ دل جب تجھ سے پنہاں ہو نہیں سکتا

اور التجا کرتا ہے ؎

خدارا اب میں ہی آکر اپنی شکل دکھلا دے کہ اب تو صبر مجھ سے اے مری جاں ہو نہیں سکتا

تب رحیم و کریم خدا اس کی دستگیری کو بڑھتا اور وصال اور قرب کی بعض کیفیتوں سے اس کو لذت یاب کرتا ہے، جس پر وہ یہ کہنے کے قابل ہو جاتا ہے ؎

کبھی جو روتے روتے یاد میں اسکی میں سو جاؤں شبیہِ یار آکر مجھ کو سینے سے لگاتی ہے

اور وہ اس خوشی کے عالم میں یوں ترانہ سنج ہوتا ہے۔

مرحبا! وحشتِ دل تیرے سبب سے یہ سنا میں ترے پاس ہوں سرگشتہ و حیران نہ ہو

لیکن ان حالتوں میں دم بدم اتار چڑھاؤ ہوتا رہتا ہے اور کبھی اگر وہ یہ کہتا ہے ؎

قیامت ہے کہ وصلِ یار میں بھی رنجِ فرقت ہے میں اسکے پاس رہ کر بھی ہمیشہ دور رہتا ہوں

تو پھر دوسرے وقت یہ کہہ اٹھتا ہے ؎

نہ رہے گا فاصلہ کیا جبکہ دل اکٹھے ہوں ہزار دور رہوں اس کے پھر قریب ہوں میں

اور جوں جوں قرب بڑھتا ہے اسی قدر [illegible] جاتا ہے تشنگی بھی بڑھتی جاتی ہے اور اگر پہلے اس پر

[illegible]

ہم کو [illegible] پی گئے لوگ مئے وصل کے پیالے پیالے

تو اب [illegible] یہ صدا آنے لگتی ہے ؎

تشنگی میری نہ پیالوں سے بجھے گی ہرگز خم کا خم لیکے میرے منہ سے لگائے کوئی

اور اس کے بعد پیہم التجاؤں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے ؎

[illegible] پیالا دے ہاں پلا دے پیارے آج تو چہرۂ زیبا دکھا دے ہاں دکھا دے آج تو

تجھ کو سینہ سے لگا لے ہاں لگا لے پھر مجھے حسرتیں دل کی مٹا دے ہاں مٹا دے آج تو

یا مرے پہلو میں آکر بیٹھ جا پھر بیٹھ جا — یا مری خواہش مٹا دے، ہاں مٹا دیجے آج تو

. . . .

ارتباطِ عاشق و معشوق کے سامان کر — پھر مری بگڑی بنا دے، ہاں بنا دے آج تو
مطربِ عشق و محبت گوش برآواز ہوں — نغمۂ شیریں سُنا دے، ہاں سُنا دے آج تو (بیقرار)

جب یہ پکار بارگاہِ ربّ العزّت میں بار پا جاتی ہے، تو وہ "کامل محبت" خود اپنے شیدائی کو اپنی طرف کھینچ لیتا اور اپنے وصل کی لذّتوں سے اس کو سرشار کرتا ہے، جو اس طرح بیان ہوتی ہیں۔

ہے کبھی رویتِ دلدار کبھی وصلِ حبیب — کیسی عشّاق کی ہے صبح و مسا دیکھو تو
اپنے بیگانوں نے جب چھوڑ دیا ساتھ مرا — وہ میرے ساتھ رہا اس کی وفا دیکھو تو
ہیں تو معشوق مگر ناز اٹھاتے ہیں مرے — جمع ہیں ایک ہی جا حسن و وفا دیکھو تو

جب سالک ایک مدت تک ان لذّتوں سے بہرہ اندوز ہو چکتا ہے تو وہ "عربدہ جو" اس کی محبت کی آگ کو اور تیز کرنے کے لئے اپنے چہرے کو پھر چھپا لیتا ہے، اور سالک کو اپنی گذشتہ خوشیوں اور موجودہ مصیبتوں کا حال یُوں بیان کرنے کے لئے اکیلا چھوڑ دیتا ہے ؎

ہوتا تھا کبھی مَیں بھی کسی آنکھ کا تارا — بتلاتے تھے اک قیمتی دل کا مجھے پارا
دُنیا کی نگہ پڑتی تھی جن ماہ وشوں پر — وہ بھی مجھے رکھتے تھے دل و جان سے پیارا

. . . .

تھوڑی سی بھی تکلیف مری ان پہ گراں تھی — کرتے نہ تھے اک کانٹے کا چبھنا بھی گوارا
یا آج میرے حال پہ روتا ہے فلک بھی — سورج کا جگر بھی ہے غم و رنج سے پارا
یا میری ہنسی بھی تھی عبادت میں ہی داخل — یا زہد و تعبد میں بھی پاتا ہوں خسارا

. . . .

یا زانوِ دلدار میرا تکیہ تھا یا اب — سر رکھنے کو ملتا نہیں پتھر کا سہارا
جو گھنٹوں محبت سے کیا کرتے تھے باتیں — اب سامنے آنیسے بھی کرتے ہیں کنارا

ہے صبر جو جاں سوز تو فریاد حیا سوز نے تاب خموشی ہے نہ گویائی کا یارا

مگر اب تک چونکہ سالک ایقان کے بہت سے مدارج طے کر چکا اور وصول کی لذتوں سے شادکام ہو چکا ہوتا ہے، اس لئے اس ہجر میں اس پر اس قسم کے لمحے نہیں آتے، جیسے ہجر کی پہلی کیفیتوں میں آیا کرتے تھے ؎

ہے خوف مجھکو بہت اس کی طبع نازک سے نہیں نہیں کہ مجھے آرزوئے یار نہیں

بلکہ وہ بڑے استقلال، وثوق اور ہمت کے ساتھ اس راہ پر گامزن ہو جاتا ہے، جو "ہاتف غیبی" نے اس کو ان الفاظ میں بتائی تھی، کہ ؎

اے صید مصائب نگہ یار کے کشتے جس نے تجھے مارا ہے وہی ہے ترا یارا

. . . .

مرنا ہو تو اس در پہ ہی مر جی تو وہیں جی ہوگا تو وہیں ہوگا تیرے درد کا چارا

تب وہ ہر طرف سے کٹ کر محبوب ہی کی طرف متوجہ ہوتا اور اسی کو خطاب کرتا ہے:-

"میں تمہیں جانے نہ دونگا"

اور مخالف حالات میں (بھی) اپنے محبوب کی ناراضگی کو برداشت کرتا ہے، اس کی ناراضگی سے چڑ کر علیحدہ نہیں ہوتا، بلکہ محبت کی باریک در باریک راہوں سے چلکر اس کے دل تک پہونچنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ یقین رکھتا ہے، کہ میرا رب مجھ سے ناراض نہیں ہو سکتا، اور پہلے اس کی ناراضگی کو زیادہ سنجیدگی سے نہیں دیکھتا۔ لیکن پھر اس کا دل عاشقانہ بے اعتباری سے کام لیتا ہے اور سنجیدگی سے اس امر کو ظاہر کرنے لگتا ہے، کہ اس کے تعلقات ہی ایسے ہیں، وہ جدا نہیں ہو سکتا۔ مگر اس اضطرار کی حالت میں پھر اس کے دل میں اپنی محبت کے جذبات ترقی کر کے اسے شبہ میں ڈال دیتے ہیں، اور وہ اپنی خیالی جنت میں کھڑا ہو کر ناراضگی کو صرف بناوٹ خیال کرنے لگتا ہے، مگر عاشقانہ بے تابی اسے اس حالت میں بھی کھڑا رہنے نہیں دیتی، اور پھر ناراضگی کو حقیقی سمجھنے لگتا ہے: اسی طرح اس کے خیالات کئی پلٹے کھاتے ہیں، اور آخر وہ والہانہ طور پر

معشوق سے اپیل کرتا ہے، کہ اگر کچھ وجہ بھی ہے، تو جانے دو، اور اپنے قرب سے مجھے محروم نہ کرو، ذرا اس داستان کو سالک ہی کے الفاظ میں سُنئے۔

(۱) مَیں تمہیں جانے نہ دونگا

کیا محبت جائے گی یُوں کیا پڑا روؤں گا مَیں خُوں
یاد کرکے چشمِ مے گوں مَیں تمہیں جانے نہ دُوں گا

(۲) مَیں تمہیں جانے نہ دونگا

خواہ تم کتنا بھی ڈانٹو خواہ تم کتنا بھی کوسو
خواہ تم کتنا بھی جھڑکو مَیں تمہیں جانے نہ دُونگا

(۳) مَیں تمہیں جانے نہ دُونگا

کیا ہوئی اُلفت ہماری کیا ہوئی چاہت تمہاری
کھا چکا ہوں زخمِ کاری مَیں تمہیں جانے نہ دُونگا

(۴) مَیں تمہیں جانے نہ دُونگا

اس قدر محنت اُٹھا کر دولتِ راحت لُٹا کر
تم کو پایا جاں گنوا کر اب تو مَیں جانے نہ دُونگا

. . . .

(۱۲) مَیں تمہیں جانے نہ دُونگا

میری حالت پر نظر کر عیب سے غضِّ بصر کر
ڈھیر ہو جاؤں گا مر کر پر تجھے جانے نہ دُوں گا

. . . .

(۱۵) مَیں تمہیں جانے نہ دُونگا

تم تو میرے ہو چکے ہو تم میرے گھر کے دیئے ہو

میرے دل میں بس رہے ہو　　میں تمہیں جانے نہ دوں گا

(۱۶) میں تمہیں جانے نہ دُونگا

میں جو تم سے کہہ چکا ہُوں　　اور اب پھر کہہ رہا ہُوں

عہد پختہ کر چکا ہُوں　　میں تمہیں جانے نہ دُوں گا

(۱۷) میں تمہیں جانے نہ دُونگا

آؤ آؤ مان جاؤ　　مجھ کو سینہ سے لگاؤ

دل سے سب شکوے مٹاؤ　　میں تمہیں جانے نہ دُوں گا

یہی والہیت آخر اُسے قرب کے اس مقام پر پہونچا دیتی ہے، جب اُسے معشوق کے سوا کچھ اور نظر ہی نہیں آتا، ہر ذرہ اُسے اپنی طرف متوجہ کرتا، اور پھر اس توجہ کو حسنِ ازلی کی طرف منتقل کر دیتا ہے، جب ہر اچھی چیز اسے دردِ ہجر سے آشنا کرتی اور ہر جلوۂ حسن جدائی کی تکلیف کو تیز کر دیتا ہے۔ . . . . اور وہ ہر شئے میں خدا تعالےٰ کو دیکھتا لیکن پھر اس سے اپنے کو دُور پاتا ہے، درحقیقت یہی اس کی پہلی منزل کی آخری گھڑیاں ہوتی ہیں۔ اس حالت کو لمبا اس کی دل کی صفائی کے لئے کیا جاتا ہے، ورنہ در اصل اس وقت آگ دونوں طرف برابر لگی ہوئی ہوتی ہے، خدا کی محبت اس کے بندہ کے دل پر گرنے کے لئے اسی طرح بے چین ہو رہی ہوتی ہے، جس طرح بندہ کا عشق اس کے دل کو بیتاب کر رہا ہوتا ہے۔ "وجود و شہود" کی اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے ؎

(۱) آہ پھر موسمِ بہار آیا　　دل میں پھر میرے خیالِ یار آیا

لالہ و گُل کو دیکھ کر محمود　　یاد مجھکو وہ گل عذار آیا

زخمِ دل ہو گئے ہرے میرے

ہر چمن سے میں اشکبار آیا

(۲) خوں رُلاتا تھا لالہ زار کا رنگ　　مجلسِ یار کی بہار کا رنگ

تازہ کرتے تھے یاد اسکی پھول یاد آتا تھا گُل عذار کا رنگ
لوگ سب شادمان و خوش آئے
ایک مَیں تھا کہ سوگوار آیا

. . . .

(۱۰) مَیں وہاں ایک اور خیال میں تھا کیا کہوں مَیں نرالے حال میں تھا
سبزہ اک عکسِ زلفِ جاناں ہے یہ تصوّر ہی بال بال میں تھا
لوگ سب شادمان و خوش آئے
ایک مَیں تھا کہ سوگوار آیا

. . . .

(۱۱) جلوے اس کے نمایاں ہر شے میں شر اسی کی تھی پیدا ہر لَے میں
رنگ اسی کا جھلک رہا تھا آہ کفِ ساقی میں ساغرِ مَے میں
زخمِ دل ہو گئے ہرے میرے
ہر چمن سے مَیں اشکبار آیا
(۱۲) اس کے نزدیک ہو کے دُور بھی تھا دلِ امید وار چُور بھی تھا
نارِ فرقت میں جل رہا تھا مَیں گو پسِ پردہ اک ظہور بھی تھا
لوگ سب شادمان و خوش آئے
ایک مَیں تھا کہ سوگوار آیا

تب وصال کے سارے ذرائع اور محبوب کے حصول کے تمام طریق اس کی نظر میں ہیچ ہو جاتے ہیں، اور وہ کہتا ہے سے

میرے ہمراز بے شک دل محبت کا ہے پیمانہ ہے اس کا حال رندانہ تو اسکی چال مستانہ
مئے جاں بخش ملتی ہے جہاں ہے یہ وہ میخانہ مگر وہ کیا کرے جس کا کہ دل ہو جائے ویرانہ

نظر آئیں تمناؤں کی چاروں سمت میں قبریں

. . . .

میرے ہمراز آنکھیں بھی خدا کی ایک نعمت ہیں ہزاروں دولتیں قربان ہوں جس پر وہ دولت ہیں
بنائے جسم میں سچ ہے کہ باب علم و حکمت ہیں مثالِ خضر ہمراہِ طلبگارِ زیارت ہیں
مگر وہ منہ نہ دکھلائیں تو پھر ہم کیا کریں آنکھیں

. . . .

بجا ہے ساری دنیا ایک لفظ "میں" کا ہے نقشہ جدھر دیکھو چمک اس کی جدھر دیکھو ظہور اس کا
میرے ہمراز اب دنیا کا کام اس "میں" پہ ہے چلتا مگر "میں" بھی تبھی ہوتی ہے جب ہو سامنا "تو" کا
بھلا وہ کیا کریں "میں" کو جو ان کی یاد سے اتریں

اس پر بے سامان طالب ہر طرف سے مایوس ہو کر اپنے محبوب کو اس طرح پکارنا شروع کر دیتا ہے، اور کہتا ہے ؎

ہمارے بیکسوں کا آپکے بن کون ہے پیارے نظر آتے ہیں مارے غم کے اب تو دن کو بھی تارے
نہیں دل اپنے سینوں میں بھرے ہیں بلکہ انگارے پھکے جاتے ہیں سر سے پاؤں تک ہم ہجر کے مارے
بس اب تو رحم فرمائیں چلے آئیں چلے آئیں

اور پھر کہتا ہے ؎

تیری نگاہِ لطف اتارے گی مجھکو پار کٹتے ہیں مجھ سے عشق کے بحر و بر کہاں

لیکن اسے معلوم ہوتا ہے، کہ جب تک اپنی ہستی کو بالکل فراموش نہیں کر دیگا، وجودِ نفس کو خدا تعالےٰ کے وجود کے سامنے بھلا نہیں دیگا، اور حسبِ مفہوم آیتِ قرآنی اَنِیْبُوْٓا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ اپنی ہستی کو اس طرح خدا تعالیٰ کے سامنے نہیں ڈال دیگا جس طرح مردہ بدست زندہ ہوتا ہے، اس وقت تک باوجود اس پکار کے ؎

بس اب تو رحم فرمائیں چلے آئیں چلے آئیں

قربِ الٰہی کا کوئی امکان نہیں کیونکہ ؎

قُرب اس کا نہیں پاتا نہیں پاتا محمودؔ — نفس کو خاک میں جبتک نہ ملائے کوئی

تب وہ سلوک کی اس منزل کو بھی طے کرتا ہے، اور آخروالہانہ انداز میں یہ کہتا ہوا آگے بڑھتا ہے۔

ہزاروں خواہشیں جلکر فنا ہونے کی رکھتا ہے — ہٹا بھی دیں ذرا فانوس اک پروانہ آتا ہے

تب اس کے انتظار کی وہ گھڑیاں جن میں وہ کہتا تھا ؎

دیکھئے کب وہ منہ دکھاتا ہے — پردہ چہرہ سے کب اٹھاتا ہے

کب میرے غم کو دور کرتا ہے — پاس اپنے مجھے بُلاتا ہے

ہنس کے کہتا ہے دیکھکر مجھکو

دیکھو وہ میرا دلفگار آیا

میں یونہی اس کو آزماتا تھا — پاک کرنے کو دل جلاتا تھا

عشق کی آگ تیز کرنے کو — مُنہ چھپاتا کبھی دکھاتا تھا

میری خاطر اگر یہ تھا بےچین

کب مجھے اس کے بن قرار آیا

ختم ہوجاتی ہیں اور خدا تعالےٰ حالتِ فنا میں پڑے ہوئے سالک کو اپنے جذب و تحریک سے بقا جلا کر دوری اور بُعد کے تمام پردوں کو پھاڑ دیتا ہے، اور اپنے نورانی، لذیذ، شکر آور اور سرور آئین کلام کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اُسے نوازتا ہے، اور جیسا صوفیا نے لکھا ہے عرش اللہ فی قلب المؤمن خدا اس کے دل میں اترآتا ہے، اور اس طرح سالک کو دائمی بقا حاصل ہوجاتا ہے، اور یہ وہ حالت ہے جو ہر ایک قبض و کدورت سے پاک اور ہر ایک دغدغہ اور شک سے محفوظ اور ہر ایک دردِ انتظار سے منزّہ ہے، اور پہلے تو سالک وصلِ الٰہی کی سرشار ہونے کے لئے حیران و سرگردان پھرتا تھا، اب یہ حالت ہوتی ہے، کہ خود ؎

نگاہِ لطف میری جستجو میں بڑھتی آتی ہے — ہوں وہ میخوار جسکے پاس خود میخانہ آتا ہے

لقا کا یہ مرتبہ اس وقت متحقق ہوا کرتا ہے جبکہ سالک رنگِ بشریت کے رنگ و بو کو تمام و کمال محبوبِ حقیقی کے رنگ کے نیچے متوازی اور پوشیدہ کر دیتا ہے، اور سالک کی یہ کیفیت اسے

جو تم سے کوئی خواہش تھی تو بس اتنی ہی خواہش تھی   تمہارا رنگ چڑھ جاتا تمہاری مجھ میں بُو ہوتی

اسی درجہ کے حصول کی خواہش کی طرف اشارہ کرتی ہے۔

جب یہ رنگ بہت تیز ہو جاتا ہے، اور ہر ایک ذرہ للّٰہی طاعت کے رنگ سے رنگ پذیر ہو جاتا ہے تو اسی صبغۃ اللہ کی برکت سے ایسے سالک کا اپنے قویٰ اور جوارح کی نسبت وحدت شہودی کے طور پر یہ کہنا صحیح ہوتا ہے۔

میری نہیں زبان جو اس کی زباں نہیں   میرا نہیں وہ دل کہ جو اسکا مکاں نہیں

اس مقام پر جہاں بعض وہ لوگ جنہوں نے روحانی بلوغ کے کسی درجہ کو طے نہیں کیا ہوتا ہنستے اور معترض ہوتے ہیں۔ لیکن سلوک کے اعلیٰ مدارج پر جن کی نظر ہے، وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے وہاں اس موقعہ پر بعض سالکین کو بھی ٹھوکر لگی ہے، اور انہوں نے شہودی پیوند کو وجودی پیوند کے رنگ میں سمجھ لیا ہے۔

اصل میں تو یہ مقامِ محمدؐ ہے، کیونکہ در اصل آپ ہی کا وجود تجلیاتِ الٰہیہ کے لئے اتم و اعلیٰ و ارفع و اکمل نمونہ ہے۔ لیکن درجۂ لقا کے تموج کے اوقات میں جب شدتِ اتصال کی وجہ سے خدا تعالےٰ کے رنگ میں بالکل رنگین ہو جاتے، اور محبوبِ حقیقی محبّ حائلہ کو درمیان سے اٹھا کر نہایت شدید قرب کی وجہ سے بشدت ہم آغوش ہو جاتے ہیں۔ تب بعض دوسرے لوگ بھی ظلّی طور پر اس سے حصّہ پا لیتے ہیں۔ اس مقام کو صوفیاء نے لاہوت کے اسم سے موسوم کیا ہے، کیونکہ یہ مقام لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کا ہے، اس حالت میں سالک کہیں نہیں ہوتا، لیکن خدا ہر جگہ ہوتا ہے، اور یہی سالک کی معراج ہے۔

جب سالک اس معراج کو پا لیتا ہے تب وہ مقامِ ناسوت میں داخل ہوتا ہے، اور اس کے لئے اسے نیچے اترنا پڑتا ہے، لیکن اس اترنے کو تنزل نہیں کہنا چاہیئے۔ کیونکہ یہ اُتار پہلے

چڑھاؤ سے کہیں بلند ہوتا ہے" اس میں وہ کنجِ عبادت و ریاضت سے باہر نکل کر انسانی محبت کا اظہار کرتا ہے جس کا نام صوفیاء کی اصطلاح میں اطاعت (خدمت) ہے، اور وہ مخلوق کی خدمت ہمدردی، چارہ جوئی اور سچی غمخواری میں اپنی زندگی وقف کر دیتا ہے، دوسروں کو آرام پہنچانے کے لئے خود جلتا ہے اور تپ ؎

بھڑک اٹھتی ہے پھر شمعِ جہاں کی روشنی یکدم
عدم سے سوئے ہستی جب کوئی پروانہ آتا ہے

اس مقام کے مدارج حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی حالی شاعری میں کیونکر پائے جاتے ہیں، ان کے بیان کے لئے دوسری فرصت درکار ہے ؛

دو فائلوں کی ضرورت

رسالہ ریویو آردو کے ۱۹۳۸ء و ۱۹۳۹ء کے فائلوں کی ضرورت ہے جو صاحب یہ فائل ارسال فرمائینگے، ان کو تین روپے فی فائل کے حساب سے قیمت ادا کر دیجائیگی۔ یا اگر وہ چاہیں گے، تو آئندہ انکے نام رسالہ مفت جاری کر دیا جائیگا اگر ایک فائل دینگے، تو ایک سال کیلئے، اور اگر ۲ دو فائل دینگے، تو دو سال کیلئے ہمیں ان ہر دو فائلوں کی پانچ پانچ جلدوں کی ضرورت ہے۔

مینجر رسالہ ریویو۔ اُردو۔ قادیان

سری گورو تیغ بہادر صاحب کا قتل

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ احمدیہ)

گیانی صاحب کا ایک مضمون زیر عنوان "گورو گوبند سنگھ صاحب کے بچوں کا قتل" رسالہ "ریویو" کی تین اشاعتوں میں گذشتہ سال چھپ چکا ہے۔ اب آپ نے گورو تیغ بہادر صاحب کے قتل پر نہایت محققانہ مضمون رقم فرمایا ہے۔ جس کی ایک قسط درج ذیل ہے۔ مدعا یہ ہے، کہ سکھوں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے کے قریب تر لانے کی کوشش کی جائے، اور جن غلط فہمیوں کی وجہ سے ان میں نفاق اور دشمنی پھیلی ہوئی ہے، انہیں دور کیا جائے۔ امید ہے یہ کوشش ہر بہی خواہ ملک و قوم کی ہمدردی کی مستحق ٹھہرے گی۔ سکھ بھائیوں سے بالخصوص استدعا ہے، کہ وہ ان حقائق پر توجہ فرمائیں ۔ (ادارہ)

کسی ملک کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے اس میں بسنے والی مختلف قوموں میں اتحاد و اتفاق کا ہونا ازبس ضروری اور لازمی چیز ہے، وہ لوگ کبھی سکھ کا سانس نہیں لے سکتے، جو لڑائی جھگڑے ہی کو اپنا فریضہ سمجھتے ہیں، ہندوستان کی ترقی میں سب سے بڑی روک اس کی قوموں کا باہمی انشقاق اور پھوٹ ہے، ہمارے جھگڑوں کا ایک سبب یہ ہے، کہ ہم اپنے گذشتہ اچھے تعلقات کی مثالوں کو نظر انداز کر کے ایسے غلط واقعات اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں، جو بعض لوگوں نے اپنی خاص سیاسی اغراض کے ماتحت گھڑ کر مشہور کئے ہوتے ہیں، اور جن سے دو قوموں کے درمیان نفاق اور عداوت کا بیج بونا مقصود ہوتا ہے۔

پنجاب میں سکھوں اور مسلمانوں میں اختلاف کی جو وسیع خلیج حائل ہے، اس کا باعث بھی یہی ہے، کہ ان دونوں قوموں کے بزرگوں میں جو خوشگوار تعلقات تھے، ان کو فراموش کر کے ایسے

واقعات پیش کئے جاتے ہیں، جو باہمی تعلقات کو بہتر کرنے کے بجائے کشیدگی پیدا کرنے کا موجب ہوئے ہیں۔ ان امور میں سے جو سکھوں اور مسلمانوں میں دوری اور نفاق کا باعث ہوئے ہیں، ایک سکھوں کے نہم گورو سری گورو تیغ بہادر صاحب کے قتل کا افسانہ ہے، جس کا ایک عرصہ سے پروپیگنڈا جاری ہے، ہر سال آپ کا "یوم شہادت" منایا جاتا ہے، بڑے بڑے دیوان اور جلسے منعقد کرکے حاضرین کو یہ بتایا جاتا ہے، کہ گورو صاحب کو حضرت عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ نے دہلی میں اسلام نہ قبول کرنے کی وجہ سے تلوار کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ علاوہ ازیں ہزاروں ٹریکٹ اور رسائل و اخبارات کے خاص نمبر شائع کرکے گورو صاحب کے واقعۂ قتل کی فرضی داستان کو عام طور پر مشتہر کیا جاتا ہے۔

چونکہ یہ واقعہ سکھوں اور مسلمانوں کے تعلقات کی استواری میں ایک بہت بڑی روک ہے، اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اس پر تاریخی نقطۂ نگاہ سے روشنی ڈالی جائے۔

سری گورو تیغ بہادر صاحب کے قتل کے متعلق کئی مؤرخوں نے قلم اٹھایا ہے، لیکن ان سب کا ماخذ سکھ حضرات کی نئی محرّف تاریخیں تھیں، اس لئے وہ صحیح نتیجہ پر نہ پہونچ سکے۔ سکولوں اور کالجوں کی تعلیمی و تاریخی کتب بھی اسی غلطی کا شکار ہوئیں۔ سکھوں کی پرانی تاریخی کتب اوّل گورمکھی حروف میں ہونے کی وجہ سے اور دوئم دقیق چھندابندی (شعروں) میں ہونے کے باعث تاریخ کے محققین کی نگاہ سے پوشیدہ رہیں، اور کسی نے گورمکھی کی ان دقیق اور ضخیم کتابوں کا مطالعہ کرنے کی تکلیف نہ اٹھائی۔ یہی وجہ ہے، کہ اصل واقعات مخفی رہے، اور غلط پروپیگنڈا جاری رہا۔

مَیں اس مضمون میں سکھوں کی پرانی تاریخوں سے اس الزام کی حقیقت بیان کرونگا، اور بفضلہٖ تعالیٰ ثابت کرونگا، کہ سری گورو تیغ بہادر صاحب کا واقعۂ قتل محض مسلمانوں اور اسلام کو بدنام کرنے کے لئے گھڑا گیا ہے۔ سکھ بھائیوں سے میری درخواست ہے، کہ وہ ٹھنڈے دل سے ان گذارشات پر غور کریں، تا وہ غلط فہمیاں جو بدخواہوں نے ہمیں لڑانے کے لئے پھیلائی

ہوئی ہیں، دُور ہوں، اور ہم آپس میں صلح اور محبت سے رہیں۔

اس واقعہ کے متعلق گیانی گیان سنگھ نے، جو سکھوں کے ایک نہایت مشہور مورخ ہو گذرے ہیں، اپنی کتاب تواریخ گورو خالصہ اردو میں صفحہ ۱۴۵ سے ۱۴۸ تک طویل بیان درج کیا ہے، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

"اورنگ زیب نے تعصب کی تلوار چلانی شروع کی، اور ہندوؤں کو جبراً مسلمان کرنے لگا۔ ۔ ۔ ۔ عموماً کشمیر میں اورنگ زیب نے بڑی سختی کے ساتھ سب ملک کو مسلمان کر ڈالا، اور چوٹی اتاری گئی، جس کا ذکر عام ہے، کہ کشمیر میں سوا من زنّار اتارے گئے۔ جو برہمن فرار ہو کر پنجاب میں چلے آئے تھے ۔ ۔ ۔ ۔ گورو تیغ بہادر کے پاس ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گئے، اور گریہ وزاری سے کہا، کہ اس وقت آپ کے سوا اور کوئی دھرم کا رکھوالا نظر نہیں آتا، یا آپ کرامت دکھائیں یا سر دیں۔ گورو صاحب نے فرمایا، کہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ دھرم کے واسطے سیس (سر) دینے سے انکار نہیں، ۔ ۔ ۔ ۔ نیز کہا، کہ تم سب مل کر بادشاہ کے پاس اس مضمون کی عرضداشت بھیجو، کہ اگر حضور ہمارے گورو تیغ بہادر صاحب کو مسلمان بنالیں، تو ہم خود بخود آپ کے دین میں آجائینگے، اورنگ زیب نے ان کو دہلی بُلا بھیجا۔ انہوں نے دھرم کے واسطے اپنی جان کو قربان کر دینے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا، ۔ ۔ ۔ چند سوار ہمراہ لیکر انند پور سے دہلی کی طرف روانہ ہوئے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آگرہ میں ایک پیرزن مائی بھاگو اُن کے درشن کی ایک مدت سے آرزومند تھی۔ ۔ ۔ ۔ اس صادق الاعتقاد کی تمنا کو بھی ضرور پورا کرنا لازم تھا، اس لئے پہلے آپ آگرہ تشریف لے گئے، اور وہاں ۔ ۔ ۔ اس عورت کو اپنے درشنوں سے فیضیاب کیا، ایک فقیر قوم کا سید ضعیف العمر طامع زر بکریاں چرایا کرتا تھا، اورنگ زیب بادشاہ کا اشتہار (کہ جو کوئی تیغ بہادر صاحب کو گرفتار کرے گا، ایک ہزار روپیہ اس کو انعام ملیگا) پا کر یہ دعا کرتا تھا، کہ کہیں مجھکو وہ گورو مل جائے، تو میں ایک ہزار بادشاہ سے لے لوں۔ اس فقیر کی آرزو پوری کرنے کے لئے گورو صاحب نے اس کو ایک قیمتی دوشالہ اور ایک اشرفی دیکر حلوائی کے پاس کچھ شیرینی خریدنے کے لئے بھیجا

علاؤالدین کو گڈریئے کی حیثیت سے زیادہ مال دیکھ کر شک گذرا۔ اور رفتہ رفتہ کوتوال شہر تک یہ خبر پہونچی۔ جس نے اصل مالک کا حال دریافت کر کے حسبِ نشان دہی گڈریئے کے گورو تیغ بہادر صاحب کو گرفتار کر لیا۔ اور بہ حراست بادشاہ کے حضور بھیجدیا۔ جب دہلی پہونچے، تو ان کو مع ... پانچ کس ہمراہیان کے ایک مکان متصل کوتوالی میں جہاں اب گوردوارہ بنا ہؤا ہے، نظر بند رکھنے کا حکم دیا۔ دوسرے دن اورنگ زیب نے ان کو اپنے رُوبرو بلا کر کہا، کہ یا تو کرامات دکھلاؤ، ورنہ دینِ اسلام قبول کرو، بلکہ کچھ بلند مرتبہ وغیرہ دینے کا لالچ بھی دیا[1]۔ مگر گورو تیغ بہادر صاحب نے جو اپنے دھرم میں ثابت قدم تھے ..... جواب دیا کہ ..... مسلمانوں میں ہم ہندوؤں سے کوئی زیادہ تر فضیلت نہیں دیکھتے۔ تم بادشاہ ہو، تم کو تعصب نہیں چاہیئے، باقی رہا کرامات دکھانا، یہ خدا کے حکم میں دست اندازی کرنا ہے ..... غرضیکہ بہت کچھ کہا، جان دینا قبول کیا، مگر دھرم چھوڑنا مصلحت نہ سمجھا۔ پھر بے رحم اورنگ زیب نے ان کو انواع و اقسام کی اذیتیں اور تصدیعے دینے شروع کئے ..... ناچار جب ظالم اورنگ زیب نے دیکھا، کہ یہ کسی طرح دینِ اسلام قبول نہیں کرتے، ..... تو ان کے قتل کا حکم صادر کیا ..... ۱۳ مگھر سدھی پنچمی سمت ۱۷۳۲ بکرمی کو حسبِ معمول اشنان کر کے پوشاک پہن کر بڑ کے درخت کے نیچے بیٹھکر جپ جی صاحب کا پاٹھ کرنے لگے۔ ادھر انہوں نے پاٹھ کے اختتام پر پرمیشور کے دھیان میں سجدہ کے لئے سر جھکایا، ادھر کمبخت جلال الدین جلّاد نامراد نے اپنی خونریز تلوار سے ان کے سر کو تن سے جُدا کیا۔"

جیسا کہ مذکورہ بالا بیان سے واضح ہے، گورو صاحب کی قربانی ہندو دھرم کی حفاظت اور رکھشا کیلئے ظاہر کی گئی ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ ہم اس واقعہ کے بارے میں اپنی تحقیق پیش کرنے سے قبل ایک ہندو مبصّر کی تنقید بھی ناظرین کریں، جس میں بعض نہایت قابلِ غور امور تنقیح بیان کئے گئے ہیں۔ لاہور کے مشہور آریہ سماجی مہاشہ سنت رام صاحب سابق ایڈیٹر دھرم ہیر گورو صاحب کے قتل کی یہ روایت نقل کر کے لکھتے ہیں:۔

"اس روایت کے پڑھنے سے ہر ایسے شخص کے دل میں جو اندھا وشواس نہیں بلکہ دل و دماغ رکھتا ہے، کئی ایک

---

[1] بھائی گیانی گیان سنگھ نے اپنی کتاب پنتھ پرکاش صفحہ ۱۱۷ بسرام ۱۰ چھاپہ پنجم میں اس لالچ کی تفصیل یہ بیان کی ہے، کہ حضرت اورنگ زیب عالمگیر نے گورو صاحب کو اسلام قبول کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے کہا، کہ اگر تم مسلمان ہوجاؤ، تو میں اپنی لڑکی کی شادی تم سے کر دونگا، اور تمکو بہت بڑی جاگیر دونگا۔ افسوس کہ سکھ مؤرخین نے جہاں بھی کسی سکھ بزرگ کے قتل کا قصہ لکھا ہے وہاں اس بات کا عموماً ذکر کیا ہے، کہ اسے اسلام قبول کرنے پر مسلمانوں نے اپنی لڑکی کے نکاح کا لالچ دیا، جو نہایت ہی پست ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔

سوالات پیدا ہوتے ہیں، اور اس کو تواریخ ہند کے پریشان اوراق سے انکے جوابات تلاش کرنیکی ضرورت درپیش آیگی
(۱) کیا اورنگ زیب نے کوئی ایسا حکم دیا، کہ تمام ہندوؤں کو جبرًا مسلمان بنایا جائے؟ اگر اور کسی جگہ کے لئے نہیں، تو کیا کشمیر کیلئے کوئی اس کا پروانہ جاری ہوا؟
(۲) کیا گورو تیغ بہادر صاحب کی ایسی شخصیت تھی جو کشمیر کے پنڈتوں کو امداد حاصل کرنیکے لئے پنجاب کھینچ لائی؟
(۳) کیا گورو تیغ بہادر صاحب ان کی کچھ مدد کر سکتے تھے؟
(۴) کیا گورو تیغ بہادر جی کا چند آدمیوں کو ساتھ لیکر ہندوستان کے دارالسلطنت میں حاضر ہونا اور بادشاہ سے سخت سست سوال و جواب کرنا ہندو قوم کو بچا سکتا تھا؟
(۵) کیا ان کی قربانی سے ہندو قوم کو کوئی فائدہ پہنچا یا پہونچ سکتا تھا؟

جوابات:۔ (۱) تمام ہندوستان کی تواریخ کی پڑتال کریں، اورنگ زیب کے اول سے آخر تک حالات پڑھیں اور اسکے عہد کے واقعات کا بغور مطالعہ کریں، کہیں نظر نہیں آئیگا، کہ اورنگ زیب نے کوئی اس قسم کا حکم دیا ہو، نہ مسلمان مؤرخین نے اسکا ذکر کیا ہے، اور نہ یورپین سیاحوں نے کہیں لکھا ہے، حتیٰ کہ سٹوریا ڈوموگر کے آزاد مصنف مسٹر نکولاس منوچی، جو شاہجہان سے لیکر شاہ عالم کے زمانہ تک مغلیہ دربار میں رہا، اور جس نے اورنگ زیب کی ہر ایک حرکت اور چھوٹے سے چھوٹے ظلم کو بھی قلمبند کرنے سے نہ چھوڑا، اسکی کتاب میں بھی اس واقعہ کا نام و نشان نظر نہیں آتا۔ اورنگ زیب پنجاب، بنگال، یوپی، اور دکن کے باشندوں کو جبرًا مسلمان ہونے کیلئے نہیں کہتا، لیکن تعجب کا مقام ہے، کہ وہ کشمیر کے پہاڑوں میں اس قسم کا جابرانہ حکم جاری کرتا ہے، اور پھر اس صورت میں جبکہ آئندہ درپیش ہونے والے واقعات تبلاتے ہیں، کہ اورنگ زیب اور پہاڑی راجاؤں کے تعلقات نہایت اعلےٰ تھے، اور وہ ان راجاؤں کو ہمیشہ مدد دیا کرتا تھا، جیسا کہ ہم دوسرے نمبر میں بیان کر چکے ہیں، اورنگ زیب اگر ہندوؤں کو جبرًا مسلمان کرنا چاہتا تھا، تو سب سے پہلے اس کو ضروری تھا، کہ وہ اپنے دربار کے اراکین راجہ جے سنگھ اور مہاراجہ جسونت سنگھ وغیرہ اور ہزاروں ان راجپوتوں کو جو اس کی فوج میں ملازم تھے، مسلمان کرتا، لیکن واقعات تبلاتے ہیں، کہ ایسا نہیں ہوا، ...... پس سکھوں کا یہ کہنا کہ اورنگ زیب نے کشمیر کے پنڈتوں کو جبرًا مسلمان بنانے کیلئے کوئی حکم جاری کیا تھا، بالکل غلط ہے۔
(۲) گورو تیغ بہادر صاحب کی شخصیت کا کشمیر کے باشندوں پر کچھ اثر نہیں تھا، اور نہ ہی پیری مریدی کا رشتہ ان کے ساتھ قائم ہوا تھا، بلکہ اس وقت بھی کشمیری ہندو سکھ گوروؤں کے معتقد شاذ و نادر ہی پائے جاتے ہیں، پھر کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے، کہ ان میں سے وہ لوگ جو اپنی قوم کا لیڈنگ دماغ کہے جا سکتے ہیں، گورو تیغ بہادر صاحب کے درِ دولت پر حاضر ہوئے، اور مدد کے لئے پکار کی۔

(۳) جب گورو تیغ بہادر صاحب کے پاس اس قدر جمعیت بھی نہ تھی، کہ وہ ایک شہنشاہ ہندوستان کا مقابلہ کر سکیں، تو وہ انکی مدد کیا کر سکتے تھے، بلکہ ایسی حالت میں آمادۂ جنگ ہونا سوائے نقصان کے اور کچھ معنے نہیں رکھتا۔

(۴) تن تنہا یا چند آدمیوں کو ساتھ لیکر ہندوستان کے سب سے بڑے بادشاہ کے دربار میں اس غرض سے جانا کہ وہ ہندوؤں کو مسلمان کرنے سے باز رہے، اور وہاں سخت لہجہ میں سوال وجواب کرنا ہمارے خیال میں قوم کی سیوا نہیں، بلکہ اپنی جان پر آفت لانا ہے، اور خواہ مخواہ اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے، اس طریق سے ہندو قوم بچ نہیں سکتی تھی، بلکہ اس پر زیادہ سختی ہونے کا امکان ہو سکتا تھا۔[1]

آئندہ قسط میں انشاء اللہ سکھ تاریخ کے معتبر حوالجات سے یہ دکھایا جائیگا، کہ سری گورو تیغ بہادر صاحب کو کسی مسلمان نے قتل نہیں کیا تھا، بلکہ انکے حکم سے آپکے ایک سکھ مریدنے تلوار سے آپ کو قتل کیا تھا۔

وصیتیں

نمبر ۱۳۵۵۱ م:۔ منکہ بشیر بیگم زوجہ ڈاکٹر محمد عطاء اللہ صاحب عمر ۳۳ سال قوم ریتھر تاریخ بیعت ۱۹۱۰ء ساکن آدرمانیچے حال قادیان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۹ ۱۲/ ۱۳ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد درج ذیل ہے:۔ چوڑیاں طلائی قیمتی -/۴۰۰ روپیہ۔ کڑے طلائی قیمتی سوا سو روپیہ گلوبند طلائی قیمتی یکصد پچاس روپیہ، کلپ قیمتی بیس روپے کل قیمت -/۶۹۵ روپے اور ایک مکان واقعہ محلہ دار العلوم قیمتی -/۲۵۰۰۔ اور مہر مبلغ -/۵۰۰ بذمہ خاوند ہے۔ یعنی کل -/۳۶۹۵ کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں علاوہ ازیں میرے مرنیکے بعد جو جائداد بھی میری ثابت ہو، اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

الامۃ:۔ بشیر بیگم۔ گواہ شد:۔ محمد عطاء اللہ خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ اکبر علی بقلم خود۔

نمبر ۱۳۵۱۵ م:۔ قریشی محمد حسین ولد محمد نواز صاحب قوم قریشی پیشہ مشین مین عمر ۵۶ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن سنور ڈاکخانہ خاص ریاست پٹیالہ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۵ ۱۲/ ۱۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے، ایک مکان پختہ واقعہ قصبہ سنور قیمتی تین صد روپیہ اور دو انجن موضع کرنال ریاست پٹیالہ اس وقت لگے ہوئے ہیں جنکی قیمت اندازاً سات سو روپیہ ہے، یہ کل جائداد

---

[1] ہندو جاتی اور سکھ گورو صفحہ ۹ و صفحہ ۱۰ و صفحہ ۱۱ مصنفہ مہاشہ سنت رام آشفتہ ایڈیٹر دھرم بیر لاہور

ایک ہزار روپیہ کی ہے۔ اسمیں سے دوصد روپیہ اپنی اہلیہ کو دینے کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ باقی مبلغ -/۸۰۰ روپیہ کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں، نیز میں اپنی آمد کا بھی دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں، جو اسوقت اندازًا پندرہ روپے ماہوار ہے۔ میرے مرنے پر اگر کوئی جائیداد اسکے سوا ثابت ہو، تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ قریشی محمد حسین بقلم خود۔ گواہ شد:۔ بشیر احمد ولد محمد حسین گواہ شد:۔ مہدی حسن خاں ذیلدار سنور امیر جماعت احمدیہ۔ گواہ شد:۔ علی احمد مہاجر۔

نمبر ۵۱۴ ء۔ منکہ سید محمد شاہ ولد سید رمضان شاہ قوم سید گورنمنٹ پنشنر عمر قریبًا ساٹھ سال تاریخ بیعت سنہ ۱۸۹۶ء ساکن شاہ مسکین ڈاکخانہ فیض پور کلاں ضلع شیخوپورہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱/۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت جائیداد اراضی قریبًا بارہ گھماؤں ہے جس کی قیمت موجودہ شرح کے مطابق قریبًا ایک ہزار روپیہ ہے اور مبلغ -/۳/ ۱۴ ماہوار گورنمنٹ کی طرف سے پنشن ملتی ہے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اگر اسکے علاوہ میری موت کے بعد کوئی اور جائداد ثابت ہو، تو ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ سید محمد شاہ۔ گواہ شد:۔ سید ولایت شاہ احمدی امیر جماعت احمدیہ۔ گواہ شد:۔ محمد یعقوب ڈرائنگ ماسٹر ٹی۔ آئی۔ ہائی سکول قادیان۔

نمبر ۵۱۵ ء۔ منکہ شریفن زوجہ قریشی محمد حسین قوم قریشی عمر ۴۹ سال تاریخ بیعت سمت ۱۹۵۵ بکرمی ساکن سنور ریاست پٹیالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱/۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائداد مندرجہ ذیل ہے۔ مجھے اپنے خاوند کی طرف سے دوصد روپیہ عطیہ ملنے کا وعدہ ہے میں اسکے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میرے خاوند کی طرف سے جو مجھے مہر مل چکا ہے۔ اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کر دونگی۔ میرا کوئی زیور نہیں۔ میں اپنے مہر ۳۱ اور دوصد عطیہ کل -/۲۳۱ کا ۱/۱۰ حصہ اپنی زندگی میں داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کر دوں گی۔ اگر میری وفات پر اسکے علاوہ کوئی جائداد ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ شریفن موصیہ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ محمد حسین خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ سید علی احمد مہاجر قادیان۔

نمبر ۵۱۶ ء۔ منکہ کلثوم بیگم بنت عبداللہ خاں صاحب قوم ککے زئی عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن امین آباد ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱/۲ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں میری جائیداد اسوقت بیس تولے سونا ہے۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں میری کوئی آمدنی نہیں۔ اگر کسی وقت آمد ہوئی۔ تو اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن قادیان کرتی رہونگی میری وفات کے وقت اگر کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ الامتہ:۔ کلثوم بیگم موصیہ

بقلم خود ونشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ عبدالقادر خان لائلپوری مہاجر۔ گواہ شد۔ عبداللہ خان والد موصیہ۔

نمبر [illegible] مسماۃ کریم خاتون زوجہ محمد امین صاحب قوم ارائیں عمر ۲۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۵ء ساکن شیخ واہ ڈاکخانہ دنیاپور ضلع ملتان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۳۰ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد اسوقت حسب ذیل ہے۔ کنگن نقرہ یک جوڑہ۔ ہنس نقرہ۔ طلائی ... بالیاں نقرہ عنبر مہر ... کل یکصد روپیہ۔ میں اس جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں اگر میری وفات پر اسکے علاوہ کوئی اور جائداد ثابت ہو، تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد۔ کریم خاتون نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ محمد امین خاوند موصیہ۔ گواہ شد۔ اللہ بخش بقلم خود شیخواہ۔

نمبر [illegible] مسمی سید بابر علی اکبر مولوی فاضل ولد سید حیدر شاہ صاحب قوم سید پیشہ ملازمت عمر ۲۴ سال تاریخ بیعت ۱۱ مئی ۱۹۱۰ء ساکن سیان ڈاکخانہ ستراہ ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی غیر منقولہ جائداد نہیں ہے۔ کیونکہ میرے والد صاحب بفضل خدا زندہ موجود ہیں۔ اس وقت میرا گذارہ ماہوار آمد پر ہے، جو مبلغ بیس روپے ماہوار ہے، لہذا میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں جو انشاء اللہ ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا۔ نیز اگر بوقت وفات میری کوئی اور جائداد ثابت ہو جائے۔ تو بھی اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

میری یہ ملازمت فی الحال عارضی ہے۔ اس لئے آمدنی کی کمی وبیشی کی صورت میں دفتر بہشتی مقبرہ کو اطلاع دیتا رہونگا۔ العبد۔ سید بابر علی اکبر مولوی فاضل قائم مقام انچارج دینیات سکول گھٹیالیاں۔ گواہ شد۔ عبدالحق بقلم خود محلہ دار الفضل۔ گواہ شد۔ جلال الدین کارکن محکمہ قضاء۔

نمبر [illegible] مسمی منیر احمد ولد ڈاکٹر فتح دین صاحب احمدی قوم قریشی پیشہ زمیندارہ عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی ساکن جاگپور ڈاکخانہ خاص ضلع لدھیانہ بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۸ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائداد نہیں ہے۔ اس وقت میرے پاس سو روپیہ نقد ہے۔ جس کا ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ کو ادا کرتا ہوں۔ اور میں اپنے جیب خرچ میں سے جو کہ مجھے دس روپے ماہوار ملتا ہے اسکا ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ماہوار ادا کرتا رہونگا۔ اگر میرے مرنے کے بعد کوئی جائداد ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۱۰ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ منیر احمد خلف ڈاکٹر فتح دین احمدی حال ٹوپی۔ گواہ شد۔ فتح دین احمدی اسسٹنٹ سرجن ٹوپی۔ گواہ شد۔ صوبہ سیکرٹری وصایا جماعت احمدیہ ٹوپی۔

نمبر [illegible] مسمی غلام سرور ولد مولا بخش قوم اعوان پیشہ ملازمت عمر تیس سال پیدائشی احمدی ساکن بھیرہ ضلع سرگودھا بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۱۰ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری

اسوقت کوئی جائداد نہیں۔ اس وقت میرا گذارہ ماہوار سرکاری تنخواہ پر ہے جو کہ مبلغ ۔/۴۹ روپے ہے۔ میں اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ ہر ماہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت میری جسقدر جائیداد ثابت ہو، اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ غلام سرور بی۔ ایم۔ آر۔ این۔ ڈبلیو۔ آر۔ کوئٹہ۔ گواہ شد:۔ محمد صدیق برادر موصی۔ گواہ شد:۔ عثمان غنی برادر موصی۔

نمبر ۵۴۲۴ء:۔ منکہ چوہدری غلام محمد ولد چوہدری امام دین صاحب قوم راجپوت پیشہ زمینداره عمر تخمیناً ۵۵ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۷ء ساکن کڑیال ڈاکخانہ خاص تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۱-۴-۴ بروز جمعہ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت جائداد تخمیناً ۱۴ ایکڑ اراضی ہے، جس کی اس وقت بازاری قیمت تخمیناً ۔/۱۲۰۰ روپے بنتی ہے اس کے دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں جس کی رقم ۔/۱۲۰ روپے بنتے ہیں۔ جو میں نقدی کی صورت میں اپنی زندگی میں داخل خزانہ بیت المال کرنے کی کوشش کرونگا۔ اگر کچھ رقم رہ جائے تو میرے ورثاء داخل کردینگے۔ علاوہ ازیں اس زمین کی آمدن یا دیگر کسی اور آمدن پر بھی دسواں حصہ ادا کرتا رہونگا۔ العبد:۔ غلام محمد موصی بقلم خود۔ گواہ شد:۔ نذر حسین انسپکٹر بیت المال بقلم خود۔ گواہ شد:۔ حسن محمد احمدی بقلم خود از شاہ پور تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر۔

نمبر ۵۴۹۹ء:۔ منکہ ڈاکٹر اقبال علی غنی ولد مولوی عبد الغنی قوم شیخ پیشہ ملازمت سرکاری عمر تقریباً ۴۳ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۴ء ساکن قادیان حال بریلی انچارج منٹل ہاسپٹل بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۱-۱۱-۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی منقولہ وغیر منقولہ جائداد نہیں ہے۔ اس وقت مجھکو مبلغ دوسو بیس روپے ماہوار تنخواہ ملتی ہے۔ جسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دار الامان کرتا ہوں۔ جو کہ میں انشاء اللہ تازیست ماہ بماہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ کرتا رہونگا۔ میرے بعد اگر میری کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ ہوگی۔ العبد:۔ اقبال علی غنی بحروف انگریزی گواہ شد:۔ ذوالفقار علی غنی بقلم خود پسر موصی۔ گواہ شد:۔ محمد یونس بقلم خود محمد شاہدانہ بریلی سیکرٹری مال انجمن احمدیہ بریلی

نمبر ۵۴۹۷ء:۔ منکہ عنایت اللہ ولد میاں محمد عبد اللہ صاحب قوم ارائیں پیشہ تجارت عمر قریباً ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دار الامان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۴۱-۹-۲۷ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائداد ہے:۔ ایک قطعہ اراضی ایک کنال جس کی قیمت اس وقت مبلغ چار صد روپیہ ہے۔ اور ایک دوکان جس کا سرمایہ بھی مبلغ چار صد روپیہ ہے میں اپنی کل جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور مجھکو اس وقت قریباً مبلغ دس روپے مہینہ کی آمدنی ہے۔ میں اس آمدنی کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن

احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے بعد اگر میری کوئی جائداد ثابت ہو۔ اسکے ۱/۱۰ حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عنایت اللہ لائلپوری دوکاندار محلہ دارالفتوح۔ گواہ شد:۔ سید غلام محمد شاہ دوکاندار۔ دارالفتوح۔ گواہ شد:۔ عبدالعظیم احمدی جلد ساز دارالفتوح۔

نمبر ۵۵۰۶:۔ منکہ ایم عبدالرحمٰن ولد میاں محمد بخش صاحب مرحوم قوم سیسل پیشہ دوکانداری عمر قریبًا ۲۴ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۵ء ساکن ڈیرہ غازیخاں بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ [illegible] ۲۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد حسب ذیل ہے۔ ایک مکان جس میں ہم چار بھائی شریک ہیں جس کی قیمت ۱۵۰۰/- روپے ہے۔ میری دوکان پرچون جس کا سرمایہ ۸۰۰/- ہے اس میں ہم چار بھائی شریک ہیں، اور اس پر ہی ہمارا گذارہ ہے۔ اس کی ماہوار آمدن قریبًا ۲۰/- روپے ماہوار ہوتی ہے۔ میں اپنی آمدنی کا حصّہ ماہ بماہ تاحیات داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کراتا رہونگا۔ میری وفات کے وقت اگر اسکے علاوہ کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ میں اپنی آمدنی وجائداد کے دسویں حصّہ کی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں (نوٹ) مکان مذکورہ واقعہ بلاک ۴ ڈیرہ غازیخاں ہے۔ مکان مذکورہ کا حصہ مبلغ ۳۷/۸/- روپے میں اپنی زندگی میں ادا کر دونگا۔ اسکے علاوہ اگر کوئی جائداد ثابت ہو تو اس پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ العبد:۔ ایم عبدالرحمٰن بقلم خود۔ گواہ شد:۔ ملک عزیز محمد پلیڈر۔ گواہ شد:۔ حاجی حسن خاں۔

نمبر ۵۵۰۷:۔ منکہ محمد عبدالجلیل حکیم ولد حکیم شیخ احمد صاحب قوم اوان پیشہ طبابت عمر ۶۵ سال بیعت ۱۸۹۵ء ساکن بھیرہ ضلع شاہپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۲/۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائداد ہے۔ ایک مکان پختہ واقعہ محلہ شیخاں بھیرہ ضلع شاہپور جو چار مرلہ میں ہے گو اس وقت شکستہ حالت میں ہے جس کی قیمت اندازًا چھ صد روپیہ ہے (۲) نصف حصہ حویلی واقعہ منڈی چوڑیاں بھیرہ ضلع شاہپور جس کے کل حصّہ کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے نصف قیمت پانصد روپیہ۔ کل قیمت گیارہ سو روپیہ۔ لیکن میرا گذارہ جائداد پر نہیں۔ میں اپنے چھوٹے بچوں کو ان کے کام دوکان عطاری پر امداد کرتا ہوں۔ اور اس طرح میری آمد قریبًا دس روپے ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصّہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری جائداد جو بوقت وفات ثابت ہو، اس کے ۱/۱۰ حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں کردوں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جاویگا۔ العبد:۔ محمد عبدالجلیل حکیم بقلم خود قلعہ شیخو پورہ۔ گواہ شد:۔ ایم مرغوب اللہ انجنیئر پی۔ ڈبلیو۔ ڈی صوبہ سرحد۔ ظفر الحق بقلم خود محکمہ زراعت سرائے نورنگ۔

نمبر ۲۱۵۵۔ منکہ برکت علی ولد چوہدری گلاب خان صاحب قوم راجپوت بھٹی پیشہ زمینداری عمر ۴۰ سال تاریخ بیعت ماہ اپریل ۱۹۲۲ء ساکن چک ۱۶۶ مراد ڈاکخانہ چشتیاں ضلع بہاول نگر ریاست بہاولپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۷ نومبر ۱۹۲۷ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں

میری اس وقت حسب ذیل جائداد ہے:۔

۱۔ جدی جائداد ملکیت سات گھماؤں اراضی قسم بارانی وچاہی قیمتی اندازاً سات صد روپیہ رقبہ واقعہ مواضعات بھوبھٹی ودریا پور تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ جس کے پانچویں حصہ کا میں مالک ہوں۔

۲۔ اندازاً دس گھماؤں اراضی قسم بارانی وچاہی رقبہ مواضعات بھوبھٹی ودریا پور تحصیل پسرور ضلع سیالکوٹ جو بالعوض اندازاً مبلغ پندرہ صد روپیہ ہمارے پاس رہن ہے، جس کے پانچویں حصہ کا میں مالک ہوں۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔

۳۔ لیکن میرا گذارہ اس جائداد پر نہیں۔ بلکہ دو عدد مستطیل اراضی قسم نہری رقبہ واقعہ چک ۱۶۶ مراد تحصیل چشتیاں ضلع بہاول نگر ریاست بہاولپور کی آمدنی پر ہے۔ یہ دو عدد مستطیل بصیغہ آبادکاری گورنمنٹ بہاولپور کی طرف سے میرے نام تقسیم ہے۔ جس کے حقوق ملکیت ابھی تک مجھے حاصل نہیں۔ کیونکہ قیمت بالاقساط ادا ہو رہی ہے۔ میری اس سالانہ آمدنی کا اندازہ مبلغ تین صد روپیہ ہے۔ میں اپنی اس آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ تازیست فصل ربیع اور خریف پر باقاعدہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا رہوں گا۔ وباللہ التوفیق۔

اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان وصیت کرتا ہوں، کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کروں یا کوئی جائداد حوالہ صدر انجمن احمدیہ دارالامان کروں تو اس قدر حصہ اداشدہ منقول ہوگا۔ لہٰذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان تحریر کر دی ہے کہ سند رہے۔

العبد:۔ برکت علی احمدی۔ نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ چوہدری لعل دین صاحب نمبردار چک ۱۶۶ مراد

گواہ شد:۔ فیض احمد انسپکٹر بیت المال۔

(لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ)

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

قادیان

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

۲۲ صفر المظفر ۱۳۵۹ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۴۰ء

فہرست مضامین

اداریہ:-

حضرت مولانا غلام حسن خانصاحب کی بیعتِ خلافت ۱۹۱۴ء میں حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاول کی وفات کے بعد جب مسئلۂ خلافت پر جماعت احمدیہ میں اختلاف ہوا، اور جماعت کے دو گروہ ہو گئے، تو خان بہادر حضرت مولوی غلام حسن صاحب پشاوری نے جو سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے قدیم صحابہ میں سے ہیں، اس گروہ کا ساتھ دیا تھا، جس نے جناب مولوی محمد علی صاحب کی امارت میں لاہور کو اپنا صدر مقام بنایا، اور آپ ایک لمبے عرصہ تک اسی گروہ میں شامل رہے۔

اختلاف اپنی ذات میں کوئی بُری چیز نہیں ہے بشرطیکہ نیت نیک ہو، اور ضد و تعصب کو اس میں دخل نہ ہو، خود صحابۂ کرامؓ اور بڑے بڑے ائمہ میں اختلاف ہوئے ہیں، اور تاریخ اسلام میں ایسی بے شمار مثالیں موجود ہیں، کہ ایک بزرگ نے دوسرے سے اجتہاد میں اختلاف کیا، مگر پھر راہِ حق واضح ہو جانے کے بعد بغیر کسی قسم کی ہچکچاہٹ کے اپنی رائے سے رجوع اختیار کر لیا، اور اپنے اجتہاد کی غلطی کا علی الاعلان اظہار کر دیا، جو اُن بزرگوں کی حق پرستی اور بے نفسی کا ثبوت ہوتا تھا۔

حضرت مولوی صاحب موصوف کی نیت بھی چونکہ نیک تھی، یعنی اختلاف میں آپ کا لاہوری گروہ کا ساتھ دینا نیک نیتی پر مبنی تھا، اور اس میں ہٹ دھرمی کو دخل نہ تھا، اس لئے خدا تعالےٰ نے آپ کو توفیق دی، کہ آپ نے پورے پچیس سال تک مرکزِ سلسلہ سے علیحدگی کے بعد بالآخر پھر مرکز سے وابستگی اختیار فرمائی، اور گذشتہ جلسہ سالانہ پر پشاور سے دارالامان تشریف لا کر، اور یہاں خلافتِ ثانیہ کی تائید میں خدا تعالےٰ کی فعلی شہادت اور نصرت و تائیدِ ایزدی کے نشانات بچشم خود مشاہدہ کر کے حضرت امیرالمؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کے دستِ مبارک پر بیعت کر لی،

اور حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السّلام کی جماعت کے سوادِ اعظم میں شامل ہو گئے۔

حضرت مولوی صاحب اختلاف سے قبل صدر انجمن احمدیہ کے ممبروں میں سے تھے، اور لاہوری گروہ کی طرف سے آجتک اس امر پر بڑا زور دیا جاتا رہا ہے، کہ صدر انجمن احمدیہ جس کا فیصلہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام نے "الوصیت" میں جماعت کے لئے حجت قرار دیا ہے، اس کے ممبروں کی اکثریت نے حضرت خلیفۃ ثانی کی خلافت کو تسلیم نہیں کیا، اس لئے آپ کا انتخاب درست نہیں ہو سکتا چنانچہ ۱۹۳۰ء میں جو تحریری مباحثہ مبایعین اور غیر مبایعین کے درمیان راولپنڈی میں ہوا، اس میں بھی مسئلہ خلافت پر بحث کے دوران میں غیر مبایعین کے مناظر نے اس بات کو پیش کیا، اور اسے حضرت خلیفۃ ثانی کی خلافت کے خلاف ایک دلیل گردانا۔ (ملاحظہ ہو مباحثہ راولپنڈی صفحہ ۱۲۱)

گو یہ بات درست نہیں ہے، کہ صدر انجمن احمدیہ کے ممبروں کی اکثریت حضرت خلیفۃ ثانی کے انتخاب خلافت کی مخالف تھی، لیکن اب حضرت مولوی صاحب کی بیعت سے تو منکرین خلافت کا یہ عذر بالکل ہی باطل ہو گیا ہے، اور پہلے اگر ان کے لئے اس میں جھگڑنے کی کوئی گنجائش تھی، تو اب یہ گنجائش بھی نہیں رہی، اور یہ ان کی زبردست شکست ہے۔

ہم اپنے لاہوری احباب سے دریافت کرتے ہیں، کہ جب آپ کے نزدیک صدر انجمن احمدیہ کا فیصلہ حجت ہے، تو اب سوچو، کہ اس اصول کے مطابق حق کس طرف ہے؟ وہی دلیل جو آپ لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خلافت کے خلاف پیش کرتے ہیں، آپ کو کھلے طور پر باطل پر ثابت کر رہی ہے۔ یہ سب سامان اللہ تعالےٰ نے آپ لوگوں پر اتمام حجت کے لئے مہیا فرمائے ہیں، کیا آپ بے جا تعصب اور ضد کو چھوڑ کر حق اور راستی کا راستہ اختیار کرینگے، اور باہمی اختلاف کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قائم کردہ جماعت کے استحکام میں، جو فرق آیا ہے، اپنے

رجوع سے اس کی تلافی کرینگے؟

اگر لاہوری گروہ کے احباب انصاف سے کام لیں، تو یہی امر ان کی ہدایت کا موجب ہو سکتا ہے کیونکہ جس انجمن کو وہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی جانشین مانتے ہیں، اور جس کا فیصلہ جماعت کے لئے قطعی حجت قرار دیتے ہیں، اس کا فیصلہ بھی حضرت خلیفۂ ثانی کی خلافت کے حق میں ہے۔ مگر افسوس کہ ان کے اکابر بجائے حضرت مولوی صاحب کی بیعت سے فائدہ اٹھانے کے اُلٹا اس کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور جناب مولوی محمد علی صاحب نے تو حضرت مولوی صاحب کی بیعت کو بے حقیقت ظاہر کرنے کے لئے اخبار "پیغام صلح" میں مضامین کا ایک لمبا سلسلہ شروع کر رکھا ہے۔

حضرت مولوی غلام حسن صاحب نے اپنی بیعت خلافت کی ایک بڑی معقول وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ قادیان آکر انہوں نے خلافتِ ثانیہ کی تائید و نصرتِ الٰہیہ کی فعلی شہادت دیکھی، جس سے متاثر ہو کر انہوں نے بیعت کرلی، آپ کا یہ بیان ایک حق پرست انسان کے لئے اپنے اندر کافی سامانِ تسلی رکھتا ہے، مگر معلوم ہوتا ہے جناب مولوی محمد علی صاحب اس سے مطمئن نہیں ہیں، اور وہ بار بار آپ کو مخاطب کر کے یہ لکھ رہے ہیں، کہ آپ نے اپنے گذشتہ معتقدات کو کیوں یک قلم ترک کر دیا ہے، اور یہ فوری تغیر کس بناء پر ہے؟

ہماری سمجھ میں نہیں آتا، کہ جب حضرت مولوی صاحب صاف الفاظ میں فرما چکے ہیں، کہ حضرت خلیفۂ ثانی ایدہ اللہ کی خلافت کی تائید میں خدا تعالےٰ کی فعلی شہادت کو دیکھکر میں نے بیعت کی ہے، کیونکہ جو تائید اور نصرت الٰہیہ آپ کی ہو رہی ہے، اور جو کام آپ سے خدا تعالےٰ لے رہا ہے، وہ یقیناً آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حقیقی اور سچا جانشین ثابت کر رہا ہے، تو اب کونسا امر وضاحت

طلب رہ گیا ہے، جس کے لئے جناب مولوی صاحب بار بار آپ سے سوالات کر رہے ہیں۔

مذہبی دُنیا میں فوری تغیر کوئی تعجب انگیز امر نہیں ہے، ہم آئے دن یہ دیکھتے رہتے ہیں، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے شدید دشمن کسی ایک نکتہ کو سمجھ لینے کے بعد فوراً آپ کی جماعت میں شامل ہوجاتے ہیں، اور ہمارے جلسہ سالانہ پر اکثر ایسے نظارے مشاہدہ میں آتے ہیں۔ پس جناب مولوی محمد علی صاحب کو حضرت مولوی غلام حسن خانصاحب کے فوری تغیر پر ہرگز متعجب نہیں ہونا چاہیئے، لاہور میں ان کے جلسہ سے اگر کوئی متاثر نہیں ہوتا، تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے، کہ قادیان کے جلسہ سے بھی کوئی متاثر نہیں ہوتا، لاہور اور قادیان کے جلسوں میں جہاں اور بہت سی باتوں میں فرق ہے، وہاں ایک بات یہ بھی ہے، کہ قادیان میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایسی یادگاریں ہیں، جن سے ہر وہ شخص جس کے دل میں ایمان ہو، متاثر ہوتا ہے، اور حضرت مولوی غلام حسن خانصاحب تو حضرت اقدس سیدنا مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے مخلصین میں سے ہیں، وہ جب ایک طویل عرصہ کے بعد دیارِ محبوب میں آئے، تو ان کے قلب پر اس مقدس بستی کے برکات و فیوض کا اثر ہونا لازمی تھا، پھر وہ ایسے وقت میں یہاں تشریف لائے، جب ہزاروں عشاقِ مسیح موعودؑ دیوانہ وار اپنے مقدس امام سے اخلاص و محبت کا اظہار کرنے دور و دراز ملکوں سے آئے ہوئے تھے، گویا جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے اپنے الہام یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نشان قرار دیا تھا، وہ اب حضورؑ کے بعد حضرت خلیفۃ ثانی کے ذریعہ سے ظاہر ہو رہا تھا، اور آپ نے اس کا شاندار نظارہ اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس لئے آپ کا اس سے متاثر ہونا ایک طبعی امر تھا، چنانچہ آپ اس سے متاثر ہوئے، اور آپ نے یہ سمجھ لیا، کہ سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حقیقی جانشین حضرت خلیفۃ ثانی ایدہ اللہ ہی ہیں، کیونکہ یہ سب امور یہ ثابت کر رہے ہیں، کہ خدا کی فعلی شہادت آپ کے ساتھ ہے، اور خدا کی فعلی شہادت سے بڑھکر اور کوئی امر کسی کے برحق ہونے کا ثبوت نہیں ہوسکتا۔

جناب مولوی محمد علی صاحب کے مضامین میں سے ایک بات بڑی نمایاں ہے، اور وہ یہ کہ آپ یہ تسلیم کرتے ہیں، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی کثرت تو بےشک حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی خلافت سے وابستہ ہے، مگر آپ کے نزدیک یہ کثرت سچائی کی دلیل نہیں ہو سکتی، ہم حیران ہیں، کہ اگر کسی امر کے متعلق اکثریت کا فیصلہ قابلِ قبول نہیں ہے، تو کیا اقلیت کا فیصلہ قبول کرنا چاہیئے؟ یہ بات ہم ایک ایسے شخص کے منہ سے سن رہے ہیں، جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جانشین ایک ایسی انجمن کو قرار دیتا ہے، جس کے فیصلے کثرت رائے سے ہوتے ہیں۔

خلافت پر اختلاف کے شروع زمانہ میں جناب مولوی صاحب نے لکھا تھا، کہ حضرت خلیفۂ ثانی ایدہ اللہ کو ابھی بمشکل قوم کے بیسویں حصہ نے خلیفہ تسلیم کیا ہے[1] گویا مولوی صاحب یہ بتانا چاہتے تھے، کہ جماعت کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے، اس لئے حضرت خلیفۂ ثانی کی خلافت قابلِ تسلیم نہیں ہے مگر اب جب مولوی صاحب کو یہ احساس ہوا ہے، کہ جماعت کی اکثریت خلافت سے وابستہ ہو گئی ہے، تو آپ یہ فرمانے لگے ہیں، کہ کثرت صداقت کی دلیل نہیں ہے۔ مولوی صاحب کی ان متضاد باتوں سے صاف معلوم ہو رہا ہے، کہ وہ حق اور صداقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کر رہے ہیں، اگر اکثریت کا فیصلہ قابلِ قبول نہیں ہے، تو پھر مولوی صاحب ہی فرمائیں کہ خلفاءِ راشدین کی خلافت کے برحق ہونے کا کیا ثبوت ہے؟

آہ حضرت مولٰنا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل | گذشتہ ماہ کا انتہائی اندوہناک حادثہ حضرت الاستاذ مولٰنا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل کی وفات کا واقعہ ہے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ مرحوم کی ساری عمر درس تدریس میں گذری، اس لئے آپ کے شاگردوں کا حلقہ جماعت احمدیہ میں بہت وسیع ہے

---

[1] پیغام صلح مورخہ ۵ رمئی ۱۹۱۴ء۔

خاکسار راقم الحروف کو بھی آپ سے شرفِ تلمذ حاصل ہے، آپ کا سلوک اپنے شاگردوں سے نہایت ہی محبت اور شفقت کا ہوتا تھا، اور حقیقت یہ ہے، کہ ایسے بہمہ دار استاد بہت کم ہوتے ہیں، وہ نہ صرف شفیق استاد تھے، بلکہ محبت کرنے والے دوست بھی تھے، آپ کے احباب اور شاگردوں کے وسیع حلقہ میں بالخصوص اور جماعت احمدیہ میں بالعموم آپ کی وفات انتہائی رنج اور صدمہ کا موجب ہوئی ہے۔

جماعت احمدیہ میں آپ ایک نہایت محقق اور بالغ نظر عالم و مصنّف کی حیثیت سے مانے جاتے تھے، آپ کی محققانہ تصنیف جو آپ نے ... میں مونگھیر کے ایک مولوی کے جواب میں لکھی تھی، آپ کے علمی تبحر اور قابلیت کی آئینہ دار ہے، ۱۹۱۴ء میں جب جماعت احمدیہ کے دو گروہ ہو گئے، اور جناب مولوی محمد علی صاحب اور ان کے چند رفقاء نے سوادِ اعظم سے علیحدگی اختیار کر کے لاہور میں اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد علیحدہ جا بنائی، اور دونوں فریقوں میں عقائد کی بحث شروع ہوئی، تو حضرت مولوی صاحب مرحوم نے مرکز سے وابستہ گروہ کے عقائد کی تائید میں جو خدمات سرانجام دیں، وہ ہمیشہ یادگار رہیں گی، اور فریقِ مخالف ان کے جواب سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔

تالیف و تصنیف کے سلسلہ میں آپ نے ۱۹۳۵ء میں ایک بے بہا خدمت یہ انجام دی، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں، اشتہاروں اور ڈائریوں وغیرہ سے ہزارہا صفحات کی ورق گردانی کر کے ایک لمبے عرصہ کی محنت کے بعد حضور کے رؤیا و کشوف اور الہامات کا مجموعہ "تذکرہ" کے نام سے مرتب کیا، یہ آپ کا اتنا عظیم الشان کارنامہ ہے، جو تاریخ احمدیت کے صفحات میں ہمیشہ درخشاں رہے گا، اور آپ کے نام کو تا ابد زندہ و قائم رکھے گا۔

پرانے علوم کے علاوہ مروّجہ علوم میں بھی آپ کو بہرہ کامل حاصل تھا، حال ہی میں آپ نے

ہجری شمسی کیلنڈر تیار کیا تھا، جو آپ کی دِقّتِ نظر اور علمِ حساب و ہیئت سے واقفیت کا ثبوت ہے۔ یہ کیلنڈر سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کی زبانِ مبارک سے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔

علمی کمالات کے علاوہ آپ کے دیگر ذاتی اوصاف بھی کچھ کم قابلِ ذکر نہیں ہیں، آپ ایک نہایت خاموش کارکن کی زندگی بسر کرتے تھے، اور بالعموم منظرِ عام پر آنے سے گریزاں تھے، لیکن جس شخص کو آپ سے سرسری ملاقات کا بھی موقعہ ملا، وہ آپ کے اخلاق کا گرویدہ ہو جاتا تھا اگر کسی سے آپ کے تعلقات معمولی تعارف سے گذر کر دوستی کا رنگ اختیار کر لیتے، تو آپ صحیح معنوں میں دوست نوازی کا ثبوت دیتے، اور تعلقات کو خوب نبھاتے۔

مہمان نوازی آپ کا ایک نمایاں وصف تھا، احباب اور دوستوں کی دعوتوں میں قلبی انبساط اور مسرّت محسوس کرتے تھے۔ اگر بیرونی احباب میں سے کوئی معمولی واقف بھی قادیان آتا اور آپ سے ملاقات ہوتی، تو آپ کو یہی خیال رہتا، کہ مَیں کس طرح اس کی مہمان نوازی کروں، عیالدار ہونے اور قلّتِ وسائل کے باعث اگر بعض اوقات مہمان نوازی کا جذبہ پورا نہ کر سکتے، تو اس کا انہیں بہت احساس ہوتا۔

مرحوم کی طبیعت میں انکسار اور تواضع اتنا تھا۔ کہ اگر اپنے کسی فارغ التحصیل شاگرد سے بھی ملتے، تو اسی طرح گویا ایک باادب شاگرد اپنے استاد سے مل رہا ہے، سلسلہ کے کارکنوں اور مبلّغین کی، جن میں سے اکثر آپ کے شاگرد ہیں، اتنی قدر کرتے تھے، کہ گویا ان کے بالمقابل اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے تھے، تکلّف سے نہیں، بلکہ حقیقتاً وہ دوسروں کی خدمات کے مقابلہ میں اپنے تئیں حقیر سمجھتے تھے۔ افسوس ہے علم و عمل کی یہ روشن شمع ہمیشہ کیلئے گُل ہو گئی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

انعامی مضامین | قبل ازیں اعلان کیا جا چکا ہے، کہ انشاء اللہ اس سال "ریویو" میں بعض انعامی مضامین شائع کئے جائیں گے۔ بعض احباب اور بزرگوں کو تحریک کی گئی تھی، کہ وہ انعامی رقوم کا بار برداشت کریں، سو الحمد للہ کہ اس وقت تک اڑھائی سو روپے کے انعامات کی رقوم کے وعدے مندرجہ ذیل اصحاب کی طرف سے آچکے ہیں:۔

(۱) جناب نواب اکبر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن پچاس روپے (۲) ایس۔ ایم حسن صاحب آئی سی۔ ایس کرور (مدراس) پچاس روپے (۳) ڈاکٹر سید محمد یوسف شاہ صاحب وزیر آباد پچیس روپے (۴) ایم ضیاء اللہ صاحب بی۔اے۔ ایل ایل۔ بی لکھنؤ و چوہدری غلام احمد صاحب وکیل قادیان پچیس روپے ان کے علاوہ دو اور بزرگوں نے پچاس پچاس روپے دینے کا وعدہ فرمایا ہے، مگر انہوں نے اپنے نام ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دی۔ دعا ہے، کہ اللہ تعالےٰ ان سب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رسالہ کی ترقی کے سلسلہ میں اعانت کرنے کا اجر جزیل عطا فرمائے، آمین۔

انعامی مضامین کے عنوان حسب ذیل مقرر کئے گئے ہیں:۔

(۱) "تحریک احمدیت کے قیام کی ضرورت اور مقصد" (۲) "حضرت مسیح موعود بطل اسلام کی حیثیت میں"۔ (۳) "آخری شارع نبی کی بعثت چھٹی صدی عیسوی میں کیوں ہوئی"۔ (۴) "آخری شارع نبی کا ظہور عربوں میں کیوں ہوا"۔ (۵) "اسلام اور دنیا کا سوشل نظام" (۶) "اسلام اور قومیت متحدہ"۔

ان میں سے پہلے چار عنوانوں پر لکھے ہوئے مضامین میں سے ہر مضمون کا انعام پچاس روپے، اور آخری دو عنوانوں پر لکھے ہوئے مضامین میں سے ہر مضمون کا انعام پچیس روپے ہوگا۔ مضامین موصولہ میں سے منصفوں کے فیصلہ کے رُو سے جو سب سے اعلیٰ ہونگے، ان کے لکھنے والوں کو انعامی رقوم دی جائینگی۔ پہلے چار عنوانوں کے مضامین ۱۵ر جون تک اور آخری دو عنوانوں کے مضامین ۱۵ر جولائی تک پہونچ جانے چاہئیں۔

جمہوریت، ڈکٹیٹر شپ اور اسلامی نظام حکومت

از چودھری عبد المجید صاحب بی۔ اے (آنرز)

ابتداء میں انسان سوسائٹی کے آداب سے بالکل بے بہرہ تھا۔ اس وقت وہ انسان کہلانے کے بھی قابل نہیں تھا۔ بلکہ محض حیوان تھا، یا زیادہ سے زیادہ اسے ایک اعلیٰ حیوان کہا جا سکتا تھا، غاریں اس کی جائے پناہ تھیں، گھاس اور پتے اس کی خوراک اور لباس کی ضرورت سے مستغنی تھا، اس کا ذہن ایک دوسرے سے مل کر رہنے کے احساس سے بالکل بیگانہ تھا۔ اس کے بعد ایسا زمانہ آیا کہ اس کا دماغ اس قابل ہو گیا، کہ وہ ایک ابتدائی نظام کی پابندی کرے۔ اس وقت انسان نے مل کر رہنا شروع کیا۔ مل کر رہنے سے افسر یا حاکم کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا، اور اطاعت کا مفہوم انسان کے ذہن میں جاگزیں ہونے لگا۔ یہی فی الحقیقت حکومت یا نظامِ حکومت کی ابتدا تھی، اس عائلی اور تمدنی زندگی سے قبیلوں کی بنیاد پڑی۔ اور قبیلہ میں سے ایک سرکردہ شخص اس کا سردار یا حاکم قرار پایا۔

جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، انسان کی آئین پسندی میں اضافہ ہوتا گیا، اور قانون کے ماتحت زندگی بسر کرنے کا زیادہ سے زیادہ شعور ہیئت انتظامیہ و حاکمہ کو زیادہ سے زیادہ باضابطہ اور منظم بنانے کا موجب ہوا، حتٰے کہ ایک لمبے عرصہ کے بعد کسی علاقہ کے رہنے والے قبائل و شعوب کی ہیئت حاکمہ اور اس کا اثر و نفوذ اس علاقہ یا ملک کی جغرافیائی حدود تک وسیع ہو گیا، یہی دراصل بادشاہت کی ابتدا تھی۔ بادشاہ تمام ملک کا حاکمِ اعلےٰ متصور ہونے لگا۔ وہ اپنے اعمال میں بالکل خود مختار تھا، اور دوسروں کا کام صرف یہ تھا، کہ وہ اطاعت کریں۔

بادشاہت جدّی وراثت قرار پائی، چنانچہ نسلاً بعد نسلٍ باپ سے بیٹے کی طرف منتقل

ہوتی گئی، اس طریق کو شہنشاہی طرزِ حکومت کہا جاتا ہے، اور انگریزی میں اسے System of Kingship یا Monarchical System کہتے ہیں۔

اس کے بعد ایک اور طرزِ حکومت کا دَور دَورہ ہُوا، جس میں وراثتی بادشاہت کا عنصر مفقود تھا، اس کی قدیم مثال یونان کی حکومت تھی، اس طرزِ حکومت کو "ری پبلک" کہا جاتا ہے، رو ما کی حکومت آگسٹس کے زمانہ سے قبل ایک بہت بڑی ری پبلک تھی، یہ اوّل الذکر طرزِ حکومت کی ایک اصلاح یافتہ صورت تھی، اور تمدن کی ترقی کا ایک اور زینہ۔

اس کے بعد ہم جمہوری طرزِ حکومت کو دیکھتے ہیں، اس تقسیم اَدوار سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کوئی معین اور واضح دَور تھے، جو ایک دوسرے کے بعد ظہور میں آتے رہے، بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا رہا ہے، کہ بعض وقتوں میں تمدن کی ترقی نہ صرف رُک گئی، بلکہ اس میں تنزل اور انحطاط شروع ہوگیا۔ لیکن یہ ضرور ہے، کہ انسان کی ذہنی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کے تمدن اور تہذیب کی ترقی کا سلسلہ جاری رہا، اور یہ تہذیبی فلسفے یکے بعد دیگرے ظہور میں آتے رہے۔

جمہوری طرزِ حکومت دوسرے الفاظ میں لوگوں کی اپنی حکومت ہے جس میں وہ بالواسطہ یا بلا واسطہ اپنے نمائندگان کے ذریعہ اپنے لئے قانون مرتب کرتے ہیں، جمہوری حکومت کے آئین کی بڑی خصوصیت پارلیمنٹری سسٹم ہے، جس میں حکومت جمہور کے سامنے اپنے افعال اور اعمال کی ذمہ وار اور جوابدہ ہے، اس طریقِ حکومت کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے سیاسی پارٹیوں کا ہونا ضروری ہے، بالخصوص دو بڑی پارٹیوں کا قیام لازمی ہے، جس میں سے ایک برسرِ اقتدار پارٹی ہو، اور دُوسری مخالف پارٹی یعنی "حزب المعارضہ"، حزب المعارضہ کے قیام کا بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے، کہ برسرِ اقتدار پارٹی یعنی حکومت کے افعال تنقید اور نکتہ چینی کے شکنجہ میں کسے جاتے ہیں، انگلستان، فرانس، امریکہ اور بعض دیگر چھوٹے چھوٹے یورپی ممالک میں اس قسم کی جمہوریتیں قائم ہیں۔

آئندہ چل کر اس نظام حکومت کو سمجھنے کے لئے یہاں جمہوری نظام کے محاسن و معائب پر نظر ڈال لینا مناسب ہوگا، جمہوری نظام کے لوازم حسب ذیل ہیں:-

(۱) نظام جمہوریت میں حکومت جمہور کی ملکیت ہے، ذاتی یا خاندانی ملکیت نہیں، (۲) تمام اہل ملک حقوق و قانون میں مساوی ہیں (۳) رئیس ملک کا تقرر انتخاب عامہ سے ہو (۴) امور انتظامی و قانونی عوام کے مشورہ سے انجام پائیں (۵) بیت المال یا خزانہ ملک کی ملکیت ہو، اور پریذیڈنٹ کو اہل ملک کی منظوری کے بغیر اس پر تصرف کا کوئی حق نہ ہو، اسلام کی روشنی میں ان امور پر بحث اگلے صفحات میں آئے گی۔

جمہوری نظام حکومت میں بعض نہایت خطرناک خامیاں بھی ہیں، اور یہ پارلیمنٹری سسٹم کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہیں، مثلاً پارلیمنٹ جو فیصلہ کرتی ہے، یا جو قدم اٹھاتی ہے، اس کی ذمہ داری کسی ایک فرد پر نہیں ہوتی، اور نتائج خواہ کس قدر ہولناک ہوں، کسی ایک شخص کو اس کا موجب قرار نہیں دیا جا سکتا، ذمہ داری کا تعلق صرف واحد شخصیت سے ہوتا ہے، اور یہی ذمہ داری کا بوجھ ہے، جو اُسے اپنے اعمال و افعال میں ہمیشہ احتیاط کا پہلو برتنے پر مجبور کرتا ہے، اُسے انتہائی غور و فکر اور حزم پر آمادہ رکھتا ہے، اس طرح غفلت اور عدم احتیاط کا بہت ہی کم امکان رہنے دیتا ہے۔

پارلیمنٹری سسٹم میں ہر بات ووٹوں کی اکثریت پر منحصر ہوتی ہے، پارلیمنٹ کی سب سے بڑی شخصیت بھی ہمیشہ اکثریت کے ووٹوں کے رحم پر ہوتی ہے، اور چونکہ اسے ہر کام کے لئے اکثریت کی رائے اور اس کے منشاء کو پیش نظر رکھنا پڑتا ہے، اس لئے وہ ذاتی ذہانت اور عقل و فہم کو بہت کم بروئے کار لا سکتا ہے، اس کا یہ کام نہیں ہوتا، کہ اپنی دماغی قوتوں کو لوگوں کی فلاح و بہبود کی تجاویز سوچنے پر صرف کرے، بلکہ اس کا کام صرف یہ رہ جاتا ہے، کہ اس امر کی لیاقت اور استعداد پیدا کرے، کہ وہ اپنی پالیسی افراد کے اس مجموعہ کو، جسے پارلیمنٹ کہتے ہیں، اور جس کی آخری منظوری اُسے درکار ہوتی ہے، زیادہ سے زیادہ سمجھا سکے، گویا جمہوری نظام میں ایک مدبر کا

معیارِ قابلیت صرف یہ رہ جاتا ہے، کہ وہ ترغیب کے فن میں کس قدر ماہر ہے، نہ یہ کہ اس میں اہم امورِ حکومت کے متعلق فیصلہ کرنے کی کتنی استعداد موجود ہے۔

یہ ایک مسلّمہ امر ہے، کہ دُنیا میں ترقیات بہت سے افراد کے مجموعہ کی ذہانت کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوتیں، بلکہ فردِ واحد کے زرخیز دماغ کی پیداوار ہوتی ہیں، ایک غیر معمولی قابلیت رکھنے والے انسان کا دماغ جو کچھ سوچ سکتا ہے، ایک ہزار متوسط انسانوں کے دماغوں کی مشترکہ عقل اس کی گرد کو بھی نہیں پہونچ سکتی، اس فردِ واحد ہی کو عرفِ عام میں لیڈر کہا جاتا ہے۔ جمہوری نظام لیڈر کے فوائد سے محروم رہتا ہے، افراد کا بڑے سے بڑا مجموعہ بھی لیڈر کا متبادل نہیں بن سکتا، ماہرینِ علم النفسیات کا فیصلہ ہے، کہ جمعیتِ افراد عموماً عقل و خرد سے عاری ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے، کہ جماعت عموماً جذبات کی رَو کا شکار ہو جاتی ہے، لیکن فرد سوچتا اور غور کرتا ہے، اور جذباتی رَو کا شکار نہیں ہوتا، اکثریت نفسیاتی تجربات سے بزدل اور احمق ثابت ہوئی ہے، مشہور فرانسیسی مصنف موسیو لیبان نے ووٹ دینے والی جماعتوں کے اوصاف عمومی پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب "نفسیاتِ اجتماع" میں لکھا ہے، کہ ان میں یہ مخصوص اوصاف پائے جاتے ہیں۔ (۱) ضعفِ عقلی۔ (۲) فقدانِ ملکۂ انتقاد (۳) سرعتِ غضب (۴) زود اعتقادی۔ (۵) سادہ لوحی اور اثر پذیری۔

جس طرح سو احمق آدمی ملکر ایک دانا انسان نہیں بن سکتے اسی طرح سو بزدل انسانوں سے ایک دلیرانہ فیصلہ کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ پس پارلیمنٹ یا انجمن وہ کام سرانجام نہیں دے سکتی جو ایک فرد سرانجام دے سکتا ہے۔

پھر جمہوری نظام میں ایک اور نقص یہ بھی ہے، کہ یہ ضروری نہیں، کہ اکثریت کی ووٹوں سے منتخب ہونے والے لوگ لازماً عقلمند ہوں، بلکہ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے، کہ ایسے لوگ منتخب ہو جاتے ہیں، جو فہم و تدبّر سے یکسر عاری ہوتے ہیں، ایسے لوگوں سے جس بھلائی کی توقع ہو سکتی ہے وہ ظاہر ہے۔ مجالس نیابی یعنی پارلیمنٹوں کے اوصاف کے متعلق مصنف مذکور نے لکھا ہے "مجالس نیابی کے اہم اوصاف میں سے پہلا وصف سادہ لوحی اور ضعفِ عقلی ہے دوسرا اہم وصف یہ ہے کہ وہ بہت جلد دوسروں کی رائے سے اثر پذیر ہو جاتی ہے۔" (نفسیاتِ اجتماع)

چاہیئے تو یہ کہ پارلیمنٹ میں تمام فنون اور صناعت کے ماہر شامل ہوں، مگر ہوتا یہ ہے، کہ اس میں مختلف سیاسی گروہ آجاتے ہیں، اور حکومت اس تجربہ اور علم سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتی، جو ماہرین کے آنے سے اُٹھایا جا سکتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ پارلیمنٹ محض وقت ضایع کرنے کا آلہ بن جاتی ہے

جمہوریت کا ایک اور نقصان یہ بھی ہے، کہ ہو سکتا ہے، پارلیمنٹ میں بہت سے سیاسی گروہ منتخب ہو کر آجائیں، اس صورت میں کئی ایک گروہوں کو ملکر حکومت بنانا پڑتی ہے، ایسی صورت میں اتحاد اور یکجہتی کا پیدا ہونا مشکل ہے، بلکہ اس کے برعکس بہت سی طاقت باہمی جھگڑوں اور فضول بحثوں میں ضایع ہو جاتی ہے۔

اسلامی نظام ان تمام نقائص سے پاک ہے، چنانچہ اسلام اس قسم کے پارلیمنٹری سسٹم کے سخت خلاف ہے، اسلامی خلافت قوم سے مشورہ بے شک لینے کی پابند ہے، لیکن جیسا کہ آگے چلکر معلوم ہوگا، خلیفہ مجبور نہیں، کہ اکثریت کی رائے کو تسلیم کرے، وہ چونکہ کسی ایک پارٹی یا اکثریت کی پارٹی کا نمائندہ نہیں ہوتا، اور سیاسی جنبہ داری سے بالا ہوتا ہے، اور تمام قوم کا دینی اور دنیوی رہنما ہوتا ہے، اس لئے اس کا فیصلہ کسی پارٹی کا فیصلہ نہیں کہلا سکتا، اور چونکہ ہر وقت ملّت کی بہبود اس کے پیشِ نظر ہوتی ہے، اس لئے جب وہ دیکھے، کہ اکثریت کا فیصلہ ملّت کے لئے نقصان دہ ہے تو وہ اسے رد کر سکتا ہے۔ اسلامی نظام میں پارلیمنٹوں کے اجزائے ترکیبی مثلاً مختلف پارٹیوں کا قیام خصوصًا دو جماعتیں برسرِ اقتدار پارٹی اور حزب المعارضہ وغیرہ امور کو کوئی دخل حاصل نہیں، البتہ جمہوری نظام کے جو اصولی فوائد ہیں، اور جن کا ذکر اس بحث میں آگے چلکر آئے گا، اسلامی نظام میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔

اسلام میں خیر الامور اوسطہا کا اصول نہایت قیمتی اصول ہے، اور اس مضمون سے قارئین کو معلوم ہو جائیگا، کہ یہ اصل اسلامی نظامِ حکومت میں بھی کس حکمت کے ساتھ جاری ہے۔

اس نظام میں جمہوری اور آمری اصول اس خوبصورتی کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں، کہ ان کے باہم امتزاج سے ایک قابلِ رشک آئین بن گیا ہے، دونوں کے نقائص سے پاک دونوں کے

فوائد سے مملو فی الحقیقت اسلامی نظام ہی فطری نظام ہے۔

اس کے بعد آمرانہ طرز حکومت نظر آتی ہے، جو بالکل زمانہ حال ہی کی پیداوار ہے، اس طرز حکومت کو ٹوٹیلی ٹیرین سٹیٹ (Totalitarian State) یا کارپوریٹ سٹیٹ (Corporate State) یا حکومت ہیئت اجتماعیہ کہتے ہیں۔ اٹلی کا فاشی اور جرمنی کا نازسی نظام اس کی واضح مثالیں ہیں، آمریت فی الحقیقت یاس و قنوط کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے' جنگ عظیم کے بعد جرمنی نہایت ہی کس مپرسی کی حالت میں مبتلا تھا، وہ گویا ایک قالب تھا، جس میں جان نہ تھی، ایک جسد تھا، جس میں رُوح نہ تھی، وہ مردہ تھا دست و پا بریدہ۔ ایک شخص اُٹھا، اس نے دیکھا، کہ لوگوں پر سخت مایوسی طاری ہے، وہ آگے بڑھا، اور ایک ماہر نباض کی طرح اس نے قوم کی نبض کو پہچان لیا، اس نے عوام کو یقین دلایا، کہ جنگ عظیم میں جرمنی کو شکست اس کے بیرونی دشمنوں نے نہیں، بلکہ اندرونی دشمنوں نے دی ہے، اور وہ یہودی اور ان کا بنیا پن ہے۔ اس نے اس بات کو اظہر من الشمس کر دیا، کہ یہودی غدار ان قوم ہیں، اور انہوں نے جرمنوں کی قومیت کو تباہ کیا ہے، اس نے لوگوں کو تسلی دی، اور ان کی ڈھارس بندھائی، اور ان میں یہ احساس پیدا کر دیا، کہ وہ اس ناگفتہ بہ حالت سے نکل سکتے ہیں، مایوس عوام کو اس کے پیغام میں امید کی جھلک نظر آئی، چنانچہ انہوں نے اس کے وجود کو آیۂ رحمت سمجھا، اور اس کے گرد جمع ہونے شروع ہو گئے، نتیجہ جرمن قوم کی ترقی و تعالی میں ظاہر ہو گیا۔ کہا جا سکتا ہے، کہ اگر گذشتہ جنگ عظیم وقوع پذیر نہ ہوتی، اور اس میں جرمنی کچلا نہ جاتا، تو ہٹلر کا وجود بھی معرض ظہور میں نہ آتا۔

موجودہ مغربی تہذیب کی بنیاد جس فلسفہ پر ہے، وہ فلسفہ مادیت کا فلسفہ ہے، اور یہی وجہ ہے کہ مغربی تہذیب نے قومیت کا شدید احساس پیدا کر لیا ہے، یہ ایک ایسی بات ہے، جو جمہوری اور ڈکٹیٹری حکومتوں دونوں میں پائی جاتی ہے، گو اول الذکر میں کم اور مؤخر الذکر میں بہت زیادہ۔ اس وقت فاشی اور نازی نظام جو ہمیں نظر آتے ہیں، یہ اسی بڑھتی ہوئی مادیت کے مظہر ہیں، مادیت

کے نتیجہ میں لوگوں میں نیشنلزم کے جذبات ترقی پاتے ہیں، اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ تمام مذہبی اور اخلاقی مسائل کو نیشنلزم کے تابع کر دیا جاتا ہے، مغرب میں مذہب کا مفہوم ہی بدل گیا ہے۔ یہی وجہ ہے، کہ اخلاق اور حقیقی قربانی کی رُوح مفقود ہو گئی ہے، اور دُنیا کا امن برباد ہو رہا ہے، ہٹلر کے ایک پیرو کے نزدیک قومیت مذہب ہے، اور جس چیز سے نیشنلزم کو تقویت ملتی ہے، وہی خدا کا منشاء ہے، نتیجہ حقیقی قربانی کی رُوح کی بربادی ہے۔

اب ظاہر ہے، کہ ایک جرمن یا ایک اطالوی اس لئے قربانی نہیں کرے گا، کہ بنی نوع انسان کو اس سے کیا فائدہ پہونچتا ہے، بلکہ وہ اس لئے قربانی کرے گا، کہ اس کی قوم کو اس سے کیا فائدہ پہونچتا ہے۔

نازی نظام یا ہٹلرازم جسے اہلِ جرمنی اشتراکیہ ملیہ (National Socialism) کے نام سے موسوم کرتے ہیں، اس کے موٹے موٹے اصول ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

اشتراکیہ ملیہ کا بنیادی اصل یہ ہے، کہ انفرادی مفاد ملی مفاد پر قربان ہونا چاہیئے، گویا انفرادی مفاد اگر ملی مفاد سے ٹکراتے ہوں، تو انہیں ملی مفاد پر قربان کر دینا چاہیئے، ہٹلر اپنی کتاب "میری جدوجہد" کے صفحہ میں لکھتا ہے:۔

"اگر ہم اپنے تئیں یہ سوال کریں، کہ وہ کونسی طاقتیں ہیں، جو حکومتوں کو بناتی اور قائم رکھتی ہیں، تو اس کا ایک ہی جواب ہے، یعنی فرد میں قوم کی خاطر قربان ہونیکی قابلیت اور آمادگی۔ یہ کہ ان اوصاف کا اقتصادیات سے کوئی تعلق نہیں، اس امر سے ظاہر ہے، کہ کبھی ایسا دیکھنے میں نہیں آیا، کہ کسی شخص نے تجارت کے لئے اپنے آپ کو قربان کر دیا ہو۔ لوگ اس لئے جان قربان نہیں کیا کرتے، کہ ان کی تجارت خطرے میں ہے، بلکہ وہ اعلےٰ مقاصد کی خاطر جان کی قربانی پیش کیا کرتے ہیں۔"

ہم دُنیا میں دیکھتے ہیں، کہ حقیر چیز اعلےٰ چیز کے لئے قربان کر دی جاتی ہے، اور یہ بات قانونِ قدرت کی طرح کام کرتی نظر آرہی ہے، پس فرد کا ملت کے لئے قربان ہونا قدرت کے منشاء کو پورا

کرنا ہے۔ اسلامی نظام بھی اس اصل کا قائل ہے، اسلام کسی پارٹی یا تھیوری کا نام نہیں، بلکہ وہ ایک ایسے مکمل اور جامع نظام کا نام ہے، جس میں انسان کی رُوحانی اور جسمانی ترقیات کا زیادہ سے زیادہ سامان موجود ہے، ڈکٹیٹری نظام محض ایک مادی نظام ہے، اور اس کا دائرہ سیاسی اور اقتصادی کاروبار تک ہی محدود ہے، لیکن اسلامی نظام دنیاوی امور کے علاوہ رُوحانی امور پر حاوی ہے، اور اس کا دائرۂ عمل نہایت وسیع ہے، یہی وجہ ہے، کہ اسلامی نظام حکومت میں فرد کا ملت کے لئے قربان ہونے کا جو مفہوم ہے، وہ نہایت ہی اعلےٰ اور ارفع ہے۔

بعض پابندیاں جو حکومت کی طرف سے افراد پر عاید کی جاتی ہیں، وہ گو بظاہر جبر نظر آتی ہیں لیکن حقیقتاً جبر نہیں ہوتیں، کیونکہ افراد سے ان کی انفرادی آزادی صرف ان صورتوں میں چھینی جاتی ہے، جبکہ اس میں قومی اور ملی فائدہ ہو، مثلاً جرمن افراد پر یہ پابندی عاید ہے، کہ وُہ رات کے دس بجے کے بعد بلند آواز یا کھڑکیاں اور دروازے کھلے رکھکر گا بجا نہیں سکتے، اس سے ہمسایوں کے آرام میں خلل ہوتا ہے، اور سارے دن کے تھکے ماندے مزدور آرام سے سو نہیں سکتے۔ ظاہر ہے، کہ اس پابندی کو کوئی عقلمند آدمی جبر نہیں کہہ سکتا، بلکہ ایسی پابندیاں تو متمدن انسانوں نے خود، اپنے اُوپر عاید کی ہوئی ہیں۔

قومی مفاد انفرادی مفاد پر اس وجہ سے بھی فائق ہے، کہ فرد فی ذاتہٖ کچھ چیز نہیں، اس کی عزت قوم اور ملت سے وابستہ ہے، فرد واحد کی حیثیت اگر اس کا تعلق ملت سے نہیں، ایک قطرہ کی مانند ہے، لیکن جب وہ ملت میں شامل ہو جاتا ہے، تو وہ قطرے سے سمندر بن جاتا ہے، ایک شاعر نے اس جذبہ کی ترجمانی کرتے ہوئے کہا ہے ؎

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں　　موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

نیز کہا ہے ؎

فرد مے گیرد ز ملت احترام　　ملت از افراد مے یابد نظام
فرد تا اندر جماعت گم شود　　قطرۂ وسعت طلب قلزم شود

قومیت اور نسل اور اس کو خالص رکھنا، یہ بھی ہٹلر ازم کے اصول میں شامل ہے، قومیت کے متعلق ہٹلر کا نظریہ بہت ہی محدود ہے، اس کے نزدیک ہر وہ شخص جس کی رگوں میں خالص جرمن خون نہیں بہتا، وہ غیر از قوم ہے، اس کا خیال ہے، کہ مختلف شعوب یا قوموں میں ایسی عادات اور صفات پائی جاتی ہیں، جو اس شعب، یا قوم کی صفات خصوصیہ کہلاتی ہیں، اور یہ کہ ان صفات خصوصیہ کی حفاظت کرنا ہمارا قومی فرض ہے، اور مختلف قوموں کا اختلاط خطرناک چیز ہے۔ ہٹلر نسلی اور قومی تفاخر کو نہایت قابلِ فخر شے سمجھتا ہے، اور اس نے کوشش کی ہے، کہ قومی تفاخر کا جذبہ اس کی قوم کے دلوں میں راسخ ہو جائے وہ اپنی کتاب کے صفحہ ۱۵۰ میں لکھتا ہے:-

"یہ بات ہرگز قرینِ قیاس نہیں، کہ کوئی شخص یہ سمجھ لے، کہ ایک حبشی یا ایک چینی اس لئے جرمن بن سکتا ہے، کہ اس نے جرمن زبان سیکھ لی ہے، اور اپنی بقیہ زندگی میں یہی زبان بولنے اور کسی ایک جرمن کو سیاسی پارٹی کے حق میں ووٹ دینے پر آمادہ ہے . . . .
چونکہ قومیت اور نسل کا تعلق زبان سے نہیں، بلکہ خون سے ہے، اس لئے دوسروں کا جرمن بننا اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے، کہ ان کے خون کی خاصیت کو کسی طریق سے تبدیل کر دیا جائے، اور اس کے لئے یہ کرنا ہوگا، کہ خون کو باہم ملا دیا جائے، لیکن اس کا مطلب یہ ہوگا، کہ برتر نسل کے معیار کو گرا یا جائے"

یہی وجہ ہے کہ قوم کو خالص رکھنے کے لئے جرمنی میں غیر قوم سے رشتہ ناطہ قانوناً منع ہے۔ قومی روایات اور تہذیب خصوصی کو بیرونی اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے نازی نظام کی یہ کوشش بھی ہے، کہ غیر جرمن لوگ جرمنوں سے جہاں تک ہو سکے، کم اختلاط کریں، نیز حکومت سے غیر ملکی عنصر کو بالکل نابود کر دیا جائے، چنانچہ جرمنی میں حکومت کا کارکن ہونے یا رہنے کی شرط یہ ہے، کہ وہ شخص یہ ثابت کرے، کہ اس کے ماں باپ اور اس کے دادا دادی اور نانا نانی جرمن تھے۔

یہود سے ہٹلر کی نفرت کا ایک بڑا سبب جذبۂ قومیت ہے، یہودی بھی چونکہ اپنی قوم کی انفرادیت کے قائل ہیں، اس لئے ہٹلر کو وہ ایک آنکھ نہیں بھا سکتے، اور فی الحقیقت نازی نظام کسی ایسی

جماعت کو برداشت نہیں کرسکتا، کہ جس کا مطاع جرمن قوم کے لیڈر کے سوا کوئی اَور ہو۔ اور جس کا مرکز جرمنی سے باہر ہو۔

اسلام اس محدود قومیّت و وطنیّت کا سخت دشمن ہے، کیونکہ وطنیت و قومیّت کا محدود نظریہ اسلام کی عالمگیر اخوت کے سخت منافی ہے۔ اسلام میں وطن کا نظریہ قیدِ مکانی سے آزاد ہے۔ اس کے نزدیک وطن یا مُلک جغرافیائی حدود بندی کا نام نہیں، مسلمان تمام دُنیا کو اپنا وطن تصور کرتا ہے۔ ع

ہر مُلک مُلکِ ماست کہ مُلک خدائے ماست

جرمنی کے آمری نظام کا قومیّت کے متعلق یہ تنگ اور محدود نظریہ دنیا کے امن کے لئے ایک نہایت خطرناک چیز ہے۔ اول تو آمری نظام کی عمارت ہی جنگ اور ہنگامہ کی بنیادوں پر قائم کی گئی ہے، لیکن اگر اسے ایک لمحہ کے لئے نظر انداز بھی کر دیا جائے۔ تو بھی اس کا محدود نظریہ قومیّت اور نسلی تفاخر کا جذبہ جنگ کے بہت بڑے محرکوں میں سے ہے :-

(باقی)

رسالہ ریویو اُردو کے پُرانے فائل

جن میں سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر علماء و بزرگانِ سلسلہ کے نہایت قیمتی مضامین شائع ہوتے رہے ہیں، ایک روپیہ فی فائل کے حساب سے مہیا کیے جائیں گے، بشرطیکہ دو سال کا چندہ رسالہ ھذا پیشگی ادا کر دیا جائے۔

مینیجر ریویو۔ اُردو۔ قادیان

مُسلمانوں میں مسیحیوں کی تبلیغی جدوجہد

(از جناب چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ۔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی)

ہر سال جنوری کے مہینہ میں مسیحیوں کی تبلیغی کارگذاریوں کی سالانہ رپورٹ شائع ہوتی ہے۔ اس سال بھی ۱۹۳۹ء کی رپورٹ سہ ماہی رسالہ "انٹرنیشنل ریویو آف مشنز" (لنڈن) کی جلد ۲۹ نمبر ۱۱۳ میں شائع ہوئی ہے جو ۱۵ صفحات پر مشتمل ہے۔ دجّال کی تبلیغی تگ و دو کو دیکھکر حیرت ہوتی ہے، کہ کس طرح بحر و بر پر اس کا جال پھیلا ہوا ہے، اور شب و روز مختلف طریقوں سے یہ لوگوں کو اپنے دام تزویر میں لانے کے لئے کوشاں ہے۔ افسوس تو مسلمانوں پر آتا ہے، کہ ایک خالص تبلیغی مذہب کے پیرو ہونے ہونے ـــ ہاں اس مذہب کے پیرو ہوتے ہوئے جس کا پیغام ایک عالمگیر حیثیت رکھتا ہے اپنے فرائض کو بھلائے بیٹھے ہیں۔ دوسروں کو اسلام میں داخل کرنا تو کجا اپنا کمزور مدافعانہ محاذ بھی دشمن کی خطرناک یورش کے آگے ٹوٹ رہا ہے۔ ہندوستان، ایران، ترکی، فلسطین، شام، عرب، مصر، افریقہ غرضیکہ ہر محاذ پر دجّال کی فوجیں پوری طرح مسلح سازوسامان سے آراستہ شبخون مار رہی ہیں۔ اور خوابیدہ مسلمان اگر ذرا انگڑائی لیتا اور آنکھیں کھولتا ہے، تو اسے اس کے سوا اپنے بچاؤ کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، کہ پکارے "مجھے نہ مارنا" "مجھے نہ مارنا"۔ یہ ایک حقیقت کا بیان ہے جیسا کہ شام اور مصر کی رپورٹوں سے ظاہر ہے، کہ وہاں دشمن کے اعتراضات کے جوابات دینے کے بجائے یہ کوشش جاری ہے، کہ دشمن کو تبلیغ سے روکا جائے۔ مسلمان یا تو ترکی، ایران اور سوڈان کی طرح خود مسیحیت کا گرم جوشی سے استقبال کر رہا ہے، اور اسلامی تمدّن کو خیرباد کہکر مغربی تمدّن کو اختیار کر رہا ہے، اور یا خوف زدہ شخص کی طرح منہ کھولے پڑا ہے، جس سے "چور، چور" کی دھیمی آواز نکل رہی ہے، لیکن اس کی مدد کو کون آئے، اس کے ہمسائے تو اس سے بھی ابتر حالت میں ہیں۔

اس ظلمت میں ایک طرف سے نور کی شعاع نظر آ رہی ہے، پو پھٹتی معلوم ہوتی اور طلوع آفتاب کا وقت قریب آتا معلوم ہوتا ہے، وہ اس طرح کہ خدا تعالیٰ نے اسی قوم میں سے جو مذہبی لحاظ سے کامل جمود کی حالت میں ہے اپنے فضل سے احمدیہ جماعت کو پیدا کیا ہے، جو حیرت انگیز طریق پر نہ صرف کامیاب مدافعانہ محاذ پیش کرتی ہے، بلکہ اپنے طاقتور دشمن کو اپنا شکار سمجھتی ہوئی اس کی صفوں پر مشرق و مغرب میں دائیں بائیں آگے پیچھے سے نہایت جوانمردی کے ساتھ حملے کر رہی ہے۔ اس کے بڑے اور نوجوان مجاہدین میدان کارزار میں بارگاہ ایزدی سے داد شجاعت لے رہے ہیں ان غازیوں کے دل خدائی وعدہ کے ماتحت فتح کے یقین سے پُر ہیں، ان کی چشم تصور تمام دنیا کے تاجوں کو احمدیت کے غلاموں کے سروں کی زینت بنا ہوا دیکھ رہی ہے۔ انگلستان، ریاست ہائے متحدہ امریکہ، نائیجیریا، گولڈ کوسٹ، سیرالیون، کیپ ٹاؤن، ماریشس، جاوا، سماٹرا، سنگاپور، ہانگ کانگ جاپان، فلسطین، بغداد، ایران، افغانستان، آسٹریلیا، مشرقی افریقہ، ارجنٹائن، البانیہ، روم غرضیکہ شاید ہی دشمن کا کوئی محاذ ہوگا جہاں حضرت جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ السلام کے جانثار سپاہی نہ پہنچے ہوں، یہ محض خدا تعالیٰ کے فضل اور اس کے موعود خلیفہ حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ تعالیٰ کی کامیاب رہنمائی کی برکت ہے، کہ احمدی جماعت دشمن کے مقابلہ میں مادی لحاظ سے بہت ہی کمزور ہونے کے باوجود اس قدر تندہی اور مستعدی سے لڑ رہی ہے، کہ دشمن بھی اس کا اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اور بے ساختہ اس کی پریشانی کا اظہار ہو جاتا ہے، چنانچہ اس رپورٹ میں کینیا (مشرقی افریقہ) کے متعلق لکھا ہے:۔

"نیروبی میں فرقہ احمدیہ کی کوششیں تشویش پیدا کر رہی ہیں، جس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ علیحدہ مسلمانوں میں تبلیغ کے لئے کوئی مشنری نہیں ہے، مرکزی مجالس تالیف و تصنیف برائے اہل اسلام کو کہا گیا ہے کہ وہ سادہ لٹریچر تیار کرے، جو افریقی عیسائیوں کو مسلمانوں کے دلائل کا جواب دینے میں مدد دے" (ص۶۶)

اور ٹانگانیکا کے متعلق لکھا ہے:۔

"کینیا کی طرح ٹانگانیکا میں بھی احمدیہ تحریک طاقتور ہے، اور بڑھ رہی ہے، یہ ایک ماہوار رسالہ شائع کرتی ہے، اور بانٹو کے اندر تبلیغ کرتی ہے۔ جرمن مشن اس تبلیغ کے متعلق پورے چوکس رہتے ہیں، اور انہوں نے دو مشنری اسلامی پراپیگنڈا کے جواب کے لئے مخصوص کئے ہوئے ہیں۔" (صفحہ ۸۷)

احباب کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے یہاں یہ ذکر کر دیتا ہوں، کہ ان مقامات پر جو مشرقی افریقہ میں، ہمارے نوجوان بھائی شیخ مبارک احمد صاحب اواخر ۱۹۳۴ء سے نہایت تندہی اور جانفشانی سے کام کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی کوششوں میں برکت ڈالے، اور انہیں بیش از پیش خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔

اس رپورٹ میں ارجنٹائن کے متعلق بھی ایک دلچسپ خبر دی ہوئی ہے، جس میں گو احمدیہ جماعت کے متعلق ذکر نہیں کیا گیا، لیکن ہر صاحب بصیرت اسے پڑھکر حقیقت کو بھانپ سکتا ہے، عبارت حسب ذیل ہے:-

"ارجنٹائن سے خبر موصول ہوئی ہے، کہ مذہب سے بے پروائی، جو چند سال قبل بہت نمایاں تھی، اب مذہب سے حقیقی دلچسپی کو جگہ دے رہی ہے۔ مذہبی مضامین طلبہ کے درمیان زیر بحث رہتے ہیں، اور مذہبی کتب دلچسپی سے پڑھی جاتی ہیں، نیز مذہبی مضامین روزانہ اخبارات میں بھی شائع ہونے شروع ہو گئے ہیں۔" (صفحہ ۹۲)

احباب کو معلوم ہوگا، کہ چند سال قبل یعنی ۱۹۳۶ء سے ارجنٹائن میں ہمارے مجاہد بھائی مولوی رمضان علی صاحب فاضل بڑے اخلاص محنت اور کامیابی سے معروف جہاد ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں اور دیگر تمام مجاہدین ومبلغین کو کامیابی بخشے۔ آمین۔

اب میں رپورٹ زیر تبصرہ میں سے بعض اقتباسات کا ترجمہ پیش کرتا ہوں، جس سے احباب کو عیسائیوں کی مسلمانوں کے درمیان تبلیغی کارگذاریوں سے آگاہ کرنا مقصود ہے، تا ہم دشمن کی عظیم الشان کوششوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی مساعی کو انتہائی نقطہ تک پہونچا دیں۔

ہماری جماعت کو اس زمانہ میں خدا تعالےٰ نے اسلام کا محافظ بنایا ہے، اس لئے ہماری ذمہ داری بہت بڑی ہے، دشمن کے پاس دنیاوی وسائل کی فراوانی ہے، اور یہاں بے سروسامانی لیکن چونکہ خدا تعالےٰ نے اسلام کا غلبہ مسیح موعودؑ کی جماعت کے ذریعہ مقدر کیا ہوا ہے، اس لئے ہماری فتح انشاء اللہ یقینی ہے۔ خدا تعالےٰ نے ہمیں عیسائیت کے مقابلہ میں مسیح موعودؑ کی برکت سے ایسے ایسے دلائل و براہین عطا فرمائے ہیں، جن کا وہ جواب نہیں دے سکتی، چنانچہ اسے ہمارے وجود کا احساس ہے پس ہمیں اپنی کوششوں کو تیز کرنا چاہیئے تا وہ دن جلدی آئے جب یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا عملی نظارہ ہم اپنی آنکھوں سے دیکھیں، اور دشمن کو ایسی شکست ہو کہ وہ مایوس ہو جائے، اور پھر کبھی حملہ کی جرأت نہ کر سکے۔

گو ہم نے اس مضمون میں رپورٹ کے صرف اس حصہ کا ترجمہ کیا ہے، جس میں مسلمانوں میں مسیحی تبلیغ کا ذکر ہے، لیکن ہندوستان کے تعلق میں بھیلوں کے درمیان مسیحی تبلیغی سرگرمیاں گذشتہ دنوں اخبارات میں خاص طور پر موضوع بحث رہی ہیں، اس لئے رپورٹ کے اس حصہ کا ترجمہ بھی ہدیۂ ناظرین کیا گیا ہے، جس میں بھیلوں میں تبلیغ مسیحیت کا ذکر ہے، اسلام میں اچھوتوں کو مساوات کا جو درجہ حاصل ہے، وہ کسی اور مذہب میں حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر بھیلوں میں اشاعت اسلام کا کام جاری کیا جائے، تو امید کی جاتی ہے، کہ عیسائی مشنری اسلام کی تعلیم کے مقابلہ میں ٹھہر نہ سکینگے۔ کاش ہندوستانی مسلمان اس ضروری مذہبی فریضہ کی طرف متوجہ ہوں۔

ہندوستان اُس سال ملک کے بعض حصوں میں مسیحیت کی وسیع تبلیغ کی تحریکات کو عروج حاصل ہوا ہے، اس کے ساتھ ہی یہ عزم بھی زیادہ شدت سے موجود رہا ہے، کہ دوسرے علاقوں میں بھی جو کم اثر پذیر ہیں، تبلیغ کو پہونچایا جائے۔ مثلاً مدراس کے تعلقہ میں ادنیٰ اقوام کلیسیا کی طرف حرکت کر رہی ہیں، اور ترچناپلی اور تنجور کے قریب لوگ بڑی تعداد میں شدید ایذا رسانی کی پروا نہ کرتے ہوئے بپتسمہ لے رہے ہیں۔ بھیلوں کے درمیان تحریک، جس کا ہم نے گذشتہ سروے میں ذکر کیا تھا، دوران سال میں بہت زور پکڑ گئی ہے۔ کینیڈا مشن کے یونائیٹڈ چرچ نے نیشنل کرسچن کونسل

کے تعاون سے خاص تحقیقات کی ہے، اور وسط ہند کے بھیلوں کے درمیان مسیحیت کو فروغ دینے کے لئے پنج سالہ سکیم بنائی ہے۔ اس میں اہم امور مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) جتنی جلد ممکن ہو، بھیلوں کے ۵۰۰ دیہات میں جہاں مصطباغ مسیحی ہیں، بکصد گرجاؤں کی تعمیر قیام، (۲) نئی جماعتوں اور دیہاتی حلقوں کو ایک پادری کے ماتحت رکھنا، جس کے معاونین رضاکار دیہاتی سردار ہوں (۳) معتبر دیہاتی قائدین اور ان کی بیویوں کی تربیت کا انتظام تاوہ ادائیگی عبادت میں پادریوں کا ہاتھ بٹائیں۔ (۴) لوگوں کی تعلیم اور گرجے کا انتظام، مہم تعلیم ناخواندگان کا اجراء، بغیر تاخیر کے پرائمری تعلیم کا نفاذ، طبی خدمات اور جماعتی ترقی کے لئے دیگر ذرائع کا اختیار کرنا۔

ساری سکیم کا انحصار تربیت یافتہ رضاکاروں کی خدمات سے استفادہ اور بھیل مسیحیوں کی مالی امداد پر ہے۔ کینیڈا مشن کے یونائیٹڈ چرچ اور متعلقہ چرچ کے تمام وسائل کو اجتماعی طور پر حرکت میں لایا جارہا ہے، تا اس عظیم الشان موقعہ سے جو اس ملک میں منفردانہ حیثیت رکھتا ہے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ جہار اشٹر اور بنگال کی تبلیغی سروے کی رپورٹیں موسم خزاں میں شائع ہو چکی ہیں، یہ تبلیغی سروے ہندوستان کے دیگر بڑے بڑے حصوں میں بھی کی جارہی ہے۔

مسلمانانِ ہند میں کام کرنے والے مشنوں کی تاریخ میں قابلِ ذکر وہ کانفرنس ہے، جو دسمبر ۱۹۳۸ء کو دہلی میں منعقد ہوئی، اس میں ہندوستانی عیسائی اور اکنافِ ہند سے مسلمانوں میں تبلیغ کرنے والے مشنری، نیز مجلس مُبارم کے کچھ نمائندگان، جو مسلمانوں میں تبلیغ کرنے پر مامور ہیں، شامل ہوئے۔ ہندی مسلمانوں میں مسیحی تبلیغ کا ایک جدید قوت بڑھانے والا عنصر "سونسکا مشن فار بنڈٹ" ہوگا۔ یہ جرمنی مشن چینی ترکستان سے اخراج پر بمبئی اور کراچی اور خصوصاً ترکی بولنے والے مسلمانوں میں کام کا ارادہ رکھتا ہے۔

جدید طبی کارگذاری میں سے جس کا ذکر مناسب ہے، مرشد آباد میموریل ہسپتال ہے جس کا کاند کی پہاڑیوں میں بمقام اودے گری جنوری میں افتتاح کیا گیا ہے۔ نیز گجرات کے جنگلی قبائل کے

مشن کا ہسپتال ہے جو فروری میں بمقام دوہاد کھولا گیا ہے۔ اور جس کی بھیلوں اور دیگر دُور سے آنے والوں نے بڑی قدر افزائی کی ہے۔ علاوہ ازیں اپریل میں کوٹمبٹور کے قریب تپ دق کی ایک صحت گاہ کا افتتاح کیا گیا ہے جس کی تعمیر میں بڑا حصّہ رضا کار جماعتوں کا ہے۔

تبت (کشمیر) جنوری ۱۹۳۹ء کی سروے سے یہ معلوم ہؤا ہے کہ موریوین مشنریوں کے ذریعہ بشارت کا جو ایک بائیبل خواں عورت کے انتظام کے ماتحت "قافلہ سرائے" ہے، قیام عمل میں لایا گیا ہے، اس کے متعلق خبریں موصول ہوئی ہیں، کہ کس طرح چینی مسافروں نے اس کی قدر افزائی کی ہے، ایک سال میں قریباً چار ہزار اشخاص نے اس سرائے کو استعمال کیا، ایک ہزار سے اُوپر کا چھوٹی ڈسپنسری میں علاج کیا گیا، بارہ صد ٹریکٹ اور انجیلیں تقسیم کی گئیں، ۳۶۰ انگریزی ہندوستانی اور تبتی کتابیں اس مختصر سی لائبریری سے جس کا سالانہ چندہ ایک روپیہ ہے، مستعار لی گئیں، اور ہر سہ زبانوں کے میز پر رکھے ہوئے رسالے بڑے شوق سے پڑھے گئے۔ مسیحیت کی کامیابی کے لئے بے شمار مواقع ہیں۔

۱۹۳۹ء کے دوران میں بننے کا ایک صنعتی مدرسہ جاری کیا گیا، پٹو اور کپڑے لوگوں کی ضروریات کے مطابق تیار کئے گئے ہیں۔ یہ جدید صنعت مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کے لئے دیانتدارانہ ذریعۂ معاش بن گئی ہے۔

باوجود شدید مخالفت کے وسط ایشیا کا مشن مسیحیوں کی تعداد میں اضافہ کرتا رہا ہے۔ نئے مراکز کے قیام کے لئے بہت سے دَورے بھی کئے گئے، عہد نامہ جدید کا یُورگ زبان میں ترجمہ مکمل ہوگیا ہے، نیز ایک حصّہ کا بالٹی زبان میں بھی ترجمہ کیا گیا ہے، بالٹی زبان میں ایک گیتوں کی کتاب بھی تیار کی گئی ہے جو آجکل زیر استعمال ہے۔

مشرق قریب | مشرقِ قریب کی کرسچین کونسل کا دوسالہ اجلاس لبنان میں بمقام برمّانا مارچ میں منعقد ہؤا، تبلیغ مسیحیت کی کمیٹی کی رپورٹ پر اہم بحث ہوئی، مسلمانوں کے درمیان مسیحی مساعی کی ترقی کے متعلق بہت سے قلوب میں ایک خلش ہے، اور اس سوال پر اختلاف رائے ہے، کہ کیا یہ

ممکن ہے، کہ مسلمان ایک نئی مجلسی اور سیاسی جماعت میں داخل ہوئے بغیر جو موجودہ حالات میں اصطباغ کا ایک نتیجہ ہے، شامل ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ گو اس سوال کی اہمیت کا کامل احساس ہے، تاہم عام خیال جیسا کہ میٹنگ میں فیصلہ ہوا یہی ہے، کہ بحیثیت مسیحی مبلغین ہمارا یہ مدعا و مقصد ہے، کہ کلیسیا کی برادری کے اندر صداقت مسیح کی کُملی شہادت کی شدید اہمیت کے احساس کو بڑھائیں اور پیدا کریں۔

مرکزی مجلسِ تالیف و تصنیف برائے اہلِ اسلام نے، جو نہ صرف مشرقِ قریب کے طول و عرض میں بلکہ جہاں بھی مسلمان ہیں کام کرتی ہے، اپنے کام کو تقویت دینے کے لئے یرقانا کی میٹنگ میں ایک زبردست تحریک پیش کی۔ یہ فیصلہ کیا گیا، کہ اگر بین الاقوامی مشنری کونسل ٹمبارم کے شعبۂ تالیف و تصنیف کے قیام کی تجاویز پر عمل کرے، تو اُسے مرکزی مجلسِ تالیف و تصنیف برائے اہلِ اسلام کے کارکنوں کی تعداد میں اضافہ کرنا چاہیئے، مسلمانوں کے اندر کام کرنے والوں کی باہمی ملاقات کا ایک نادر موقع مشرقِ قریب کے نمائندگان کے ٹمبارم کے سفر سے میسر آگیا۔ اور دسمبر ۱۹۳۸ء میں دہلی میں ایک خاص کانفرنس منعقد کی گئی، جس میں ۷۱ اشخاص شامل ہوئے، ان میں سے ۱۷ دہلی سے، ۲۹ ہندوستان کے دیگر مقامات سے اور ۱۶ غیر ممالک سے، جن میں مشرقِ قریب اور جاوا بھی شامل ہیں، تھے۔

ٹرکی ٹرکی کے پریذیڈنٹ کمال اتاترک کی المناک وفات کے بعد عصمت انونو اُن کے جانشین منتخب ہوئے۔ . . . . مسیحی مشنوں کے میدانِ عمل کے پسِ منظر میں بظاہر کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ ایک وقت یہ ظاہر ہوتا تھا، کہ اسلام کی طرف نسبتاً زیادہ مثبت رویہ اختیار کیا جاوے گا، لیکن یہ امید پوری نہیں ہو سکی، خصوصاً نئی پود میں مذہب کی ایک مختلف صورت کی جستجو ہے۔ اور اس امر کا احساس بھی ہے، کہ اگر ملک کی ترقی کی خواہش ہو، تو کیریکٹر کی تعمیر کے لئے دنیاوی تعلیم کے علاوہ بھی مزید کسی چیز کی ضرورت ہے۔

ترکی حلقوں میں تعلیم کے سوال کی طرف بہت توجہ دی جا رہی ہے۔ مجلسِ تعلیم کی پہلی میٹنگ جولائی میں بمقام انقرہ منعقد ہوئی، جہاں کامل آزادی سے تعلیم عامہ کی تمام شقوں پر غور کیا گیا، اور سفارشات

کو وزارت تعلیم تک پہونچایا گیا .... متعدد نوجوانوں کی غیر تربیت یافتہ اور بے مقصد زندگیوں کی اصلاح کے طریق زیادہ تر زیر بحث رہے، اس گفتگو کا دلچسپ پہلو وہ کشمکش ہے، جو لاطینی اور یونانی کو شامل نصاب دیکھنے کے خواہاں طبقہ اور سائنس کے حامیوں اور قدیم اسلامی تمدن کو پسند کرنے والوں کے درمیان جاری ہے۔

ترکی میں اصلاح دیہات کی تجاویز زیادہ تر دیہاتی تعلیم پر مرکوز رہی ہیں، خیال کیا جاتا ہے، کہ چالیس ہزار دیہات ایسے ہیں، جن میں نہ کوئی استاد ہے، اور نہ کوئی مدرسہ۔ تجویز یہ ہے، کہ دیہات کے پڑھے لکھے لوگوں کو سکھا کر انہیں نائب مدرس بنایا جائے، صدر مجلس تعلیم عامہ نے ایک پمفلٹ شائع کیا ہے، جس میں جمہوریہ ترکیہ کو اس رفتار پر مبارکباد دی گئی ہے، جس سے مذہبی اور دنیاوی تعلیم کا مشترکہ نظام اتاترک کے عہد میں ختم کر دیا گیا ہے، وہ لکھتا ہے "۔ دونوں قسم کے مدارس مذہبی اثر کے ماتحت تھے، جس سے تعلیم حقیقتاً سائنٹیفک نظریہ پیدا کرنے سے قاصر تھی"! (باقی)

میری تبدیلی مذہب

(از جناب پروفیسر عبداللہ بن سلام سابق رودر دیو شاستری)

گذشتہ سے پیوستہ

ڈاکٹر تھیبو نے سلسلہ تصنیفات "Sacred Books of the East" میں
شنکر آچاریہ اور رامانوج چاریہ دونوں کے ویدانت کی تفسیر کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے، اور دیباچہ
میں یہ بات تسلیم کی ہے، کہ شنکر کی نسبت رامانوج سوتروں کے معانی کرنے میں ویدانت کے حقیقی
مفہوم کے زیادہ قریب ہے۔ اس سے میں صاف طور پر عقل کے مطابق خیالات کے ظاہر کرنے میں قرآن
شریف کا اثر پاتا ہوں۔ ہاں اس فلاسفر نے بعض جگہ قرآن شریف کو سمجھنے میں پوری توجہ نہیں دی،
اور وہیں سے اس کی فلسفیانہ غلطی شروع ہو گئی۔

شنکر کے ویدانت اور قرآن شریف کے اصول میں خدا اور روح کے ملنے کے سوال پر
اختلاف شروع ہو جاتا ہے۔ شنکر روح کو خدا میں ملا دیتا ہے۔

जीवो ब्रह्मैव नापरः جیوو برہمیو ناپرہ

وغیرہ کی تفسیر میں اس قسم کی باتیں مل جائیں گی۔ قرآن شریف کا مفہوم یہ ہے، کہ خدا روح کا بنانے
والا ہے، اور روح خدا کی صفات کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن وہ چونکہ مخلوق
ہے، اس لئے وہ خود ہی اپنی خالق نہیں ہو سکتی۔ شنکر اچاریہ کے ادویتہ ویدانت میں کرت یا زمت
رچا ہے اس کی تفسیر مایہ اور اوپادیہ کے پردہ میں کی جائے، اور چاہے صاف صاف الفاظ میں ای
اس صفت کو حاصل کرنے والا مان لیا جاتا ہے، جو خالق کی ہے۔ خالق اور مخلوق ایک نہیں ہو سکتے
اگر وہ قرآن شریف کی تعلیم پر زیادہ غور کرتے، تو وہ یہ غلطی نہ کرتے۔ غیر محدود الشعور میں روح غیر محدود

ہو کر نہیں مل سکتی۔ پس قرآن شریف کی نجات اور سانکھیئے کے کیو لیئے اور نیائے کی مکتی اور بودھوں کے نروان اور ویدوں کے امرت میں فرق ہے۔ نجات نہ تو نروان ہے، نہ کیو لیئے اور نہ مکتی۔ اس کو سمجھنے کے لئے سرشٹی کی ابتداء اور مادہ میں رُوح کا پیدا ہونا اور قیامت وغیرہ کئی چیزیں سمجھنی ضروری ہو جاتی ہیں۔ نجات کے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے دوزخ اور جنّت کو بھی سمجھنا چاہیئے، اور پھر سب کو ملا کر اکٹھا غور کرنے کے بعد نجات کے مسئلہ کو حل کرنا چاہیئے۔ مَیں فی الحال ان پیچیدہ سوالات کو کسی اور وقت کے لئے ملتوی کر دیتا ہوں، کیونکہ ان پر بحث کے لئے یہ موقعہ نہیں ہے

مَیں یہاں اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں، کہ اگر کوئی خدا پر ایمان قائم رکھنا چاہتا ہے، یا کسی دہریہ کو خدا کا قائل کرنا ہو، تو قرآن شریف کے بتائے ہوئے ایشوری صفات کو دیکھکر ہی خدا پر ایمان قائم رہ سکتا ہے، اور انہیں صفات کو پیش کر کے کسی دہریہ کے دل میں خدا پر ایمان لانے کی طرف رجوع پیدا کیا جا سکتا ہے، دوسری طرح کی خدائی صفات کو دیکھکر بہت سے شکوک و شبہات سامنے آجاتے ہیں، جن سے انسان ایسے پس و پیش میں پڑ جاتا ہے، کہ ان سے اس کی طبیعت کا رجحان اللہ تعالٰے کی عبادت اور اس کے حکم کو بجا لانے کی طرف سے ہٹ جاتا ہے۔ بلکہ ایسی جگہ پہونچ جاتا ہے، جہاں اللہ تعالٰے یا اس کا الہام دونوں ہی اس کے دل کی پیاس کو نہیں بجھا سکتے، ایسا انسان ہی (جو اللہ تعالٰے اور الہام دونوں سے انکار کرنے لگتا ہے) دہریہ کہلاتا ہے، یہ لوگ اگر ان صفات الٰہیہ کو غور سے دیکھیں، جن کی طرف قرآن شریف میں اشارہ ہے، تو کیا دہریہ کو الہام کی ضرورت معلوم نہ ہوگی؟ اور اس کے ساتھ ہی وہ اللہ تعالٰے کی ہستی کو قبول نہیں کرے گا؟

اسلام نے سچ مچ ایشور کا جو تصوّر عرب کے بُت پرست لوگوں کے سامنے رکھا تھا، وہ آدمی کو بُت پرستی سے ہی نہیں ہٹاتا، بلکہ بُت کے پیچھے چھپے ہوئے تمام خیالات سے اُسے دُور لیجاتا ہے اگر کوئی شخص شیطان پرست آدمی کی تلاش کرنا چاہتا ہے، تو اسلام کی تعلیم کے رُو سے بُت پرست ہی شیطان پرست ہے۔ قرآن شریف نے بُت پرستی کو ہٹا کر شیطان پرستی بھی ہٹائی، اور روزمرّہ

سامنے آنے والی دوزخ کی آگ ہی کو بجھانے کا انتظام نہیں کیا، جو اس دنیا میں خدا کے کاموں، اس کے کلام اور اس کے نور کو نہ دیکھ سکنے والوں کے دلوں میں پیدا ہو سکتی ہے، بلکہ اس کی گرمی کو ہٹا کر میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا گھونٹ بھی پلایا ہے، جس سے انسان کو امن اور آسودگی ملتی ہے۔

بندہ اپنے رب کو پہچانتا ہے، اُسے ماں کی شکل میں دیکھتا ہے، اور چاہتا ہے، کہ وہ اس پر ماں ہی کی طرح نہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھکر دیالو ہو۔ ماں کے پیار کو جیسے بچہ پاتا ہے یعنی جیسے ماں سے بچہ اپنے قصور معاف کرا کر اس کی دَیا سے آرام میں رہتا ہے، ایسے ہی خدا کے فضل سے بندہ یا حکم بجا لانے والا انسان اس چیز کو پاتا ہے، جو اس کو صرف اس کے کرم کے پھل کی شکل میں نہیں مل سکتی تھی، یہ محبتِ الٰہی کی کشش ہے، جو قرآن شریف میں ملتی ہے۔

لیکن بات صرف ایشوری محبت اور اس کے کشش کرنے والے صفات تک ہی محدود نہیں ہے، بلکہ کچھ ایسی باتیں بھی ہیں، جن کو ہم دنیاوی ایمان کے لئے یعنی سوسائٹی وغیرہ کو چلانے کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور وہ اُخروی ایمان سے دوسرے رنگ میں ہمارے سامنے آتی ہیں۔

ایک انسان دوسرے کے ساتھ کیسے سلوک کرے؟ یہ سوال اُٹھا کر اسلام میں جس طرح اُسے حل کیا گیا ہے، اُسی کو پکڑ کر دُنیا آج اس کو حل کر رہی ہے، بادشاہ اور رعایا کے باہمی تعلقات اور بادشاہ کے حقوق و اختیارات کے بارے میں آج دنیا جہاں پہونچنا چاہتی ہے، وہ وہی جگہ ہے جو قرآن شریف کی تعلیم سے مل سکتی ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں، کہ جمہوریت ہی سب سے بہترین طریقہ ہے، جس سے اچھی حکومت کی جا سکتی ہے، کچھ لوگ کہتے ہیں، کہ جمہوریت کی اعلیٰ تعلیم یورپ میں پیدا ہوئی، اور اب وہیں اس کی قبر کُھد چکی ہے، کیونکہ یورپ اب ڈکٹیٹرشپ کو پسند کرتا ہے، فاشزم اور نازی ازم کی طرف میلان رکھنے والے لوگ بالشوزم یا کمیونزم کی مخالفت کرتے رہے مگر اب ہم دیکھتے ہیں، کہ ان دونوں کے میل سے ایک تیسرا راستہ لوگ نکالنا چاہتے ہیں۔ قرآن شریف میں جمہوریت کو ڈکٹیٹرشپ سے ملا دیا گیا ہے، اور نہ صرف ڈکٹیٹرشپ کو اور نہ صرف جمہوریت کو اکیلے اکیلے قبول کرنے کے لائق کہا ہے، بلکہ درمیانی راستہ کو پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے، دنیا کے

سیاسی لوگ آج اِدھر ہی جھک رہے ہیں، یہ بادشاہ اور رعیت کا سوال کئی وجوہ سے پہلے سامنے آتا ہے۔ مگر اس سے اہم سوال انسان کا انسان سے تعلق کا ہے۔

ہندوؤں میں برہمن اور بنیا یا کھشتری اور دھوبی یا بنیا اور ڈوم ساتھ ساتھ ایک چوکے میں بیٹھکر کھانا نہیں کھا سکتے، اسلام میں جو اخوت ہے، اُسے دیکھکر ہندوؤں میں اس چیز کو داخل کرنے کی کوشش کی گئی۔ آریہ سماج کو اصلاحی فرقہ کہا جاتا ہے، آریہ سماج کی وہ سب باتیں جن کو تمدنی اصلاح کے دائرہ میں لایا جا سکتا ہے، ہندوؤں کے ہاں سے نہیں لی گئیں، بلکہ وہ اکثر مسلمانوں کے گھر سے لی گئی ہیں، یہ اخوت کی ایک بات ہے، جس کی بنیاد پر اور بہت سی چیزیں ہیں۔

لاالٰہ الااللہ کا سایہ "एकमेवाद्वितीयं ब्रह्म" میں نظر آتا ہے، یہ مان لینے پر بھی ہندوؤں کے ایشور کی تفسیر مشکل ہی نہیں، بلکہ بہت جگہ ناممکن ہے، اسی لئے ہندوؤں کے خاص خاص دھرم شاستروں کا دھرم توحید کی تعلیم نہیں دیتا، کوئی کہتے ہیں اس میں شرک کی تعلیم دی گئی ہے۔ مگر زیادہ توجہ کرنے والوں کا خیال ہے، کہ اس میں Henotheism کی بھی تعلیم ہے، Kathenotheism کی اور بہت ہی ٹھیک مقدار میں

اب آریہ سماج نے جو توحید کو پکڑا ہے، اس کی بنیاد کیا قرآن شریف نہیں ہے؟ یہ سچ مچ بڑی بھاری احسان فراموشی ہوگی، کہ توحید کی تعلیم میں ہم دُنیا کو قرآن شریف کا زیر بار احسان نہ سمجھیں۔ یہ سمجھکر مَیں تو بہت عرصہ سے اس بات میں قرآن شریف کا متبع رہا اور ہوں۔ ہندو سوسائٹی میں چھوت چھات جس طرح تھی، اور ہے، اس کو ہندوؤں سے ہٹانے کی کوشش دو بڑی جماعتوں نے کی ہے، ایک جماعت اپنے کو مذہبی کہتی ہے، اور وہ آریہ سماج ہے، اور دوسری جماعت اپنے کو سیاسی کہتی ہے، اور وہ آل انڈیا نیشنل کانگریس ہے۔ ان دونوں نے مسلمانوں کی سوسائٹی کی نقل میں ہندوؤں کی سوسائٹی بنانی چاہی، مگر یہ لوگ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہوئے۔ اسلام میں چھوت چھات کا زہر نہیں ہے، کھانا اور نماز دونوں کے طریقوں میں ایسی باتیں موجود ہیں، کہ کوئی بھی آدمی چھوت چھات کا ذرا برابر بھی شک نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں میں جب یہ کوشش ہوئی، تو نتیجے اور

کھشتری کائستھ اور کلوار وغیرہ جن کے پاس کچھ روپیہ تھا، اور کچھ پڑھ لکھ گئے تھے، اُونچی جاتی کے لوگوں بالخصوص براہمنوں کی دھجیاں اڑانے لگے۔ ان براہمنوں وغیرہ کے معیار کو ڈوم اور بھنگیوں وغیرہ سے گروانے کی ایسی کوششیں کی گئیں، جن کو دشمن ہی کام میں لاسکتا ہے۔ ان تحریکات سے آپس میں ایک دوسرے سے دشمنی کافی بڑھ گئی ہے، چھوت چھات کو دور کرنے کی جو تحریک آریہ سماج میں چلی تھی، یا ذات پات توڑک منڈل کے نام سے پنجاب کے آریہ سماجیوں نے جو کچھ کرنا شروع کیا، اور آہستہ آہستہ جس کا پھیلاؤ اور صوبوں میں ہوا، یا ہریجن تحریک کے نام سے جو چیز کانگریس نے اٹھائی، ان سب میں خاص چیز تو اسلام سے لی گئی۔ لیکن بعد میں لوگوں نے اتحاد یا پنچ اتوام کی ترقی کی شکل یہی سمجھنی شروع کر دی، کہ جس کا جنم برہمن کے گھر میں ہوا ہو، اس کو کوسا جائے، اس کی بُرائی کی جائے، اس کی ہتک کی جائے، اور برہمن کے معیار کو گرانے کے لئے ان سے ڈوم اور بھنگی وغیرہ لڑوا دیئے جائیں۔

سوراج پانے کے لئے بنیادی پتھر یہ رہا، کہ یہ دونوں لڑیں اور جھگڑیں، اور بیچ میں پیسے والے بنیئے یا سرمایہ دار لوگ جن کا جنم برہمن کے گھر میں نہیں ہوا ہے، اُونچے اٹھیں، بڑھیں، اور سیاسی دُنیا میں ان ہریجنوں کی طاقت پر برہمنوں کو پچھاڑ کر بنیوں کا یا دوسرے (یعنی برہمن کے علاوہ) سرمایہ داروں کی شان وشوکت بڑھائیں، لغت کا سوراج جو معنے رکھتا ہے، اور اس عملی سوراج کا جو بنیادی پتھر ہے، یہ دونوں کیا ایک ہیں؟

ہریجن تحریک میں یہ باتیں تھیں، اس لئے اس کو چلانے والے لیڈروں کے ساتھ نہ صرف اُونچی ذات کے لوگ ہی نفرت کرتے رہتے، بلکہ اچھوت کہے جانے والوں کے لیڈر بھی ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے رہے۔ اسلام کی نقل کرنے والوں کے دل اتنے صاف نہیں تھے، جتنے مومن اور مسلمان کے ہونے چاہئیں، اس لئے ہندو سماج ویسا نہ بن سکا، جیسا کہ حقیقی سماج ہونا چاہیئے، اسلام کی خوبی تو لی گئی، مگر اس کا نام نہ لیا گیا، اور پھر اس خوبی سے ایسا بُرا نفع اٹھانے کی کوشش کی گئی، جس سے ہندو دھرم میں آپس کی چھینا جھپٹی سے اتحاد کی گنجائش کا امکان نہ رہا، ہندوؤں میں اقلیت پر اکثریت ظلم کرتی رہتی ہے، اگر کہیں سرمایہ دار بنیئے زیادہ ہیں، تو وہ اسی نقطۂ نگاہ سے

کام کرائینگے۔ انصاف کا برادری پرست ہندو دشمن ہے۔

اسلام کی چیز سے چڑ نہیں، تو نام سے کیوں چڑ ہے؟ طلاق، مستورات کا جائیداد میں حصہ، شراب بندی کی تحریک وغیرہ یہ سب چیزیں اسلام سے کانگریسی ہندوؤں میں آئی ہیں۔ جادو، ٹونا، بھوت پریت اور شگن وغیرہ سے نہ ڈرنا بھی انہوں نے اسلام ہی سے سیکھا ہے، اور اب ڈاکٹر مونجے وغیرہ گوشت خوری کا پرچار بھی اسی اصول کو قبول کر کے کر رہے ہیں، جو اسلام کے ماننے والوں کے مدنظر تھا، ان تھوڑی سی سطور میں یہ بات کھول کر بیان نہیں کی جا سکتی، کہ اسلام کی خوبیوں کو لیکر بھی اسلام یا قرآن شریف کے لئے عزت کا خیال نہ ظاہر کرنا کیسی بری بات ہے۔

ابھی میں ان خیالات کو ظاہر نہیں کر رہا، جن کو نہ تو میں بھول سکتا ہوں، اور نہ بھلانا چاہتا ہوں، لیکن اتنا سمجھتا ہوں، کہ ہندوؤں میں اب ہندو دھرم کی وکالت کرنے کی طاقت نہیں رہ گئی، اور سیاسی زندگی کے پیچیدہ سوالوں نے کروڑوں ہندوؤں سے یہ کہلوانا شروع کر دیا ہے، کہ مذہب کوئی چیز نہیں ہے، ہم نہ ہندو ہیں نہ مسلمان، اور سب کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں، ان کے نزدیک چوٹی اور زنّار وغیرہ کوئی چیز نہیں۔ تمام ہندوستان میں ہی نہیں، باہر کے ملکوں میں بھی جن کانگریسی ہندو لیڈروں کی شہرت ہے، ان میں سے ایسے بھی ہیں، جو نہ چوٹی رکھتے ہیں، اور نہ زنار پہنتے ہیں۔ اور انہیں کسی کے ساتھ بھی کھانے پینے میں عار نہیں ہے۔ ایسے ہندو اپنے دل کی کمزوری سے اپنے تئیں مسلمان نہیں کہلاتے، بلکہ یہ کہا کرتے ہیں، کہ ہم نہ ہندو ہیں اور نہ مسلمان۔

ایسے آدمیوں کو صرف اس وقت پکا ہندو مانا جا سکتا ہے، جب وہ ہندوؤں کی طرف سے کسی حلقہ میں میونسپلٹی، ڈسٹرکٹ بورڈ یا اسمبلی وغیرہ میں ممبری کے لئے امیدوار بنکر کھڑے ہو رہے ہوں، ہندو ٹکٹ کے لئے ایسے لوگ ہندو ہوتے ہیں۔ ایسے سب ہندو اگر مسلمان نہ بھی ہوں تو بھی ان کی رغبت اسلام کی طرف ہوتی ہے۔ اسلام کے دائرے میں آنے سے قبل بزدلی چھوڑنی پڑتی ہے، اسلام بزدلی کی تعلیم نہیں دیتا، بزدل مسلمان نہیں ہو سکتا، بزدلی کو دور کئے بغیر اسلام سے طاقت ملنا بھی محال ہے، یہی خیال کر کے میں نے بزدلی کو مٹانے کی کوشش کی۔

مَیں جب کاشی ودّیا پیٹھ میں مولوی ناصر الدین عبداللہ صاحب مولوی فاضل کا ودیا تیرتھ ودیہ بھوشن کو وید اور برہمن گرنتھ وغیرہ پڑھایا کرتا تھا، تو اکثر لوگ مجھ سے قادیانی "مرزائی" یا احمدی لوگوں کا ذکر کیا کرتے تھے، یہاں پر مجھے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کہ ہندو مسلم اتحاد اسوقت تک نہیں ہو سکتا، جب تک ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کی عزّت کرنا نہ سیکھیں، اور ایک دوسرے کے بزرگوں کی تعظیم نہ کریں، ایک دوسرے کی مذہبی کتب کو الہامی کتابوں میں سے نہ مانیں، ایک دوسرے کے لیڈروں کو لیڈر نہ مانیں، اور ایک دوسرے کو تکلیف پہونچنے پر دُکھی نہ ہونے لگیں، ہندو اور مسلمانوں کے میل کے لئے جو باتیں ضروری ہیں، وہی سب مذاہب کے پیروؤں کے اتحاد کے لئے ضروری ہیں۔ مَیں یہ تو مانتا ہوں، اور مانتا تھا، کہ ایسا ہی ہونا چاہیئے، اس کے سوا فرقہ دارانہ ذہنیت دور نہیں ہو سکتی، جب مولوی صاحب مذکور مجھے ملے تو مجھے معلوم ہوُا، کہ اسلام بھی اس بات کی تعلیم دیتا ہے، جس کو مَیں ملک میں اتحاد و محبت کے لئے نہایت ضروری سمجھتا تھا۔

مَیں دنیا کے سب مذاہب اور ان کے پَیرو کاروں کے اتحاد کا سوال ترک کر کے جب محض ہندو مسلم اتحاد کے سوال پر نگاہ ڈالتا ہوں، تو مجھے معلوم ہوتا ہے، کہ ہندو مسلم اتحاد کا علمبردار وہی شخص ہو سکتا ہے، جو بھگوان سری کرشنؑ کو بھی عزّت کی نگاہ سے دیکھے، اور حضرت بُدھؑ کو بھی، اور حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی، اور حضرت عیسٰےؑ کو بھی، اور حضرت زرتشتؑ کو بھی، اور اس کا یہ خیال بھی ہو، کہ سب قوموں میں خدا نے نبی مبعوث کئے ہیں، اور اللہ تعالےٰ کی طرف سے جو الہامی کتب بانی ہیں، ان پر اس کا ایمان ہو، اور وہ سمجھتا ہو، کہ جوں جوں انسان نے ترقی کی ہے، توں توں الہامی کتب میں جو الہامی تعلیم ہے، وہ ترقی کرتی گئی ہے، اور جو نبی آخر میں ہوُا، وہ تمام پہلوؤں سے بہت عظیم الشان تھا، اور اس کی کتاب بھی سب سے زیادہ مکمل ہے۔ (ترجمہ از ہندی)

مسلمان اور علمِ جغرافیہ

(از ابن عُمر)

(۴)

[اس مضمون کی تین قسطیں رسالہ ہذا کی اشاعت ماہ جون و جولائی و نومبر ۱۹۳۹ء
میں چھپ چکی ہیں، اب یہ آخری قسط ہدیۂ ناظرین ہے: ایڈیٹر]

چودھویں صدی میں جغرافیائی تحقیقات کے سلسلہ میں غالباً کوئی نیا کام نہیں ہؤا، صرف پہلی معلومات کی اشاعت پر ہی زور دیا گیا ہے، البتہ سفرناموں کی اشاعت کے لحاظ سے اس عہد کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔

نویں صدی سے چودھویں صدی تک کے عربی جغرافیائی لٹریچر کے متعلق انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کا مضمون نگار لکھتا ہے:-

From the 9th to the 14th century a considerable and important Geographical literature was produced in Arabic.[1]

اس دور میں عربی جغرافیائی لٹریچر کس وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور کس طرح اسلامی جغرافیائی نظریوں کو یورپ نے اختیار کیا؟ اس کے لئے ہمیں کرۂ ارضی کا وہ نقشہ دیکھنا چاہیئے، جس کا انتساب ۱۳۰۷ھ ~~ ۱۳۲۱ء میں یورپ کی طرف کیا گیا، یہ نقشہ بالکل گول ہے، اور عربی نقشہ کی

---

[1] نویں صدی عیسوی سے لیکر چودھویں صدی عیسوی تک عربی زبان میں ایک معتدبہ اور اہم حصہ جغرافیائی ادب کا تیار ہو گیا تھا۔

نقل ہیں، جس میں مکّہ کو وسط میں دکھایا گیا تھا، یوروشلم کو وسط میں دکھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ باقی تمام تفصیلات میں یہ ابن حوقل کے نقشہ کا چربہ ہے۔ اسی طرح بعض یورپین مصنّفین نے سات اقالیم میں دنیا کو تقسیم کرنے کے طریق کو بھی اختیار کر لیا تھا۔

بیان کیا جاتا ہے، کہ پندرھویں صدی میں کولمبس نے امریکہ دریافت کی، اور اس وجہ سے اس پر تحسین و احترام کی نگاہیں پڑتی رہی ہیں۔ بے شک یہ درست ہے، کہ کولمبس کی بحری کوششیں ہر مینائے انسان سے خراج تحسین وصول کرینگی، لیکن نئی دُنیا کی دریافت کو اس کی طرف منسوب کرنے کا خیال ذرا محل نظر ہے۔ ابھی زیادہ عرصہ نہیں گذرا، کہ لیو وزآف ہارورڈ (Leo Wiener of Harward) کے قلم سے افریقہ و امریکہ کی دریافت کے نام سے تین جلدوں میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس میں فاضل مصنّف نے پُرزور دلائل سے ثابت کیا ہے، کہ امریکہ کی دریافت کولمبس نے نہیں کی، بلکہ اس سے بہت پہلے یہ براعظم پُرانی دنیا والوں کو معلوم ہو چکا تھا۔ اب طبعًا یہ سوال پیدا ہوتا ہے، کہ اگر کولمبس نے نئی دُنیا کی دریافت نہیں کی، تو پھر اُسے ڈھونڈ نکالنے کا سہرا کس کے سر ہے۔ اِس کے لئے ہمیں مشہور جغرافیہ داں ملطبران کے اس بیان کے ساتھ کہ "دریافت امریکہ سے پہلے عرب لوگ اندلس سے نکل کر . . . . . بحراوقیانوس میں مختلف زمینوں اور مقامات کی تلاش کرتے پھرتے تھے۔" مسٹر دبنر، جو دنیا کی ۲۶ زبانوں کے ماہر اور السنہ عالم کے قواعد وضوابط کے متعلق غیر معمولی قابلیّت کے مالک ہیں، کی اس تحقیق پر غور کرنا چاہیئے، جو انہوں نے امریکہ کے اصل باشندوں کی زبان کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد پیش کی ہے، کہ امریکہ کے اصل باشندوں کی زبان میں انگریزی، فرانسیسی، ہسپانوی، پرتگالی اور عربی زبانوں کی خاص طور پر ملاوٹ ہے، اور ان میں سے سب سے پہلے داخل ہونے والے الفاظ عربی زبان کے ہیں، جن کی ملاوٹ بارھویں صدی کے آخر میں ہوئی۔ اس کے یہ معنے ہیں، کہ کولمبس کی دریافت سے دو سو سال قبل امریکہ والوں سے عربوں کا میل جول تھا۔ ماہرین آثار قدیمہ کا بیان ہے، کہ امریکہ میں عربی تہذیب کا اثر کولمبس سے بہت پہلے سے پایا جاتا ہے۔

خود کولمبس کی تحریروں میں ایسے حوالے موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ ابن رشد کی تصنیفات نے اسے ایک مغربی براعظم کا وجود سمجھایا تھا۔ اور الکندی اور اس کی مثل دوسرے جغرافیہ نویسوں کی تصنیفات نے یہ بات ظاہر کر دی تھی، کہ کرۂ ارض کی دوسری جانب بھی زمین ہے، اور یہ الکندی جس کا ذکر ابھی ہم نے کیا ہے، نویں صدی کا عرب جغرافیہ دان ہے، گویا عربی لٹریچر میں امریکہ کا تذکرہ کولمبس سے قریبًا پانچ سو سال پہلے سے موجود تھا۔

کولمبس نے اپنا نظریہ ۸۹۸ھ / ۱۴۹۲ء میں پیش کیا ہے، لیکن اس سے قریبًا ڈیڑھ سو سال پہلے کھلے اور واضح الفاظ میں محمد بن ابوالقاسم اصفہانی المتوفی ۶۴۹ھ / ۱۲۴۸ء اسے پیش کر چکا تھا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے:-

ولا امنع ان یکون ما انکشف عنہ الماء من الارض من جھتنا منکشفا من الجھۃ الاخرٰی و اذا لم امنع ان یکون منکشفا من تلک الجھۃ لا امنع ان یکون بہ من الحیوان والنبات والمعادن مثل ما عندنا او من انواع و اجناس اُخرٰی۔"

یعنی بالکل ممکن ہے، کہ زمین کی اس سطح سے دوسری طرف بھی کوئی براعظم ہو، اور ہماری طرح وہاں بھی باشندے آباد ہوں، اور وہاں بھی حیوانات، نباتات، اور جمادات کی مختلف اقسام پائی جائیں۔

جو مصنف تحقیقات کی کمی یا اپنے طبعی بخل کی وجہ سے کھلے الفاظ میں اس تصدیق کے لئے تیار نہیں ہوتے، کہ عربوں نے امریکہ کو دریافت کیا، وہ بھی کم سے کم اس قدر لکھنے پر مجبور ہو گئے، کہ چودھویں صدی تک عربی جغرافیائی لٹریچر میں وہ تمام مواد جمع کر دیا گیا تھا، جس کی بنا پر نئی دنیا کی دریافت ہوئی، چنانچہ Legacy of Islam میں Geography and Commerce کا مضمون نگار لکھتا ہے:-

Islamic geogrophical Theory may claim

a share in the discovery of the new world.[۵]

چودھویں صدی کی اہم جغرافیائی تصنیف مشہور سیاح ابن بطوطہ کا سفرنامہ ہے، جس نے اپنے سفر ۷۲۶ھ / ۱۳۲۵ء سے جبکہ وہ ابھی صرف اکیس برس کا نوجوان تھا، شروع کئے، اور شمالی افریقہ، مصر، فلسطین، عرب، عراق، وسطی روس، قسطنطنیہ سے ہوتا ہوا خراسان اور قندھار کے راستہ ہندوستان آیا، اور یہاں سے سیلون، سماٹرا اور جاوا ہوتا ہوا چین پہونچا، اور پھر بحری راستہ سے طنجہ واپس آگیا۔ ان سفروں نے اس کی زندگی کے چوبیس برس لے لئے۔ لیکن اس کی سیاحت آشنا طبیعت اُسے کب نچلا بیٹھنے دیتی تھی، اس لئے وہ دوبارہ اندلس کی سیاحت کے لئے نکلا۔ اسی زمانہ میں اس نے وسطی افریقہ کا دورہ کیا، اور اس طرح ۷۷۹ھ / ۱۳۷۷ء تک قریبًا ساری پُرانی دنیا کی سیاحت کرنے کے بعد فاس میں وفات پائی۔

ابن بطوطہ کے سفرنامہ کی حیثیت گو ایک سیاح کے روزنامچہ کی ہے، لیکن چونکہ اُسے دُنیا اور دنیا والوں سے ایک فنی دلچسپی تھی، اس لئے اس میں جغرافیائی معلومات کا وسیع ذخیرہ بھی ملتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ روزمرہ کے تجربات سے جو جغرافیائی معلومات پہلے سے عربوں کو حاصل تھے، اور جن کا ذخیرہ سفینوں سے بڑھکر سینوں میں محفوظ چلا آتا تھا، ان سے قطع نظر کرتے ہوئے علمی حیثیت سے جغرافیائی لٹریچر کی تدوین کا آغاز ظہور قدسی کے بعد قریبًا آٹھویں صدی عیسوی میں ہوا۔ نویں صدی میں ماہرینِ فن اس کی باقاعدہ تدوین و تکمیل میں مصروف ہوگئے۔ دسویں صدی میں جزئیاتِ فن پر سیر حاصل بحثیں کرنے کے لئے مکمل سامان تیار کرلیا گیا، اور نہایت کثرت سے اس فن پر کتابیں تیار کی گئیں۔ بعد کی تین صدیوں میں انفرادی طور پر پہلے معلومات کی روشنی میں بعض بیش بہا جزوی مسائل کا استخراج کیا گیا، توصیفی اور ہیئتی جغرافیہ میں اتحاد قائم ہوا، اور اس طرح ہفت صد سالہ دور گذار کر چودھویں صدی تک پہونچتے پہونچتے اس بے مثل علمی سرمایہ کا جدید

---

[۵] نئی دنیا کے انکشاف میں اسلامیوں کے جغرافیائی نظریہ کو بڑا دخل حاصل ہے۔

سلسلہ ختم ہوگیا۔ اسی ہفت صد سالہ دَور میں مسلمانوں نے اپنی اپج سے فنِ جغرافیہ کا آغاز کیا۔ یونان و اسکندریہ کے علمی زوال کے بعد دیگر علوم وفنون کی طرح جغرافیہ بھی، اگرچہ اس میں ان کی کوششوں کے نتائج بہت محدود تھے، گمنامی اور کس مپرسی میں مبتلا ہوگیا تھا۔ مسلمانوں نے ان قدیم تصنیفات کو قعرِ گمنامی سے نکال کر نہ صرف ان کی حفاظت کے بہترین سامان ترتیب دیئے، بلکہ ان کی شرحیں لکھیں، ان کی غلطیاں نکالیں، اور ان سے بہت آگے ترقی کی۔

جغرافیہ کو یونانیوں نے عملی تحقیق و تجربہ سے معرّا رکھا تھا، اور حکما گھر بیٹھے بحر و برّ کو ناپا کرتے اور ان کی حدود و مسافت کی تعین کیا کرتے تھے، لیکن مسلمانوں نے جان لیا، کہ فنِ جغرافیہ کی صحیح تدوین بجز عینی مشاہدات کے ممکن نہیں۔ تب انہوں نے بحر و برّ میں گھوم کر عملی جغرافیہ کا سنگ بنیاد رکھا، اور اپنے عملی تجربات و مشاہدات سے پہلوں کے بیانات کی تصدیق، ترمیم یا تکذیب کی، اور محض تخیل کے زور سے نظریہ سازی کرنے کے بجائے عملی مشاہدات کی اساس پر اصول کا استخراج کیا، اور اس طرح انہوں نے بقول لیبان وہ درجہ جس سے پہلے بالکل ناآشنا تھے، حاصل کرلیا۔[1]

پھر عربوں نے زمین کا محیط اور اس کا قطر دریافت کیا، وحدت بحری کے مسئلہ کو پیش کیا، مدّوجزر کی تحقیق کی، بلادِ بعیدہ کے سفر کئے، نامعلوم حصّوں کو دریافت کرکے ان کے حالات لکھے، حدودِ زمین کی پیمائش کی، سمندروں کی چھان بین کرکے ان کے کونے کونے تلاش کر ڈالے، جغرافیہ کے اس حصّہ کو جس کا تعلق ریاضی سے ہے، مرتب کیا، دنیا کو کمپاس جیسی بیش بہا ایجاد سے روشناس کرایا، سمندروں کی پیمائش کا وسیع سلسلہ شروع کیا، بحری نقشے (Sea Charts) تیار کئے، بہت سی زیرِ آب چٹانوں کو معلوم کیا، نقشوں کو صحیح بنیادوں پر قائم کیا، اور چودھویں صدی تک جغرافیائی معلومات کا ایسا عظیم الشان ذخیرہ تیار کردیا، جس کی روشنی میں بقول Legacy of Islam کے مضمون نگار کے کولمبس ایک نئی دُنیا کی دریافت میں کامیاب ہوسکا۔

---

[1] تمدّنِ عرب صفحہ ۔

گورو تیغ بہادر صاحب کا قتل

(۲)

(از جناب گیانی واحد حسین صاحب)

گذشتہ قسط میں ہم گورو تیغ بہادر صاحب کے قتل کے متعلق گیانی گیان سنگھ صاحب کا بیان تواریخ گورو خالصہ اردو کے حوالہ سے درج کر چکے ہیں، تواریخ گورو خالصہ کی تصنیف سے پہلے گیانی صاحب موصوف نے "پنتھ پرکاش" لکھی تھی، اس میں اس واقعہ کو بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:۔

اِت آدک بچن گر اُچار جب سرنیائے ۔۔۔ دھر بو سیس نج دھراپنے دیئے پران اُڈائے

پکھ جلاد بے بھیو کھڑا ہو تو جو پاس ۔۔۔ تیغ چلائی سر بھیو دھر تے جدا نیاس[1]

(بسرام ۱۲ صہ ۱۱۹ چھاپہ پتھر)

یعنی گورو صاحب نے شبد پڑھکر سر نیچا کیا، اور فوراً آپ کی رُوح پرواز کر گئی، جلاد پاس کھڑا حیران تھا، کہ یہ کیا ماجرا ہے، اس نے مردہ لاش کا تلوار مار کر سر اُتار لیا۔

گیانی گیان سنگھ صاحب سے پہلے ایک سکھ مؤرخ بھائی سنتوکھ سنگھ صاحب اپنی کتاب سورج پرکاش میں، جو انہوں نے ۱۸۴۳ء میں لکھی، گورو صاحب کے قتل کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں، کہ جب اورنگ زیب نے گورو صاحب سے کرامت دکھانے کا مطالبہ کیا، تو گورو صاحب نے جواب میں فرمایا:۔

کہو گورو ایہہ تیغ جو ایہہ ہے ۔۔۔ نہہ کاغت کو چھید سکے ہے[2]

یعنی تم تلوار چلاؤ، میرا سر نہیں اُتریگا، یہانتک کہ یہ کاغذ کو بھی نہ پھاڑ سکے گی (یہ کاغذ گورو صاحب

---

[1] نئے ایڈیشنوں میں سے یہ عبارت نکالدی گئی ہے۔

[2] راس ۱۲ صفحہ ۴۷۲۴

نے اپنی گردن پر باندھا ہوا تھا)

سورج پرکاش کے مذکورہ بالا بیان سے چونکہ حضرت عالمگیر اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی بریّت ہوتی تھی۔ کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ گورو صاحب نے اسے اپنا معجزہ قرار دیا تھا، کہ تلوار سے میرا سر نہیں اُتریگا، اور حضرت عالمگیر کو چیلنج کیا تھا، کہ تلوار مار کر معجزہ کی آزمائش کر لو، اب ایسی صورت میں اگر یہ مانا جائے، کہ آپ نے جلاد کو تلوار چلانے کا حکم دیا، تو اس میں ان کا کیا قصور؟ پس چونکہ اس سے اورنگ زیب رحمۃ اللہ علیہ کی بےقصوری ظاہر ہوتی تھی، اس لئے گیانی گیان سنگھ نے اس واقعہ کا یہ حصہ چھوڑ دیا۔ اور اس کے بعد کا قصہ جس میں لکھا تھا، کہ گورو صاحب کے معجزہ کی برکت سے تلوار چلانے سے پہلے ہی سر اُتر گیا، نقل کر دیا، اور یہیں پر بس نہیں کی، بلکہ پنتھ پرکاش کے نئے ایڈیشنوں میں دونوں واقعات کو حذف کر دیا، اور تواریخ گورو خالصہ میں یہ لکھ دیا، کہ گویا گورو صاحب کا سر جلاد نے تلوار مار کر تن سے جدا کیا۔

گیانی گیان سنگھ سے پہلے سر کننگھم صاحب نے بھی اپنی کتاب ہسٹری آف دی سکھز کے صفحہ ۶۷ و ۶۸ میں اس واقعہ پر روشنی ڈالی ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"(گورو) تیغ بہادر (صاحب) نے اپنے باپ کی مثال کی پیروی کرتے ہوئے اس سے بھی بڑھ چڑھ کر اقدامات اختیار کرکے ہانسی اور ستلج کے درمیان ایک بنجر زمین کو اپنی جائے رہائش اختیار کرکے اس نے اپنا اور اپنے متبعین کا لوٹ مار پر گزارا کرنا شروع کیا، اور اس بات نے اس کو دہقانوں کے اندر غیر ہر دلعزیز نہ بنایا، اور یہ معتبر روایت سے بیان کیا جاتا ہے، کہ اس نے حافظ آدم کے ساتھ ساز باز کرکے مالدار ہندوؤں پر ٹیکس لگائے، اور مسلمان ساتھی نے مسلمانوں پر لگائے، جو لوگ بھاگ کر ان کے پاس آتے تھے، ان کو پناہ دی جاتی تھی، اور اس طرح ان کی طاقت ملک کے امن کے لئے خطرہ کا باعث ہوتی، نتیجہ یہ ہوا، کہ شاہی فوجوں کو حرکت میں آنا پڑا، آخر ان دونوں کو شکست ہوئی، اور وہ قیدی بنائے گئے۔ . . . . . روایت بیان کرتی ہے، کہ اسے بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا، نیم بےعزتی کے طریقہ پر اور نیم شبہ کے طور پر اُسے کہا، کہ تم اپنے الٰہی مشن کے متعلق معجزہ دکھاؤ، گورو تیغ بہادر

صاحب نے جواب دیا، کہ بندہ کا کام تو صرف دعا کرنا ہے، ہاں میں ایک بات کرنے کو تیار ہوں، میں ایک تعویذ لکھتا ہوں، اور جس شخص کی گردن میں اُسے باندھ دیا جائے، اس پر تلوار اثر نہ کرے گی، چنانچہ گورو صاحب نے یہ تعویذ اپنی گردن پر ہی باندھ لیا، اور پھر جلاد کے آگے اپنا سر جھکا دیا، جب سر پر تلوار کی ضرب لگی، تو وہ تن سے جدا ہو گیا، جس سے وہ سب درباری جن پر توہمات کا اثر تھا، حیران رہ گئے"[1]

مسٹر کننگھم سے پہلے لالہ سوہن لال کی کتاب "عمدۃ التواریخ" ہے، جو ۱۸۱۲ء سے ۱۸۵۰ء تک لکھی گئی، اس میں گورو تیغ بہادر صاحب کے واقعہ قتل کے متعلق لکھا ہے، کہ گورو صاحب نے ہزار ہا سپاہیوں کے ساتھ مالوہ کے علاقہ میں قیام کیا ہوا تھا، اور جو کوئی حکومت کے خلاف بغاوت اور سرکشی اختیار کرتا تھا، وہ آپ کے ہاں پناہ گزین ہو جاتا تھا، حضرت اورنگ زیبؒ کے پاس یہ اطلاع پہونچی، تو آپ نے گورو صاحب کو دہلی میں بلا بھیجا، چنانچہ گورو صاحب دہلی تشریف لے گئے . . . . "بادشاہ کے آدمی کرامات اور معجزہ دیکھنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ان کے اصرار پر گورو صاحب نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا، کہ ایک رقعہ اپنے دستخط سے لکھکر میں تمہارے سپرد کرتا ہوں جس شخص کی گردن پر یہ رقعہ باندھا جائے، اور وہ لڑائی میں جائے، اُسے تیر و تفنگ کا زخم نہ لگیگا، اس امر کی آزمائش کے لئے پہلے میں خود اپنی گردن پر اسے باندھتا ہوں، چاہیئے کہ کوئی سپاہی جو لڑائیاں لڑنے والا ہو، تلوار کی ضرب لگائے، اس سے جھوٹ اور سچ ظاہر ہو جائے گا، گورو صاحب نے اس رقعہ کو اپنی گردن پر باندھکر فرمایا، کہ اب وقت ہے، بے خوف ہو کر کاری زخم لگاؤ، تلوار کی ضرب لگنے کے ساتھ ہی گورو صاحب کا سر تن سے جُدا ہو گیا"[2]

مسٹر کننگھم اور لالہ سوہن لال نے واقعہ قتل میں یہ ہرگز ذکر نہیں کیا، کہ گورو صاحب کو اسلام کی دعوت دی گئی، اور جب انہوں نے اسلام قبول کرنے سے انکار کیا، تو انہیں قتل کر دیا گیا۔

اس وقت تک جتنے مورخین کے بیانات درج کئے گئے ہیں، انہوں نے گورو صاحب کا قاتل شاہی جلاد بنایا ہے، مگر جب ہم سب سے پرانی سکھ تاریخوں پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہم کو معلوم ہوتا ہے

[1] ترجمہ از انگریزی۔ [2] عمدۃ التواریخ دفتر اول صفحہ ۵ ترجمہ از فارسی۔

کہ گورو صاحب کا قاتل ایک سکھ مرید تھا، چنانچہ اس کے ثبوت میں مندرجہ ذیل حوالجات سکھوں کی معتبر تاریخوں سے پیش کئے جاتے ہیں۔

پہلی شہادت سب سے پہلے ہم گور بلاس پادشاہی چھ" کو لیتے ہیں، یہ کتاب سری گورو ہرگوبند صاحب کی جو سکھوں کے چھٹے گورو ہیں، مکمل سوانح عمری ہے، اِس کے شروع میں لکھا ہے، کہ یہ کتھا گورو گوبند سنگھ صاحب نے اپنے رفیق بھائی دیا سنگھ جی کو سُنائی، اور دیا سنگھ صاحب نے بھائی منی سنگھ صاحب کو، اور بھائی منی سنگھ صاحب نے بھائی بھگت سنگھ صاحب کو سُنائی، پھر سمت ۱۷۷۵ بکرمی مطابق ۱۷۱۸ء میں بھائی موہتا جی نے اسے شعروں میں لکھا۔ اس سے ظاہر ہے، کہ اس کتاب کی سند گورو گوبند سنگھ صاحب تک جو گورو تیغ بہادر صاحب کے صاحبزادے تھی پہونچتی ہے۔ اس کتاب کو اگر سکھوں کی سب سے پہلی تاریخ کہا جائے، تو بجا ہوگا، اس میں گورو تیغ بہادر صاحب، کے قتل کے متعلق لکھا ہے:۔

ایہہ پدہ من میں بیونت بنائے تیغ بہادر دھلی آئے

پانچ سکھ کو ساتھ لے جاوے اورنگ زیب کے نکٹ سدھاوے

. . . .

دھرم ہیت سر دین جب تیغ بہادر آئے

چغلی کھاوے شاہ پہ رام رائے پُن جائے

—— چوپئی ——

سُنو شاہ ایسے سُن پائیو تیغ بہادر ایہہ تھاں آئیو

تا ہے بلائے لیہو کرامات ایہہ اب گور ہوئیو بکھیات

سری گور کو تب سوؤ بلاوے اورنگ زیب ایہہ بات چلاوے

شاہ تیھے مانگے کرامات صاحب گر ایہہ گور کہے اس بات

بندی خانے پائے ہے گور کو تب پاتشاہ

پانچ سکھ کو ساتھ ہی پاوسے قیدی ماہ

. . . .

تب سنگ بچن کو اِم کہو جاوؤ تم جت اِچھا چہو
تبھے سکھ وہ بچن اُچا رے پکڑے ترک ہمیں اب مارے

(دوہرا)

تب ست گور ایسے کہے ترک نہ دیکھیں کوئے
جاوؤ جہے اِچھا تمہیں رچھا تری ہوئے

(چوپئی)

چار سکھ تب ترت سدھاوے ایک سکھ تہہ ہی ٹھہراوے
تاں کے کہے نہ جاوے سوئے رہے نکٹ گور اک چت ہوئے

. . . .

جب ایہہ پربھ نے بچن سنائے تب گور سکھ کو ایس الائے
جب ہوں آپن نواون سیس مارو تیغ نہ دھرو کسیس
تبھے سکھ وَے بچن اُچارے گور کے ہنتے پاپ ہوئے بھارے
تب گور کہو پاپ نہ کوئی ہمرے نکٹ واس تو ہے ہوئی

. . . .

ایہہ بھاکھ گور سیس نوائے سُن بدھیا سکھ تیغ چلائے

(گور بلاس پادشاہی چھ ادھیائے ۸ صفحہ ۲۰۰ مطبوعہ دبیر ہند پریس)

یعنی دل میں ارادہ کرکے اور اپنے پانچ ساتھیوں کو لیکر گورو تیغ بہادر صاحب خود بخود دہلی میں اورنگ زیب کے پاس تشریف لائے، بادشاہ کے پاس رام رائے (جو گورو صاحب کا قریبی رشتہ دار اور آپ کا مخالف تھا) نے چغلی کھائی، کہ گورو تیغ بہادر صاحب جو اب گدی نشین ہیں، اِس جگہ آئے

ہوئے ہیں، آپ بُلا کر اُس سے کرامت طلب فرمائیں، اس پر اورنگ ذیب نے گورو صاحب سے کرامت مانگی، جس کا گورو صاحب کی طرف سے انکار ہؤا، تو آپ کو ساتھیوں سمیت نظر بند کر دیا گیا، تب گورو صاحب نے اپنے ساتھی پانچ سکھ مریدوں کو کہا، کہ تم جہاں چاہتے ہو چلے جاؤ، انہوں نے جواب دیا، کہ مسلمان ہم کو پکڑ لیں گے، اور مار ڈالیں گے، تب گورو صاحب نے فرمایا، کہ مسلمان تم کو نہ دیکھیں گے، جہاں تمہاری خواہش ہو، چلے جاؤ، تمہاری حفاظت ہوگی، چار سکھ تو فوراً ہی روانہ ہوگئے، اور ایک آپ کے پاس رہا۔ . . . جب یہ بچن گورو صاحب سُنا چکے، تو آپ نے ایک سکھ مرید کو کہا، کہ جب میں اپنا سر نیچا کرونگا، بلا خوف و خطر تلوار چلا کر میرا سر تن سے جدا کر دینا، اس پر اس سکھ نے عرض کی، کہ مہاراج گورو کو مارنے اور ہتّیا کرنے سے بہت پاپ ہوگا۔ گورو صاحب نے کہا، تم کو کوئی گناہ نہیں، بلکہ مرنے کے بعد تیرا قیام میرے پاس ہوگا، یہ کہکر گورو صاحب نے اپنا سر نیچا کیا، اور اس سکھ نے تلوار چلا کر آپ کا سر تن سے جُدا کر دیا۔

گوربلاس میں تصویر بھی درج ہے، جس میں دکھایا گیا ہے، کہ گورو صاحب کا مُرید آپ کے حکم کے مطابق تلوار کے ساتھ سر تن سے جدا کر رہا ہے۔ وہ تصویر یہ ہے:-

دوسری شہادت بھائی منی سنگھ صاحب کی شخصیت سکھوں میں تعارف کی محتاج نہیں ہے، آپ گورو گوبند سنگھ صاحب کے صحابی اور گرنتھ صاحب کے کاتب تھے، آپ کو سکھ پنتھ میں زندہ شہید کے لقب سے پکارا جاتا ہے۔ آپ نے "بھائی گورداس کی گیارھویں وار" کا ترجمہ کیا ہے، جس میں بھگتوں کی سوانح عمریاں لکھی ہیں، یہ کتاب "بھگت رتناولی" کے نام سے مشہور ہے، اس میں بھائی صاحب نے سری گورو تیغ بہادر صاحب کا قتل ایک سکھ کے ہاتھ سے ہوتا بیان کیا ہے، چنانچہ لکھا ہے ؎

تاں صاحب جائے دہلی پراپت ہوئے تاں بادشاہ نوں خبر ہوئی، تاں صاحب بچن کینا اسیں تساڈے پاس آئے ہاں۔ . . . تاں بادشاہ پوچھیا جو تساں تیغ بہادر ناؤں رکھایا ہے کس جگہ تیغ بہادری کیتی ہے۔ بچن ہویا تیغ بہادر پرگٹ ہویا ہے ایسی تیغ بہادری دکھلاؤنگا جو گئو براہمن دا کشٹ دور کرے گا تیرے نیائے دی جگہ رَدلا ورتاؤنگا۔ تیرے صوفیاء کی جگہ عملی کرے گا۔ تساڈی دین ردپی گھوڑی پر زین پاؤنگا۔ اس سمیں بادشاہ نے کہیا اینانوں بند حوالے کرو۔ اساں کائی کرامات دکھاویگا تاں چھڈاں گے۔ . . . . . . گورو کے گھر سب کچھ ہے اینا‌ں سکھا چھکا کے پہلی بادشاہی توں راج لیا ہے۔ تے سیس دے کر اینا‌ں نوں پھیر لینا ہے۔ فیر اِک راجپوت نوں آگیا ہوئی، توں اساں نوں تلوار چلاؤ

یعنی گورو صاحب دہلی پہونچے، بادشاہ کو خبر ہوئی گورو صاحب نے کہا کہ ہم تمہارے پاس آئے ہیں۔ . . . . بادشاہ نے دریافت کیا، کہ آپنے اپنا نام تیغ بہادر رکھوایا ہے، تیغ بہادری کہاں دکھائی ہے، گورو صاحب نے جواب دیا، کہ تیغ بہادر ظاہر ہوا ہے، ایسی تیغ بہادری دکھلاؤنگا کہ گئو براہمن کا دکھ دور کرونگا، تیرے انصاف کی جگہ شور ڈالوں گا، تیرے صوفیوں کی جگہ عملی (افیون کھانے والے) پیدا کرونگا، تمہارے دین یعنی اسلام پر گھوڑی کی طرح زین ڈالونگا۔ بادشاہ نے حکم دیا، کہ ان کو نظر بند کردو، جب ہم کو کرامت دکھائیگا، تب چھوڑینگے، گورو صاحب نے ایک سکھ راجپوت کو کہا، کہ گورو کے گھر سب کچھ ہے انہوں نے (یعنی مغلوں نے پہلی پادشاہی (بابا نانک صاحب) کو بھنگ پلا کر بادشاہی حاصل کی ہے، ہم اپنا سر دیکر واپس لے لینگے، پھر ایک راجپوت سکھ

تاں اس چلائی تاں صاحب دا سر دھڑ تیں جدا ہو گیا۔ (بھگت رتناولی صفحہ ۲۱۹)	کو حکم دیا، کہ ہم پر تلوار چلاؤ، تب اس سکھ نے تلوار چلائی، گورو تیغ بہادر صاحب کا سر تن سے جدا ہو گیا۔

تیسری شہادت بابا سروپ چند کی ہے، جن کی کتاب مہماں پرکاش کا قلمی نسخہ پبلک لائبریری لاہور میں موجود ہے، سکے مصنف بھائی ویر سنگھ صاحب نے اس کی تصنیف کا سمت ۱۸۳۳ بکرمی بتایا ہے، گویا اس کی تالیف کا زمانہ گورو گوبند سنگھ صاحب کے بعد قریبی ہے، اس میں گورو تیغ بہادر صاحب کے قتل کا ذکر اس طرح لکھا ہے۔

مُشت بھانگ پر دینا را جا	دے سیس لیہہ نج بچن سما جا
دھرم ہیت سیس اب دیجئے	جنجو تلک جوگت رکھ لیجئے
اک راجپوت لیا بُلا سئے	جو کی موہرے سیوک کے بھائے
کربچن پریودھ دیال تس بھاکھا	یہ تلوار جو تم ہتھ راکھا
یہ بھلی بھگوتی تیچھن دھارا	اک دھرم کاج تم کرو ہمارا
ہم دھرم ہیت تن تیاگن چہا	نج سیوک جان تو سو میں کہا

سن تاکے سنکا بڑی سر نہ سکے گور کاج

کرپا درشٹ تا پر کرتیو بھیا ہردے گیان سماج

تب من موکئیو بچارا	گور رب بدھ کرن کراون ہارا
گور بچن چلی کھنڈ کی دھارا	کربچن سیس بھیا تن سو نیارا
یہ دھرم ہیت پر بھ ساکا کینا	سیس دیا پر سرر نہ دینا

(مہماں پرکاش صفحہ ۰۰ ۳ قلمی)

یعنی گورو صاحب نے فرمایا بھنگ کی مٹھی پر اِن (مغلوں) کو ہم نے راج دیا ہے، اب اپنا سر دیکر واپس لے لیں گے، اور تلک زنار کی حفاظت کرینگے، پھر ایک راجپوت مرید کو بلایا، اور مہربان گورو

نے اُسے کہا، یہ تلوار جو تمہارے ہاتھ میں ہے، جس کی دھار بہت تیز ہے۔ اس سے ایک دھرم کا کام کرو، ہم دھرم کے لئے جان دینا چاہتے ہیں، گورو کے کہنے پر اس نے تلوار کی دھار سے آپ کا سر تن سے جدا کر دیا، یہ سب کچھ گورو نے دھرم کے لئے کیا۔

چوتھی شہادت | بھائی سکھا سنگھ صاحب کی ہے، آپ گورو گوبند سنگھ صاحب کے قریباً ساٹھ برس بعد ہوئے، آپ آنندپور کے رہنے والے تھے اور گوردوارہ کیس گڑھ کے سیوادار تھے، آپ نے گوربلاس پادشاہی دس تصنیف کی، چونکہ آپ گورو گوبند سنگھ صاحب کے بعد قریب کے زمانہ میں ہوئے ہیں، اس لئے آپ کو معتبر ذرائع سے گورو نبد سنگھ صاحب اور ان کے خاندان کے حالات پہونچے، آپ گورو تیغ بہادر صاحب کے قتل کے متعلق لکھتے ہیں، کہ ایک سکھ نے گورو صاحب کے ارشاد کے مطابق آپ کو قتل کیا تھا، چنانچہ لکھا ہے:۔

بہادر سو تیغ پُج مان بیگ
بہو جھکے آن پربھ اک نہ مان
اک دینا ناتھ کہی سکھ گاتھ
جپ پڑھ پربین بھئے دھیان لین
سکھ کھڑگ کاڈھ کرچپر تر گاڈھ
تب اُڑا سیس بھیو لوپ ایس

(گوربلاس پادشاہی دس ادھیائے ۵ صفحہ ۸۹)

یعنی گورو تیغ بہادر صاحب نے اپنے سکھ کو کہا، کہ میرا بچن مان لو، جب آپ جپ جی صاحب پڑھکر سجدہ میں گئے، تو سکھ نے تلوار نکال کر چلا دی، اور آپ کا سر تن سے جدا ہو گیا۔

پانچویں شہادت | ایک ہندو مورخ پنڈت شردھا رام کی ہے، جس نے ۱۸۶۶ء میں حسب فرمائش مسٹر میکلوڈ صاحب لیفٹنٹ گورنر پنجاب کتاب "سکھاں دے راج دی وِتھیا" تصنیف کی، اس کے صفحہ ۵۲ میں بھی یہی لکھا ہے، کہ گورو تیغ بہادر صاحب کو انکے کہنے کے مطابق ایک سکھ نے تلوار سے قتل کیا۔

مندرجہ بالا مضمون میں دو طرح کی شہادتیں پیش کی گئی ہیں، گو دونوں میں تضاد ضرور ہے لیکن پھر بھی دونوں شہادتوں سے عالمگیر اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کا دامن پاک ثابت ہے۔ اگر پہلی قسم کی شہادتوں کو درست تسلیم کیا جائے تو ان سے ثابت ہے، کہ گورو صاحب نے مالوہ کے علاقہ میں ایسی کارروائیاں کیں، جو حکومت کی نظر میں پسندیدہ نہ تھیں، اس وجہ سے آپ کو دہلی بلایا گیا، وہاں کرامت طلب کئے جانے پر آپ نے ارشاد فرمایا، کہ یہ تعویذ جس گردن پر باندھا جائے، اس پر تلوار کا اثر نہ ہوگا اور آزمائش کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا، لیکن نتیجہ برعکس برآمد ہوا، یعنی تلوار لگنے سے آپ کا سر کٹ گیا، ظاہر ہے، کہ اورنگ زیبؒ کا اس میں کوئی قصور نہ تھا۔ ان روایات میں نہ آپ کو مسلمان بنانے کی کوشش کا کوئی ذکر ہے، اور نہ کشمیر کے پنڈتوں کو مسلمان بنانیکا کوئی تذکرہ۔

اور اگر دوسری قسم کی شہادتوں کو لیا جائے، جو سکھوں کی پرانی اور مستند تاریخوں سے ہم نے ابھی درج کی ہیں، تو ان سے بھی حضرت اورنگ زیبؒ بری ثابت ہوتے ہیں کیونکہ ان میں لکھا ہے، کہ گورو مہاراج نے اپنے ایک سکھ مرید کو تلوار چلانے کا حکم دیا، جس کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے، کہ گورو صاحب نے یہ اقدام حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کی ایک پیشگوئی کو پورا کرنے کیلئے اختیار کیا، اور وہ پیشگوئی یہ ہے، کہ جب باباصاحبؒ نے تیمور سے سات مٹھیاں بھنگ کی لیکر اسے سات پشت تک حکومت کرنے کی دُعا دی تو بالا جی نے جو پاس بیٹھے تھے، عرض کی، کہ مہاراج! ہم کیا کرینگے تب باباصاحب نے جواب دیا، کہ ہم سات سر دے کر مغلوں سے بادشاہی واپس لے لیں گے (گور بلاس پادشاہی چھ) اور گورو تیغ بہادر صاحب اپنا سر دیکر اس پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے دہلی گئے، اور اپنے ایک سکھ مرید سے تلوار چلوا کر پیشگوئی کو پورا کیا۔ ہم اس وقت باباصاحب کی پیشگوئی کی حقیقت پر بحث نہیں کرینگے، لیکن یہ بات معتبر حوالجات سے صاف ثابت ہے کہ گورو صاحب کا اس پیشگوئی کی سچائی پر ایمان تھا، اور اسے پورا کرنے کے لئے آپ نے اپنا سر دیا، کیونکہ آپ یہ سمجھتے تھے، کہ پیشگوئی اسی طرح پوری ہوگی، کہ میں اپنا سر قربان کردوں، خواہ اس قربانی کا طریقہ کچھ ہی ہو، یعنی کوئی مخالف آپ کا سر لے، یا آپ اپنے ایک مرید کو کہکر اپنا سر قلم کرائیں ؛

نئی کتابیں

ویدوں میں احمد اور قادیان

یہ مولوی ناصرالدین عبداللہ صاحب مولوی فاضل، کاویہ تیرتھ، ویدبھوشن پروفیسر جامعہ احمدیہ اور پنڈت ترلوک چند صاحب شاستری کا دلچسپ مناظرہ ہے، مولوی ناصرالدین عبداللہ صاحب نے اتھرو وید سے ایک رشی کی پیشگوئی ثابت کی ہے جس کا نام احمد اور مقام قدون یعنی قادیان بتایا گیا ہے۔ پنڈت ترلوک چند صاحب نے اس کی تردید کی ہے۔ یہ مناظرہ تحریری ہوا تھا، بعد میں ہردو فاضل مناظروں نے اپنے اپنے پرچے قادیان کی ہندو مسلم پبلک کے سامنے پڑھکر سنائے تھے، اب یہ پرچے مکتبہ احمدیہ قادیان کی طرف سے شائع کردیئے گئے ہیں۔ بحث نہایت دلچسپ اور علمی ہے۔ کتاب کے ابتداء میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کا، جو مناظرہ کے صدر تھے، دیباچہ بھی ہے، اس کی عام اشاعت ہونی چاہیئے تا ہندو اصحاب کو سلسلہ کی طرف توجہ پیدا ہو، ایک نسخہ کی قیمت دو آنے، پچیس کی قیمت تین روپے، پچاس کی پانچ روپے، اور سَو کی نو روپے ہے۔ مکتبہ احمدیہ قادیان سے طلب فرمائیں۔

فضلِ عمرؓ

یہ کتاب جو انگریزی میں ہے، اور ۲۰×۳۰ سائز کے ۲۴۴ صفحات پر مشتمل ہے، محترم صوفی عبدالقدیر صاحب نیاز بی۔ اے ایڈیٹر رسالہ ریویو انگریزی نے تالیف کی، اور خلافت جوبلی کے موقعہ پر میسرز سلطان برادرز قادیان نے شائع کی ہے۔ اس میں سیدنا حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی زندگی کے واقعات نہایت دلچسپ رنگ میں بیان کئے گئے ہیں، کتاب کا خاص موضوع حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ کی خلافت ہے، اس کا پس منظر دکھانے کے لئے اوّل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندانی حالات مختصراً بیان کئے گئے ہیں، پھر حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بشارات میں سے بالخصوص ان بشارتوں کا ذکر ہے، جو سیدنا حضرت امیرالمؤمنین کی ذات سے تعلق رکھتی ہیں، پھر یہ دکھایا ہے، کہ یہ بشارات کیونکر پوری ہوئیں، حضرت خلیفۃ المسیح اوّلؓ کی وفات کے بعد مسئلہ خلافت پر جماعت احمدیہ کے اختلاف کی تاریخ پر مفصل روشنی ڈالی گئی ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے، کہ کس طرح خدا تعالےٰ نے حضرت خلیفہ ثانی ایدہ اللہ کو جماعت کی قیادت کے لئے چُنا، اور تمام جماعت کے قلوب کو آپ کی طرف پھیردیا، مخالفین کی معاندانہ کارروائیوں

کا ذکر بھی ہے اور ان کی ناکامی کا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے۔ ان تمام حالات کو پڑھکر سلسلہ کی تاریخ کے اِس اہم واقعہ کا صحیح علم ہو جاتا ہے۔ گو اُردو میں اس سے قبل بہت سا لٹریچر اس موضوع پر موجود ہے، مگر انگریزی میں بہت کم تھا۔ یہ کتاب اس میں قابلِ قدر اضافہ ہے۔ انگریزی دان اصحاب کے لئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ کتاب کے آخری حصہ میں حضرت امیر المؤمنین کے عہدِ خلافت میں جماعت احمدیہ کی ہر قسم کی ترقی اور تبلیغی کوششوں کی تفصیل بھی درج ہے۔ مختلف مشنوں کے حالات بھی لکھے گئے ہیں اور سب سے آخر میں آپ کے ذاتی اوصاف و کمالات کا بیان ہے۔ کتاب کی ایک خوبی یہ ہے، کہ زبان بہت سلیس ہے۔ کاغذ اعلیٰ ہے اور طباعت بھی عمدہ ہے۔ قیمت عمر ہے۔

خطبات نکاح

ملک فضل حسین صاحب احمدی مہاجر نے ایک اور کارِ نمایاں کیا ہے کہ سیدنا حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ کے فرمودہ خطبات نکاح دو جلدوں میں شائع کر دیئے ہیں۔ خطبات کے نفسِ مضمون کے متعلق تو حضور کا نام نامی کافی ضمانت ہے۔ سب جانتے اور مانتے ہیں کہ حضور جس مضمون کے متعلق بھی کچھ فرماتے ہیں، انتہاء کمال تک پہنچاتے ہیں۔ پس یہ مجموعہ بھی ازدواج کے متعلق ہر قسم کی واقفیت پر مشتمل ہے۔ علم و عرفان کا خزینہ حقائق و معارف کا گنجینہ سستے داموں مل سکتا ہے۔ چاہیئے کہ احباب جماعت اسے خرید کر مرتب کا حوصلہ بڑھائیں، اور خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھائیں۔ کاغذ نہایت نفیس، کتابت طباعت قابلِ قدر، حصہ اوّل میں ۱ تا ۶۹ خطبات ہیں صفحات ۳۰۸ اور دوسرے میں ۷۰ تا ۱۱۵ صفحات ۳۰۴ قیمت فی حصہ دس آنے۔ ملنے کا پتہ۔ مینیجر احمدیہ کتابستان قادیان۔

خلافت حقّہ

فاضل حقائق آگاہ مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب ادام اللہ فیضہ وظلہ مفتی سلسلہ احمدیہ و سابق پرنسپل جامعہ احمدیہ نے یہ رسالہ لکھا اور شائع فرمایا ہے۔ اس میں دو مسائل پر کتاب و سنّت سے دلائل دیئے گئے ہیں (۱) خلیفے خدا ہی بناتا ہے (۲) عزلِ خلفاء نہیں ہو سکتا۔ مولانا موصوف کی وسعتِ نظر اور علمی تبحّر کا ایک زمانہ قائل ہے۔ تمام علم دوست احباب کو چاہیئے، کہ وہ اس رسالہ کا مطالعہ فرمائیں اور دوسروں کو بھی دکھائیں۔ اعتراضات جو کئے جاتے ہیں ان کے جواب بھی درج ہیں۔

وصیتیں

نمبر ۵۵۲۲۔ منکہ سید غلام مصطفےٰ ولد سید خلافت حسین صاحب قوم سید پیشہ زمینداری و تجارت عمر تخمیناً ۴۳ سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۲۵ء ساکن موضع اورین ڈاکخانہ کجرا ضلع مونگھیر صوبہ بہار بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۸ ۴۳ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اسوقت حسب ذیل ہے۔ (الف) حقیت ملکیت چند توزیعات مع اراضیات بکاشت دحقیت جوٹ ہائے رعیت خاص با حق مقابضت قابل الانتقال و حقیت ملکیت مع اراضی بکاشت رعیتی رہن باقبضہ واقع چند مواضعات مدرن پرگنہ ہائے سورج گڑھ وسنگھول ضلع مونگھیر جو خاص قبضہ و دخل میں منتقر کے ہے جس کی مالیت بحالت موجودہ مبلغ -/۴۶۰۰ روپے تخمینہ ہے (ب) کاروبار تجارت میڈیکل ڈسپنسری موسومہ آئیڈیل فارمیسی واقع سٹیشن روڈ شہر مظفرپور کے جس میں نصف حصہ منتقر کا بشرکت ڈاکٹر سید منصور احمد صاحب احمدی برادر موصی کے ہے۔ و بحالت موجودہ مالیت کاروبار تجارت مذکور حصہ نصف منتقر کی تخمیناً -/۴۰۰۰ روپیہ ہے۔ حسب صراحت بالا جملہ مالیت منتقر کی جائیداد تخمیناً مبلغ -/۸۶۰۰ روپیہ ہوتی ہے۔ اور منتقر کے ذمہ زوجہ منتقر بی بی رضیہ بیگم دختر سید وزارت حسین صاحب احمدی کہ وہ احمدی نہیں مبلغ پانچہزار روپیہ دین مہر واجب الادا اقتضا کے معجلاً ایکے -/۱۹۰۰ روپیہ میں ادا کرچکا ہوں اور مبلغ -/۳۱۰۰ منتقر کے ذمہ ہنوز واجب الادا ہے اگر میں اس رقم کو اپنی زندگی میں ادا نہ کرسکوں تو بقیہ دین مہر مذکور میری جائیداد سے ادا کی جائے۔ میرا گذارہ صرف جائیداد مذکورہ بالا پر نہیں ہے، بلکہ منتقر کو کاروبار تجارتی مشترکہ سے مبلغ پچاس روپے ماہوار بطور الاؤنس کے ملتا ہے۔ میں تا زیست دیتا رہنے اس الاؤنس کے یا جو بھی دیگر صورت آمد سوائے جائیداد کے ہوگی۔ اس آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری خالص جائیداد بعد وضع دین مہر و دیگر قرض کے جو بوقت وفات ثابت و قائم ہو۔ اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں تو اسی قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کردیا جائیگا۔ دین مہر ادا ہوکر یا جدید جائیداد حاصل ہوکر یا دیگر کسی صورت سے جو کچھ بھی کمی و بیشی مالیت میں جائیداد کے ہوگی۔ اس کی اطلاع حسب موقع منتقر صدر انجمن احمدیہ قادیان میں دیتے رہنے کی حتی الوسع کوشش کریگا۔ العبد موصی ۔ سید غلام مصطفےٰ احمدی۔ گواہ شد ۔ سید منصور احمد۔ گواہ شد۔ سید وزارت حسین پراونشل نائب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ بہار۔

نمبر ۵۵۶۵۔ منکہ عبدالرحمٰن خاں ولد ریاضت خاں قوم پٹھان پیشہ ملازمت عمر ۳۵ سال تاریخ بیعت ۹ ۲۴ بمقام پنیاؤٹ ڈاکخانہ برہمن بڑیہ ضلع ٹپرہ صوبہ بنگال بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ ۴۳ ۲۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں

میرا گذارہ اس وقت ملازمت پر ہے۔ جسکی تنخواہ ماہوار ابھی ۔/۳۰ روپے ہے جسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور آئندہ اقرار کرتا ہوں، کہ میری جس قدر ماہوار آمد ہوگی اسکا ۱/۱۰ حصہ بحق صدر انجمن احمدیہ ادا کرتا رہونگا اور میرے مرنیکے بعد جسقدر جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ثابت ہو۔ اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ عبدالرحمن خاں حال قادیان۔ گواہ شد۔ پیر منظور محمد بقلم خود قادیان۔ گواہ شد۔ سید اعجاز احمد مولوی فاضل دار الانوار قادیان۔

نمبر ۵۵۶۲۔ منکہ میر محمد ولد مراد علی مرحوم قوم ککے زئی پٹھان پیشہ زراعت عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۲۲ء ساکن نوشہرہ ککے زئیاں ڈاکخانہ نوشہرہ ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/ہ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ (۱) اراضی ملکیت خود بیس بیگھہ ایک کنال قیمتی تین ہزار (۳۰۰۰) (۲) اراضی مرہونہ ۳ مرلہ ۳ بیگھہ قیمتی ایکہزار (۱۰۰۰) (۳) مکان سکونتی قیمتی ایکہزار دو سو (۱۲۰۰) (۴) ظروف مسی و تانبہ قیمتی پچاس روپے (۵۰) (۵) نقد بنک میں ۴/۱۲/۱۶۱۴ روپے میزان کل جائیداد متذکرہ بالا پانچہزار چھ سو چھیاسٹھ روپے چودہ آنے چھ پائی۔ میں اپنی اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ جو رقم میں اپنی زندگی میں وصیت کی مد میں داخل کرونگا۔ اس سے منہا کی جائیگی باقی کے واسطے میں خود ہی اپنی زندگی میں ادا کرنے کی کوشش کرونگا، یا میرے بعد میرے وارثان وصیت کو ادا کرنے کے پابند ہونگے۔ کمی و بیشی کے متعلق اطلاع دی جائیگی۔ میں اب ملازمت سے علیحدہ ہو چکا ہوں۔ میری وفات پر جس قدر جائیداد ثابت ہو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ میر محمد ککے زئی پٹھان گواہ شد۔ محمد لطیف ولد محمد حسین قوم جٹ باجوہ تلونڈی عنایت خاں ڈاکخانہ پسرور ضلع سیالکوٹ۔ گواہ شد۔ غلام نبی ساکن نوشہرہ۔ گواہ شد۔ اللہ رکھا ولد امیر ساکن نوشہرہ۔

نمبر ۵۵۶۳۔ منکہ محمد عبد الصمد ولد ایم عبد الواحد صاحب قوم لستی پیشہ تعلیم عمر بیس سال پیدائشی احمدی ساکن جالندھر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲ ماہ تبلیغ ۱۳۱۹ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں اس وقت میری کوئی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد نہیں ہے کیونکہ بفضلہٖ تعالےٰ میرے والدین زندہ موجود ہیں میرا گزارہ مبلغ ۱۰؎ روپے ماہوار جیب خرچ پر ہے جو کہ والد صاحب کی طرف سے مجھے ملتا ہے میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں جو کہ انشاء اللہ ماہوار ادا کرتا رہونگا۔ نیز بوقت وفات اگر اس کے علاوہ میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو، تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی، کمی بیشی کی صورت میں اطلاع دی جائیگی۔ العبد۔ محمد عبد الصمد متعلم جامعہ احمدیہ درجہ ثانیہ۔ قادیان۔ گواہ شد۔ غلام حیدر بی۔ اے۔ مدرس مدرسہ احمدیہ۔ گواہ شد۔ (صاحبزادہ) مرزا ناصر احمد۔

ویدوں میں احمدؐ اور قادیان

ایک دلچسپ مناظرہ

مولانا ناصر الدین عبداللہ صاحب مولوی فاضل اکاویہ تیرتھ، ویدبھوشن، پروفیسر جامعہ احمدیہ قادیان سات سال تک بنارس میں سنسکرت اور وید پڑھکر آئے ہیں آپ نے اتھروید سے ایک پیشگوئی نکالی ہے جس میں ایک رشی احمد نام کی آمد کا ذکر ہے۔ اس رشی کا مقام قدرون یعنی قادیان بتایا گیا ہے۔ چند روز ہوئے پنڈت ترلوک چند صاحب شاستری آریہ سماجی نے مولوی صاحب موصوف سے اس پیشگوئی پر تحریری مناظرہ کیا جس کے پرچے ایک بڑے مجمع میں سُنائے گئے۔ اب یہ پرچے افادہ عام کے لئے ایک رسالہ کی شکل میں شائع کئے گئے ہیں۔ یہ بحث علمی اعتبار سے بہت دلچسپ ہے۔

رسالہ کے شروع میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب فاضل کا جو اس مناظرہ کے صدر تھے، دیباچہ ہے جس میں اس بحث پر تبصرہ ہے۔ ایک رسالہ کی قیمت ۲ آنے۔ پچیس کی تین روپے۔ پچاس کی پانچ روپے اور سَو کی نو روپے ہے۔ ہندو اصحاب میں تقسیم کرنے کے لئے آج ہی خط لکھکر طلب فرمائیں۔ بہت تھوڑی تعداد میں چھاپا گیا ہے۔

مکتبہ احمدیہ قادیان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھو الذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (قادیان)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر ناظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۳۹ | ۲۳ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم جون ۱۹۴۰ء | نمبر ۶

فہرست مضامین

اداریہ:-

خودی کا راز | مولانا سید سلیمان ندوی نے ۱۰ر مارچ کو مسلمانانِ پشاور کے سامنے سیرت کے موضوع پر تقریر فرمائی جس کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا ممدوح فرماتے ہیں:-

"آخر میں مسلمانوں کو "خیر الامم" کا جو لقب دربارِ الٰہی سے ملا ہے، اس کی تشریح کی گئی، اور بتایا گیا، کہ دنیا میں اور اس ملک میں ہر مسلمان کو یقین رکھنا چاہیئے، کہ توحید کے علمبردار، قرآن پاک کے حامل اور خیر الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے دنیا میں ان سے اونچا اور ان سے بہتر کوئی نہیں، خودی کا یہ راز درحقیقت قوموں کی زندگی کا راز ہے"۔ (معارف بابت ماہ مئی ۱۹۴۰ء)

مولانا کے یہ الفاظ زرّیں حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔ اس میں کچھ شک نہیں، کہ غیر حقیقی احساسِ کمتری (Inferiority Complex) جہاں افراد کی ترقی و تعالی میں زبردست روک بن جاتا ہے، وہاں قوموں کی حیاتِ ملّی کے لئے بھی سمِّ قاتل کا حکم رکھتا ہے۔

اسلام نے سب سے پہلے توحید کا سبق دیکر انسان کو، جو بتوں کے آگے سرنگوں تھا، اس کے اعلیٰ مقام سے آگاہ کیا، اور اُسے یہ تصوّر بخشا، کہ وہ دنیا کی ہر چیز کا مالک ہے، اور اس طرح اُسے ذلّت اور پستی کے گڑھے سے نکالکر ذہنی رفعت کا بلند مقام عطا فرمایا۔ یہ تو انسان کی عمومی حیثیت کی برتری کا اظہار و اعلان تھا، مگر مسلمانوں کو، جو حقیقی انسانیت کے سچے علمبردار تھے، اسلام نے "خیر الامم" کا معزز لقب دیا، اور ان کو بتایا، کہ دنیا کی کوئی قوم اور مذہب ان سے بلند اور بہتر نہیں ہے۔ نہ دنیاوی لحاظ سے اور نہ روحانی اعتبار سے۔ گویا پہلے انسان کو دنیا کی تمام چیزوں

سے افضل و اشرف قرار دیا، اور پھر مسلمان کو اس کا بھی بادشاہ اور سردار ٹھہرایا۔

یہ وہ "خودی" کا راز ہے، جو اسلام نے مسلمانوں کو بتایا، اور تاریخ عالم کے صفحات اس امر پر گواہ ہیں، کہ مسلمانوں نے اس راز کی حقیقت کو سمجھکر دنیا پر ہر لحاظ سے برتری اور فوقیت حاصل کی، اور صحیح معنوں میں اپنے تئیں "خیر الامم" کے لقب کا، جو انہیں دربار الٰہی سے ملا تھا، مستحق ثابت کیا۔

لیکن آہ! یہ کسقدر حسرت اور افسوس کا مقام ہے، کہ مسلمانوں نے اپنے اس بلند مقام اور حیثیت کو قائم نہ رکھا، اور آہستہ آہستہ "خودی" کے اس سبق کو بالکل فراموش کر دیا، جسکا نتیجہ یہ ہے، کہ اب ان میں قومی بلندی کا تخیل نام کو بھی نہیں رہا، اور وہ دوسروں کو اپنے سے اعلیٰ اور اشرف سمجھ رہے ہیں۔

مسلمان قوم میں اپنی برتری اور فضیلت کے تصور کا یہ فقدان صرف دنیاوی لحاظ ہی سے نہیں ہے، بلکہ مذہبی اور روحانی اعتبار سے بھی ہے۔ اور ہمارے لئے یہ حقیقت بیحد قلق انگیز ہے، کہ مسلمانوں کے وہ قومی رہنما بھی، جنھیں "اساتذہ خودی" کہنا چاہیئے، اپنی قوم میں روحانی "خودی" پیدا کرنے سے نہ صرف غافل ہیں، بلکہ اس جہت میں خود اس مرض کے شکار رہیں، جس میں انکی قوم مبتلا ہے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال "فلسفہ خودی" کے "پیغامبر" مشہور ہیں، اور ان کی شاعری کا لب لباب ہی یہ بیان کیا جاتا ہے، کہ انہوں نے قوم کو "خودی" کے راز سے آگاہ کیا، مگر یہ کسقدر حیرانی کی بات ہے، کہ روحانی میدان میں انھوں نے بھی وہی غلطی کھائی، جو عوام نے کھائی تھی۔ ڈاکٹر صاحب موصوف کے وہ مضامین جو انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں جماعت احمدیہ کے خلاف لکھے، انھیں پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے،

کہ "خودی" کا یہ استاد امتِ محمدیہ کے روحانی کمالات کے بلند مقام سے، جو اُسے خدا کی آخری اور مکمل شریعت کے حامل، خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی امت اور "خیر الامم" کے معزز لقب سے سرفراز کئے جانیکی وجہ سے حاصل ہے، سراسر ناآشنا تھا، اور وہ روحانی کمالات کے حصول میں امتِ مرحومہ کا مقام دوسری قوموں کے مقام سے بلند نہ سمجھتا تھا۔

مولانا سید سلیمان ندوی کی ہماری نگاہ میں بہت عزت ہے، وہ ایک بلند پایہ عالم اور فاضل بزرگ ہیں لیکن کیا یہ ورطۂ حیرت میں ڈالنے والی بات نہیں ہے، کہ مسلمانوں کو "خودی" کا درس دینے کے باوجود امت کے روحانی کمالات کے باب میں آپ کا بھی وہی مسلک ہے، جو عوام کا ہے۔ ہم مولانا ممدوح سے باادب درخواست کرتے ہیں، کہ "خودی" کے نقطۂ نگاہ سے "خیر الامم" کے روحانی کمالات کی بلندی کا اندازہ کرکے اپنے مسلک پر نظرِ ثانی فرمائیں۔

حضرت خیر الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کا درجہ روحانی کمالات کے اعتبار سے اسقدر بلند ہے، کہ گذشتہ انبیاء میں سے بڑے بڑے اولوالعزم نبیوں نے یہ خواہش اور آرزو کی ہے، کہ وہ اس اُمت میں پیدا کئے جائیں، تا وہ ان درجاتِ عالیہ اور مراتبِ روحانیہ کے وارث ہوں، جو محض اس عظیم الشان نبیؐ کی پیروی کی برکت ہی سے مل سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت کے فضائل ذکر کرکے دعا کرتے ہیں۔ یَا رَبِّ فَاجْعَلْنِیْ مِنْ اُمَّۃِ اَحْمَدَ۔ یعنی اے میرے رب مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے کر دے۔[1] اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ "خیر الامم" کا درجہ کتنا بلند ہے۔

یہ کہ ہمارے اسلاف اپنے اس رفیع المرتبت درجہ سے بخوبی واقف تھے، اس کا علم مندرجہ ذیل واقعہ سے

[1] دلائل النبوۃ جلد اول صفحہ ۱۴

ہوتا ہے۔ حضرت غوث اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"میرے پاس ابوالعباس خضر علیہ السّلام آئے، تا ان امور میں میرا امتحان لیں جن میں انھوں نے مجھ سے پہلے اولیاء کا امتحان لیا تھا، مجھ پر ان کی اندرونی حالت منکشف کی گئی، اور مجھے وہ طریق بھی بتایا گیا جس سے میں انھیں مخاطب کروں، میں نے ان سے، جب انھوں نے سر نیچا کیا ہوا تھا، کہا، اے خضر! اگر تم نے موسیٰ سے یہ کہا تھا، کہ لَنْ تَسْتَطِيعَ مَعِيَ صَبْرًا۔[1] تو میں کہتا ہوں، کہ اے خضر! تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا، اگر تم اسرائیلی ہو تو میں محمدی ہوں، پس آؤ، یہ میں اور آپ ہیں، اور یہ گیند اور میدان ہے، اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور خدا بھی ہیں، یہ میرا گھوڑا لگام و زین سے کسا ہوا تیار ہے، اور میری تلوار کھنچی ہوئی اور برہنہ ہے۔"[2]

یہ وہ "خودی" ہے، جو ایک مسلمان کے شایانِ شان ہے۔ اور جب مسلمان اس مقام سے نیچے گر گئے، تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پھر ان کو "خودی" کا سبق دیا، اور آپ وہ روحانی استاد "خودی" ہیں، جنہوں نے اس زمانہ میں "خیر الامم" کو اس کے روحانی مرتبہ کی بلندی اور رفعت سے آگاہ و آشنا کیا۔ چنانچہ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے برکات کا بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں؎

صد ہزاراں یوسفے بینم دریں چاہِ ذقن　　　واں مسیحِ ناصری شد از دمِ اوبے شمار

نیز فرمایا؎

کرامت گرچہ بے نام و نشان است　　　بیا بنگر زغلمانِ محمدؐ

پھر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی متابعت کی برکت سے اپنا مقام یہ بتایا؎

اینک منم کہ حسبِ بشارات آمدم　　　عیسےٰ کجاست تا بنہد پا بمنبرم

---

[1] تو میرے ساتھ صبر نہیں کر سکے گا (کہف - ۹)

[2] قلائد الجواہر صفحہ ۱۶ -

یہ دراصل ان لوگوں کا جواب ہے، جو یہ کہتے تھے، کہ امّتِ محمدیہ کی اصلاح کیلئے اسرائیلی مسیحؑ آسمان پر نازل ہونگے۔ ظاہر ہی، کہ یہ عقیدہ "خیر الامم" کی "خودی" کے بالکل خلاف تھا، اس لئے آپ نے اس کی پرزور تردید کی۔ سچ یہ ہی، کہ اگر اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ مبعوث نہ ہوتے، تو امّتِ مرحومہ کی "خودی" کا نام و نشان مٹ جاتا۔ اللہ تعالےٰ آپؑ پر ہزاروں رحمتیں نازل فرمائے۔

"یوم التبلیغ نمبر" | رسالہ ہذا کا آئندہ نمبر انشاء اللہ "یوم التبلیغ نمبر" ہوگا۔ اس میں سلسلہ کے علماء اور اہلِ قلم اصحاب کے نہایت قیمتی مضامین احمدیت کی صداقت پر درج ہونگے۔ "یوم التبلیغ" کے موقعہ پر یہ ایک بے نظیر تبلیغی تحفہ ہوگا اس نمبر کے مضامین کا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے، کہ اس میں پچاس پچاس روپے کے دو انعامی مضامین بھی ہونگے، جنکے عنوان یہ ہیں۔ (۱) "تحریک احمدیت کے قیام کا مقصد اور ضرورت" (۲) "حضرت مسیح موعود بطلِ اسلام کی حیثیت میں"۔ اس خیال سے کہ احباب اس کی بکثرت اشاعت کرسکیں، قیمت نہایت واجبی یعنی پانچ آنے فی نسخہ رکھی گئی ہے۔ کاغذ کی موجودہ گرانی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ نہایت معمولی قیمت ہے۔ زیادہ نسخوں کے خریدار کو رعایت دی جائے گی۔

انعامی مضامین | جیسا کہ قبل ازیں اعلان کیا جاچکا ہے، ہم انشاء اللہ امسال اڑھائی سو روپے کے انعامی مضامین اس رسالہ میں شائع کرینگے۔ مضامین کی فہرست مشتہر کی جاچکی ہے۔ مقالہ نویسی کے اس مقابلہ میں جو اصحاب شریک ہونا پسند کریں، وہ اپنے اپنے مضمون کے انتخاب سی ہمیں جلد از جلد مطلع کریں۔ بطور یاددہانی پھر اعلان کیا جاتا ہی، کہ "جماعت احمدیہ کے قیام کا مقصد اور ضرورت" اور "حضرت مسیح موعود علیہ السلام بطلِ اسلام کی حیثیت میں" کے زیر عنوان لکھے ہوئے مضامین ۱۵ رجون تک ہمیں مل جانے چاہئیں۔ ان مضامین پر ہر پہلو سے مفصّل بحث ہونی چاہیئے۔ مضامین آمدہ سے کوئی مضمون واپس نہ کیا جائیگا۔

چین میں اشاعتِ احمدیت کی تاریخ

(از جناب مولٰنا عبدالواحد صاحب مولوی فاضل سابق مبلغ چین)

[چین کے متعلق مولوی صاحب کے دو مضمون اس سے پہلے "ریویو" میں شائع ہو چکے ہیں۔ یہ اسی سلسلہ میں تیسرا مضمون ہے۔ ہم موصوف سے معذرت خواہ ہیں، کہ ان کے مضمون کی یہ قسط بعض مجبوریوں کی وجہ سے بہت دیر سے شائع کر رہے ہیں۔ (ایڈیٹر)]

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آج سے پچاس برس پیشتر اللہ تعالےٰ نے یہ بشارت دی تھی، کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہونچاؤں گا۔ اس الہام کی صداقت، باوجود جماعت احمدیہ کی کمزوری اور بے سروسامانی کے، جس قوت اور شان سے ظاہر ہوئی ہے، اس سے کوئی منصف مزاج انسان انکار نہیں کر سکتا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اس میں سوچنے والوں کے لئے حضرت اقدس کی سچائی کا ایک بڑا نشان ہے۔

اس الہام کی صداقت تو حضرت مسیح موعود کے وقت ہی میں ظاہر ہو گئی تھی، جبکہ احمدیت کا پیغام حضور کی کتابوں کے ذریعہ سے اطرافِ عالم میں پہونچ گیا تھا، لیکن سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ نے اپنے عہد خلافت میں مبلغین احمدیت کو دنیا کے مختلف ممالک میں بھیجکر اس نشان کو اور بھی روشن کر دیا ہے۔ آپ نے خدائی منشاء کے ماتحت اواخر ۱۹۳۴ء میں تحریک جدید جاری کی، جس کا اہم مقصد تبلیغ احمدیت قرار دیا۔ اس تحریک کے ماتحت جہاں اور بہت سے ممالک میں تبلیغی مشن کھولے گئے، وہاں چین میں بھی سب سے پہلے مکرمی

صوفی عبدالغفور صاحب بی۔ اے کو بھیجا گیا۔ صوفی صاحب موصوف نے جون ۱۹۳۵ء میں ہانگ کانگ اور کینٹن کے حالات کا مطالعہ کر کے حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ کی خدمت میں لکھکر عرض کی، کہ یہاں ایک ڈاکٹر اور ایک دینی عالم کا آنا کام کو وسیع کرنے میں سہولت پیدا کرسکتا ہے۔ چنانچہ اکتوبر ۱۹۳۵ء میں مکرم ڈاکٹر لطیف احمد خانصاحب کو بھیجا گیا، جنہوں نے مرکز کی ہدایات کی تعمیل میں کینٹن میں ڈاکٹری پریکٹس شروع کر دی۔ ڈاکٹر صاحب کے علاوہ سیدنا حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ نے خاکسار کو بھی چین بھیجنے کے لئے منتخب فرمایا، اور حضور کے ارشاد کے ماتحت خاکسار جولائی ۱۹۳۶ء میں کینٹن پہونچ گیا۔ صوفی صاحب مکرم زیادہ تر ہانگ کانگ میں کام کرتے رہے، اور خاکسار و ڈاکٹر لطیف احمد خانصاحب کینٹن میں تبلیغی جدوجہد میں کوشاں رہے۔

چونکہ چینی زبان مشکل ترین زبانوں میں سے ہے، اور اسے جلد حاصل کر کے اس میں تبلیغ کرنے کے قابل ہوجانا مشکل امر ہے، اس لئے یہ مناسب سمجھا گیا کہ تبلیغ کو زبان سیکھنے تک ملتوی نہ کیا جائے، کیونکہ اس صورت میں بہت عرصہ تک خاموش بیٹھنا پڑتا، بلکہ تجویز یہ ٹھہری، کہ سرِدست جس حد تک ہوسکے، آواز پہونچانے کی کوشش کی جائے، نیک فطرت لوگ اور روحانی آبِ بقا کے پیاسے معمولی دعوت پر بھی خود بخود دوڑ پڑینگے، اور سچائی کی طرف متوجہ ہوجائیں گے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، اور خدا کی ذات پر بھروسہ کرتے ہوئے تبلیغی کام شروع کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی زبان سیکھنے کی کوشش بھی جاری رہی۔

ہانگ کانگ میں انگریزی سمجھنے والا طبقہ ایک بڑی تعداد میں موجود ہے۔ محترم صوفی صاحب نے اس طبقہ میں حلقۂ تبلیغ کو وسیع کیا۔ معززین کو دعوتوں پر بلایا، جلسے منعقد کر کے لیکچر دیئے، پھر انفرادی تبلیغ بھی کی، اور خطوط کے ذریعہ سے بھی پیغامِ حق پہونچایا۔ علاوہ ازیں ترجمانوں کے واسطے سے چینیوں تک بھی آواز پہونچائی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی تصنیف "اسلامی اصول

کی فلاسفی" کا ایک چینی پروفیسر سے چینی میں ترجمہ کروایا۔ چینی مولویوں اور دوسرے لوگوں کو انگریزی اور عربی میں دعوتِ احمدیت دی۔ اس تمام جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا، کہ ایک نوجوان مسٹر لنگ پھانگ (عبدالرحمٰن) نے احمدیت قبول کی، جو بعد میں صوفی صاحب کی تربیت میں رہا۔

مَیں جب چین میں پہونچا، تو جہاں ایک طرف مَیں چینی زبان سے بے بہرہ تھا، وہاں انگریزی بھی نہایت تھوڑی جانتا تھا، نہ بول سکتا تھا، اور نہ لکھ سکتا تھا، البتہ معمولی طور پر سمجھ سکتا تھا۔ میرے لئے یہ بات سخت پریشانی کا موجب ہوئی، کہ مَیں سوائے اُردو دان طبقہ کے کسی اور تک اپنی آواز نہ پہونچا سکتا تھا۔ اس لئے مَیں نے انگریزی اور چینی زبان سیکھنے پر بہت محنت شروع کر دی۔ خدا کے فضل نے میری مدد فرمائی، اور مَیں تھوڑے ہی عرصہ میں انگریزی میں ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اظہارِ خیال کرنے کے قابل ہوگیا۔ مَیں نے اس بات کی ذرہ پرواہ نہ کی، کہ میری انگریزی کمزور ہے، یا فصیح نہیں، یا اس میں غلطیاں ہیں، بلکہ ہمیشہ یہ بات ذہن میں رکھی، کہ مَیں نے اسلام کی صحیح تعلیم سے ان لوگوں کو کسی نہ کسی طرح سے آگاہ کرنا ہے، خواہ زبان کیسی ہی ہو۔ اسی تڑپ اور جذبہ کے ساتھ کام جاری رہا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد ایک انگریزی سوسائٹی میں رسائی حاصل کر کے جانا شروع کیا۔ جہاں نوجوانوں سے ملاقات کر کے ان کو اسلام کی تعلیم سے آگاہ کرتا رہا۔ یہ سوسائٹی کینٹن کی وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کی شاخ تھی، اور اس کے ہفتہ وار اجلاس ہوتے تھے، جن میں علمی مضامین پر تقریریں کی جاتی تھیں، اس میں انگریز مسیحی مشنری مرد اور عورتیں بھی شامل ہوتی تھیں۔ ایک مرتبہ صوفی صاحب کو بھی یہاں لیکچر دینے کا موقعہ دیا گیا۔ ڈاکٹر لطیف احمد خانصاحب بھی عموماً اسلامی نقطۂ نگاہ سے اخلاقی لیکچر دیتے تھے، اور مذہبی گفتگو کے دوران میں اکثر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا ذکر اور اسلامی تعلیمات کی فلاسفی کا بیان آتا رہتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد مجھے بھی موقعہ دیا گیا، کہ مَیں "عورتوں میں تعلیم کا کیا طریق ہونا چاہیئے"

پر اظہار خیال کروں۔ مَیں نے اپنی تقریر میں بیان کیا، کہ تعلیم ہمیشہ وہ اچھی ہے، جو عقل کو تیز کرے، اور بُری باتوں سے بچا کر اچھی باتوں کو حاصل کرنے کی اہلیّت پیدا کرے، اور جس کے ذریعہ سے انسان ملک اور قوم کی خدمت بہتر طور پر سرانجام دے سکے۔ قومی ترقی اور تنزل میں بہت بڑا دخل عورتوں کا بھی ہے، اس لئے عورتوں کی اچھی تعلیم و تربیت قوم کو مضبوط کرتی ہے، اور بُری تعلیم و تربیت اُسے کمزور اور تباہ کرنے کا موجب ہوتی ہے جس حد تک دوسروں کے ساتھ عورت کی مدد کا تعلق ہے، اس کی تین موٹی حیثیتیں ہیں۔ (۱) عورت بحیثیت ماں۔ (۲) عورت بحیثیت ساتھی یعنی بیوی۔ اور (۳) عورت بحیثیت بیٹی۔ پس جو طریق تعلیم اسے اس قابل بنائے کہ وہ بہتر ماں، بہتر بیوی اور بہتر بیٹی بنے، وہی اس کے لئے موزون ہے اسی سلسلہ میں اسلام کی تعلیم کا بھی مناسب رنگ میں ذکر کیا گیا۔

اس کے بعد ایک دوسرے موقعہ پر پھر مجھے ہندوستان کی تاریخ پر اظہار خیال کرنے کے لئے کہا گیا، مَیں نے اوّلاً ہندوستان کے تاریخی حالات ذکر کئے، اور پھر یہاں کے مذاہب یعنی عیسائیت ہندو مذہب اور اسلام کے اصُول بیان کر کے اعلیٰ اور ادنیٰ کا فیصلہ ناظرین پر چھوڑ دیا۔ میری تقریر کے بعد اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے عیسائیت کے ڈیفنس اور اسلام کی مخالفت میں بعض حاضرین نے بیٹھ کر کچھ گفتگو کی، مگر جب پادری صاحبان حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی خدائی ثابت نہ کر سکے، بلکہ میری جرح کے مقابلہ میں ان کا پہلو کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا، تو بالآخر سیکرٹری نے گفتگو بند کروادی۔ بعد میں کچھ روز تک مباحثہ کے مشورے بھی ہوتے رہے، تا یہ اثر حاضرین سے دور ہو جائے، لیکن پھر اسی بات میں خیر سمجھی گئی، کہ اس سوسائٹی کو منتشر کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی ہوُا، اور پادری صاحبان نے اپنے لوگوں کو مجھ سے اور ڈاکٹر صاحب سے ملنے جُلنے کی ممانعت کر دی۔

اس سوسائٹی کے عارضی التواء کے بعد اسے پھر منظم کیا گیا، اور وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کے زیر انتظام ایک عیسائی مشنری ماہر الٰہیات کے ہفتہ واری لیکچروں کا سلسلہ شروع کیا گیا ہم بھی ان لیکچروں میں شامل ہوتے رہے۔ ایک لیکچر میں انہوں نے عیسائی مذہب میں توحید الٰہی کو ثابت کرتے ہوئے کہا کہ خدا ایک ہے، وہ ہر ایک بات میں وحدت کو پیش کرتا اور پسند کرتا ہے، انسانی فطرت بھی وحدت کو چاہتی ہے۔ ایک سے زیادہ شادیاں بھی اسی لئے منع ہیں، پھر محبت کے تعلق کی فلاسفی بیان کی، اور کہا کہ ایک ہی عورت سے پوری محبت اور تعلق ہونا چاہیئے۔ اور آخر میں یہ اعلان کیا، کہ ہم نے اس مضمون کا بغور مطالعہ کیا ہے، اگر کسی کو کوئی اعتراض کرنا ہو، تو بخوشی کرے، جواب دیا جائیگا۔ اس پر ان سے دریافت کیا گیا، کہ عیسائیت شادی کا انسان کی زندگی روحانی ترقی اور اخلاق پر کیا اثر بتاتی ہے؟ اگر یہ ترقی میں ممد ہے۔ تو عیسائیت میں اسے روکا کیوں گیا ہے؟ دوسرا سوال یہ ہے، کہ اگر ایک سے زیادہ شادیاں کرنا فطرت کے خلاف اور گناہ ہے، تو خدا کی طرف سے مبعوث ہونے والے ہادیانِ مذاہب اور انبیاء میں سے کئی نے ایک سے زیادہ شادیاں کیوں کیں؟ خدا تعالےٰ کے اولوالعزم نبی سلیمانؑ اور حضرت یعقوبؑ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے، جنہوں نے تعدد ازدواج پر عمل کیا؟ پادری صاحب ماہر الٰہیات یہ سوال سنکر بھونچکا رہ گئے، اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا، اِدھر اُدھر کی لاطائل باتیں کر کے آخر میں یہ کہنے لگے، کہ میرے خیال میں تو ایک ہی شادی اچھی ہے، ہاں مَیں یہ نہیں کہہ سکتا، کہ جن نبیوں اور برگزیدگانِ الٰہی نے ایک سے زیادہ شادیاں کیں۔ انہوں نے بُرا کیا۔ پہلے سوال کے جواب میں کہا، کہ اخلاق پر شادی کا اثر اچھا ہی پڑتا ہے، مگر یہ نہ بتایا، کہ پھر عیسائیت میں اسے ممنوع کیوں قرار دیا گیا ہے۔

میرے سوالات کے جوابات سے ابھی پادری صاحب عہدہ برآ نہ ہوئے تھے، کہ خود عیسائیوں

میں سے بعض نے یہ سوال کیا، کہ ایک عورت کا دُو دُو تین تین خاوند رکھنا آپ کے نزدیک کیسا ہے؟ جب یہ ثابت ہو رہا ہے، اور بڑے بڑے بزرگوں کا عمل یہ ہے، کہ ایک مرد کئی کئی عورتیں ایک وقت میں رکھ سکتا ہے، تو عورتوں کو یہ حق کیوں حاصل نہیں؟ اس بیچارے الہیات کے ماہر نے اس کا کیا جواب دینا تھا، اِدھر اُدھر کی باتوں میں ٹالنے کی کوشش کرتا رہا۔ آخر میں مکرمی ڈاکٹر لطیف احمد خانصاحب نے کہا، کہ ہم اس کا جواب دینگے۔ اجازت ملنے پر خاکسار نے قرآن مجید کی آیت نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ پڑھکر بتایا، کہ دیکھو! اسلام نے کس حکیمانہ انداز سے اس مسئلہ کو حل کیا ہے۔ ہر عقلمند انسان اس بات کو بخوبی سمجھ سکتا ہے، کہ ایک کھیت ایک وقت اور ایک موسم میں ایک ہی مالک کے پاس رہ کر فصل دے سکتا ہے، اگر ایک موسم میں ایک کھیت کو مختلف مالک کاشت کریں، اور اس میں مختلف بیج بوئیں، مثلاً کوئی کپاس بوئے، کوئی گیہوں، کوئی چاول، اور کوئی چنے، تو یقیناً کھیت خراب ہوجائیگا اور وہ اس فصل اور موسم کو ضایع کردینگے، اور ان میں سے کوئی بھی اپنی فصل اپنے گھر میں نہ لاسکے گا۔ پس معلوم ہوا، کہ ایک ہی وقت اور موسم میں مختلف مالکوں کا زراعت کرنا خلافِ فطرت ہے، اور جب کھیتی باڑی کا یہ حال ہے، تو انسانی نسل کی فصل کی اس ضمن میں جتنی حفاظت اور احتیاط کی ضرورت ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں۔ یہی وجہ ہے، کہ سوسائٹی میں اس بات کو ہمیشہ سے بُرا سمجھا جاتا رہا ہے، اور یہ اس کے خلافِ فطرت ہونے کا ثبوت ہے۔ پس اسلام نے اس سوال کو نہایت آسان اور عام فہم طریق پر حل کیا ہے۔

میری تقریر کے اختتام پر حاضرین نے قرآن مجید کی پُرحکمت تعلیمات کا کُھلے لفظوں میں اقرار کیا۔ پادری صاحبان پر اس کا یہ اثر ہُوا، کہ انھوں نے ہمارے ساتھ سلسلہ کلام بند کردیا، اور آئندہ لیکچروں پر سوال و جواب کرنے کا طریق بالکل موقوف کردیا۔

نو احمدی مسٹر کنگ پھانگ کے ذریعہ سے صوفی صاحب کا تعارف ان کے ایک رشتہ دار مسٹر اچیونگ سے ہؤا۔ صوفی صاحب نے ان کو بھی تبلیغ شروع کر دی، اور انہیں میرے پاس بھی کینٹن میں بھیجا۔ وہ اردو اور انگریزی جانتے ہیں، خاکسار نے ان سے مذہبی گفتگو شروع کی، تو انہوں نے کہا، کہ ہم مختلف مذاہب کے جھگڑوں میں نہیں پڑتے۔ انسان کو خود ٹھیک رہنا چاہیئے، مذہبی مباحثات میں پڑنا فضول ہے۔ مَیں نے ان کو کہا، کہ فضول جھگڑوں میں پڑنا تو واقعی بُری بات ہے کیونکہ اس سے خواہ مخواہ وقت ضائع ہوتا ہے لیکن صحیح راستہ کی طرف دعوت دینا ضروری ہے۔ انسانی ہمدردی کا یہ تقاضا ہے، کہ بنی نوع انسان کی بھلائی اور خیر خواہی کی جائے، اگر کوئی بے خبر خطرہ سے آگاہ نہیں، اور وہ کنوئیں میں گرنے لگے، یا ڈوب رہا ہو، تو ہم بے اختیار اس کی مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔ اس سے معلوم ہؤا، کہ صحیح فطرت یہ ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کی بھلائی میں کوشش کرتا رہے، اور اسی جذبہ کے ماتحت ہمارا یہ فرض ہے، کہ جو صحیح راستہ ہمیں معلوم ہو، اس سے دوسرے بھائیوں کو آگاہ کریں، تا وہ بھی اس سے مستفید ہو سکیں۔ پھر مَیں نے ان کو اسلام اور احمدیت کی تعلیم بتائی، اور آہستہ آہستہ مختلف وقتوں میں تبلیغ کا سلسلہ جاری رہا، تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کا سینہ قبولِ حق کے لئے کھول دیا، اور وہ چند روز صوفی صاحب کی صحبت میں رہنے کے بعد احمدیت میں داخل ہو گئے، اور یہ دوسرے چینی احمدی تھے جنہوں نے دنیا کے اِس کنارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تبلیغ سُنکر حق کو قبول کیا۔

اس اثناء میں خاکسار مرکز کی ہدایات کے ماتحت انگریزی اور چینی زبان کو جلد از جلد سیکھنے کی کوشش میں مصروف رہا، اور ساتھ ساتھ انگریزی دان طبقہ کو انگریزی میں اور چینی علماء کو عربی میں خطوط کے ذریعہ سے تبلیغ کرتا رہا۔ جب عیسائیوں نے ہمارے لئے سوسائٹی کا دروازہ بند کر دیا، تو خاکسار فیس ادا کر کے وائی۔ ایم۔ سی۔ اے کی ٹائپ رائٹنگ کلاس میں

داخل ہوگیا، اور وہاں طالب علموں سے رابطہ بڑھا کر ان کو تبلیغ اسلام واحمدیت کرتا رہا۔ ایک نوجوان کو میں نیکی اور تقوی کی باتیں بتایا کرتا تھا، ایک روز اس نے کہا، کہ اصل بات یہ ہے، کہ میرا خدا پر ایمان نہیں ہے، ہم خود بخود پیدا ہوئے ہیں، ہمارا پیدا کرنے والا کوئی دوسرا نہیں ہے۔ میں نے اس سے کہا، کہ اگر تم خود بخود پیدا ہوئے ہو، تو کمزور کیوں پیدا ہوئے ہو، طاقتور پیدا ہونا چاہئیے تھا، اپنے اختیار سے تو کوئی اپنے لئے کمزوری اور نقص پسند نہیں کرتا۔ ہمارا اپنی منشاء کے مطابق پیدا نہ ہونا ظاہر کرتا ہے، کہ ایک اور مقتدر ہستی کا ارادہ ہماری پیدائش میں کام کرتا ہے۔ اسی قسم کے دہریت کے خیالات اور طالب علم بھی رکھتے تھے، اور میں وقتاً فوقتاً خدا تعالےٰ کی ہستی کے ثبوت پیش کر کے ان کو قائل کرتا رہتا تھا۔

ہانگ کانگ میں صوفی صاحب نے ایک پادری مسٹر مارٹن سے میرا تعارف کرایا جب مسٹر مارٹن کو معلوم ہُوا، کہ میں اسلام کا مبلغ ہوں، تو گاہے سوال کے طور پر اور گاہے اعتراض کے طور پر اسلام کے متعلق میرے ساتھ گفتگو کرتے رہتے۔ تعدد ازدواج، عیسائیت اور اسلام کا مقابلہ اور قرآن مجید اور انجیل کا مقابلہ وغیرہ مضامین زیر بحث رہتے اور کئی کئی گھنٹے گفتگو جاری رہتی۔ وہ اپنے پروٹسٹنٹ دوستوں میں ہفتہ کی شام کو ایک دوست کے مکان پر بائیبل کا درس دیا کرتے تھے، مجھے بھی انہوں نے اس میں دعوت دی، وہ جس حصّہ کا درس دیتے تھے، آیت آیت کر کے مطلب بیان کرتے تھے، اور پھر حاضرین سے دریافت کرتے تھے، کہ اگر آپ کے نزدیک اس کی کوئی اور بھی تفسیر اور مطلب ہوسکتا ہو، تو بیان فرمائیں۔ چنانچہ مجھے بھی تمام حاضرین کے سامنے بعض آیات کے مطالب ومعانی بیان کرنے کا موقعہ ملا۔ چونکہ احمدیہ جماعت کو خدا کے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات کی روشنی میں مذہب کے اصل مقصد اور بنیادی تعلیم کا علم ہے، اور ہم پر یہ بات اچھی طرح کھل چکی ہے، کہ تمام مذاہب کا اصل الاصول توحید الٰہی ہے، اور اسی کے گرد

مذاہب کی تعلیمات کی تفصیلات اور جزئیات چکر کھاتی ہیں، اور ہر ایک حکم اور قول کی صداقت کو پرکھنے کے لئے اور اس کی صحت کو ناپنے کے لئے یہ ایک معیار ہے، اس لئے اس کلمہ پاک کی روشنی میں جب مَیں بائیبل کی آیات کی تفسیر کرتا تھا، تو وہ حاضرین کے لئے ایک نئی اور صداقت سے پُر حقیقت ہوتی تھی، جس کا انکار وہ لوگ نہ کر سکتے تھے، اور اس طرح خدا تعالےٰ کے فضل کر حاضرین پر اچھا اثر ہوتا تھا۔

ایک روز مسٹر مارٹن نے عیسائیت کی روحانی اور قرب الٰہی پیدا کرنے والی استعداد کے متعلق کچھ بیان کرنے کی کوشش کی، خاکسار نے ان کو بتایا کہ ہر ایک چیز کا فائدہ اس کے وقت پر اور اس چیز کی ذاتی خوبی اور صحت استعمال پر ہوتا ہے۔ عیسائیت میں ان تأثیرات و نشانات کا گذشتہ زمانوں میں پایا جانا ہم تسلیم کرتے ہیں، لیکن اس رُوحانی ترقی اور تعلق باللہ کی مثال کا آج عیسائی دنیا میں نہ ملنا بذاتِ خود اس بات پر شہادت دیتا ہے، کہ عیسائیت اپنی زندگی کے دن پورے کر چکی ہے، اور اللہ تعالےٰ نے اس کی جگہ ایک زندہ مذہب کو بھیجا ہے، اور وہ اسلام ہے، جو ہر دم اپنی زندگی کے نشانات دکھاتا ہے، اور قیامت تک دکھاتا رہے گا۔ چنانچہ ہر زمانہ میں انسانوں کا تعلق اللہ تعالےٰ سے پیدا کرا کر اسلام نے یہ ثابت کر دیا ہے، کہ یہی ایک زندہ مذہب ہے، اور اس کا خدا ایک زندہ خدا ہے، جس سے تعلق، ملاقات اور مکالمہ مخاطبہ کا دروازہ اب بھی اسلام کے طفیل کھلا ہے۔ ؎

اب بھی اس سے بولتا ہے جس سے کرتا ہے وہ پیار جس کو چاہتا ہے اُسے اب بھی بناتا ہے کلیم

ثبوت اس کا یہ ہے، کہ اس زمانہ میں بھی اسلام کی پاک تعلیم کی پیروی کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے ایک مامور کو مبعوث کیا، اس کی آمد سے وہ تمام پیشگوئیاں پوری ہو گئی ہیں، جو مسیح کی آمد ثانی سے تعلق رکھتی ہیں، اور اس کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ نے ہزارہا نشانات ظاہر کر کے اور اس کے سینکڑوں

الہامات اور پیشگوئیوں کو پورا کرکے اسلام کی برتری شان کو دنیا پر روشن کیا۔ اور اس انتشار روحانیت کی برکت اور اسلام کی پیروی کے طفیل میرے جیسا عاصی اور کمزور انسان بھی اپنے ساتھ اللہ تعالےٰ کا یہ سلوک پاتا ہے کہ مادرِ مہربان اس اظہارِ شفقت کی طاقت و قدرت نہیں رکھتی۔ میری زندگی میں ایسے واقعات ہیں، کہ جب مَیں خوف زدہ ہُوا، تو اس نے میری دُعا کو سُنا اور قبولیت بخشتے ہوئے مجھے تسلّی دی، اور قبل از وقت اس کی بتائی ہوئی بات میری تسکین کا موجب ہوئی، اور ایک دفعہ مَیں بیمار ہُوا، تو اللہ تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے مجھے میرے مرض کا نسخہ بتایا جس کے استعمال سے مجھے چند گھنٹوں میں صحت ہوگئی۔ سو ہم نے اسلام میں زندہ رَءُوفٌ رَّحِیم خدا کا چہرہ دیکھا ہے جو آج کل کی عیسائیت پیش کرنے سے قاصر ہے۔ میری اس تقریر کو سُنکر پادری حیران رہ گیا، اور کوئی جواب نہ پاکر خاموش ہوگیا۔

جب مَیں کسی قدر واقفیت چینی اور انگریزی زبان میں پیدا کرچکا، تو مرکز کی طرف سے مجھے صوفی صاحب سے چارج لیکر ہانگ کانگ میں دارالتبلیغ قائم کرنے کی ہدایات موصول ہوئیں۔ ہانگ کانگ میں پہلے سے چھ سات غریب افراد کی جماعت تھی، جن میں سے پانچ پنجابی ملازمت پیشہ تھے، ان کے آپس میں ملنے کی کوئی صورت نہ ہوتی تھی۔ خاکسار نے ۱۹۳۷ء کے شروع میں وہاں جاکر انہیں اکٹھا کیا، اور دارالتبلیغ کھولنے میں امداد کی تحریک کی، جس کا انہوں نے خوشی سے خیر مقدم کیا۔ ابتدار میں ایک دوست کا مکان جمعہ کی نماز کے لئے مقرر ہُوا، اور اس طرح جماعت میں باہمی میل جول سے نئی رُوح کام کرنے کی پیدا ہوئی۔

۱۹۳۷ء میں "اسلامی اصول کی فلاسفی" کا ترجمہ مکمل ہوگیا تھا، اس کے بہت سے نسخے مختلف سوسائیٹیوں، لائبریریوں، سکولوں، ہسپتالوں اور مساجد میں مفت تقسیم کئے گئے، چین کے دور دراز علاقوں میں تبلیغی خطوط لکھے گئے، اور اس کتاب کے متعلق تحریک کی گئی، کچھ نسخے فروخت بھی

کئے گئے۔ اس کتاب سے ہمیں تبلیغ میں بہت مدد ملی، اور اسلام کی تعلیمات کو جس خوبصورتی سے اس میں پیش کیا گیا ہے، اس سے تعلیم یافتہ طبقہ بہت متاثر ہوا۔ اب مخالفت بھی شروع ہو گئی سب سے زیادہ مخالفت عیسائیوں اور مسجدوں کے ملانوں کی طرف سے ہوئی۔ اس سال دو چینی سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوئے۔

دسمبر ۱۹۳۳ء میں ہم نے ایک تبلیغی ٹریکٹ انگریزی میں چھاپ کر شائع کیا۔ جوں جوں اس کی اشاعت ہوئی مخالفت بڑھتی گئی۔ ہمارے اس ٹریکٹ کو پڑھکر ایک اخبار کا نمائندہ دارالتبلیغ میں آیا، اور سلسلہ کے متعلق کچھ معلومات حاصل کئے اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فوٹو کے ساتھ آپ کے دعاوی اور پیشگوئیاں اپنے اخبار میں شائع کیں۔ بعض ہندوستانی مسلمانوں نے اس مضمون کی اشاعت پر ایڈیٹر اخبار کو گالیوں کے خطوط لکھے، اور مجھے بھی ایسے گمنام خطوط موصول ہوئے۔ اخبار والوں نے ڈر کر آئندہ ہمارے متعلق کچھ شائع کرنا بند کر دیا۔ مخالفت زور سے شروع ہو گئی۔ جب ہم باہر جاتے، تو بعض شریر ہندوستانی مسلمان ہمیں گالیاں دیتے۔ توپ خانہ میں بھی مخالفت کا اثر پہونچا، اور ہندوستانی افسروں نے ہمارے احمدی دوستوں کو صرف احمدیت کی وجہ سے برخاست کر دیا۔ انگریز اعلیٰ افسروں کو چٹھیاں لکھی گئیں، اور اپنے عقائد بتائے گئے، لیکن انہوں نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معذرت کی، اور کہا کہ چونکہ تمام چھوٹے افسر احمدیوں کے خلاف ہیں، نیز دوسرے سپاہی بھی ان کی مخالفت کر رہے ہیں، اس لئے ہم کچھ نہیں کر سکتے۔ احمدیوں کو واپس ہندوستان پہونچا دیا جائے گا۔ چنانچہ ہانگ کانگ کے توپ خانہ کے سب احمدی سپاہی واپس آگئے۔ ہندوستانی افسروں نے ان سے کہا، کہ تم ظاہر میں حضرت مسیح موعودؑ کا انکار کر دو، اور دل میں خواہ کچھ عقیدہ رکھو، ہم تمہاری مخالفت ترک کر دینگے، اور تمہاری ملازمت برقرار رہیگی لیکن احمدیوں نے اس منافقت کو روا نہ رکھا، اور صاف طور پر کہدیا۔ . . . .

کہ ہم دُنیا کی خاطر احمدیت سے انکار نہیں کر سکتے، اور اس طرح انہوں نے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا جو عہد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہوتے وقت کیا تھا، اسے جوانمردی سے نبھایا۔

مسٹر اچیونگ نے (محمود احمد صاحب) جو نئے احمدی تھے، میری تحریک پر اپنا مکان تبدیل کر کے دار التبلیغ کے قریب میں آ گئے، وہاں میں ان کو دینی مسائل اور قرآن مجید کی تعلیم دیتا رہا۔ ان کی بیوی نہایت راسخ العقیدہ عیسائی تھی۔ میں نے اسے بھی تبلیغ شروع کی، مگر جب میں اُسے تبلیغ کرتا وہ مجھے عیسائیت کی تبلیغ کرنے لگ جاتی، یہ سلسلہ قریبًا ایک سال تک جاری رہا۔ بالآخر میں اَور باتوں کو چھوڑ کر اس بات پر زور دینے لگ گیا، کہ اسلام نے عورت کو جو بلند رتبہ عطا کیا ہے، وہ اور کسی مذہب نے اُسے نہیں دیا، اس کی تفصیل میں میں نے اُسے بتایا، کہ اسلام کی تعلیم کے رُو سے بیٹیاں بھی ویسے ہی باپ کی جائیداد کی وارث ہیں، جیسے بیٹے، اور بیویاں بھی ویسے ہی اپنی جائیداد کی مالک ہیں جیسے خاوند۔ اگرچہ اپنے اپنے حالات کے لحاظ سے حصوں میں کمی بیشی ہے، لیکن یہ کمی بیشی اسی طرح کی ہے، جس طرح کی ایک باپ کے دو بیٹوں کے لباس میں ہو۔ باپ اپنے دونوں بیٹوں کے لئے لباس سلواتا ہے۔ دونوں میں سے بڑے کے لباس پر چھوٹے کی نسبت کپڑا زیادہ خرچ ہوگا، لیکن کوئی یہ نہیں کہہ سکتا، کہ چونکہ بڑے کے کوٹ پر دو گز کپڑا خرچ ہوا ہے، اور چھوٹے کے کوٹ پر ڈیڑھ گز، اس لئے مساوات نہیں رہی۔ یہی اصول اسلام نے تقسیم جائیداد میں مدنظر رکھا ہے، اور اس میں عورت اور مرد کے حصوں میں فرق کی وجہ یہ ہے، کہ مرد کو روزگار کے کمانے کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے، اس لئے اس کا حصہ زیادہ رکھا گیا ہے، نیز عورت کو ماں باپ کی جائیداد سے بھی حصہ ملتا ہے، اور خاوند کی جائیداد سے بھی، اس لئے تقسیم کے اسلامی اصول پر عدم مساوات کا اعتراض نہیں پڑتا۔ اس طریق تبلیغ کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوا، اور وہ آہستہ آہستہ اسلام سے مانوس ہوگئی، اور

تین چار ماہ کی لگاتار تبلیغ سے اس نے اپنے تین بچوں سمیت احمدیت قبول کر لی۔ مَیں نے انکے بچوں کو قرآن مجید پڑھانا شروع کر دیا۔ چنانچہ ان کی بڑی لڑکی نے مجھ سے پندرھویں پارہ تک قرآن مجید پڑھ لیا تھا۔ اور باقی دو بچے یسرنا القرآن اور نماز کا سبق پڑھتے تھے۔ یہ پہلا چینی خاندان ہے جو احمدیت میں داخل ہؤا۔ گو یہ غریب خاندان ہے، مگر چندوں میں باقاعدہ حصہ لیتا ہے، اور اسلامی تعلیمات پر عامل ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کے اخلاص اور ایمان میں برکت دے۔

جوں جوں تبلیغ کا کام وسیع ہوتا گیا، دار التبلیغ کی شہرت بڑھتی گئی، اور چینی لوگ ہمارے پاس آنا شروع ہو گئے، اور یہ ضرورت محسوس ہوئی، کہ کچھ لٹریچر چھپوا کر رکھا جائے، تا نو واردوں کو اپنے عقائد سے واقف کرایا جا سکے۔ اس غرض کے لئے ایک انگریزی ٹریکٹ "حضرت احمد موجودہ زمانہ کے مامور و مرسل" کا چینی زبان میں ترجمہ کرایا گیا۔ یہ ٹریکٹ زیر تبلیغ اصحاب کو زبانی تبلیغ کے علاوہ مطالعہ کے لئے دیا جاتا تھا۔ ابتداء میں اس کی چند کاپیاں نقل کرائی گئیں، اور حسب ضرورت پڑھنے کے لئے دی جاتی تھیں، حتیٰ کہ اللہ تعالےٰ نے اس کے طبع کرانے کی توفیق عطا فرمائی۔ اکتوبر ۱۹۳۸ء میں خاکسار کو مرکز کی طرف سے واپسی کے احکام پہونچ گئے، میں نے مناسب سمجھا کہ اس ٹریکٹ کی طباعت میری موجودگی میں ہو جائے۔ خاکسار کا سامان کینٹن میں پڑا ہؤا تھا۔ مَیں نے یہ سوچا کہ سامان لانے کے لئے بہرحال کینٹن جانا پڑے گا، وہیں سے طباعت کا انتظام کرا لیا جائے گا۔ چنانچہ میں کینٹن روانہ ہو گیا۔ وہاں پہونچکر ایک پریس سے طباعت کا فیصلہ کیا۔ تین چار روز چھپائی میں لگ گئے۔ ادھر جاپانیوں نے شہر پر حملہ کر دیا، اور گورنمنٹ کی طرف سے یہ اعلان ہو گیا، کہ اب کوئی جہاز ہانگ کانگ نہ جائے گا، گاڑی کا راستہ پہلے سے بند ہو چکا تھا۔ اس کے بعد جاپانی فوج شہر میں داخل ہو گئی

اور چینی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی، شہری بھی اِدھر اُدھر دیہات میں جا کر پناہ گزین ہو گئے
مَیں اور ڈاکٹر لطیف احمد خانصاحب بڑھتا ہوا خطرہ دیکھکر برطانوی Concession
شامین میں چلے گئے۔

جاپانیوں کے داخل ہونے کے بعد سوائے چند آدمیوں کے کسی کو اس علاقہ سے باہر جانے
کی اجازت نہ تھی۔ چینی گورنمنٹ کے اُٹھنے کے ساتھ ہی لٹیرے آگئے اور لوگوں کے گھر لوٹنے شروع
کر دیئے۔ شہر میں بدامنی اور بدانتظامی کی وجہ سے کسی کو جانے کی اجازت نہ تھی، اس لئے دو
اڑھائی ہفتہ تک کھانے کے متعلق بہت تکلیف رہی۔ آخر جاپانیوں کا کچھ تسلط قائم ہو گیا،
اور انہوں نے ہر جگہ اپنے آدمی کھڑے کر دیئے، اور لوٹ کا بازار کچھ ٹھنڈا ہوا۔ لیکن پھر بھی
ہم شہر میں نہ جاتے تھے۔ دریا کے پار ایک گاؤں میں جا کر کچھ سبزی وغیرہ خرید لاتے تھے۔ آہستہ
آہستہ ایک ماہ کے بعد نسبتًا کچھ انتظام ہو گیا، اور ایک جاپانی پاس کے ذریعہ ہمیں شہر میں جانے
آنے کی اجازت ہو گئی۔ انہی دنوں میں بہت سے مسلمانوں اور دیگر مذاہب کے لوگوں سے نئی
واقفیت پیدا ہوئی۔ مساجد، لوگوں کے گھروں اور بازاروں میں مناسب جگہ پر تبلیغی ٹریکٹ تقسیم
کرتا رہا۔ ڈاکٹر صاحب پناہ گزینوں کے کیمپ میں مفت ڈاکٹری مدد دیتے رہے۔ یہ کیمپ عیسائی
مشن کے ماتحت تھے۔ اور بہت سے بیمار ان کے پاس چلے گئے تھے۔ انہیں تبلیغ کرنے اور ٹریکٹ
تقسیم کرنے کا ڈاکٹر صاحب کو خوب موقعہ ملا۔ اس دوران میں جو لوگ زیر تبلیغ رہے، احمدیت کے متعلق
اپنے دل میں اچھے خیالات رکھتے ہیں، خدا کرے کہ وہ لوگ جلد حقیقی رنگ میں صداقت کی طرف آجائیں۔
راستہ کھلنے کے بعد خاکسار ۲۱ جنوری ۱۹۳۹ء کو بذریعہ برطانوی گنبوٹ ہانگ کانگ پہونچا، اور وہاں سے
حسب ہدایات مرکز ۱۲ فروری کو ہندوستان کے لئے روانہ ہوا۔ خاکسار کی موجودگی میں مکرمی چوہدری
محمد اسحٰق صاحب مجاہد تحریک جدید وہاں پہونچ گئے تھے جنہوں نے مجھ سے چارج لیا۔ اللہ تعالیٰ انکے ساتھ ہو

حضرت کرشن علیہ السلام اور مسئلۂ تناسخ

(از جناب پیر صلاح الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی پلیڈر فاضلکا)

جب کسی قوم میں علمی اور عملی خرابی پیدا ہوجاتی ہے، تو اس کے علماء کی نظر کرم خاص طور پر اس کی مقدس کتب پر پڑنا شروع ہوتی ہے، اور وہ اس سے ہدایت حاصل کرنے کے بجائے اس میں اپنے من گھڑت اعتقادات ٹھونسنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، جس کی وجہ معرفت کا فقدان اور جس کا مقصد اپنے ناپسندیدہ افعال اور غیر معقول اعتقادات کا جواز ثابت کرنا ہوتا ہے۔ اگر ان کا بس چل جائے، تو کتاب کے الفاظ پر ہاتھ صاف کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن اگر اس کتاب کی کثرت اشاعت یا کسی اور وجہ سے ایسا نہ کرسکیں، تو معانی کو تو مروڑ کر اپنے محل سے پھیر کر کچھ کا کچھ بنا لیتے ہیں۔ جس کتاب کو صرف معناً بدلا جائے، اس کے متعلق تو تحقیق میں آسانی رہتی ہے، کیونکہ صرف غلط مفہوم ہی کو رفع کرنا ہوتا ہے، لیکن جہاں خود الفاظ علماء کی نظرِ کرم کا شکار ہوچکے ہوں، وہاں بڑی دِقت پیش آتی ہے، اور اس دست بُرد سے محفوظ حصّوں کی تمیز کرنا بڑا مشکل ہوجاتا ہے۔

ہندوؤں میں جب ایسی خرابی کا ایک دَور آیا، تو وہاں ایک مزید سہولت علماء (برہمن) کو یہ حاصل تھی، کہ علم صرف ان کی برادری تک ہی محدود تھا، اس لئے وہ تحریف کے میدان میں خوب کھل کھیلے۔ جہاں رہبانیت سے تنگ آکر ان لوگوں نے اپنی عملی برائیوں پر مذہبی رنگ چڑھانے کے لئے نیوگ کا مسئلہ گھڑ لیا، اور اسے ویدوں کی طرف منسوب کر دیا، وہاں لوگوں

پر اپنی حکومت اور برتری جمانے اور علم کو اپنی برادری میں محدود کرنے کے لئے تناسخ کا مسئلہ گھڑ لیا، اور موقعہ پا کر گیتا میں بھی اسے ٹھونس دیا۔ اس عقیدہ کے ذریعہ سے برہمنوں نے لوگوں میں جو پست ذہنیت پیدا کردی، اس کا لب لباب یہ ہے، کہ تم جس گھر اور جس حالت میں پیدا ہوئے ہو، یہ تمہارے اپنے ہی کرموں کا نتیجہ ہے۔ پس اگر تم ہماری برادری میں سے یعنی برہمن ہو تو چشم ما روشن دلِ ما شاد، سب سے خدمت لو، لیکن اگر ویش، کشتری یا شودر ہو، تو برہمن کی خدمت کرو، کہ اس کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ چنانچہ برہمن کی پوجا جسمانی تپ کا جزو لاینفک بنا دی گئی ہے جیسا کہ گیتا ادھیائے ۱۷ اشلوک ۱۴ میں لکھا ہے:۔

"دیوتا، برہمن، گورو اور گیانی کی پوجا۔ صفائی سادگی، براہمچرج اور کسی کو ایذا نہ پہونچانا جسمانی ریاضت (تپ) کہلاتی ہے"۔

اس مضمون میں یہ دکھانا مقصود ہے، کہ حضرت کرشنؑ نے جب اس مردہ قوم میں زندگی کا صور پھونکا، تو نہ صرف یہ کہ ان کی عارفانہ لَے تناسخ کے زیر و بم سے پاک تھی، بلکہ ان کی بانسری سے عشق و وفا کے جو پُرسوز نغمے نکلتے تھے، کوئی سننے والا ان کو سنکر تناسخ کی قاطع محبت، بے ہنگم اور کرخت آواز پر کان بھی نہیں دھر سکتا تھا۔ اُن کی تعلیم ایسی تھی، جو کسی صورت میں بھی تناسخ کو برداشت نہیں کرسکتی، کیونکہ یہ ایک ایسا عقیدہ ہے، جسے ایک عارف اور محب ایک لحظہ کے لئے بھی قبول نہیں کرسکتا، یہ محبت سے محبوب کو جدا کرتا ہے، اور کہتا ہے، کہ مکتی دائمی نہیں۔ یہ انسان کو خدا تعالےٰ کی طرف جھکنے کے لئے کوئی محرک باقی نہیں چھوڑتا، اور مکتی کو ناممکن الحصول صورت میں پیش کرتا ہے۔ یہ خدا کو ایک جابر، ظالم اور بے رحم مشین کی صورت میں پیش کرتا ہے، جس کے پرزے محبت کی رو سے نہیں، بلکہ اعمال کی کثرت سے حرکت کرتے ہیں۔ یہ انسان کو خدا بنا دیتا ہے، اور کہتا ہے، کہ وہ بھی ازلی ابدی ہے۔ اور جب

آخر میں یہ کہ یہ خدا کو خدائی سے جواب دیدیتا ہے، اور کہتا ہے، کہ وُہ کسی چیز کا بھی خالق نہیں پس خدا تعالےٰ کی محبت میں فنا ہو کر اپنے وجود کو کھو دینے والے حضرت کرشن علیہ السلام جیسا شخص تو در کنار کوئی معمولی عارف بھی اس عقیدہ کے نزدیک تک نہیں پھٹک سکتا۔

ہمارے اس بیان پر اعتراض کیا جا سکتا ہے، کہ تم یہ کس طرح کہتے ہو، کہ حضرت کرشن علیہ السلام کی تعلیم تناسخ کے خلاف تھی؟ حالانکہ خود گیتا میں اس کا ذکر ہے۔ چونکہ یہ ایک نہایت اہم سوال ہے، اس لئے ہم گیتا کی وہ تعلیم پیش کرنے سے پہلے جو تناسخ کے اصولوں کو جڑسے کاٹ کر رکھدیتی ہے، اس کے متعلق کسی قدر وضاحت کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔

اس بارے میں اوّل یہ بات مدنظر رکھنی چاہیئے، کہ برہمنوں نے اپنی مذہبی کتب کے ساتھ جو سلوک کیا ہے، وہ محتاج بیان نہیں، اور کوئی محقق اسبات سے انکار نہیں کرسکتا کہ ضرور ان کتب میں انہوں نے دستبرد کی ہو علاوہ اسکے جب ایک کتاب میں دو متضاد باتیں درج ہوں، تو اُس کی سوائے اس کے کوئی توجیہہ نہیں، کہ یا تو وہ کتاب کسی مجنوں اور دیوانے کی ہے، اور یا کسی جھوٹے دنیا دار کی، جسے اپنے کسی قول کی پرواہ نہیں، اور جو کبھی کچھ کہدیتا ہے، اور کبھی کچھ۔ اور اگر ان دونوں باتوں سے کوئی نہیں، تو پھر یہ ماننا پڑے گا، کہ ان دو متضاد باتوں میں سے کم سے کم ایک اس کی نہیں، بلکہ وہ غلط طور پر اس کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ پس اگر ہم خود گیتا ہی میں سے ایسی تعلیم دکھلا دیں، جو تناسخ کے اصولوں کے خلاف ہو، تو ہمیں مندرجہ ذیل پانچ باتوں میں سے ایک بات کا ماننا ضروری ہو گا:۔

۱۔ حضرت کرشنؑ نعوذ باللہ دیوانے تھے۔

۲۔ حضرت کرشنؑ نعوذ باللہ ایک دُنیادار کی طرح تھے، جنہیں اپنے قول کا پاس نہیں تھا، وہ کبھی کچھ کہہ جاتے تھے، اور کبھی کچھ۔

۳۔ حضرت کرشنؑ تناسخ کو مانتے تھے، اور تناسخ کے خلاف باتیں ان کی طرف غلط طور پر منسوب کی گئی ہیں۔

۴۔ تناسخ کے جواب اور تردید میں جو شلوک گیتا میں ملتے ہیں، ان میں سے کوئی بھی حضرت کرشنؑ کا بیان کردہ نہیں، بلکہ یہ لوگوں نے اپنی اپنی منشاء کے مطابق اس میں داخل کر دیئے ہیں۔

۵۔ حضرت کرشنؑ تناسخ کو نہیں مانتے تھے۔ بلکہ تناسخ غلط طور پر ان کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔

امر اوّل و دوئم کو چونکہ نہ گیتا کے ماننے والے اور نہ ہم مانتے ہیں، اس لئے ان میں سے کوئی صورت قابلِ قبول نہیں۔

امر سوئم کا بھی یہی حال ہے، کیونکہ اگر حضرت کرشنؑ کو تناسخ کا قائل فرض کر لیا جائے تو اس سوال کا کیا جواب ہے، کہ تناسخ کے خلاف تعلیم گیتا میں کہاں سے آگئی؟ کیونکہ یہ ثابت نہیں، کہ کبھی ایک کثیر اور غالب گروہ برہمنوں کا تناسخ کے خلاف رہا ہو، اور انھوں نے اپنی کثرت اور غلبہ کے وقت یہ عقائد گیتا میں داخل کر دیئے ہوں، عقل اس بات کو تسلیم کرنے سے انکار کرتی ہے، کہ ایسی تعلیم گیتا میں داخل ہو جائے، درآنحالیکہ ایک کثیر جماعت اس کی مخالف ہو۔ پس یہ بات بھی ناقابلِ قبول ہے۔

امر چہارم کے متعلق عرض ہے، کہ بادی النظر میں تو شاید کوئی شخص اس بات کو قبول کرے کہ عین ممکن ہے، کہ تناسخ کے موافق و مخالف جو شلوک ملتے ہیں، وہ دونوں حضرت کرشنؑ کے بیان کردہ ہوں، لیکن تھوڑا سا تدبر بھی اس نظریہ کے قبول کرنے میں روک بن جاتا ہے کیونکہ اگرچہ تناسخ کے حق میں شلوک منسوب ہونیکی تو یہ نہایت معقول وجہ مل جاتی ہے، کہ تقریباً تمام

برہمن اس عقیدہ کے پابند تھے، اور انہوں نے ان کو گیتا میں داخل کر دیا، لیکن تناسخ کی تعلیم کے خلاف شلوکوں کے داخل ہونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔ ظاہر ہے، کہ برہمنوں نے ایسے شلوکوں کو خود بخود داخل نہیں کیا، کیونکہ ان کا داخل کرنا انہی لوگوں کی طرف منسوب ہو سکتا ہے، جو تناسخ کے قائل نہ ہوں۔ اور اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا، کہ کسی زمانہ میں بھی تناسخ کے عقیدہ کے خلاف لوگوں کو ایسی کثرت اور غلبہ حاصل ہوا، کہ وہ گیتا میں تحریف کر دیں، اور پھر وہ تحریف والی گیتا رائج ہو جائے۔ پس یہ صورت بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔

امر پنجم:۔ اب ہمارے لئے صرف ایک ہی صورت باقی رہ گئی ہے، جسے مانے بغیر چارہ نہیں اور وہ یہ کہ دراصل حضرت کرشن نے ایک ایسی تعلیم پیش کی جو کسی صورت میں تناسخ کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی تھی، لیکن زمانہ گذرنے کے بعد جبکہ لوگ اس روشنی سے دور ہو گئے، تو برہمنوں نے تناسخ کے مسئلہ میں اپنی وہ برتری دیکھکر جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، اسے گیتا میں ٹھونس دیا۔ اور اس طرح اپنے اس عقیدے کو طاقت پہونچائی جس کے ذریعہ شودر، ویش اور کشتری ادنٰے قرار پائے، اور برہمن ایک اعلےٰ مقام پر فائز ہو گیا، اول الذکر خادم ہو گئے، اور موخرالذکر مخدوم بن گیا، اور اس ادنےٰ اور اعلیٰ کی خلش کو مٹانے کے لئے پچھلے کرم بہانہ ہو گئے۔ پس اگر ہم گیتا سے ایسی تعلیم دکھا دیں، جو تناسخ کے خلاف ہو، تو ہمارا یہ نظریہ ثابت ہو جائے گا۔

سوچنا چاہیئے، کہ تناسخ کے بنیادی اصول تین ہیں:۔

اوّل۔ عدل، یعنی جو کچھ انسان کو ملتا ہے، وہ اس کے اپنے ہی کرموں کے نتیجہ میں ملتا ہے، خدا نہ گناہ معاف کر سکتا ہے، اور نہ بخشش کر سکتا ہے۔

دوم۔ قدامت روح و مادہ، یعنی روح اور مادہ بھی خدا کی طرح ازلی ہیں، اور جنم کرم کا سلسلہ غیر محدود ہے۔

سوم۔ محدود مکتی، یعنی نجات محدود ہے، کیونکہ محدود اعمال کا غیر محدود بدلہ نہیں مل سکتا۔ پہلے دو اصول گویا تناسخ کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جن میں سے کسی ایک کے ٹوٹ جانے سے بھی یہ گاڑی چل نہیں سکتی۔ اور تیسرا اصول دھرے کی حیثیت رکھتا ہے، جس کے ٹوٹنے سے خود گاڑی ہی گر پڑتی ہے۔ اب ہم ذیل میں ان اصولوں کی تفصیل اور ملزومات بیان کرکے یہ ثابت کرتے ہیں، کہ گیتا نے ان تینوں اصولوں کو رد کیا ہے، اور گیتا کی تعلیم ان اصولوں کی اس قدر مخالف پڑی ہوئی ہے جس طرح روشنی تاریکی کی۔

سب سے پہلے ہم عدل کو لیتے ہیں۔ تناسخ کے عقیدہ کا بنیادی پتھر یہ ہے، کہ خدا گناہ معاف نہیں کرسکتا، کیونکہ اس طرح اس کے انصاف پر بٹہ لگے گا، سوامی دیانند جی بانی آریہ سماج ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۴۸ طبع چہارم میں لکھتے ہیں: "اگر گناہ معاف کرے، تو اس کا انصاف قائم نہ رہے"

اس عقیدے کا جزو لازم یہ ہے، کہ انسان اپنے گناہوں سے بری ہونے کے لئے بار بار سزا کے طور پر جنم لے۔ چنانچہ سوامی جی موصوف اس سوال کا کہ "مکتی ایک جنم میں ہوتی ہے یا بہت جنموں میں" یہ جواب دیتے ہیں، کہ "بہت جنموں میں، کیونکہ جب اس جیو کے دل کی جہالت کی گانٹھ کٹ جاتی، سب شکوک رفع ہو جاتے، اور برے اعمال نیست و نابود ہو جاتے ہیں تب ہی وہ اس پرماتما میں، جو اپنے آتما کے اندر اور باہر موجود ہے، رہائش کرتا ہے۔" (ستیارتھ پرکاش صفحہ ۲۲۶)

تناسخ کے اس عقیدے کا ماحصل یہ ہے، کہ انسان بغیر جونوں کے چکر کے گناہ سے چھٹکارا حاصل نہیں کرسکتا۔ دوسرا لازمی نتیجہ جو اس "مجبوری انصاف" سے پیدا ہوتا ہے، یہ ہے، کہ دوزخ اور جنت کے خارجی وجود کو قبول نہ کیا جائے، کیونکہ اگر روحیں جنت اور جہنم میں چلی جائیں، تو

یہ خالی چکر کس طرح چلے۔ علاوہ اس کے یہ سوال کہ بہشت اور دوزخ کا سُکھ اور دُکھ اس جنم کے کرموں کا پھل مانا جائے، تو اس دُنیا کے دُکھ سُکھ کرموں کا پھل ہیں۔" (رشا ستر ارتھ درپن صفحہ ۱۴) تناسخ کی کچی بنیاد عمارت کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ کر پھینک دے۔

برخلاف اس کے حضرت کرشن علیہ السّلام جنت اور دوزخ کے خارجی وجود کے قائل ہیں، اور آپ کے نزدیک گناہ سے چھٹکارے کا ذریعہ عرفان ہے، جس کے حاصل کرنے کے بعد انسان کے تمام گناہ ایک آن میں اس طرح نشٹ ہو جاتے ہیں، جس طرح روشنی کی کرنوں سے برسوں کا اندھیرا ایک لمحے میں کٹ جاتا ہے۔ ذیل میں ہم پہلے آپ کی وہ تعلیم درج کرتے ہیں جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ مکتی حاصل کرنے کا ذریعہ صرف عرفان ہی ہے۔ اس کے بعد وہ تعلیم پیش کی جائے گی، جو دوزخ اور جنت کے خارجی وجود کو قبول کرتی ہے۔

حضرت کرشنؑ فرماتے ہیں:-

۱- "اے پارتھ! ایشور کو پہچاننے والی حالت اس طرح کی ہوتی ہے۔ اُسے حاصل کر لینے پر وہ جہالت میں نہیں پھنستا۔ اور اگر حالت نزع میں بھی یہ حالت میسر ہو جائے، تو وہ انسان برہم نردان حاصل کرتا ہے۔"[1] (گیتا ۲/۷۲)

۲- "سب پاپیوں میں سے اگر تو بڑے سے بڑا پاپی بھی ہو، تو گیان کی کشتی کے ذریعے سب پاپوں کو پار کر جائے گا۔" (۴/۳۶)

۳- "اے ارجن جس طرح جلتی ہوئی آگ ایندھن کو خاک سیاہ کر دیتی ہے، ویسا ہی

[1] ہم نے مختلف تراجم میں سے گاندھی جی کے ترجمے کو منتخب کیا ہے۔ کیونکہ یہ زیادہ مشہور ہے اور جیسا کہ تمہید میں لکھا ہے "اسکو" دلویا۔ کاکا کالی کر۔ مہادیو ڈیسائی اور کشوری لال شریو نے ملاحظہ کر لیا ہے۔" جہاں کہیں دوسرے تراجم درج کئے ہیں۔ اس بات کو واضح کر دیا گیا ہے۔ منہ

گیان کی آگ کرموں کو بھسم کر دیتی ہے۔" (۴/۳۷)

فیضی نے اس شلوک کا ترجمہ یوں کیا ہے:۔

اگر آتش معرفت بر فروخت بیک لحظہ ہر جنس کردار سوخت (۴/۳۷ شعر[1])

۴۔ "گیان کے ذریعے جس کے پاپ دھل گئے ہیں، وہ ایشور کا دھیان کرنے والے محو ہوئے ہوئے اسی کو اپنا سرمایہ جاننے والے لوگ مکتی حاصل کرتے ہیں۔" (۵/۱۷)

۵۔ "جن کے پاپ نشٹ ہو گئے ہیں، جن کے شکوک رفع ہو گئے ہیں، جنہوں نے اپنے من پر قابو پا لیا ہے، اور جو سب جانداروں کے بھلے میں لگے رہتے ہیں، ایسے رشی برہم نروان حاصل کرتے ہیں۔" (۵/۲۵)

۶۔ "سخت بدچلن آدمی بھی اگر یکدل ہو کر مجھے یاد کرے، تو اسے بھی نیک ہوا ہی ماننا چاہیئے۔" (۹/۳۰)

فیضی نے اس شلوک کا حسب ذیل ترجمہ کیا ہے:۔

اگر فاجرے ہم کند یاد من نگردد گرفتار زندان من (۹/۳۰ شعر)

۷۔ "ہماری اس دھرم کی بات کا جو مطالعہ کرے گا وہ مجھے گیان یگیہ کے ذریعے یاد کریگا ایسا میرا مت ہے۔ اور جو انسان نفرت سے خالی ہو کر یقین کے ساتھ صرف سنیگا وہ بھی نجات

---

[1] اس مضمون میں فیضی کا ترجمہ محض اس لئے نہیں دیا گیا، کہ یہ اسلامی دنیا میں زیادہ متعارف ہے، بلکہ اس خیال سے بھی اس کی طرف رجوع کیا گیا ہے، کہ آج سے بہت پہلے کا ہونیکی وجہ سے اس کا ان تصرفات سے پاک تر ہونا قرین قیاس ہے، جو اس کے بعد کے زمانہ میں کئے گئے ہوں کیونکہ یہ خالص برہمنوں کی ملکیت نہیں رہا۔ فیضی اور اسکے ترجمہ کے متعلق چودھری روشن لعل ایم اے گیتا پرکاش" ملا۲۲ میں لکھتے ہیں:۔ "فیضی اکبر بادشاہ کے نورتنوں میں سے ایک رتن تھا۔ فارسی کا بڑا قابل شاعر تھا۔ اور سنسکرت زبان سے بھی اچھی طرح واقف تھا فیضی نے شریمد بھگوت گیتا کا ترجمہ فارسی نظم میں کیا ہے اور واقعی بہت ہی اچھا

حاصل کرنے جہاں نیک لوگ بستے ہیں اس سے بھلے لوک کو حاصل کرے گا" (۱۰۱۰)

متذکرہ بالاحوالوں سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے، کہ حضرت کرشنؑ کے نزدیک خداتعالیٰ ایک خوفناک اور منتقم ہستی نہیں، جو انسان کا کوئی گناہ بھی معاف نہیں کرتا، بلکہ وہ محبت کا ایک چشمہ ہے، جس کو پینے سے انسان تمام بجاسنوں سے نجات پا جاتا ہے۔ وہ ایک نور ہے، جس کے بعد کوئی تاریکی باقی نہیں رہ جاتی۔ اس کی نجات بار بار کے جنموں سے وابستہ نہیں، بلکہ اس کا دیدار اور عرفان ہی اصل نجات ہے۔ جیسا کہ اس زمانے کے کرشن حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا، کہ:۔

"ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے" (کشتی نوحؑ)

یہ عرفان ارجن نے ایک صحبت میں حاصل کر لیا، اور بغیر متعدد جون بھگتنے نجات حاصل کر لی۔ پس یہی عرفان حقیقی نجات ہے، جس کے لئے بار بار کے جنموں کی ضرورت نہیں، اور اَلْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ ہی سچا فلسفہ ہے جو سری کرشن جی نے بیان کیا۔ (۲)

یہ ہے حضرت کرشن علیہ السلام کی تعلیم ـــــ وہ تعلیم جو خدا ئے رحمان کو رحیمانہ شان میں دکھلاتی ہے، اور اس پرماتما کو قبول نہیں کرتی، جو اس قدر مغلوب الغضب ہے کہ ایک گناہ کے عوض کئی کئی جونوں میں ڈال دیتا ہے۔ اور پھر ان جونوں میں کئے ہوئے کرموں کے بدلے جو اسی کے ہاتھ کا نتیجہ ہوتی ہیں، مزید جونوں کے چکر میں ڈال دیتا ہے۔

اس ضمن میں یہ بات بھی قابلِ غور ہے، کہ جہاں تناسخ نجات کے لئے خداتعالیٰ کے غیر رحیمانہ انصاف کو قائم رکھنے کی خاطر اعمال کی کثرت کا سہارا ڈھونڈتا ہے، اور تجارتی نقطۂ نگاہ کو ملحوظ رکھکر عمل کرتا ہے، وہاں کرشن جی خدا میں فنا ہونیکو ہی نجات سمجھتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ اعمال بغیر کسی نتیجہ کی غرض کے بجا لانے چاہئیں۔ غرضیکہ تناسخ کو تناسخ میں اور کرشنی خدا میں بڑا فرق ہے

جیسا کہ مندرجہ ذیل حوالوں سے ثابت ہوتا ہے:۔

تناسخ	کرشن
"جیو کی طاقت جسم وغیرہ اشیاء اور وسائل محدود ہیں۔ پھر ان کا پھل (نتیجہ) کس طرح لامحدود ہو سکتا ہے" (ستیارتھ پرکاش ص ۳۱۴)	"یکساں بدھی والے لوگ کرم سے پیدا ہونیوالے پھل کو چھوڑ کر جنم کی پھانسی سے چھوٹ جاتے ہیں۔ اور بے داغ حالت و درجۂ نجات کو حاصل کرتے ہیں" (۲/۵۱)
"محدود کرموں کے عوض میں لامحدود سزا و جزاء دینا قرین انصاف نہیں" (شاسترارتھ درپن ص ۱۲)	۲۔ ز اعمال ہرگز نتائج مخواہ بکن محو خود را بذات الٰہ (فیضی ۲/۴۷ شعر)
"۔۔۔ پرہم میں لین ہونا سو وہ تو گویا سمندر میں ڈوب مرنا ہے" (ستیارتھ پرکاش ص ۳۱۵)	

منشی شونا تھ رائے جی کا پچاس اور اکاون شلوک کا ترجمہ بالکل اس کے مطابق ہے۔ وَھُوَ ھٰذَا۔

"جو عقلمند ہیں۔ وہ کرم کے پھل کا خیال نہ کرتے ہوئے مکتی کو حاصل کر لیتے ہیں" ۲/۵۱ بھگوت گیتا

۳۔ بیا دِ خدا یک نفس ہم خوش است   کہ یکدم باد از دو عالم خوش است۔ (فیضی ۴/۵ شعر)

۴۔ جزائے عمل خواستن خوب نیست   بامید دل خواستن خوب نیست۔ (فیضی ۴/۱۹ شعر)

منشی شونا تھ رائے جی کا اٹھارھویں شلوک کا ترجمہ اس کے مطابق ہے۔ جو یہ ہے: "جو بغیر کسی خواہش کے کام کرتا ہے اور ان کرموں کو گیان کی آگ میں جلا چکا ہے وہی عقلمند ہے"

۵۔ ہر آنکس کہ بے مدعا کار کرد   ز آزادگاں است آں نیک مرد۔ (فیضی ۴/۵ شعر)

منشی شونا تھ رائے جی کے ساتویں شلوک کا ترجمہ یہی معنے ادا کرتا ہے: "جو بے غرضانہ کرم میں لگا ہوا ہے"

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے، تناسخی انصاف کو سہارا دینے کے لئے ایک ٹانگ تو یہ بنائی گئی ہے،

کر سکتی متعدد جنموں کے بعد ملے، اور ہم بفضلہ گیتا کے مختلف شلوکوں سے اس بات کو پایۂ ثبوت پہنچا چکے ہیں، کہ حضرت کرشن علیہ السلام کے نزدیک برخلاف تناسخی عقیدہ کے کہ "برہم میں لین ہونا . . . تو گویا سمندر میں ڈوب مرنا ہے"۔ اصل نجات خدا کا عرفان، اور اس میں محو اور لین ہو جانا ہی ہے۔ اور اس نجات کے حصول کے لئے متعدد جنموں کی حدبندی نہیں، بلکہ یہ جوش اور محبت اور عرفان کے ایک لمحے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اور دوسری ٹانگ اس "انصاف" کو قائم رکھنے والی یہ ہے کہ جنت، اور دوزخ کے خارجی وجود سے انکار کر دیا جائے۔ کیونکہ ظاہر ہے، کہ اگر جزا سزا کے لئے جنت اور دوزخ موجود ہیں، تو یہ خیال کہ یہی دنیا دار الجزا ہے، باطل ہو جاتا ہے، اور اسی خیال پر تناسخ کا سارا دارومدار ہے۔ سو ذیل میں وہ شلوک درج کئے جاتے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت کرشنؑ جنت اور دوزخ کے خارجی وجود کے قائل تھے:۔

ا:۔ "اے پارتھ! یہ لڑائی تو مانو تیرے لئے بنا تکلیف کئے (از خود) کھلا سورگ کا دروازہ مل گیا ہے" (۲/۳۲)

۲:۔ "اگر تو لڑائی میں مارا جائے گا، تو تجھے سورگ ملیگا، اور اگر جیتے گا۔ تو حکومت کریگا"۔ (۲/۳۷)

"اس بات سے پتہ چلتا ہے کہ سورگ لوک پرتھوی لوک سے جدا ہے" (گیتا پرکاش مصنفہ چوہدری روشن لعل ایم۔ اے ص۱۱۵)

۳:۔ "تین وید کے کرم کرنے والے سوم رس پی کر پاکیزہ بنے ہوئے یگیہ کے ذریعے مجھے پوج کر بہشت کے لئے دعا کرتے ہیں۔ وہ پاک دیو لوک کو حاصل کرکے بہشت میں عجیب و غریب خوشیاں مناتے ہیں" (۹/۲۰)

۴:۔ بے شمار توہمات میں پھنسے ہوئے جھوٹی محبت کے جال میں پڑے ہوئے لذات کے

حاصل کرنے میں مست ہوئے ہوئے قعرِ جہنم میں گرتے ہیں۔" (۱۶/۱۶)

۵۔ "جو پرانی نتیجے کی خواہش کو مدنظر رکھکر کرم کرتے ہیں، ان کو کرموں کی اچھائی یا برائی کی تقسیم کے مطابق پھل ملتا ہے، اور اسی لحاظ سے وہ سورگ میں جاتے ہیں، یا نرگ میں جاتے ہیں، مگر جو سنیاسی اور تیاگی ہے، وہ ان سے بالاتر ہے۔" (ترجمہ شو ناتھ رائے جی ۱۸/۱۲)

چوہدری روشن لعل ایم۔ اے جن کی گیتا کے متعلق تصنیفات خاص مقبولیت حاصل کر رہی ہیں "گیتا پرکاشں" میں صفحہ ۱۱۲ تا صفحہ ۱۳۱ ایک مفصل بحث کر کے اسی نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ گیتا کے نزدیک دوزخ اور جنت اس دنیا سے علاوہ موجود ہیں۔ (باقی)

مسلمانوں کی صنعتی ترقی

(از جناب شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر)

اسلام کے بے شمار کمالات میں سے ایک یہ ہے، کہ اس نے طبعی تقاضوں کو ایک معقول اور باقاعدہ صورت دیکر جزو دین بنا دیا ہے، اور اس طرح دیگر مذاہب نے دین اور دُنیا یا روحانیت اور انسانی فطرت کے تقاضوں کے مابین کش مکش اور اختلاف کا جو دروازہ کھول دیا تھا، اسے بند کر دیا، اس لئے کہا جاسکتا ہے، کہ اسلام نے دنیا کے اس حصّہ کو جو انسان کے قیام و بقا یا انسانیت کے عروج و کمال کے لئے ضروری ہے، دین میں شامل کر دیا ہے، اور مسلمانوں کو اس طرف متوجہ کیا ہے، کہ عبادتگاہ میں بیٹھکر عبادت گذاری، رُوحانی ترقی اور قرب الٰہی کے حصول کے لئے کافی نہیں، اور نہ یہ بات خدا تعالےٰ کو خوش کرنے کا کامل ذریعہ ہوسکتی ہے کہ انسان کش مکش حیات اور جہد للبقاء سے بے نیاز و بے پرواہ ہو کر خلوت گزیں ہو جائے، اور اپنے آپ کو یاد الٰہی کے لئے وقف کردے، بلکہ خدا تعالےٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے جہاں یہ ضروری ہے، کہ انسان تمام عبادات کو ان کی جزدی تفاصیل اور احتیاطوں کے ساتھ بجا لائے، وہاں اسے یہ بھی خیال رکھنا چاہیئے، کہ وہ خود اور اس کی قوم دنیوی زندگی میں باعزّت و باوقار مقام حاصل کرسکے، اور ذلیل زندگی بسر کرنیوالے نہ ہوں، بلکہ انہیں جائز رنگ میں ذاتی اور قومی نقطۂ نگاہ سے ہر آن بلندی کی طرف پرواز کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ گویا مومن کیلئے اسلام نے دینی و دنیوی دونوں لحاظ سے ترقی کرنے کی کوشش کو ضروری قرار دیا ہے۔ مثلاً جہاں

یہ ضروری ہے، کہ رُوحانی لحاظ سے آج اس کا قدم کل سے آگے ہو، اسی طرح اپنے دنیوی مشاغل میں آگے بڑھنا اور جائز ذرائع سے ترقی کرنے کی کوشش کرنا بھی اس کے لئے جزوِ دین اور موجبِ ثواب ہے، بلکہ لازم ہے، کہ وہ اس کے لئے کوشش کرتا رہے۔ اگر وہ تاجر ہے، تو اپنی تجارت کے فروغ سے کبھی بے نیاز نہ ہو، زراعت پیشہ ہے، تو اپنے پیشہ اور فن میں ترقی کے خیال سے کبھی غافل نہ ہو، صنّاع ہے، تو اس بات کو کبھی نظر انداز نہ کرے، کہ اس فن میں اپنی خداداد ذہانت اور روشنیٔ ایمان سے پیدا شدہ صحیح الخیالی اور اصابت رائے سے اصلاحات کر کے دنیا کو اس سے فائدہ پہونچانا اس کے مذہب نے اس کے لئے ضروری قرار دیا ہے غرضیکہ وہ دُنیا کے کسی شعبہ سے متعلق ہو، اس کا فرض ہے، کہ اپنے موجودہ مقام پر کبھی قانع نہ ہو، بلکہ آگے بڑھنے کی کوشش کرے، اور اس طرح دنیا کو عملاً اپنے ساتھ آگے بڑھاتا جائے۔

اسلامی تعلیم کا یہ ایک نمایاں پہلو ہے، اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے براہ راست تربیت حاصل کرنے والے صحابہ کرامؓ نے اس نکتہ کو سمجھکر اپنے ہاتھوں سے دُنیا میں ترقی کی ایک ایسی بنیاد رکھی، جس پر موجودہ زمانہ میں علمی، اقتصادی، تجارتی، صنعتی اور ہر علم وفن کی ترقی کی شاندار عمارت قائم ہے۔ آپ کسی شعبہ کو لے لیں، اور اس کی ترقی کی تاریخ کا کھوج لگائیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس کی ابتدا مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہوئی۔

جو علوم وفنون مسلمانوں سے قبل رائج تھے، ان میں بھی مسلمانوں نے بے حد ترقیات کیں، اور ان کو کمال تک پہونچا دیا۔ مسلمانوں کی اس خصوصیت کا ہر دوست و دشمن معترف ہے یورپ کے نامور مصنفین نے اس موضوع پر نہایت محققانہ کتب لکھی ہیں۔ یہاں ہم صنعت کے بعض پہلوؤں میں مسلمانوں کی ترقیات کا ذکر کرتے ہیں۔ ہمارے اس مقالہ کا ماخذ مشہور جرمن مصنف فان کریمر کی تصنیف "خلفاء کے زمانے کی مشرقی تہذیب کی تاریخ" ہے۔

شیشہ سازی کی صنعت کے متعلق آجکل کے نوجوانوں کا خیال ہے، کہ یہ دورِ حاضرہ کی ایجاد ہے، مگر حقیقت یہ ہے، کہ خلفائے بنو اُمیہ کے زمانہ میں یہ صنعت ایسے عروج پر تھی، کہ آج بھی اس نے ایسی ترقی نہیں کی۔ ملکِ شام کا شیشہ بہت مشہور تھا۔ (لطائف ص ۹۵)

بغداد میں اس صنعت کو پورا پورا فروغ حاصل تھا۔ وہاں کے بلور کا مقابلہ ہیرے سے ہوتا تھا۔ دوسری صدی ہجری میں شیشے پر میناکاری اور صیقل (تلویحات) کا فن بہت عام تھا۔ مختلف رنگوں کے شیشوں کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر ایسی نفیس چیزیں بنائی جاتی تھیں، کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ شیشہ پر بہت خوشخط عبارتیں لکھی جاتی تھیں، حتیٰ کہ مصنوعی موتی بھی بنائے جاتے تھے۔ ایک ماہرِ فن نے اس موضوع پر ایک کتاب صناعت درالثمین لکھی تھی۔ (فہرست ص ۳۶)

شیشے کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو دوبارہ پگھلا کر ان سے بیش قیمت برتن مثلاً جام، صراحیاں اور گلدان وغیرہ بنائے جاتے تھے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ شیشے کی مصنوعات پر سونے سے میناکاری کی جاتی تھی، اور ایسے برتن "المینا المجر بالذہب" کہلاتے تھے۔ فاطمینِ مصر کے خزانہ میں ایک بلوری جام تھا، جو تین سو ساٹھ دینار یعنی قریباً تین ہزار سات سو بیس روپیہ میں فروخت ہوا تھا۔ (مقریزی جلد ۱ ص ۴۱۲)

عراق میں سفید شیشے کے قندیل بنائے جاتے تھے، جن پر نیلے رنگ میں گلکاری کیجاتی تھی، اور مختلف عبارات لکھی جاتی تھیں، یہ قندیل عام طور پر مساجد میں استعمال ہوتے تھے (ابن جبیر ص ۱۸۱) شیشے کے برتنوں پر اندر اور باہر تصاویر بنائی جاتی تھیں۔ یہ تصاویر یا تو کھودی جاتی تھیں، یا مختلف رنگوں میں بنائی جاتی تھیں۔ مختلف انواع و اقسام کی سانگینیں بنائی جاتی تھیں۔ طرح طرح کے کوزے پتلی اور ٹیڑھی گردنوں کی بوتلیں اور اس کے علاوہ اور بھی

بہت سی چیزیں بنتی تھیں (مقریزی جلد ا صلا) شیشے کے آلات اور تکلف کا سامان بافراط تیار ہوتا تھا، اور جگہ جگہ اس کے کارخانے بنے ہوئے تھے۔ غرضیکہ اس زمانہ میں یہ صنعت انتہائی عروج پر تھی۔

مختلف مقامات پر لوہے کی صنعت بھی جاری تھی۔ لوہا عرب میں بھی اور کرمان میں بھی پایا جاتا تھا۔ کرمان میں دمنداں کے قریب ایسی کانیں تھیں، جن سے لوہا، تانبا بلکہ سونا اور چاندی بھی نکلتی تھی۔ اور مسلمانوں نے اس صنعت کو بہت ترقی دی، اور لوہے سے مختلف اقسام کی اشیاء تیار کرنے کے بڑے بڑے کارخانے قائم کئے۔ لوہے کے بعض نہایت خوبصورت برتن طیار کئے جاتے تھے، اور ممالک غیر کو بھیجے جاتے تھے، فرغانہ کے لوہے کے کارخانے خصوصیت سے مشہور تھے، اور ان میں تیار شدہ چیزیں بڑی بڑی دور جاتی تھیں۔ بغداد میں ان کی بڑی بھاری منڈی تھی۔ (ابن حوقل ص۳۸۴) بحرین، عمان یمن اور عراق میں صنعت آہن سازی کمال کو پہونچی ہوئی تھی، اور ان میں آلات حرب اور زرہیں بکثرت طیار ہو کر برآمد کی جاتی تھیں۔ اکلیل جلد ۸ ص۱۰ میں ہے، کہ ان علاقوں کی بنی ہوئی زرہیں تمام ملکوں میں بہت پسند کی جاتی تھیں، کیونکہ وہ مضبوطی اور پائیداری کے لحاظ سے اپنا ثانی نہ رکھتی تھیں۔ موتہ اور دیاف میں نہایت اعلیٰ درجہ کی تلواریں تیار ہوتی تھیں۔ خراسان میں شہر شبرقان تلواروں کے لئے خاص طور پر مشہور تھا۔ (ژورنال ایشیاٹک جنوری ۱۸۵۴ء ۶ ص۱۷)

ایرانی برچھے بھی خاص طور پر مشہور تھے۔ ان کے اندر دھات کی ایک سیخ لگا کر ان کو نہایت مضبوط بنایا جاتا تھا۔ مطلا و مذہب جوشن بھی بنتے تھے، جن کے اندر کپڑے کا استر لگا ہوتا تھا، اور ان کو "مبطنہ" کہا جاتا تھا۔ کڑیوں کی طویل زرہیں "زردیات" کہلاتی تھیں۔

اوران کے ساتھ ہی آہنی خود جڑے ہوئے ہوتے تھے۔ بعض صورتوں میں خودوں پر سونے کا کام بھی کیا جاتا تھا۔ سادہ اور مطلا گرز تیار ہوتے تھے، جن کو "قنطاریات" کہا جاتا تھا تیر بنانے میں بھی مسلمانوں نے کمال حاصل کیا تھا۔ عربی کمانیں بہت مشہور تھیں۔ ایک ایسی کمان تیار ہوتی تھی، جو پاؤں سے چلائی جاتی تھی۔ اور "قسی الرجیل والرکاب" کہلاتی تھی ان کمانوں کے لئے ایسے تیر تیار کئے جاتے تھے، جو قریباً بالشت بھر لمبے ہوتے تھے، اور "جراد" کہلاتے تھے۔ (مقریزی جلد ۱ ص۴۱۴)

خلفائے عباسیہ کے عہد میں پارچہ بافی کی صنعت ہر بڑے صوبہ میں عروج پر تھی۔ عراق میں بھی اس کو بہت فروغ حاصل تھا۔ اور یہاں روئی بھی خاص طور پر پیدا کی جاتی تھی اسلامی ممالک میں کپڑا اس کثرت سے تیار ہوتا تھا، کہ بہت بڑی مقدار میں بیرونی منڈیوں میں بھیجا جاتا تھا۔ اون، سوت اور اونٹ کی پشم سے انواع واقسام کے کپڑے تیار ہوتے تھے، اور مسلمان اس تجارت وصنعت سے بہت مالی فوائد حاصل کرتے تھے۔ اس صنعت کے قیام کے لئے مسلمان ان جانوروں کی خاص طور پر پرورش اور غور وپرداخت کرتے تھے جن سے اون اور پشم حاصل ہوتی تھی۔ ان کے امراض کے متعلق ریسرچ کر کے بہت سی دوائیں دریافت کی گئی تھیں۔ پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے جگہ جگہ قائم تھے۔ ایک کارخانہ طالقان میں تھا، جس میں نمدے، قالین اور اونی فرش نہایت خوبصورت اور بیش قیمت تیار ہوتے تھے۔ یہاں کی رداد اور عبا خاص طور پر مشہور تھی۔ (ابن حوقل ص۲۱۳) عراق، ایران، یزد اور ایذقویہ میں سوتی کپڑے کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ (ابن حوقل ص۲۱۲) کرمان اور بم میں بھی یہ صنعت خوب رونق پر تھی، بالخصوص بم میں جو کپڑا تیار ہوتا تھا، وہ بہت مشہور تھا، یہاں ایک خاص قسم کے نقاب تیار ہوتے تھے، جن کو طیالسہ کہا جاتا تھا، اور جو تیس تیس

دینار کو بکتے تھے۔ اس کے علاوہ یہاں عمامے بھی نہایت اعلیٰ تیار ہوتے تھے۔ ان سب کارخانوں کے بنے ہوئے کپڑوں کی یہ خصوصیت تھی، کہ وہ بہت پائیدار ہوتے تھے، اور پانچ سے لیکر بیس بیس برس تک عمر پاتے تھے۔ (معجم جلد ۱ صفحہ ۲۳۷) نواح اور فسا میں جو کپڑا تیار ہوتا تھا، وہ دنیا بھر میں لاثانی مانا جاتا تھا (ابن حوقل صفحہ ۲۱۳) اور بڑی کثرت سے بیرونی ممالک میں جاتا تھا۔ خوزستان میں ریشم کے بڑے بڑے کارخانے تھے۔ اور ان میں نہایت اعلیٰ ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے (اصطخری صفحہ ۹۱) عراق میں بھی پارچہ بافی کی صنعت بہت ترقی پر تھی۔ بغداد کے بنے ہوئے کپڑے کی دنیا کی مختلف منڈیوں میں اس قدر مانگ تھی، کہ بعض مقامات پر اس کی نقلیں تیار ہونے لگیں۔ (اصطخری صفحہ ۹۳)۔ طبرستان کی اون اور ریشم کی صنعت کو بہت شہرت حاصل تھی، اور یہاں کے قالین اور چادریں بہت قیمت پاتی تھیں۔ (یعقوبی صفحہ ۵۴) جنوبی عرب کے علاقے زربفت کی تیاری کے لئے خاص شہرت رکھتے تھے۔ (مقدمہ ابن خلدون جلد ۲ صفحہ ۳۶۶ مطبوعہ یورپ) عمان اور قطر کا بھی یہی حال تھا، اور یہاں یہ صنعت اس وقت تک زندہ ہے۔ کوفہ اور اسکندریہ میں بھی بہت مضبوط ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے۔ (مسعودی جلد ۵ صفحہ ۴) مصر کے شہر سیوطہ میں کتان کے کپڑے کی صنعت بہت بڑھی ہوئی تھی تنیس میں عمدہ باریک تن زیب تیار ہوتی تھی۔ دمیاط میں عمدہ زربفت تیار ہوتا تھا۔ سفید رنگ کے کپڑوں پر زردوزی کا کام بھی ہوتا تھا۔ اور ایسے کپڑے کا ایک ایک تھان تین تین سو دینار تک قیمت پاتا تھا۔ دمیاط میں فرش بھی اعلیٰ قسم کے تیار ہوتے تھے۔ جن میں گھوڑا، ہاتھی، شیر اور دیگر مختلف پرندوں کی تصویریں بنی جاتی تھیں۔ اس شہر میں دیباج بھی نہایت اعلیٰ قسم کا تیار ہوتا تھا۔ اطلس بھی بنتا تھا۔ (معجم جلد ۳ صفحہ ۲۵۸) آرمینیا اس صنعت کا خاص مرکز تھا۔ کمروں میں لٹکانے کے لئے نہایت بیش قیمت پردے تیار ہوتے تھے، جن میں ایسا کمال رکھا

جاتا تھا، کہ ان میں سے ہو کر جو ہوا آتی تھی، وہ بہت ٹھنڈی ہوتی تھی۔ امراء ان پردوں کو پانی میں تر کر دیتے تھے، اور اس طرح گرمی کے اثرات سے محفوظ رہتے تھے۔ (لطائف ص۱۴۱)
۱۱۳۳ء میں صقلیہ کے شہر پلرمو میں عربوں کا بنایا ہوا ایک ریشمی عبا محفوظ تھا، جسے رُوم کے بادشاہ تاج پوشی کے موقعہ پر تزئین کے لئے پہنتے تھے۔ اس میں ارغوانی رنگ میں شکار کا ایک پورا منظر دکھایا گیا تھا۔ ایک خاص کپڑا طراز تھا، جو بہت بیش قیمت سمجھا جاتا تھا۔ صنعت طراز سازی کو اس قدر اہمیت حاصل ہوئی، کہ مورخین نے لکھا ہے، کہ ۲۸۰ھ میں خوزستان میں اس کے اسّی کارخانے قائم تھے۔ یہ تمام کپڑے سکندریہ کی بندرگاہ سے یورپ جاتے تھے، اور اٹلی کی منڈیوں میں پہونچکر سارے یورپ میں پھیل جاتے تھے۔ (بلاک کی کتاب کلیسائی لباسوں کی تاریخ جلد ا ص۲۰۹) جو مویشی ذبح کئے جاتے تھے، ان کی رگوں کو خشک کر کے ان پر سونے کا رنگ چڑھایا جاتا تھا۔ اور پھر اس سے کلابتون تیار ہوتا تھا۔ یہ مضمون کہ مسلمانوں نے پارچہ بافی میں کتنی ترقی کی، اور اس میں کس قدر جدتیں پیدا کیں، اس قدر وسیع ہے، کہ ان کی تفصیل ایک مضمون میں بیان کرنا مشکل ہے، اس کا اندازہ کرنے کے لئے جو کچھ بیان کیا گیا۔ وہ کافی ہے۔

آج جو مسلمان یورپ کی صنعتی ترقی کو دیکھکر مرعوب ہوتے اور حیران وششدر رہ جاتے ہیں، وہ اگر غور کریں، کہ ان تمام صنعتوں کے بانی مبانی ان کے آباؤ اجداد تھے، تو وہ محسوس کر سکتے ہیں کہ وہ اپنے اسلاف سے کس قدر پیچھے ہیں، اور ان کا ماضی کس قدر شاندار تھا۔ افسوس کہ آج ہمارے نوجوان اپنے اسلاف کے حالات سے یکسر ناواقف ہیں، اور اس وجہ سے کبھی خیال بھی نہیں کرسکتے کہ وہ کہاں سے کہاں جا پڑے ہیں۔

نئی کتابوں پر تبصرہ

سیرت سید احمد شہید مصنفہ سید ابوالحسن علی ندوی، سائز ۲۰×۳۰، حجم ۴۶۵ صفحات، قیمت دو روپے علاوہ محصول ڈاک ملنے کا پتہ: ندوۃ العلماء لکھنؤ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء تھے، اور قرآن کریم کتب سماویہ میں سے آخری شرعی صحیفہ ہے۔ نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی ایسے نبی یا مصلح کو آنا تھا، جو آپؐ کے اُسوہ کو بدلتا، اور نہ قرآن کریم کے بعد دنیا کو کسی اور شریعت کی ضرورت تھی۔ قرآن کریم کی تعلیم اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور اقوال میں اس مقدّس تعلیم کی تشریح اور تفسیر بنی نوع انسان کے لئے ان کی زندگی کے ہر شعبہ ــــ اخلاقی، روحانی، سوشل، اقتصادی و تمدنی ــــ میں کامل و مکمل رہنما ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کے اصول پر عمل پیرا ہوکر اپنے پاک نمونہ سے اپنی قوم میں وہ تغیر پیدا کیا، کہ مکمل تاریخ انسانی ایسے پاک تغیر کو پیش کرنے سے قاصر ہے۔ حضورؐ زندہ اور چلتے پھرتے قرآن تھے۔ آپؐ کے بعد امتداد زمانہ سے وہ پاک نقوش جو آپؐ نے انسانی قلوب پر چھوڑے تھے؛ کمزور ہونا شروع ہوئے، قرآن کریم کی تعلیم کی حقیقت اور رُوح سے لوگ بے خبر ہوگئے، اس لئے پھر اُمتِ محمّدیّہ کو اور اس کے ذریعہ دُنیا کو ایسے پاک نفوس کی ضرورت محسوس ہوئی، جو محمّدی سورج سے اپنی روحوں کے چراغوں کو روشن کرکے دنیا سے ظلمت کو دور کریں۔ انسانی پیاسی رُوح کا یہ تقاضا ان ربّانی مصلحین اور علمار کی شکل میں پورا ہوا، جو گذشتہ چودہ صدیوں میں مختلف ممالک میں پیدا ہوتے

رہے، اور محمدی نور سے منور ہو کر اس ظلمت کدہ دنیا کو منور کرتے رہے۔ ان شاہسواران اسلام کا پیغام انبیاء بنی اسرائیل کی طرح مختص الزمان و مختص المکان تھا۔ ایسا ہی ان کا اصلاحی اور تجدید دین و احیاء سنت کا کام بھی محدود تھا۔ گذشتہ چودہ صدیوں میں یہ ہر ملک اور ہر قوم میں پیدا ہوتے رہے، بعض ان میں سے مامور تھے بعض غیر مامور۔

خدا کے اس برگزیدہ گروہ میں سید احمد شہیدؒ کو ایک وقیع اور معزز مقام حاصل ہے۔ اسلام نے ہر زمانہ میں مجدد دین پیدا کئے، اور ۱۳ ویں صدی ہجری میں تجدید دین کا کام ہندوستان میں اللہ تعالےٰ نے سید احمد شہید کے سپرد کیا۔ آپ کو دوسرے مجددین میں ایک خصوصیت حاصل ہے۔ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس ظل کامل کے ارہاص تھے جس نے مسیح اور مہدی کا نام پاکر چودھویں صدی میں اسلام کو ازسرنو زندہ کرنا تھا۔ جس طرح یحییٰؑ حضرت مسیحؑ کا راستہ صاف کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے، احمد بریلویؒ نے احمدؑ قادیانی کا راستہ صاف کیا۔ ان دونوں بزرگوں میں یہ عجیب مماثلت ہے، کہ حضرت یحییٰؑ بھی شہید ہوئے، اور حضرت سید احمد صاحب بریلویؒ بھی۔

تیرھویں صدی میں جب ایک طرف ہندوستان میں مسلمانوں کی سیاسی طاقت فنا ہو رہی تھی، اور دوسری طرف ان میں مشرکانہ رسوم اور بدعات کا زور تھا، مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور حضرت سید احمد بریلویؒ کی مجاہدانہ کوششوں نے تجدید دین کی نئی تحریک شروع کی۔ یہ وہ وقت تھا جب سارے پنجاب پر سکھوں کا اور باقی ہندوستان پر انگریزوں کا قبضہ تھا۔ ان دو بزرگوں نے اپنی بلند ہمتی سے اسلام کا علم اٹھایا، اور مسلمانوں کو جہاد کی دعوت دی، جس کی آواز ہمالیہ کی چوٹیوں اور نیپال کی ترائیوں سے لیکر خلیج بنگال کے کناروں تک یکساں پھیل گئی، اور لوگ جوق در جوق اس علم کے نیچے جمع ہونے لگے۔ اس مجددانہ کارنامہ کی عام تاریخ لوگوں

کو یہیں تک معلوم ہے، کہ ان مجاہدوں نے سرحد پار ہو کر سکھوں سے مقابلہ کیا، اور شہید ہوئے، حالانکہ یہ واقعہ اس کی پوری تاریخ کا صرف ایک باب ہے"۔

یہ مسلمانانِ ہند کی ایک عظیم الشان اصلاحی تحریک تھی۔ یہ تحریک ایک طرف کفر اور بے دینی کی قوتوں کے خلاف جہاد تھی، اور دوسری طرف فسق، جہالت، بداعمالی، فواحش اور دین سے بے رغبتی کے خلاف اعلان جنگ تھی۔ "سیرت" پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ امر واضح ہو جاتا ہے۔ کہ جہاں جہاں حضرت سید احمد رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے گئے، جہالت، بے ایمانی اور فسق کے قلعے مسمار ہو گئے، اور خلوص، للّٰہیت، اتحاد اور تنظیم کی رفیع الشان عمارتیں قائم ہو گئیں ہزاروں سے گذر کر لاکھوں انسانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت توبہ کی۔ اور آپ نے اپنے مریدانِ باصفا کے اندر وہ رُوح فدائیت و قربانی پیدا کی، کہ جان و مال ان کی نظر میں ایک بالکل حقیر چیز ہو کر رہ گئے۔ جس نے ان چیزوں کو حضرتؒ کے فرمان پر اللہ کی راہ میں قربان کیا، اس نے سمجھا، کہ وہ اپنی مراد کو پا گیا۔ اللہ تعالےٰ نے کچھ ایسا جذبہ آپ کو عطا فرمایا تھا، کہ جو کوئی ایک دفعہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، ہمیشہ کے لئے آپ کا ہو گیا۔ اور یہ خلوص اور وفاداری آپ کی زندگی تک ہی محدود نہ تھی، آپ کی وفات کے کئی سال بعد آپ کے ماننے والوں پر بغاوت کے مقدمات بنائے گئے، اور انہوں نے پھانسی کے حکم کو اس حالت میں سُنا، کہ مسکراہٹ ان کے ہونٹوں پر کھیل رہی تھی، اور طمانیت ان کے چہروں سے ظاہر تھی۔

حضرتؒ ۱۲۰۱ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۴۶ھ میں سکھوں سے جہاد کرتے ہوئے بالاکوٹ (ضلع ہزارہ) میں شہید ہوئے۔ آپ نے اس حیاتِ مستعار کے ۴۵ سالوں میں صدیوں کا کام کیا۔ شائد اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے مستقبل قریب میں ہی ایک عظیم الشان مصلح کے ذریعہ ایک نئے نظام عالم کے قیام کا ارادہ فرما چکا تھا، آپ کی تحریک جہاد کامیاب نہ ہوئی، لیکن اس مصلح اعظم کے رستہ

کو صاف کرنے کا کام باحسن وجوہ آپ سرانجام دے گئے۔

سیرت سید احمد شہید "تعارف" اور "دیباچہ" کے علاوہ جو علی الترتیب مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی نے لکھے ہیں، چار ابواب پر منقسم ہے "پہلے باب میں اس تحریک کے بانی حضرت سید صاحب شہید کے حالات بچپن سے حج تک ہیں دوسرے باب میں ان کے جہاد کے اغراض و مقاصد اور سفر جہاد کی پُراثر کیفیتیں، اور دشمنوں سے معرکہ آرائی کی تفصیلات اور شہادت کا حال ہے۔ تیسرے باب میں سید صاحب کی تجدید امامت اور تزکیہ کے حالات ہیں، اور چوتھے باب میں جو آخری ہے، سید صاحب کے خلفاء کے سوانح اور ان کے کارنامے ہیں، جن سے معلوم ہوگا، کہ اس ایک آفتاب کے پرتو سے کتنے ذرے چمک اٹھے تھے، اور اس گئی گذری حالت میں بھی طبیعتوں میں کتنی اچھی استعدادیں موجود تھیں"

کتاب نہایت محنت سے لکھی گئی ہے، اور اس لحاظ سے اور بھی قابلِ قدر ہے، کہ اس میں حضرت سید شہید کے علاوہ سید اسماعیل صاحب شہید کے حالات بھی کسی قدر تفصیل سے آگئے ہیں۔

ایک عزیز کے نام خط

مصنفہ چودھری سر محمد ظفر اللہ خانصاحب بالقابہ، سائز ۲۰×۳۰، حجم ۴۴ صفحات، قیمت چار آنے، ملنے کا پتہ:۔ مینیجر بک ڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔

جناب چودھری صاحب آج کی پانچ سال قبل جب وائسرائے ہند کی مجلس منتظمہ کے ممبر مقرر ہوئے تھے، تو غالباً آپ ان سب ہندوستانیوں سے عمر میں چھوٹے تھے جنکو آج تک وائسرائے ہند کی مجلس منتظمہ کی ممبری کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔

اتنی چھوٹی عمر میں ایسے وقیع اور اہم عہدے پر متمکن ہونا، جو عام طور پر ایک ہندوستانی کیلئے اس کی

دنیوی ترقی کی انتہائی حد سمجھا جاتا ہے، حکومت ہند کے ارباب بست وکشاد کے نزدیک آپ کی غیر معمولی ذہنی اور عملی وانتظامی قابلیتوں اور استعدادوں کا اعتراف تھا۔ شاہ معظم کے تخت نشینی کے جشن کے موقعہ پر اور موجودہ جنگ کی ابتداء میں آپکو ہندوستان کا نمائندہ بنا کر بھیجا جانے سے اس اعتراف پر مُہرِ تصدیق ثبت ہوگئی۔ اور گذشتہ اپریل میں جب آپ نے اپنی ممبری کی پانچ سالہ مدت ختم کی، تو گورنمنٹ نے اس بارہ میں اپنے ساری گذشتہ طرزِ عمل کے خلاف جناب چوہدری صاحب کے عہدے کی میعاد میں پانچ سال کی توسیع کرکے اس بات کا عملی اقرار کیا، کہ ان کی نگاہ میں ہندوستان کے ۸ کروڑ مسلمانوں میں ایک بھی ایسا انسان نہیں، جو چوہدری صاحب موصوف کا صحیح جانشین بن سکے۔

جناب چوہدری صاحب گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک کامیاب ممبر ہی نہیں، بلکہ آپ ایک بہت فاضل قانون دان بھی ہیں، ایک شہرہ آفاق مقرر بھی ہیں، اور ایک بلند پایہ انشا پرداز بھی ہیں۔ لوگ تو آپ کو صرف گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک قابل ممبر کی حیثیت ہی سے جانتے ہیں، لیکن جن دوستوں کو ایک عزیز کے نام خط پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے، ان کو معلوم ہوگیا ہوگا، کہ دینی اور روحانی علوم میں چوہدری صاحب موصوف کو اس سے کم درک حاصل نہیں، جو دنیوی علوم میں آپ کو حاصل ہے۔

جیسا کہ اس رسالہ کے نام سے ظاہر ہے، یہ ایک قلم برداشتہ خط ہے، جو آپ نے ایک عزیز کو بے تکلفی سے اپنی بے انتہا مصروفیتوں سے چند لمحات بچا کر لکھا ہے، لیکن عبارت کی بے تکلفی ہی اسلامی تعلیم پر آپ کے کامل عبور کو ظاہر کرتی ہے۔ سادہ اور آسان لیکن نہایت موثر اور محبت بھرے الفاظ میں آپ نے اسلامی تعلیم کا نچوڑ کاغذ کے صفحات پر رکھدیا ہے۔ عبارت کا پیرایہ ایسا دلکش اور دلآویز ہے، کہ ایک دفعہ شروع کرکے یہ مختصر رسالہ بغیر ختم کئے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اور بعض اس کے حصے محترم مصنف نے کچھ ایسے لمحات اور دل کی ایسی کیفیت میں لکھے ہیں، کہ پڑھتے ہوئے دل کو ایک پکڑ سی محسوس ہوتی ہے، اور آنکھیں پُرنم ہوجاتی ہیں، اور ایسا محسوس ہوتا ہے

کہ آپ کو اپنے عقائد پر پورا یقین، اور آپ کا دل اپنے خدا، اس کے پاک رسولؐ اور مقدس مسیح اور اس کی کلام پاک کی محبت سے معمور ہے۔

پیدائش عالم سے لیکر انسان کی موت تک کوئی مسئلہ نہیں جس پر اس "خط" میں اسلامی نقطۂ نگاہ سے روشنی نہیں ڈالی گئی۔ انسان کس طرح سے عدم سے وجود میں آیا، اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے، وہ مقصد کس طرح حاصل ہو سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی توحید، اسکی صفات، تعلق باللہ کے ذرائع کیفیتِ الہام، قرآن کریم کی صداقت، اس کی خصوصیات، اُسکے اعجاز، اسکا کمال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت ایک رہنمائے کامل کے، حضورؐ کے اخلاق، آپؐ کی پاک زندگی، اسکے مختلف پہلو، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت، غرضیکہ کونسا مسئلہ ہے جس پر اس رسالہ میں بحث نہیں کی گئی۔

اعتقادی مسائل کے علاوہ اسلام کے عملی حصّہ کو بھی آپ نے ضروری تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا۔ نماز روزہ، اور حج کی فلاسفی، ان کی اہمیت اور فوائد کو حسین اور سادہ اور عام فہم الفاظ میں واضح کیا ہے، اور بعض مشکل اور دقیق مسائل مثلاً "پیدائش عالم" "حالات بعد الموت" اور "فلسفہ اور حقیقت اخلاق و عبادات" کو اس طرح سے بیان کیا ہے، کہ معمولی علم اور سمجھ کا انسان بھی ان کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ "خط" کے آخر میں موت کی حقیقت اور حالات بعد الموت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ مختصراً اس "خط" کو ختم کرتے کرتے اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہجاتا، کہ اگر کبھی انڈین گورنمنٹ کو مذہبی امور کے متعلق ایک وزارت کے قیام کی ضرورت محسوس ہوئی، تو اس وزارت کے لئے چوہدری صاحب موصوف سے بہتر عالم دین ان کو مشکل سے ملیگا۔

ہم مغرب زدہ، اسلام کی تعلیم پر نکتہ چینی کرنے میں خوشی محسوس کرنے والے مسلمان نوجوانوں سے پُرزور اپیل کرتے ہیں، کہ وہ اس مختصر سے رسالہ کو پڑھکر دیکھیں، کہ اسلام جس میں انکو عیوب ہی عیوب نظر آتے ہیں کسقدر خوبصورت اور معقول ضابطۂ حیات پیش کرتا ہے۔ ہم اپنے احمدی نوجوانوں سے بھی کہتے ہیں، کہ وہ اس "خط" کو ضرور پڑھیں۔ اسکے مطالعہ سے انکے دینی علم اور اردو الفاظ اور محاورات کے ذخیرہ میں بہت قابلِ قدر اضافہ ہوگا۔

وصیتیں

نمبر ۵۶۱۲۔ منکہ رحیم بخش ولد میاں گوہر الدین صاحب قوم شیخ پیشہ ملازمت عمر ۱۹ سال تاریخ بیعت ۲۷ فتح ۱۳۱۲ ہش ساکن زیرہ ضلع فیروزپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ ہجرت ۱۳۱۹ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میرے والد صاحب خدا کے فضل و کرم سے بقید حیات ہیں لہذا میری کوئی منقولہ و غیر منقولہ جائداد نہیں ہے میری تنخواہ اس وقت ۳۰ روپے ہے۔ میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں اور انشاء اللہ کمی و بیشی کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ میں دیتا رہونگا۔ اگر میرے مرنیکے بعد میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میرے ورثاء کو مزاحمت کا کوئی حق نہ ہوگا۔ العبد۔ رحیم بخش متصل مسجد احمدیہ بیرون دہلی دروازہ لاہور۔ گواہ شد۔ خدا بخش عبد لاہور برادر موصی۔ گواہ شد۔ میاں مجید احمد سیکرٹری مال دہلی گیٹ لاہور۔

نمبر ۵۶۱۴۔ منکہ انور احمد کاہلوں ولد چوہدری بشیر احمد صاحب قوم جٹ کاہلوں پیشہ طالبعلم عمر اٹھارہ سال پیدائشی احمدی ساکن لنڈن انگلستان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ ہجرت ۱۳۱۹ ہش (۲ مئی ۱۹۴۰ء) حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی غیر منقولہ جائداد نہیں ہے۔ البتہ بصورت نقدی میرے پاس ۲۷/۴ پونڈ ہیں۔ اور تا قیام لنڈن مجھے میرے ماہوار اخراجات کیلئے ۲۵/- پونڈ ملتے ہیں جسکے ۱/۴ حصہ کی وصیت کرتا ہوں اور آئندہ اقرار کرتا ہوں کہ میری جس قدر ماہوار آمد ہوگی اس کا ۱/۴ حصہ بحق صدر انجمن احمدیہ ادا کرتا رہونگا۔ اور میرے مرنیکے بعد جس قدر جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۴ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

العبد۔ انور احمد کاہلوں۔ گواہ شد۔ جلال الدین شمس۔ گواہ شد۔ عبدالسلام۔

نمبر ۵۵۸۶۔ منکہ فضل الٰہی ولد نور الدین قوم پنڈ پیشہ ملازمت عمر اندازاً ۲۵ سال تاریخ بیعت ۵ فروری ۱۹۴۰ء ساکن کوٹلی لوہاراں مغربی ڈاکخانہ خاص ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۳ احسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ میرا گذارہ میری ماہوار آمد پر ہے جو کہ اسوقت اندازاً ۱۰/۱۱ شلنگ ماہوار ہے۔ میں اپنی ماہوار آمد کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان

کرتا ہوں میں تادم زیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصّہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور میری وفات پر اگر میرا کوئی ترکہ ثابت ہو، تو اس کے بھی دسویں حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد فضل الٰہی لوکو ریلوے ورکشاپ ٹانگا برٹش ایسٹ افریقہ۔ گواہ شد۔ مختار احمد ایاز۔ گواہ شد۔ عبدالکریم ڈار صدر جماعت احمدیہ ٹانگا۔

نمبر ۱۵۹۵ء۔ منکہ عبدالکریم ڈار ولد چوہدری جان محمد صاحب قوم ڈار پیشہ ملازمت عمر تقریباً ۴۰ سال ساکن ننگل شاہو ڈاکخانہ بدوملہی ضلع سیالکوٹ حال ٹانگا ٹانگانیکا افریقہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴؍ احسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ حسب ذیل ہے۔ (۱) ایک قطعہ اراضی سوا کنال واقع محلہ دارالعلوم قادیان جس کی موجودہ قیمت اندازاً ساڑھے پانچصد روپیہ ہے۔ ایک مکان پختہ رہائشی واقع محلہ دارالرحمت بابو محمد ایوب صاحب ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر نے میرے پاس بارہ صد روپیہ میں رہن رکھا ہوا ہے مبلغ دو ہزار روپیہ میرا امانت ذاتی میں خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں جمع ہے سولہ صد روپیہ میرا پوسٹ آفس قادیان کے سیونگ بنک میں جمع ہے۔ میرا گزارہ میری ماہوار آمد پر ہے۔ جو اس وقت اندازاً اڑھائی سو شلنگ ماہانہ ہے۔ میں اپنی تمام جائیداد منقولہ و غیر منقولہ جس کی تفصیل سطور بالا میں دیدی گئی ہے کے دسویں حصّہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز میں اپنی ماہوار آمد کا بھی دسواں حصّہ تادم زیست داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ کوشش کرونگا، کہ اپنی حین حیات میں ہی اپنی جائیداد کا حصّہ وصیّت ادا کردوں۔ لیکن اگر خدانخواستہ ایسا نہ کرسکوں، تو میرے ورثاء اس وصیّت کے پابند ہونگے۔ نیز میری وفات پر اگر اس کے علاوہ میرا کوئی ترکہ ثابت ہو، تو اس کے بھی دسویں حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔

العبد:۔ عبدالکریم ڈار بقلم خود۔ گواہ شد:۔ مختار احمد ایاز۔ گواہ شد:۔ سردار بشارت احمد۔

(لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ)

ہُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اُردو)

(یعنی)

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۹ | ۲۶ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ مطابق یکم اگست ۱۹۴۰ء | نمبر ۸

فہرست مضامین

عذابِ جہنم منقطع ہے

(درس القرآن فرمودہ سیدنا حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز)

يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۝ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ ۝ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِمَا يُرِيدُ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ سُعِدُوا فَفِي الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۖ عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ ۝ (ہود - ۹)

جس وقت وہ (مقررہ میعاد) آئیگی کوئی شخص اس (خدائے برتر) کے اذن کے سوا کلام نہیں کریگا پھر ان میں سے (بعض) بدبخت (ثابت) ہونگے اور (بعض) خوش نصیب۔ پس جو بدبخت (ثابت ہو)نگے وہ آگ میں (داخل) ہونگے اسمیں (کسی وقت) انکے لیے سانس نکل رہی ہونگے اور (کسی وقت) ہچکی کی حالت کے سانس۔ درانحالیکہ وہ اس میں بستے چلے جائیں گے جبتک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں۔ سوائے اس (وقت) کے جو تیرا رب چاہے تیرا رب جو چاہتا ہے یقیناً اسی کو کرکے رہتا ہے۔ اور جو خوش نصیب (ثابت) ہونگے وہ جنت میں ہونگے درانحالیکہ وہ اسمیں رہینگے جبتک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں سوائے اس (وقت) کے کہ تیرا رب چاہے (یہ الہٰی) عطا ہے جو (کبھی) کاٹی نہیں جائے گی۔

اِلَّا بِاِذْنِہٖ یعنی وہ جزا کا وقت ہوگا۔ اور اس وقت عدالت قائم کی جائیگی۔ اور

بجز اذنِ الٰہی کے کوئی کلام نہیں کرے گا۔ یہ مطلب نہیں کہ جس طرح اس دُنیا کی عدالتوں میں افسرِ مجاز سے اجازت حاصل کئے بغیر بولنے کی اجازت نہیں ہوتی اگلے جہان میں بھی ایسا ہی ہوگا۔ کیونکہ اس دُنیا میں تو اس لئے اجازت نہیں ہوتی کہ ایک ہی وقت میں کئی آدمی بول کر شور نہ ڈال دیں۔ مگر خدا تعالےٰ کے سامنے یہ دقت نہیں ہے۔ پس مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص بغیر ارشادِ الٰہی کے بولیگا ہی نہیں۔ کیونکہ ہر ایک نفس جانتا ہوگا کہ عالم الغیب خدا کے سامنے کچھ عذر پیش کرنا فضول ہے۔ مگر اللہ تعالےٰ اپنے کامل جسم سے کام لیکر لوگوں کی وکالت کرے گا۔ اور انہیں ان امور کو سامنے لانے کا ارشاد فرمائیگا جو ان کی ذات کے لئے یا ان کے ساتھیوں کی ذات کے لئے جرم کی تخفیف یا نیکی کی عظمت ظاہر کرنے کا موجب ہوں)۔

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّ سَعِيْدٌ۔ شقی وہ ہے جس کے اندر نیکی کا مادہ نہ ہو اور اس کا قلب نیکی کی تحریک سے متاثر نہ ہو۔ اور سعید وہ ہے جس میں نیکی کا مادہ ہو اور نیکی کی تحریک سے متاثر ہونے والا ہو۔ اس دن شقی کی ذلت اور سعید کا اعزاز ظاہر کیا جائیگا۔

زَفِيْر مصدر ہے زَفَرَ يَزْفِرُ زَفْرًا وَّ زَفِيْرًا۔ أَخْرَجَ نَفَسَهٗ بَعْدَ مَدِّهٖ إِيَّاهُ۔ یعنی لمبا سانس کھینچکر ہوا باہر نکالی۔ آگ زور سے بھڑکی جس کے شعلوں سے آواز پیدا ہوئی۔ نیز زفیر کے شہیق کی نسبت معنے ہیں کہ زفیر اوّل صوت الحمار اور گدھے کی آواز کے پہلے حصے کو کہتے ہیں۔ سانس لینے کے وقت جو ایسی لمبی آواز پیدا ہوتی ہے اسے بھی زفیر کہتے ہیں (اقرب)۔

شَهَقَ الرَّجُلُ يَشْهَقُ شَهِيْقًا تَرَدَّدَ الْبُكَاءُ فِيْ صَدْرِهٖ ہچکیاں لے لے کر رویا۔ شَهِيْقُ الْحِمَارِ آخِرُ صَوْتِهٖ۔ گدھے کی آواز کا پچھلا حصہ یعنی

جو چھوٹی چھوٹی آوازوں کا مجموعہ آخر میں سنائی دیتا ہے۔ (اقرب)

قرآن مجید نے کفار کے لئے زَفِیر اور شَہِیق کے الفاظ استعمال کر کے انہیں گدھے سے مشابہت دی ہے، جس کی ایک وجہ تو قرآن کریم میں دوسری جگہ یہ بتائی ہے کہ جس طرح گدھے پر کتابیں لادو تو وہ عالم نہیں ہو جاتا، بلکہ ویسے کا ویسا ہی رہتا ہے، اسی طرح صداقت سے غافل لوگ ہوتے ہیں، کہ ظاہری علم تو انہیں حاصل ہوتا ہے لیکن عرفان اور روحانیت سے وہ بالکل خالی ہوتے ہیں۔

پھر گدھا بیوقوفی کے لحاظ سے بھی مشہور ہے، اور قرآن مجید نے گدھے کی بزدلی کا بھی ذکر فرمایا ہے، جیسے آتا ہے، کَاَنَّھُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَۃٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَۃٍ (المدثر۔ ع) ایسا ہی کافر بھی بزدل ہوتا ہے۔ اگر ہم غور سے دیکھیں، تو ایمان نہ لانے کی دو ہی بڑی وجہیں ہوتی ہیں۔ (۱) انسان ان علوم سے فائدہ نہیں اٹھاتا، جو اس کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں (۲) وہ سچائی کو سمجھ جاتا ہے، مگر خوف کی وجہ سے نہیں مان سکتا، اور ان دونوں حالتوں میں کافر گدھے سے مشابہت رکھتا ہے۔

لَھُمْ فِیْھَا زَفِیْرٌ وَّ شَھِیْقٌ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آواز دوزخ میں جانے والوں کی ہوگی۔ پس جن دوسری آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دوزخ کی آگ سے آواز آئیگی ان سے مراد بھی یہی ہے کہ وہ دوزخیوں کے رونے اور چلّانے کی آواز ہی ہوگی۔

سَعِدَ اور سَعِدَ کے معنے یہ ہیں، کہ فلاں شخص میں شقاوت کے خلاف حالت پائی گئی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اَلسَّعْدُ اَلْیُمْنُ۔ یعنی سَعْد کے معنی برکت کے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔

مَجْذُوْذٌ۔ جَذَّ میں سے اسم مفعول ہے۔ جَذَّ الشَّيْءَ کَسَرَہٗ وَقَطَعَہٗ مُسْتَاصِلًا اسے توڑ دیا، اور جڑ سے کاٹ دیا۔ اَسْرَعَ جلدی سے دوڑا۔ النَّخْلَ

صَرَمَهٗ۔ کھجور کو کاٹ دیا۔ (اقرب) پس غیر مجذوذ کے معنے ہوئے جو کاٹی نہیں جائے گی، بند نہ ہوگی۔

اس آیت میں ایک مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے، جس میں اسلام کو دوسرے تمام مذاہب سے سخت اختلاف ہے، اور وہ مسئلہ نجات کا ہے۔

ہندوؤں کا یہ خیال ہے، کہ دوزخ اور جنّت (جزاء سزاء) دونوں ہی محدود ہیں۔ انسان اپنے اعمال کی جزاء یا سزا بھگت کر پھر اسی دُنیا میں آجاتا ہے۔ اگرچہ ان کے بعض فرقوں کا باہم اختلاف ہے، مگر تمام میں یہ بات بطور بنیاد کے موجود ہے، کہ جزاء اور سزا ہر دو عارضی ہیں۔

آرین قوم کے علاوہ، جن میں سے ہندو ہیں، دوسرا بڑا سلسلہ اقوام سامی ہے۔ اس سلسلہ میں یہودی نسلاً اور عیسائی مذہباً شامل ہیں۔ یہود کے نزدیک جنت غیر یہودی کے لئے بالکل نہیں، اور دوزخ یہودی کے لئے قریباً حرام ہے۔ زیادہ سے زیادہ ایک یہودی گیارہ مہینے دوزخ میں رہ سکتا ہے۔ اس کے سوا باقی لوگوں کے لئے جہنّم ابدی اور غیر منقطع ہے۔ عیسائیوں کے نزدیک جہنم بھی غیر منقطع ہے، اور جنّت بھی غیر منقطع۔ عیسائیوں کے بعض فرقوں کے نزدیک آخر کار جنّت مٹ جائے گی۔

اسلام ان تمام عقائد سے اختلاف رکھتا ہے۔ اسلام کی وہ ثابت شدہ تعلیم جسے پہلے بھی اکثر آئمہ مانتے چلے آئے ہیں، اور حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے خصوصیت سے اور نئے رنگ میں اس پر زور دیا ہے، وہ یہی ہے، کہ جنّت ہمیشہ کے لئے اور غیر محدود زمانہ تک کے لئے ہے۔ لیکن دوزخ غیر منقطع نہیں۔ ایک زمانہ آئیگا، کہ دوزخ ختم ہوجائیگا۔ مفسّرین نے اس اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ کی، جو دوزخ کے متعلق آیا ہے، تفسیر میں

بہت اختلاف کیا ہے، اور مختلف توجیہات بیان کی ہیں۔ (۱) بعض نے مَا بمعنی مَنْ
بیان کیا ہے اور اِلَّا مَا شَآءَ کو اِلَّا مَنْ شَآءَ رَبُّكَ قرار دیا ہے۔ یعنے جسے خدا چاہیگا
نکال دیگا۔ یعنی ان کے نزدیک دوزخ تو غیر منقطع ہی ہے، مگر موحد گنہگار ایک زمانہ کے
بعد اس میں سے نکال لئے جائیں گے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مَا، مَنْ کے معنی میں
بھی آجاتا ہے، مگر وہیں آتا ہے جہاں مَنْ میں بعض مَا (غیر ذوی العقول چیزیں)
بھی شامل ہوں۔ لیکن اس موقعہ پر ایسے وجود شامل نہیں ہیں۔ اس لئے یہ تاویل درست
نہیں معلوم ہوتی۔ بعض اوقات بواعث کی وجہ سے بھی اس کا استعمال مَنْ کی جگہ جائز ہے،
مگر وہ بواعث بھی یہاں موجود نہیں ہیں۔ ان معنوں کی تائید میں جو بعض مثالیں مَا کی ایسی
پیش کی گئی ہیں جن سے صرف انسان ہی مراد ہیں۔ مثلاً مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ
ان کو محققین نے تسلیم نہیں کیا۔ بلکہ ان کے نزدیک مَا اس قسم کی آیات میں اور معنوں میں
آیا ہے۔ اور یہی درست ہے۔

پھر یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم نے مومن گنہگار کے لئے بھی وہی الفاظ
استعمال کئے ہیں جو کافر کے لئے۔ پس فرق کرنے کے لئے کوئی دلیل چاہیئے جو موجود
نہیں ہے۔ سورۂ نساء میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی نسبت فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَّعْصِ
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ
عَذَابٌ مُّهِيْنٌ (ع ۲) یعنی وہ مسلمان جو ان آیات سے پہلے گذرے ہوئے احکام کو
تسلیم نہیں کرینگے، دوزخ میں جائیں گے اور اس میں رہتے ہی چلے جائیں گے۔ اسی طرح
اسی سورۃ کے رکوع ۱۳ میں فرماتا ہے، وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ
جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا

عَظِیْمًا ۝ اور جو کوئی مومن کو جان بوجھکر قتل کردے، اس کی سزا جہنم ہوگی، وہ اس میں ہمیشہ رہیگا، اور اللہ اس پر غضب نازل کریگا، اور اُسے اپنے قرب سے محروم کردیگا، اور اس کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کریگا۔ سورۂ جن رکوع ۲ میں ہے، وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے پہلے کفار کا ذکر ہے، لیکن اس آیت میں جو قاعدہ بتایا گیا ہے، وہ صرف کفار پر چسپاں نہیں ہوتا، بلکہ ہر ایک نافرمانی کرنے والے پر خواہ موحد ہو یا غیر موحد۔ پس اس حکم کی عمومیت کو ہم کسی صورت میں مقید نہیں کرسکتے۔

(۲) بعض نے کہا ہے کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ سے مراد دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے کا زمانہ ہے، یعنی اِلَّا الْوَقْتَ الَّذِيْ لَا يُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِي النَّارِ۔ اَيْ قَبْلَ مَا يُدْخِلُهُمْ فِي النَّارِ۔ لیکن یہ معنے بھی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ اس سے پہلے خٰلِدِيْنَ فِيْهَا آچکا ہے، اور اِلَّا خلود کے زمانہ سے ہی اپنے بعد والے مضمون کا استثناء کرتا ہے، اور یہ استثناء اسی صورت میں درست ہوسکتا ہے جبکہ مستثنٰی وجود دوں کا پہلے دوزخ میں داخلہ مان لیا جائے۔ نیز خلود سے آئندہ کا زمانہ مراد ہوتا ہے نہ کہ پچھلا، جیسا کہ فرمایا اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ (انبیاء۔ ع ۳) اگر پہلا زمانہ بھی خلود کے منافی ہوتا، تو وہ تو آہی چکا تھا۔ اور وہ پیدا ہو چکے تھے۔ پس خلود کی نفی تو پیدائش ہی سے ہوجاتی تھی۔

جنتیوں کے متعلق جو استثناء ہے، اس کے متعلق بھی بعض مفسرین لکھتے ہیں، کہ اس سے اعراف والے لوگ یا دوزخ سے نکل کر جنت میں آنیوالے لوگ اور ان کا زمانہ مراد ہے۔ اس کا بھی یہی جواب ہے، کہ خلود بعد کے زمانہ کے امتداد پر دلالت کرتا ہے نہ کہ

پہلے زمانہ کے امتداد پر۔

اصل میں ساری مشکل ان لوگوں کو اس وجہ سے پیش آئی، کہ اس آیت کے الفاظ سے تو ظاہر ہوتا ہے، کہ دوزخ کا عذاب آخر ختم ہونے والا ہے، لیکن ان لوگوں کا عقیدہ یہ تھا، کہ دوزخ کا عذاب بھی جنت کی نعمار کی طرح غیر مجذوذ اور نہ ختم ہونے والا ہے، اس لئے وہ ان توجیہات پر مجبور ہوئے۔ حالانکہ حق یہ ہے کہ نہ صرف قرآن مجید ہی دوزخ کو منقطع قرار دیتا ہے، بلکہ احادیث بھی اسی کی تائید کرتی ہیں، چنانچہ عبد اللہ ابن عمرو ابن العاص کی روایت سے احمد (ابن حنبل) نے نقل کیا ہے، کہ لَیَأْتِیَنَّ عَلٰی جَھَنَّمَ یَوْمٌ تَصْفِقُ فِیْهِ اَبْوَابُھَا لَیْسَ فِیْھَا اَحَدٌ وَ ذٰلِکَ بَعْدَ مَا یَلْبَثُوْنَ فِیْھَا اَحْقَابًا (فتح البیان سورۂ ہود آیت زیر بحث) ضرور جہنم پر ایک ایسا زمانہ آئیگا، کہ اس کے دروازے بجیں گے، اور اس میں کوئی شخص نہ ہوگا۔ اور یہ اس وقت ہوگا، جبکہ لوگ کئی صدیاں اس میں رہ چکے ہونگے۔ گویا خلود سے مراد صدیوں رہنا ہے۔ اس حدیث کے متعلق بعض محدثین کہتے ہیں، کہ اس کے راویوں میں ایک کذّاب ہے۔ لیکن یہ اعتراض ان کا درست نہیں، کیونکہ یہ روایت قرآن کریم کے مطابق ہے۔ سورۃ نبا میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا ہے۔ لٰبِثِیْنَ فِیْھَآ اَحْقَابًا۔ کہ کفار دوزخ میں صدیوں رہیں گے۔

فتح البیان میں یہ بھی لکھا ہے کہ یہی قول ابن مسعودؓ اور ابوہریرہؓ کا بھی ہے، اور کئی راویوں سے مروی ہے، اور امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں، کہ یہی عقیدہ حضرت عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ اور بہت سے گذشتہ مفسرین کا بھی تھا۔ حافظ ابن القیم جو بڑے صوفی اور امام ابن تیمیہؒ کے شاگرد ہیں انہوں نے اپنی کتاب حادی الارواح الی بلاد الافراح میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی ہے۔

بعض ائمہ نے خَالِدِیْنَ کے لفظ کا یہ جواب دیا ہے کہ بے شک وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، لیکن جب اللہ تعالیٰ دوزخ ہی کو مٹا دیگا، اور اس طرح سے اپنا رحم جاری کریگا تو پھر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب دوزخ ہی نہ رہے گا، تو دوزخی اس میں کس طرح رہ سکتے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ اور ابن القیم نے بھی دوزخ کے فنا ہو جانے کے مسئلہ کی تائید کی ہے (فتح البیان) علامہ بغوی نے اُوپر والی روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے نقل کی ہے، جس سے اس روایت کی مزید تصدیق ہو جاتی ہے۔ ابن جریر نے شعبی کا قول نقل کیا ہے، کہ جَهَنَّمُ اَسْرَعُ الدَّارَيْنِ عُمْرَانًا وَ اَسْرَعُهُمَا خَرَابًا۔ یعنی جہنم دونوں گھروں میں سے پہلے آباد ہونے والی اور پہلے خراب ہونے والی ہے۔

وَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَيَأْتِيَنَّ عَلَيْهَا زَمَانٌ تَخْفِقُ بِهَا اَبْوَابُهَا یہی قول جابرؓ ابو سعید خدری اور عبید اللہ بن عمرؓ سے بھی مروی ہے۔ (فتح البیان)

حضرت ابو سعید خدریؓ کی بھی ایک روایت ہے، جو بخاری اور مسلم دونوں میں پائی جاتی ہے، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے، کہ جہنم ہمیشہ کے لئے نہیں ہے، حدیث لمبی ہے: اس کا وہ ٹکڑا جس سے استدلال ہو سکتا ہے، یہ ہے، کہ قیامت کو اللہ تعالےٰ مختلف لوگوں کو شفاعت کی اجازت دے گا، آخر مومنوں کو بھی شفاعت کی اجازت ملے گی، پہلے وہ اپنے جان پہچان کے لوگوں کو بچائینگے۔ اس کے بعد اللہ تعالےٰ ان سے کہیگا، کہ جس کے دل میں ایک دینار کے برابر بھی نیکی ہو اُسے نکال لاؤ، پھر نصف دینار کے برابر نیکی والونکو، پھر جس کے دل میں ایک ذرہ بھی نیکی ہو گی اس کو نکلوا لیگا۔ اس کے بعد مومن کہیں گے، کہ رَبَّنَا لَمْ نَذَرْ فِيْهَا خَيْرًا فَيَقُوْلُ اللّٰهُ شَفَعَتِ الْمَلَائِكَةُ وَشَفَعَ النَّبِيُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ يَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ فَيَقْبِضُ قَبْضَةً

مِنَ النَّارِ فَيُخْرِجُ مِنْهَا قَوْمًا لَمْ يَعْمَلُوا الْخَيْرَ قَطُّ۔ یعنی اے ہمارے رب ہم نے دوزخ میں نیکی کا ایک ذرہ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ تب اللہ تعالیٰ فرمائیگا، کہ ملائکہ نے بھی شفاعت کرلی اور نبیوں نے بھی کرلی، اور مومنوں نے بھی کرلی، اور صرف ارحم الراحمین باقی رہ گیا ہے۔ اس پر خدا تعالےٰ دوزخ سے ایک مٹھی بھریگا۔ اور دوزخ سے ایسے لوگوں کو نکالے گا، جنہوں نے کبھی کوئی نیک کام نہ کیا ہوگا۔ اس روایت سے ظاہر ہے، کہ دوزخ سے وہ لوگ بھی نکال لئے جائیں گے، جنہوں نے کبھی نیکی نہیں کی ہوگی، اور اس سے ادنیٰ درجہ کوئی ہے ہی نہیں، کہ جس کی نسبت ہم خیال کریں کہ وہ دوزخ میں رہ گیا ہوگا۔ نیز اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ مٹھی بھر کر دوزخ سے نکالیگا۔ اور خدا تعالیٰ کی مٹھی سے مراد جسمانی مٹھی تو ہے نہیں، اس سے مراد احاطہ ہی ہوتا ہے، اور خدا تعالیٰ کے احاطہ سے کون شئے باہر رہ سکتی ہے۔

تیسرا استدلال اس روایت سے یہ بھی ہوتا ہے، کہ جن کو سزا ملنی ہوگی، ان کو اُن کی بدیوں کا سزا پہلے مل جائیگی، اور خیر کو باقی رکھ لیا جائیگا۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهُ۔ یعنی جس نے ایک ذرہ نیکی بھی کی ہوگی، وہ اسے ضرور دیکھے گا۔ پس بعد میں نجات کا ملنا ضروری ہوا۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے، کہ اکثر صحابہؓ اور بزرگ تابعین اس مسئلہ میں ہمارے ساتھ ہیں، اور خود قرآن مجید بھی اس کی تائید کرتا ہے۔

پہلا ثبوت:۔ خود یہی آیت ہے، اس جگہ پر دوزخ اور جنت دونوں کے لئے ایک ہی لفظ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ وارد ہوا ہے۔ مگر دوزخیوں کے متعلق آگے فرمایا۔ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ اور جنت کے ذکر میں اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ کے بعد عَطَآءً

غَیْرَ مَجْذُوْذٍ فرمایا اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ میں زور دیکر بتلایا ہے، کہ دوزخیوں کو دوزخ سے ضرور نکالا جائے گا۔ پہلے اِنَّ کا لفظ رکھا پھر رَبّ کا لفظ، پھر فَعَّالٌ کا لفظ، جو مبالغہ کا صیغہ ہے، اور پھر اس جملہ کو جملہ اسمیہ کے رنگ میں لاکر اور بھی تاکید کر دی۔ اگر ان کو نکالنا ہی نہ تھا، تو پھر اتنا زور دینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ پھر جیسا کہ جنّت کے لئے عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ رکھا ہے، اگر دوزخ بھی اسی طرح سے غیر منقطع تھی، تو اس کے متعلق بھی عقابًا غَیْرَ مَجْذُوْذٍ آجاتا۔ جنت کے متعلق تو فرمایا کہ وہ رہیں گے تو ہماری مرضی کے مطابق، مگر ہماری مرضی یہی ہے، کہ ہمیشہ رہیں لیکن دوزخ کے متعلق ایسا مضمون کسی جگہ نہیں فرمایا، یہ بات اتنی واضح ہے، کہ ابن حجر جو اس مسئلہ میں ابن تیمیہ کے خلاف ہیں، انہیں بھی کہنا پڑا ہے، کہ اللہ تعالے نے جنّت کے متعلق تو اپنی مشیّت بتا دی، مگر دوزخیوں کے متعلق خاموش رہا ہے، خاموشی کا دعوےٰ بھی صحیح نہیں، اللہ تعالے نے تو فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ فرما کر بتلا دیا ہے، کہ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ میں جس طرف اشارہ کیا گیا ہے، اسے اللہ تعالےٰ ضرور پورا کرکے رہیگا۔

دوسرا ثبوت۔ اللہ تعالے فرماتا ہے، وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ (ہود ع) یعنی اگر تیرا رب چاہتا، تو سب لوگوں کو امت واحدہ بنا دیتا مگر وہ ہمیشہ مختلف رہیں گے، سوائے ان کے جن پر تیرا رب رحم کرے، اور اس نے ان لوگوں کو رحم کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ سے رحم ہی مراد ہے۔ ابن کثیر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے، لِلرَّحْمَةِ خَلَقَهُمْ وَلَمْ يَخْلُقْهُمْ لِلْعَذَابِ کہ اللہ تعالے

نے رحم کے لئے ہی بندوں کو پیدا کیا ہے، اور عذاب کے لئے نہیں پیدا کیا۔

اور ابنِ وہب نے طاؤس کے متعلق روایت کی ہے، کہ دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے، طاؤس نے انہیں کہا، کہ تم کیوں جھگڑتے ہو؟ ایک نے ان میں سے کہا، کہ وَلِذٰلِكَ خَلَقَنَا یعنی خدا نے ہمیں جھگڑنے اور اختلاف کرنے کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ طاؤس نے کہا۔ کَذَبْتَ تُو نے جھوٹ بولا۔ اس پر اس نے یہی آیت پڑھی، اور کہا، کہ انسان اختلاف کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ مگر طاؤس نے جواب دیا خَلَقَهُمْ لِلرَّحْمَةِ وَالْجَمَاعَةِ یعنی اس آیت کا یہ مطلب ہے، کہ انسان کو اللہ تعالے نے رحم اور اتفاق کے لئے پیدا کیا ہے۔ ابنِ کثیر میں ہے، کہ مجاہد ضحاک اور قتادہ کا بھی یہی مذہب تھا، کہ ذٰلِكَ کا اشارہ رحم کی طرف ہے، اور دُرِّ منثور میں لکھا ہے کہ ابن جریر نے مجاہد سے روایت کی ہے، لِلرَّحْمَةِ خَلَقَهُمْ۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ اور قتادہ سے روایت کی ہے، لِلرَّحْمَةِ وَالْعِبَادَةِ، کہ رحمت اور عبادت کے لئے انسان کو پیدا کیا ہے۔

اب ظاہر ہے، کہ اگر کچھ انسان بھی ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخ میں پڑے رہیں، تو ان کی پیدائش رحمت کے لئے قرار نہیں دی جا سکتی، اور اس صورت میں نعوذ باللہ یہ آیت غلط ہو جائیگی۔

تیسرا ثبوت:۔ جنت کے متعلق کئی دوسرے مقامات پر فرمایا، کہ وہ ہمیشہ رہے گی، فَلَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (التین) لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (سورۃ انشقاق) لَهُمْ اَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُوْنٍ (حٰمٓ سجدہ ع۱) لیکن دوزخ کے متعلق ایسا کہیں نہیں فرمایا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے، کہ جنت کی جزا اور دوزخ کی سزا میں فرق ہے،

چوتھا ثبوت - اعراف رکوع ۱۹ میں فرمایا ہے، عَذَابِيْٓ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ - میں اپنا عذاب توجس کو چاہونگا پہونچاؤنگا، اور میری رحمت ہرایک چیز پر وسیع ہے، پس میں اُسے ان لوگوں کے لئے لکھدونگا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں، اور زکوٰۃ دیتے ہیں، اور ہمارے نشانوں پر ایمان لاتے ہیں۔ اس آیت سے ثابت ہے، کہ اللہ تعالےٰ کی رحمت ہر چیز پر وسیع ہے، عذاب ایک درمیانی چیز ہے، جن کو وہ عذاب دیگا ان کو بھی آخر اپنی رحمت سے ڈھانپ لیگا، عذاب کو محدود لوگوں کے لئے بتا کر رحمت کو نہ صرف سب انسانوں بلکہ سب اشیاء کے لئے عام کرنا بالکل واضح کر دیتا ہے، کہ اہل دوزخ کا عذاب بھی ختم ہو جائے گا، ورنہ كُلَّ شَيْءٍ غلط ہوجاتا ہے۔ سورۃ مومن میں بھی اسی مضمون کی ایک آیت ہے، فرماتا ہے، رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا (مؤمن رکوع) اے خدا تو ہر چیز کا اپنی رحمت اور علم کے ذریعہ سے احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اب اگر بعض لوگ ہمیشہ کے لئے عذاب میں رہ کر رحمتِ الٰہی سے محروم ہو سکتے ہیں، تو پھر یہ بھی ممکن ہونا چاہیئے، کہ بعض چیزیں خدا کے علم سے بھی نکل سکیں، کیونکہ علم اور رحمت کا ذکر ایک ساتھ فرمایا ہے، مگر یہ امر بالبداہت غلط ہے۔

شاید اس جگہ کوئی یہ اعتراض کرے، کہ پھر بعض لوگوں کا عارضی طور پر سزا پانا بھی درست نہیں، ورنہ کہنا پڑے گا، کہ بعض لوگ عارضی طور پر خدا کے علم سے بھی نکل جاتے ہیں۔ اس اعتراض کا جواب یہ ہے، کہ جب یہ تسلیم کیا جائے، کہ آخر سزا دور

ہو جائے گی، تو ماننا پڑے گا، کہ سزاء درحقیقت اصلاح کا ذریعہ ہوگی، اور جو سزا اصلاح کا ذریعہ ہو، وہ رحمت کا ہی ظہور ہوتی ہے، جیسے استاد کی سزا۔ پس اس عقیدہ کے رُو سے کوئی بندہ خدا کی رحمت سے ایک منٹ کے لئے بھی جُدا نہیں ہوتا، بلکہ ہر وقت وہ اس کی رحمت کے سایہ کے نیچے ہوتا ہے، لیکن دائمی عذاب کو مان کر یہ صورت باقی نہیں رہتی۔

پانچواں ثبوت:۔ سورۃ ذاریات میں آتا ہے، وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنے میں نے جنوں اور انسانوں کو اپنا عبد بننے کے لئے ہی پیدا کیا ہے۔ اور پھر دوسری جگہ فرمایا ہے۔ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ (الفجر) اے نفس مطمئنہ تو اب میرے بندوں میں شامل ہو جا، اور میری جنت میں داخل ہو جا۔ یعنے جو عبد بن جائے گا، وہ ضرور جنت میں داخل ہو جائیگا۔ چونکہ پہلی آیت سے ثابت ہے، کہ آخر سب ہی انسان عبد بنیں گے، کیونکہ خدا نے جس غرض کے لئے انسان کو پیدا کیا ہے، وہ ہمیشہ کے لئے اس سے محروم نہیں رہ سکتا، اس لئے جب سب لوگ جلد یا بدیر عبد بنیں گے، تو سب جنت میں بھی ضرور جائیں گے۔

چھٹا ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالے سورۃ زلزال میں فرماتا ہے، فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ، کہ جو بھی نیکی کرے گا، خواہ وہ کتنی بھی قلیل کیوں نہ ہو، وہ اس کو ضرور دیکھے گا۔ کمی سزا کا نام نیکی کا دیکھنا نہیں کہلا سکتا، اس لئے ضرور ہے، کہ بد اعمال کی سزا پہلے دی جائے، اور پھر اس کو ایک عرصہ کے بعد ختم کر کے نیک اعمال کی جزاء شروع کی جائے۔

ساتواں ثبوت:۔ قرآن کریم میں اللہ تعالے فرماتا ہے، وَ اَمَّا مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُہٗ

فَاُمُّهٗ هَاوِيَةٌ (القارعہ) جس شخص کے اعمال ہلکے ہونگے اس کی ماں ہاویہ یعنی جہنم ہوگی۔ اس آیت میں جہنم کو ماں قرار دیا گیا ہے، اور ماں کے پیٹ میں بچہ ہمیشہ کے لئے نہیں رہتا، بلکہ اس وقت تک رہتا ہے، جب تک کہ تکمیل اعضا و قویٰ نہ ہو جائے، پس جہنم میں بھی اسی وقت تک انسان رہے گا، جب تک کہ اس کی ان قوتوں کا نشوونما ہو جائے، جو دیدارِ الٰہی کے مناسب حال ہیں۔

یہ آیات بتلا رہی ہیں، کہ دوزخ غیر منقطع نہیں، اور خلود سے مراد لا انتہا زمانہ نہیں، بلکہ لمبا عرصہ، جس کو قرآن مجید نے لَابِثِيْنَ فِيْهَا اَحْقَابًا سے تعبیر کیا ہے مراد ہے، دوزخیوں اور جنتیوں کے متعلق یہ جو فرمایا ہے، کہ جب تک آسمان اور زمین رہیں گے، وہ ان میں رہیں گے، اس سے یہی مراد ہے، کہ جب تک جنت و دوزخ کے آسمان و زمین رہیں گے، وہ وہاں رہیں گے۔ اور یہ امر کسی آیت سے ثابت نہیں کہ دوزخ کو فنا نہیں کیا جائیگا، اور جب دوزخ کو فنا کر دیا جائے گا، تو دوزخیوں کے دوزخ میں رہنے کا زمانہ بھی ختم ہو جائے گا۔ (غیر مطبوعہ)

حضرت کرشن علیہ السلام اور مسئلۂ تناسخ

(از جناب پیر صلاح الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی پلیڈر فیروزپور)

—(۲)—

تناسخ کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے، کہ رُوح اور مادہ اور جنم کرم بھی خدا تعالیٰ کی طرح ازلی ابدی اور غیر مخلوق اور اپنے آپ سے ہیں۔ اور جس طرح خدا تعالےٰ غیر محدود ہے، اسی طرح جنم کرم کا سلسلہ بھی غیر محدود ہے۔ چنانچہ شاستر ارتھ درپن جو آریوں کا آئینہ مناظرہ ہے، اس میں لکھا ہے، "اگر جیو آتما یعنی رُوح قدیم ہے، اور کام کرنا اس کی صفت ہے، تو اس کے افعال یعنی کرم بھی قدیم ہونے چاہئیں۔" (صفحہ ۹ طبع اول)

غیر محدود کی تعریف سوامی دیانند کے نزدیک یہ ہے، کہ کوئی بھی ہستی کہ خود خدا بھی اس کی حد کو نہ جانتا ہو۔ چنانچہ آپ نے اس سوال کا کہ "پرمیشور اپنی حد جانتا ہے یا نہیں" یہ جواب دیا ہے، کہ "اس کا اپنے آپ کو غیر محدود ہی جاننا علم ہے۔ یعنی (غیر) محدود کو محدود اور محدود کو غیر محدود جاننا غلط فہمی کہلاتی ہے۔" (ستیارتھ پرکاش باب ۸ صفحہ ۲۴۴ طبع چہارم)

اس اصول کے پیش نظر آریہ صاحبان کا یہی عقیدہ ہے، کہ خود ایشور بھی لاتناہی جنموں کی گنتی نہیں جانتا۔

برخلاف اس کے حضرت کرشنؑ کی یہ تعلیم ہے، کہ جنم محدود ہیں، اور خدا تو درکنار

خود حضرت کرشن ان سے واقف ہو سکتے ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں ۔

"ہے ارجن میرے اور تیرے جنم تو بے شمار ہو چکے ہیں ان سب کو میں جانتا ہوں تو نہیں جانتا" (گیتا آدھیائے ۴ شلوک ۵)

محولہ بالا شلوک سے ثابت ہوتا ہے، کہ جنم غیر محدود نہیں، کیونکہ اگر وہ غیر محدود ہوتے، تو بقول آریہ صاحبان کرشن جی تو درکنار خود پرتما بھی ان کو نہ جان سکتا۔ اور جب جنم غیر محدود نہیں، تو وہ ازلی بھی نہیں، جس کے معنی یہ ہوئے کہ رُوح اور مادہ کا اتصال ازلی نہیں، اور اگر رُوح اور مادہ کا اتصال یعنی جنم ازلی نہیں، تو کرم بھی ازلی نہیں ہو سکتا، اور جب جنم اور کرم ازلی نہیں، تو اس کے یہی معنے ہیں، کہ روح اور مادہ بھی ازلی نہیں، کیونکہ بقول آریہ صاحبان "اگر روح قدیم ہے اور کرم کرنا اس کی صفت ہے، تو اس کے افعال یعنی کرم بھی قدیم ہونے چاہئیں" (شاستر ارتھ درپن صہ ۹) اور جب رُوح اور مادہ ازلی نہیں، تو مخلوق ہوئے ۔

ماسوا اس کے مندرجہ ذیل شلوک صاف صاف گواہی دے رہے ہیں، کہ حضرت کرشن کے نزدیک خدا تعالےٰ ہی سب جہان کا خالق ہے (۱) اور وہی سبب اُولی ہے، اور دُنیا کا کارخانہ کرم کی وجہ سے نہیں، بلکہ اسکی خالقیت کی وجہ سے چل رہا ہے، اور جنم کا سبب کرم نہیں، بلکہ خدا ہی ہر ایک چیز کا سبب ہے اور اسی کے سبب سے نہ کہ اپنی ذات سے سارا عالم موجود ہے، وہی نیست سے ہست کرتا ہے، اور اس کے علاوہ سب جہان فانی ہے ۔

(۱) بداند حقیقت شناسائے راز کہ ہر کار را ہے کند کارساز۔ (فیضی ۳۴۹ شعر)

(۲) "مہاتما لوگ فرشتوں کی خصلت کا سہارا لیکر سب جانداروں کا موجب اولین اور لافانی مجھے جان کر غیر مبدل یقین سے میری یاد کرتے ہیں۔" (۹/۱۳)

(۳) "اے ارجن ست نیست بھی میں ہی ہوں۔" (۹/۱۹)

(۴) منم حرف اول کہ من گفتہ ام بصد رنگ دیگر سخن گفتہ ام۔ (فیضی ۹/۱۴ شعر)

(۵) زمیں ہم منم آسماں ہم منم مکیں ہم مرا واں مکاں ہم منم۔ (فیضی ۹/۱۴ شعر)

(۶) خدائیست باقی جہاں فانیست زمین و زماں این و آں فانیست۔ (فیضی ۳/۱۵ شعر)

(۷) اگر اعتقاد تو ارجن چنیں است کہ جاں نیز مخلوق جاں آفرین است۔ (فیضی ۲/۱۴ شعر)

(۸) علیم و کریم و رحیم است او
جہاں حادث است و قدیم است او (فیضی ۸/۱۴ شعر)

(۹) "اے کڑا کیش (ارجن) میں سب جانداروں کے دل میں موجود آتما ہوں۔ میں ہی سب جانداروں کا آغاز بیچ اور اخیر ہوں۔" (۱۰/۲۰)

منم اول و آخر و درمیاں جہانست قالب منم جانِ آں۔ (فیضی ۱۰/۱۴ شعر)

(۱۰) "برہما کا بیان اوم تت اور ست اس طرح تین طرح سے کیا گیا ہے۔ اور اس کے ذریعے زمانہ قدیم میں برہمن وید اور یگیہ بنائے گئے۔" (۱۷/۲۳)

(۱۱) یکے شد سہ واز سہ شد صد ہزار وزآں سہ بگرفت عالم قرار
ز حرفِ نخستیں برہما شدہ زمیں آتش و بید پیدا شدہ
ز حرفِ دوم بشن آمد پدید دگر آنچہ باد و ہم ابر بید
ز حرفِ سوم آمد اسے راست بیں مہادیو خورشید و خلدِ بریں
(فیضی ۲۴/۱۷)

(۱۲) "اے ارجن سب جانداروں کا تخم اولین میں ہوں۔" (۷/۱۰)

(۱۳) "سب کو فنا کرنے والی موت میں ہوں مستقبل میں پیدا ہونے والے کا موجب پیدائش میں ہوں" (۱۰/۳۴) (اس کے سابقہ جنم نہیں فرمایا)

(۱۴) "ہے ارجن سب جانداروں کی پیدائش کا موجب میں ہوں۔ جو کچھ ساکن یا متحرک ہے، وہ میرے بغیر نہیں ہے" (۱۰/۳۹)

(۱۵) اپنی قدرت کے ایک ذرے سے اسی کل دنیا کو سہارا دے کر میں موجود ہوں" (۱۰/۴۲)

اس شلوک کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم تصریح کے لئے کچھ اور مترجمین کے تراجم بھی درج کر دیتے ہیں۔

"یہ عالم میرے ایک ہی کرشمے کا مظہر ہے" (رشوناتھ رائے جی)

"اس سارے جہان کو میں اپنے ایک انس ماتر (جزو) سے دھارن (قائم) کرکے موجود ہوں" (امرت گیتا مصنفہ چوہدری روشن لال ایم۔اے۔ای۔اے۔سی)

"Having pervaded this whole universe with one fragment of my self I remain"
(Annie Besant)

مندرجہ بالا شلوک اس بات کو بخوبی ثابت کر دیتے ہیں، کہ خدا ہی سارے جہان کا خالق ہے، اور باقی سب مخلوق ہیں۔ اور یہ ایسی تعلیم ہے، جو تناسخ کی بنیاد دوں پرانی پھیر دیتی ہے، کیونکہ تناسخ کے رُو سے رُوح اور مادہ خدا کی طرح غیر مخلوق اور اپنے آپ سے ہیں، لیکن حضرت کرشن ؑ کی تعلیم اس کے بالکل برعکس ہے، اور یہی وہ تعلیم ہے جسے خدا تعالےٰ کے تمام راستباز بیان کرتے آئے ہیں، اور آج جب لوگ حضرت کرشن ؑ

کی اس تعلیم سے دُور جا پڑے، تو آپ کی رُوحانیت نے جوش مار کر اپنا ایک بُروز پیدا کیا، جس نے پھر اسی تعلیم کی طرف لوگوں کو بلایا اور فرمایا:-

"خدائے عزّوجل کے ساتھ اس کی تمام مخلوقات اور جمیع عالموں کا جو علاقہ ہے وہ اس علاقہ سے مشابہ ہے جو جسم کو جان سے ہوتا ہے، اور جیسے جسم کے تمام اعضا روح کے ارادہ کے تابع ہوتے ہیں، اور جس طرف رُوح جھکتی ہے، اسی طرف وہ جھک جاتے ہیں، یہی نسبت خدائے تعالےٰ اور اس کی مخلوقات میں پائی جاتی ہے۔ اگرچہ میں صاحب فصوص کی طرح حضرت واجب الوجود کی نسبت یہ تو نہیں کہتا، کہ خلق الاشیاء وھو عینھا، مگر یہ ضرور کہتا ہوں کہ خلق الاشیاء وھو کعینھا" (توضیح مرام صٓ)

تناسخ کے چکر کو قائم رکھنے کے لئے تیسرا ضروری اصول محدود اور وقتی مکتی کا ماننا ہے، جیسا کہ سوامی دیانند صاحب ستیارتھ پرکاش باب ۹ میں فرماتے ہیں:-

"اگر کوئی جیو بھی مکتی سے لوٹ کر اس جہان میں نہ آوے، تو جہان کا خاتمہ ہو جاوے۔ یعنی جیو بالکل ختم ہو جاویں" (صفحہ ۴۱۳ طبع چہارم)

نیز فرماتے ہیں:-

"مکتی سے واپس نہ ہونے اور عمر بھر کی قید میں صرف اسی قدر اختلاف ہے، کہ وہاں (اس زندگی کی طرح) مشقت نہیں اٹھانی پڑتی" (صفحہ ۳۱۵)

لیکن گیتا کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے، کہ اس میں بار بار دائمی مکتی کی تعلیم دی گئی ہے، جیسا کہ ذیل کے شلوکوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

ا۔ "لذات سے پیدا شدہ خوشیاں کُنتی کے پتر وہ ابتدا اور انتہا والی ہیں۔ عقلمند آدمی ان میں دل نہیں لگاتا" (۵/۲۲)

اس شلوک میں لذات سے پیدا شدہ خوشیوں کو اس لئے ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے، کہ وہ ابتداء اور انتہاء والی ہیں۔ پس اگر مکتی کی لذت بھی محدود اور انتہاء والی ہو، تو حضرت کرشن جی کا یہ قول بے معنی ہو جاتا ہے، کیونکہ وہ تو یہ کہتے ہیں، کہ انتہا والی لذات کی طرف توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ پس اگر مکتی کو محدود تسلیم کر لیا جائے، تو اس کے یہ معنے ہوئے، کہ اس کی طرف بھی توجہ نہیں کرنا چاہیئے۔ اور اگر مکتی کی طرف توجہ باوجود اسکے محدود ہونے کے کی جا سکتی ہے، تو پھر اُن لذات سے جن کا اسی شلوک میں بیان ہے، رُکنے کے لئے ان کا غیر ابدی ہونا کوئی دلیل نہیں۔

(۲) "جو مجھے ہر جگہ دیکھتا ہے، اور سب کو مجھ میں دیکھتا ہے، وہ میری نظر سے اوجھل نہیں ہوتا، اور میں اُسکی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا" (۶/۳۰)

اس جگہ بھی یہ بیان کیا ہے، کہ عرفان کے بعد انسان ہمیشہ مکتی کی حالت میں رہتا ہے، اور خدا تعالے کی نظر اس کو کبھی نہیں چھوڑتی، اور وہ کبھی خدا تعالے کے دیدار سے محروم نہیں ہوتا، اور نہ ایک مدت کے بعد مکتی خانہ سے اندھوں کی طرح باہر پھینک دیا جاتا ہے، اور نہ اس کا تمام علم اور عرفان سلب ہو جاتا ہے، بلکہ جس طرح قرآن نے فرمایا ہے، کہ فَادْخُلِيْ فِيْ عِبَادِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔ اور دوسری جگہ فرمایا ہے، وَمَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۔ جب وہ ایک دفعہ خدا تعالے کی حقیقی معرفت سے اپنے دل کی آنکھوں کو منوّر کر لیتا ہے، تو اُسے دائمی نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

(۳) "اس طرح جو میرے عجیب جنم اور کرم کے بھید کو جانتا ہے، وہ ہے ارجن! جسم کو چھوڑ کر پھر جنم نہیں پاتا" (۴/۹)

(۴) "ہے کنتی کے پتر! برہم لوک سے لیکر سبھی لوگ بار بار آنے والے ہیں۔ لیکن

مجھے پانے کے بعد انسان کو پھر جنم کی ضرورت نہیں پڑتی" (۱۶/۸)

(ھ) "جو ناپید اور فانی کہلاتا ہے، اسی کو پرم گتی کہتے ہیں، جسے حاصل کرنے کے بعد لوگوں کا دوبارہ جنم نہیں ہوتا، وہ میرا پرم دھام ہے" (۲۱/۸)

مندرجہ بالا شلوک اس بات پر شاہد ناطق ہیں، کہ حضرت کرشن جی مکتی کو دائمی مانتے ہیں، حضرت کرشن جی اور سوامی دیانند کے مکتی کے متعلق نظریئے میں یہ ایک بنیادی فرق ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے جہاں حضرت کرشن جی مکتی کو ایک نہایت محبوب صورت میں پیش کرتے ہیں، کہ جس کی طرف انسان کی فطرت خود بخود کھچی چلی آتی ہے، وہاں سوامی دیانند صاحب اسے قید محض سے زیادہ وقعت نہیں دیتے، اور اسی لئے اس کے محدود ہونے پر مصر ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"مکتی سے واپس نہ ہونے اور عمر بھر کی قید میں صرف اسی قدر اختلاف ہے، کہ وہاں (اس زندگی کی طرح) مشقت نہیں اٹھانی پڑتی۔ باقی رہا برہم میں لین ہونا سو وہ تو گویا سمندر میں ڈوب مرنا ہے" (ستیارتھ پرکاش باب ۹ صفحہ ۴۱۳ طبع چہارم)

اب جبکہ ہم گیتا سے تناسخ کے تینوں بنیادی اصولوں کا بطلان ثابت کر آئے ہیں، تو ممکن ہے، ہمارے پیش کردہ شلوکوں کے متعلق کوئی صاحب یہ سوال کریں، کہ اگرچہ وہ تناسخی تعلیم کے اصولوں کے بالکل متضاد اور مغائر ہیں، لیکن خود انہی میں سے بعض میں متعدد جنموں کا ذکر موجود ہے۔ سو جاننا چاہیئے، کہ اول تو یہ حوالہ جات مسلمات خصم ہونے کی وجہ سے ہمارے مخالفوں پر حجت ہیں، نہ کہ ہم پر۔ ماسوا اس کے جب کسی عبارت میں بظاہر تضاد معلوم ہو تو اس کو حل کرنے کا یہی ذریعہ ہے، کہ یا تو ایک حصے کو دوسرے کے تابع کر کے اس کے وہ معنے کئے جائیں جو اس کے مخالف نہ ہوں، اور یا پھر

ایک حصہ کی صحت سے انکار کر دیا جائے۔ موجودہ صورت میں بظاہر ایک ایسا ہی اشکال پیش آتا ہے، یعنی ایک طرف تو مکتی کو دائمی قرار دیا گیا، اور خلافِ تناسخ تعلیم کا بیان ہے؛ اور دوسری طرف متعدد جنموں کا ذکر بھی معلوم ہوتا ہے۔ اگر ہم ان دو باتوں میں سے کسی ایک کی صحت کا انکار کریں، تو ہمیں اسی چیز کی صحت کا انکار کرنا پڑے گا، جس کے متعلق یہ شبہ پیدا ہو سکے، کہ وہ کسی منصوبے سے داخل کی گئی ہے۔ ہم اس سے پیشتر لکھ کر ثابت کر چکے ہیں، کہ تناسخ کے خلاف تعلیم کسی صورت میں بھی بیرونی دست برد کا نتیجہ نہیں ہو سکتی۔ برخلاف اس کے اس بات کو ماننے کے لئے قرائن تو یقیناً ملتے ہیں، کہ برہمنوں نے اپنی خود غرضی سے تناسخ کا مؤید حصہ جزو کتاب بنا دیا۔ پس اگر یہ صورت قبول کی جائے، تو ہمیں تناسخ کا مؤید بیان برہمن لوگوں کی کاوش کا نتیجہ ماننا پڑیگا، یعنی ان شلوکوں کی اس تعلیم کو قبول کر کے جو تناسخ کے خلاف ہے؛ باقی کو حوالہ بخدا کرنا ہوگا۔

اور اگر پہلی صورت اختیار کی جائے، تو پھر تناسخ کے مؤید حصوں کو، جو اصولی تعلیم کے خلاف بھی ہیں، تناسخ کی تعلیم کے خلاف حصص کے ماتحت لاکر ان کے معنے کرنے پڑینگے۔ ہر غیر متعصب شخص ان شلوکوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے اس بات کو بخوبی معلوم کر سکتا ہے، کہ ان میں جو تعلیم اصولاً بیان کی گئی ہے، وہ تناسخ کے تینوں بنیادی اصولوں کے مخالف ہے۔ پس اس وجہ سے بھی ان کے وہ معنے نہیں کئے جا سکتے، جو تناسخ کے مؤید ہوں۔

دراصل یہ شلوک بھی گیتا کی دوسری تعلیم کی طرح تصوف کے لباس میں ملبوس ہیں، اور ان میں صوفیاء کے "روحانی تناسخ" کی تعلیم دی گئی ہے۔ زمانہ گذرنے پر لوگوں نے

مسخ کر کے اس تعلیم کو کچھ کا کچھ بنا لیا۔ روحانی تناسخ کا مسئلہ صوفیاء میں مشہور اور متعارف ہے، اس کے رُو سے انسان اپنی زندگی میں بے شمار صورتیں بدلتا اور کئی جنم لیتا ہے، جیسا کہ مولانا روم فرماتے ہیں:- ؎

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام ہمچو سبزہ بارہا روئیدہ ام

نیز فرماتے ہیں:- ؎

از جمادی مردم و نامی شدم وز نما مردم بہ حیواں سرزدم
مردم از حیوانی و آدم شدم پس چہ ترسم کے ز مردم کم شوم
حملۂ دیگر بمیرم از بشر تا بر آرم از ملائک بال و پر
بار دیگر از ملک قرباں شوم آنچہ اندر وہم ناید آں شوم

انسان جب سلوک کی منازل طے کرتا ہوا خدا تعالےٰ کی راہ میں قدم مارتا ہے، تو اس کو کئی نئی دُنیاؤں میں سے گذر جانا پڑتا ہے، اور کئی نئی موتیں قبول کرنا پڑتی ہیں، اور چونکہ ہر ایک موت کے بعد ایک زندگی ہے، اس لئے کہہ سکتے ہیں، کہ اس نے کئی جنم لئے۔ وہ ایک حالت کو چھوڑ کر دوسری حالت میں بالکل ایک نیا وجود ہو کر جاتا ہے، اور اس کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اپنے پہلے جسم سے الگ ہو گیا ہے، غلط نہیں ہوتا۔ وہ جمود کی حالت سے سر اُٹھاتا ہے، اور ابتدائی قسم کی زندگی سے اپنے وجود میں بالیدگی محسوس کرتا ہے، اور جس طرح نباتات ہوا اور پانی سے سرور حاصل کرتے ہیں، وہ بھی آسمانی ہواؤں اور پانی سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ اس کے بعد وہ اپنی اس حالت سے ترقی کر کے خدا تعالےٰ کی طرف ایک نئی جون میں داخل ہو کر دوڑتا ہے، اور خود اس کے سبزہ زاروں اور شیریں چشموں کو ڈھونڈتا پھرتا ہے، کیونکہ اب وہ اپنے

مقام سے حرکت کر سکتا ہے۔ اور پھر جب وہ اس حیوانیت کے پردہ سے سر نکالتا ہے، تو ایک نیا انسان ہوتا ہے، جو اپنے دل کی محبت اور ارادہ کی عظمت کے ساتھ خدا تعالیٰ کے ساتھ تعلق قائم کرتا ہے، اور آسمانی پانی کو اپنے دل کے برتن میں محفوظ کر لیتا، اور آسمانی ہواؤں کے صافی اوقات کو پہچانتا، اور ان سے بہرہ اندوز ہوتا ہے، اور اپنی دعاؤں اور تضرع اور گریہ و زاری سے اس کے صاف پانی اور اس کی خوشبودار ہواؤں کو کھینچ لاتا ہے۔ اس حالت سے ترقی کر کے وہ فنائیت کے مقام پر پہونچتا ہے، اور اس کی ہر حرکت و سکون خدا تعالیٰ کے ارادہ اور رضا کے ماتحت ہو جاتی ہے وہ اس کے بلانے سے بولتا اور اس کے کہنے سے عمل کرتا ہے، گویا انسان نہیں فرشتہ ہے۔ اس کے بعد وہ ایک نئی تجلّی پا کر اپنے محبوبِ ازلی سے ایسا کامل اتحاد پیدا کر لیتا ہے، کہ دُنیا اور اس کے علائق سے مکمل طور پر کٹ جاتا ہے، اور اس میں اور خدا میں فرق کرنا محال ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

شانِ احمد را کہ داند جز خداوندِ کریم
آنچناں از خود جُدا شد کز میاں افتاد میم

یہ وہ حالت ہے جس کے بعد انسان دنیا اور اس کے علائق سے ایسا مکمل طور پر کٹ جاتا ہے، کہ پھر اس کے علائق کے کثیف اجسام کو قبول نہیں کرتا۔ یہی حقیقی نجات ہے، جو نیک لوگوں کو اسی دُنیا میں مل جاتی ہے، اور یہی ان شلوکوں کا مطلب ہے۔ ان میں مضمراً وہی تعلیم پیش کی گئی ہے، جو قرآنی آیت وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتَانِ میں بالبداہت بیان کی گئی ہے۔ یہی وہ جنّت ہے، جس کے

متعلق فرمایا کہ مَا هُمْ مِنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ، اور یہی حقیقی اور دائمی نجات ہے، یہ ہے روحانی تناسخ اور اس کا معراج جس کو تمام عارف قبول کرتے ہیں، اور جس کے ذریعہ انسان ایک مشت خاک سے باخدا اور محبوب خدا بن جاتا ہے۔ اسے اس جسمانی تناسخ سے کوئی تعلق نہیں، جو انسان کو جونوں کے چکر میں ڈال کر ذلیل اور مکروہ درندوں اور سانپوں اور بچھوؤں کی شکل میں ظاہر کرتا ہے، اسی کے متعلق گیتا کا بیان ہے کہ:-

"آدمی کو جیسے اس جسم میں بچپن جوانی اور بڑھاپا آتا ہے ویسے ہی دوسرا جسم بھی ملتا ہے۔ اس بات میں عقلمند آدمی کو دھوکا نہیں لگتا" (۲/۱۳)

جس طرح بچپن جوانی اور بڑھاپا ایک ہی جسم کی مختلف حالتیں ہیں، اور اگرچہ جوانی میں بچپن کا جسم نہیں ہوتا، اور ایک بالکل نیا جسم ہوتا ہے، اور بڑھاپے میں جوانی کا جسم چھوٹ کر ایک اور ہی جسم ہوتا ہے، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ انسانی جسم سات سال کے بعد ایک بالکل نیا وجود بن جاتا ہے، لیکن باوجود اس کے ہم نہیں کہہ سکتے، کہ پہلا جسم پچھلے سے الگ ہے، عین اسی طرح روحانی منزلوں میں انسان ایک سے دوسرا اور دوسرے سے تیسرا قالب بدلتا چلا جاتا ہے، مگر نہیں کہہ سکتے کہ وہ اپنے اصل وجود سے علیحدہ ہو گیا ہے، من وجہٖ وہ ایک نیا انسان ہوتا ہے اور من وجہٖ اپنے اصل سے متصل۔ برخلاف اس کے "تناسخی تبدیلیوں" کو جوانی اور بڑھاپے کی تبدیلی کے ساتھ کوئی مناسبت نہیں، اور نہ جوانی اور بڑھاپے کے تغیرات کو تناسخی تبدیلیوں سے کوئی مشابہت، جس میں یہ پہلا جسم بیک وقت چھوڑ کر ایک نیا چولہ پہن لیا جاتا ہے، اور اس ارتقائی اور تدریجی تبدیلی کے لئے جو بچپن اور جوانی اور بڑھاپے کی حالتوں سے بیان کی گئی ہے، کوئی موقعہ نہیں۔

سو معلوم ہوا، کہ حضرت کرشنؑ نے رُوحانی تناسخ کی تعلیم دی ہے جسے بگاڑ کر تصرف و تبدل کے بعد تناسخ کی سی صورت دیدی گئی۔ روحانی تناسخ کا مسئلہ صوفیاء میں عام ہے۔ ہندوؤں میں جو برہمن کو دوجنما کہتے ہیں، اس کی ابتداء بھی یہی روحانی تناسخ معلوم ہوتی ہے، ورنہ کیا اس کے یہ معنے ہیں، کہ برہمن میں دو روحیں جمع ہیں؟

علاوہ ازیں روحانی تناسخ کا ذکر اصل ہنود کی دیگر کتب میں بھی پایا جاتا ہے۔ مثلاً منوسمرتی کے مندرجہ ذیل دو شلوک ملاحظہ ہوں:۔

(۱) "جنم دینے والا اور وید پڑھانے والا ان دونوں میں وید پڑھانے والا بڑا ہے۔ وید پڑھنے سے جو جنم ہوتا ہے، وہ لازوال ہوتا ہے۔" (منوسمرتی ۲/۱۴۴ مترجمہ ماسٹر آتما رام۔ طبع سوم)

(۲) "وید میں برہمن کے تین جنم لکھے ہیں۔ پہلا جنم ماتا ہے۔ دوسرا جنیو ہونے سے تیسرا یگیہ کرنے سے۔" (۲/۱۶۹ ایضاً)

مذکورہ بالا بحث سے یہ امر پوری وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگیا ہے، کہ ہمارے گیتا میں سے پیشکردہ شلوکوں میں جن جنموں کا ذکر ہے، وہ تناسخی جنم نہیں، بلکہ روحانی جنم ہیں۔ بفرض محال اگر ان سے تناسخی جنم ہی مراد لئے جائیں، پھر بھی وہ ہم پر حجت نہیں، ہاں ان کا تناسخ کی تعلیم کو چیلنج کرنا گیتا کے ماننے والوں پر حجت ہے اور اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے، کہ حضرت کرشنؑ کی تعلیم تناسخ کی تعلیم کے سخت مخالف تھی، اور آپ کی اس تعلیم کے پیش نظر بھی جو آج ہمیں نامکمل صورت میں ملتی ہے، کوئی معقول انسان ایک لحظہ کے لئے بھی یہ خیال نہیں کر سکتا، کہ آپ تناسخ ایسی تعلیم کے قائل ہونگے، بلکہ جن تین بنیادی اصولوں کے گرد تناسخ کا چکر دوڑ

لگاتا ہے، آپ کی تعلیم ان تینوں اصولوں کے سخت خلاف ہے، آپ سوتوں کو غفلت کی نیند سے بیدار کرنے کے لئے آئے تھے، اور آپ نے وہ تعلیم دی، جو مردہ دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت کی آگ لگا دینے والی تھی، اور اس تعلیم سے جو انسان کو خدا سے دور اور خدا کو انسان سے دُور کرتی ہے، سخت بیزاری ظاہر کی، سچ صرف اسی قدر ہے، کہ ایسی تعلیم ہرگز ہرگز نہ کبھی آپ کے لبوں سے نکلی، اور نہ کبھی نکل سکتی تھی۔ اور جو ایسی تعلیم گیتا میں پائی جاتی ہے، وہ برہمن لوگوں نے اپنا اُتو سیدھا کرنے کے لئے بالارادہ اس میں داخل کردی ہے۔

جاننا چاہیئے، کہ بہت سے خود ساختہ تناسخی شلوکوں کا محل وقوع اور ان کی وضع قطع پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، کہ وہ کلاً یا جزواً "ایجاد بندہ" ہیں۔ انہیں نہ پہلی عبارت سے کوئی تعلق ہے، اور نہ پچھلی سے کوئی ربط۔ محض تناسخ کی عمارت کو گرتا دیکھکر گھسیڑ دیئے گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ادھیائے نو کا اکیسواں شلوک ملاحظہ ہو۔

"اس بڑے بہشت کی خوشیاں منا کر وہ لوگ نیکیوں کے ختم ہوجانے پر فانی دُنیا میں واپس آتے ہیں۔ اس طرح تین وید کے کرم کرنے والے پھل کی خواہش رکھنے والے موت اور پیدائش کے چکر میں پڑے رہتے ہیں"

اس سے پہلے اور پچھلے شلوک دیکھنے پر معلوم ہوگا، کہ ان میں نعماء اور لذّات اور الطاف کا ذکر ہے۔ یہ درمیان میں قطع کلامی کرکے ان کے قطع ہونے کا ذکر فصاحت کلام اور بلاغت بیان کے بالکل خلاف نہیں، تو اور کیا ہے؟ کیا یہ بے جوڑ "بھرتی" اس شخص کا کلام مانا جاسکتا ہے، جس کا ہر لفظ فصاحت و بلاغت میں منظوم اور نقائص سے منزہ اور عیوب سے پاک گیت تھا؟

اسی طرح کچھ شلوک جو کہ اصل میں روحانی تناسخ کی طرف اشارہ کرتے تھے، برہمنوں نے انہیں توڑ مروڑ کر ان کی رُوحانیت سلب کر دی، اور اس کی جگہ مادیت اور جسمانیت کو دیدی۔ اور یہی چند وہ شلوک ہیں، جو تناسخ کے مؤید ساری گیتا میں نظر آتے ہیں۔ اور ہم ناظرین کو گیتا کی ایک وسیع سیر کرواکر اس کی وہ روشن کرنیں دکھلا چکے ہیں، جن کے آگے تناسخ کی تعلیم سایہ کی طرح غائب ہو جاتی ہے۔ یہ امر ایک راستباز کے دل کو اس یقین سے بھر دیتا ہے، کہ گیتا میں تناسخ کا عنصر بیرونی ہاتھوں کا نتیجہ ہے۔ اور گیتا کے متعلق اس قسم کے بیرونی تصرفات تناسخ کے علاوہ دوسرے مقامات پر بھی ملتے ہیں۔ مثلاً لکھا ہے:۔

"دوسرے کا دھرم اچھا ہونے پر اس کی نسبت اپنا دھرم چاہے وہ صفات سے خالی ہے، اچھا ہے" (۳/۳۵)

ظاہر ہے، کہ یہ تصرف تبدیلی مذہب کو روکنے کے لئے کیا گیا ہے، ورنہ کرشن جی کی تعلیم اسی ادھیائے میں اس طرح درج ہے:۔

"سب دھرموں کو چھوڑ کر ایک میری ہی شرن لے" (۱۸/۶۶)

گیتا کے بیرونی دست برد کا شکار ہونے کے متعلق پروفیسر گارب (Garbe) لکھتے ہیں:۔

The conviction that the Bhagvadgita no longer exists in its original form but that it has gone through important modifications is now shared

by the majority of Indologists outside India"

زمانہ حال کے مشہور ہندو لیڈر لالہ لاجپت رائے اپنی کتاب "سری کرشن" میں لکھتے ہیں:-

"بھگوت گیتا کی ترتیب بھی یہ ظاہر کرتی ہے، کہ وہ مختلف زمانے کے پنڈت صاحبان کی طبع آزمائی سے خالی نہیں ہے۔" (صفحہ ۲۲۹ طبع ہفتم)

چوہدری روشن لعل صاحب ایم۔اے۔ ای۔اے سی مصنف گیا گیتا ان و گیتا پرکاش وغیرہ اپنی کتاب "گیتا امرت" کے صفحہ ۲ میں لکھتے ہیں:-

مفسروں اور ٹیکا کاروں۔۔۔۔ نے اپنے اپنے عقائد کو جو وہ پہلے سے ہی رکھتے تھے، بھگوت گیتا کی تائید سے بالکل درست ثابت کرنے کے لئے الفاظ کے معنے نکالنے میں بہت کھینچا تانی سے کام لیا ہے، اور اس کے سیدھے سادھے الفاظ سے غیر متعلق اور عجیب عجیب مطالب نکالنے کی کوشش کی ہے۔"

جیسا کہ ابتداء سے مضمون میں بیان کیا گیا ہے، برہمن اپنی مذہبی کتب کے واحد اجارہ دار تھے، اس لئے بغیر کسی روک ٹوک کے من مانی کارروائیاں کر لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے، کہ انہوں نے جا و بیجا کچھ نہ کچھ اپنے فائدہ کے لئے ملا لیا۔ مذہبی کتب کے متعلق ان کی یہ آزادی ایک متفق بات ہے، جس کا اعتراف خود ہندو محققین کو بھی ہے۔ ابھی ابھی ناظرین کے سامنے چوہدری روشن لعل صاحب ایم۔اے کی تحقیق گیتا کے متعلق پیش کی جا چکی ہے۔ اب ماسٹر آتما رام صاحب مترجم منوسمرتی کی رائے منوسمرتی کے متعلق ملاحظہ ہو۔

ماسٹر صاحب اپنے ترجمہ کے صفحہ ۲۷، ۴۰، ۵۰، ۵۷، ۵۹، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶

۹۳، ۹۶ و ۹۷ و ۹۸ و ۱۰۴ و ۱۰۷ و ۱۱۱ و ۱۳۱ و ۱۶۰ و ۱۶۴ و ۱۸۹
۲۰۱ و ۲۲۲ و ۲۴۴ وغیرہ بہت سے شلوکوں کے متعلق نوٹ دیکھنے لکھنے ہیں،
ئے ہیں، اس جگہ بخوفِ طوالت صرف ایک شلوک پر جو حاشیہ
مع شلوک درج کیا جاتا ہے:۔

۔ دس برس کا برہمن اور سو برس کا کشتری، دونوں آپس میں باپ
ان میں براہمن بجائے باپ کے اور کشتری بجائے بیٹے کے رہے"
۔" یہ شلوک ملایا ہوا ہے کیونکہ جب تک برہمچرج آشرم پورا نہ ہو
نہیں سکتا۔ اور دس برس میں برہمچرج کسی طرح پورا ہو نہیں سکتا ہے[۲۷]
ہمن اپنی مذہبی کتب میں اس قدر تصرف کر لیا کرتے تھے، اور اس
یتا سے وہ تعلیم بھی پیش کر دی گئی ہے، جو تناسخ کے بالکل مخالف
ا سخ کی تعلیم میں برہمنوں کی خود غرضی بھی ظاہر ہے، اور برہمنوں کا
کا کرتا دھرتا ہونا بھی ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے، تو ہر انصاف
ںا اس رائے سے اتفاق کرنے پر مجبور ہوگا، کہ حضرت کرشن کی تعلیم
ے سخت مخالف تھی، اور آپ ہرگز اس مسئلہ کے قائل نہ تھے، بلکہ
ار تھے، اور اگر اب بھی کوئی نہ مانے، تو اس کا فرض ہے، کہ یا تو
مئی نجات اور دوسری مخالف تناسخ تعلیمات جو کہ ہم گیتا سے ثابت
میں موجود نہیں، اور یا اس بات کے لئے قرائن و دلائل مہیا کرے
تناسخ تعلیمیں جو گیتا میں درج ہیں، ساقط الاعتبار ہیں، اور مخالف
اپنے غلبہ کے وقت فلاں نیت سے ان کو اپنی اور پرانی سب گیتاؤں

میں داخل کر دیا۔ لیکن ہم حیران ہیں، کہ کوئی ایسی جسارت کیونکر کریگا۔ دائمی مکتی اور نجات بالعرفان اور حدوث عالم کی تعلیم گیتا میں اس کثرت اور تواتر سے بیان کی گئی ہے، کہ وہ اس کے جسم میں زندگی کی مانند ہر جگہ دوڑتی ہوئی نظر آتی ہے، پھر کس طرح قلت کے بدلے کثرت کو رد کر دیا جائیگا۔ اور بنیادی تعلیم کو چند غلط فروعات کی نذر کر دیا جائے گا۔

آخر میں مَیں ہندو بھائیوں سے دردمندانہ طور پر عرض کرتا ہوں، کہ آپ میں خدا کا پیارا نازل ہوا تھا، اور اس نے آپ کو خدا کی محبت کی تعلیم دی تھی، لیکن آپ نے اس تعلیم کو چھوڑ دیا، اور فلسفی بتوں کے پیچھے پڑ گئے، جس کے نتیجہ میں آپکے دل کے کان اس بنسری والے کی سریلی آواز کو سُننے سے محروم ہوگئے۔ اب اے بھائیو! اگر آپ سُننے کیلئے تیار ہیں، تو آؤ بنسری کی لے کو آج پھر مثیل کرشن کے نغموں میں سنو، دیکھو حضرت کرشن علیہ السّلام نے کہا تھا۔

”اے بھارت (ارجن) جب جب دھرم سُست پڑ جاتا ہے، اور ادھرم کا زور ہوجاتا ہے تب تب مَیں جنم لیتا ہوں“ (۴/۷)

چو بنیادِ دیں سست گردد بسے نمائیم خود را بشکلِ کسے۔ (فیضی کا شعر)

سو اس زمانہ میں آپ نے خود دیکھ لیا کہ دھرم سست پڑ گیا اور ادھرم زوروں پر ہو گیا پس ضرور تھا، کہ خدا کے نوشتوں کے مطابق ایک شخص دھرم کو ادھرم پر فتح دینے کیلئے ظاہر ہوتا کیونکہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں، دریا اپنا رُخ اور موسم اپنا وقت بدل سکتے ہیں، لیکن خدا کا کلام کبھی نہیں بدلتا، پس سن لو! کہ اس زمانہ میں خدا تعالیٰ نے حضرت میرزا غلام احمد صاحب قادیانی ؑ کو آپ لوگوں کیلئے مثیل کرشن بنا کر بھیجا ہے، اور آپکے مبارک لبوں پر بھی خدا تعالیٰ کی محبت وعشق کے نغمے

مڈغاسکر میں اسلام

نیویارک (امریکہ) سے مشہور پادری ڈاکٹر ایس۔ ایم زویمر کی زیر ادارت "مسلم ورلڈ" کے نام سے جو سہ ماہی رسالہ نکلتا ہے، اس کی تازہ اشاعت میں ایڈیٹر نے مڈغاسکر میں تبلیغ عیسائیت کے بارے میں ایک مضمون لکھا ہے، جس میں یہاں کے مسلمانوں کے متعلق مفید معلومات کے علاوہ مڈغاسکر میں احمدیہ جماعت کی تبلیغ اسلام میں کوششوں کا ذکر بھی ہے، اس لئے اس مضمون کا خلاصہ درج ذیل کیا جاتا ہے۔

اس سے قبل ہم "ریویو" بابت ماہ اپریل و مئی میں ایک دوسرے عیسائی رسالہ "انٹرنیشنل ریویو آف مشنز" سے ایک مضمون درج کر چکے ہیں جس میں مشرقی افریقہ میں احمدیہ جماعت کی عیسائیوں کے مقابلہ میں تبلیغی سرگرمیوں کے تذکرہ کے ساتھ تشویش کا اظہار کیا گیا تھا۔ اس وقت اگر غور سے دیکھا جائے، تو سوائے احمدیہ جماعت کے عیسائیوں کے مقابلہ میں منظم تبلیغی کوشش اور کسی فرقہ کی طرف سے نہیں ہو رہی۔ یہی وجہ ہے، کہ عیسائی مشنوں کی رپورٹوں میں صرف احمدیہ جماعت کا ذکر ہوتا ہے، اور اور کسی فرقہ یا گروہ کا نہیں ہوتا۔ یہ محض کاسر صلیب حضرت مسیح موعودؑ کی پیروی کی برکت ہی ہے کہ ایک چھوٹی سی جماعت بے سروسامانی کی حالت میں ہر جگہ مخالفین اسلام کے مقابل پر اسلام کا علم بلند کرنے میں کامیاب ہو رہی ہے۔ کاش ہمارے دوسرے مسلمان بھائی جماعت احمدیہ کی مخالفت ترک کر دیں تا وہ اپنی ساری کوشش اشاعت اسلام میں صرف کر سکیں۔ (ایڈیٹر)

جزیرہ مڈغاسکر افریقہ سے ۲۴۰ میل مشرق میں ہے، اس کا طول تقریبًا نو سو اسی (۹۸۰) میل اور عرض تین سو پچاس میل ہے، مڈغاسکر اور جزیرہ کمورا دونوں فرانسیسی نوآبادیات ہیں، اس کی آبادی میں عرب عنصر نویں صدی عیسوی سے شامل ہے، مڈغاسکر میں عیسائیت کی ترقی و اشاعت کی تازہ ترین اطلاع (یعنی پانچویں انٹرمشنری کانفرنس ۱۹۳۹ء منعقدہ مڈغاسکر کی رپورٹ) میں درج ہے، کہ اس جزیرہ میں چھ لاکھ بیس ہزار پروٹسٹنٹ اور تین لاکھ دس ہزار رومن کیتھولک اور اٹھائیس لاکھ غیر عیسائی آباد ہیں۔ مسلمانوں کی آبادی پروٹسٹنٹ عیسائیوں سے زیادہ ہے، لیکن عیسائی مبلّغین کی توجہ ابھی ان حلقوں اور قبیلوں کی طرف نہیں ہوئی ہے، جن میں مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

سنہ ۱۹۲۲ء میں ایک مشہور فرانسیسی عیسائی مبلّغ نے بیان کیا تھا، کہ مڈغاسکر کے علاقوں میں تبلیغ عیسائیت کا کوئی کام اب تک نہیں ہوا ہے، یہاں مسلمانوں کی مسجدیں اور مدرسے ہیں، وہ نہایت احتیاط کے ساتھ اپنی زبان کی حفاظت کرتے ہیں، اور عیسائیوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔

یہاں کی آبادی میں عرب عنصر نویں صدی عیسوی سے شامل ہوا ہے، اس جزیرہ میں دنوں کے نام عربی ہیں، جنوب مغربی اور شمال مشرقی حصوں میں عربی النسل طبقے حکمران ہیں۔

ابتداء میں اس جزیرہ کے باشندوں پر بھی جن کو ملاگاسی کہتے ہیں، عربوں کا اثر تھا، اس کا پتہ زبان کے ان الفاظ سے چلتا ہے جو عربی سے لئے گئے ہیں، مثلاً ہفتوں اور مہینوں کے نام، نجوم اور علم غیب، لباس، بستر، رنگوں، کتابوں، تحریروں، موسیقی کے آلات، سلام وغیرہ اور بہت سی چیزوں کے نام و اصطلاحات عربی ہیں۔

مڈغاسکر کے مسلمان تین حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں، جنوب میں جزیرہ کمورا (آبادی ۱۰۹۶۰۵) ٹنکارا (۱۸۵۷۸) اور سیمہٹی (۷۸۹۱۳) کے باشندے، جنوب اور مغرب میں سکاوالا (۲۰۹۰۰) انتہائی جنوبی حصہ ٹیمارو (۵۲۰۰۰) انٹیمورکا (۴۴۰۰۰) تفاسی (۴۶۰۰۰) اور تیکاسا (۱۲۱۰۰) ان سب کی مسلم آبادی ۷۰۰۰۰۶ ہے ۱۹۳۷ء میں یہ آبادی ۷۰۰۰۰۰ تھی، ۱۹۳۸ء میں ۸۰۵۰۰۰ ہوگئی ہے۔

عرب چھٹی اور نویں صدی میں یہاں آئے اور کچھ لوگوں کو حلقۂ اسلام میں داخل کیا، یہ لوگ غالباً خلیج فارس سے آئے تھے اور سنی تھے، ایک دوسری جماعت دسویں صدی کا میں کابرا سے آئی، کچھ ایرانی آٹھویں صدی میں آئے تھے، آخری بار عرب تیرھویں صدی کے وسط میں اس جزیرہ میں داخل ہوئے۔

یہاں کے باشندوں پر عربوں، ان کی زبان اور معاشرت کا بہت اثر ہے، مڈغاسکر اس کی بڑی مثال ہے، کہ اسلام جہاں خود قوی نہ ہو سکا، وہاں کم از کم اسلامی خیالات اس نے پھیلا دیئے، مڈغاسکر کی زبان پر اسلام کے بے شمار نقوش ہیں، سب سے اہم عربی حروف تہجی ہیں، جو اب بھی جنوب مشرق میں اور کسی زمانہ میں پس بیشتر رقبہ میں رائج تھے، تھوڑا زمانہ ہوا مسلمان ایک عربی رسالہ قمرالدین شائع کرتے تھے۔ جزیرہ کمورا میں بھی تقریباً عربی ہی حروف تہجی رائج ہیں۔

مڈغاسکر کے غیر اہل کتاب طبقوں میں بھی عربوں کا نمایاں اثر ہے۔ سارے جزیرہ میں ختنہ کی رسم تقریباً عام ہے، جو اسلام کے اثر کا نمایاں ثبوت ہے، یہاں ایک بڑا سالانہ تہوار منایا جاتا ہے، جس کے متعلق خیال ہے، کہ وہ عیدالفطر کی ایک شکل ہے۔ یہاں کی لامذہب جماعتوں میں جو توہمات پائے جاتے ہیں، ان میں بہت زیادہ اسلامی اثر کا

پتہ چلتا ہے، یہاں کے تمام قبیلے تقدیر کے قائل ہیں، جو غالباً عربوں ہی کا اثر ہے اڈغاسکر کے جنوب مشرق میں بسنے والا قبیلہ برائے نام مسلمان ہے، لیکن اس میں بھی اسلامی شعائر اور روایات پائے جاتے ہیں، یہ نقشہ دورِ ماضی کے اسلام کا تھا جب نہ پروٹسٹنٹ عیسائی وہاں پہونچے تھے، اور نہ فرانسیسی اقتدار قائم ہوا تھا۔

یہاں کے موجودہ مسلمانوں کی حالت یہ ہے، کہ جزیرہ کمورا کے مسلمان شافعی مذہب کے پیرو ہیں، ان کی زبان سواحیلی ہے، نام کے تین سلطان فرانسیسی اقتدار کے ماتحت ہیں، مغربی ساحل کالاوا کے مسلمان اسلامی شعائر کے کچھ بہت زیادہ پابند نہیں ہیں جنوب و مشرق کے مسلمان ابتداءً مکہ معظمہ سے آئے تھے۔

۱۹۲۴ء سے ہندوستانی احمدی جماعت کے آدمی یہاں ماریشس اور زنجبار سے آنے لگے ہیں، ان کو تبلیغِ اسلام میں کسی حد تک کامیابی ہوئی ہے ۱۹۱۳ء میں تبلیغ عیسائیت کے مشن نے یہ رپورٹ کی تھی، کہ عرصہ سے جزیرہ کے مشرقی حصہ میں عربوں کا اثر محسوس کیا جارہا ہے۔ بہت سے ہندوستانی مسلمان یہاں آکر بس گئے ہیں، اور جزیرہ کے دوسرے حصوں سے آئے ہوئے مسلمانوں سے جن میں تعدد ازدواج کی رسم ہے، اس اثر کو زیادہ تقویت پہونچی ہے، اگر گذشتہ تلخ تجربوں سے سبق لیا جاسکتا ہے، تو یہ بات بالکل عیاں ہے، کہ قبولِ اسلام کے بعد قبولِ عیسائیت کا مسئلہ بہت دشوار ہوجاتا ہے، اس لئے یہ ضروری ہے، کہ ان رقبوں کو بہ جبر عیسائی اثر و اقتدار میں لایا جائے۔

۱۹۱۰ء میں رابرٹ گریفتھ نے بیان کیا تھا، کہ شمالی مغربی مڈغاسکر میں اسلام بڑی سرعت کے ساتھ پھیل رہا ہے، عرب اور زنجبار کے مسلمان مبلغین گاؤں گاؤں میں اور ایک بندرگاہ سے دوسری بندرگاہ تک تبلیغِ اسلام میں مصروف

ے سمجھ لینا چاہیئے کہ اسلام عیسائیت کی ترقی کا زبہ نہیں بلکہ
سے بڑا اور سخت ترین مدمقابل ہے، اخلاقی لغزشوں کے باوجود
ا بڑا اثر محسوس کیا جا رہا ہے، چنانچہ مڈ غاسکر کے مغربی ساحل
اسی ہزار ہو چکی ہے، ایک فرانسیسی مشنری کا بیان ہے کہ گجراتی
اشاعت میں سرگرم ہیں، اور اپنے تجارتی کاروبار کے سلسلہ
آبادی کے درمیان رابطہ قائم کرتے ہیں، یہاں کا اسلام
مجھنا چاہیئے کہ وہ خطرناک نہیں ہے، یہی نام نہاد تبدیل مذہب
کے لئے بڑی سہولتیں پیدا کرتا ہے، یہاں اس وقت ہندوستانی
تا ہے، ان لوگوں تک پہونچنے کے لئے آج تک کچھ نہیں کیا گیا۔

نئی کتابوں پر تبصرہ

چشمۂ عرفان یہ پونے تین سو صفحے حجم کا دیدہ زیب رسالہ ہے، جسے ملک مبارک احمد خانصاحب ایمن آبادی نے اپنے ایک نوجوان مرحوم دوست تسنیم صاحب کی یاد میں چشمۂ عرفان کے نام سے شائع کیا ہے۔ چشمۂ عرفان اپنے مفید مضامین کے اعتبار سے واقعی چشمۂ عرفان ہے۔ یوں سمجھئے کہ گذشتہ چالیس سال کے احمدیہ لٹریچر کا خلاصہ ہے، جو اخلاق و روحانیات کے متعلق ہے۔ اور گلزار احمدیت کے رنگا رنگ کے پھولوں سے جسے شہد کی مکھی کی مانند جمع کر کے اسے شفاء للناس بنا دیا ہے پہلے حصے میں مرحوم و مغفور تسنیم صاحب کے چند خطوط کا خلاصہ درج ہے۔ دو نوجوان دوستوں میں ایسی پاکیزہ خط و کتابت جس میں کئی علمی و اخلاقی مسائل بیان گئے ہوں، بہت کم میری نظر سے گذری ہے۔ یقیناً ان خیالات و جذبات سے اگر استفادہ کیا جائے، تو کئی زندگیاں سنور سکتی ہیں۔

دوسرے حصے میں اخلاقی و روحانی مشعلیں ہیں، جن کو قرآن حکیم احادیث رسول کریمؐ و اقوال بزرگان حال و قدیم کے ملفوظات سے روشن کیا گیا ہے، اور ان کے عمر بھر کے تجربات کا نچوڑ گویا کئی دریاؤں کا پانی ایک کوزہ میں بند ہے۔ تیسرے حصے میں دروس الحکمت میں انسانی زندگی کا مقصد اور راحت کے حصول کے طریق، تقویٰ کی باریک راہیں، یہ مضامین کیا بلحاظ ندرت اور کیا باعتبار جامعیت اپنی نظیر آپ ہیں،

اور افادی حیثیت سے بے مثل۔ چوتھا حصّہ اعمالِ صالحہ پر مشتمل ہے، اور اس میں ہر شعبۂ اخلاق پر تحریر و تشریح موجود ہے۔ متاعِ ایمان کے رہزن کے عنوان سے تمام مذموم صفات کی ایسی چیر پھاڑ کی ہے، کہ خود بخود ان ذمائم سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ تکبّر اور نفاق پر تو خوب بحث کی ہے۔ پانچویں حصّے میں بعض اہم اور ضروری مضامین دیئے ہیں، مثلاً کلمہ، توحید کی تفسیر حقیقۃ الجن والجان۔ بندے کا خدا سے تعلق۔ تصوّف۔ عرفانِ الٰہی کے حصول کے گُر۔ غرض یہ مجموعہ دل آویز نہایت قیمتی چیز ہے، اور اس کے اسم بامسمّٰی نوجوان مؤلّف قابلِ مبارکباد ہیں، اللہ تعالےٰ ان مساعی جمیلہ کو مشکور فرمائے۔ احباب کو چاہیئے، کہ وہ اس کی اشاعت میں حصّہ لیکر حوصلہ افزائی فرمائیں، اور خود بھی اپنے اقرباء و احبّاء کی صحبت میں اس سے فائدہ اٹھائیں۔
قیمت ۸ر　کتابت طباعت کاغذ بہت عمدہ۔ ملنے کا پتہ:۔

مکتبہ احمدیہ قادیان

گلدستۂ دینیات یہ رسالہ جو احمدی لڑکوں کے لئے دینی اسباق کا دلچسپ مجموعہ ہے۔ پیر صلاح الدین صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ اور ملک مبارک احمد خانصاحب نے مرتب کیا ہے۔ اس میں عقائد صحیحہ و اعمالِ صالحہ کے متعلق کافی ذخیرہ جمع کر دیا ہے، اور قابلِ قدر بات یہ ہے، کہ جو کچھ بھی ہے، وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلفاء کرام و بعض دیگر بزرگانِ عظام کے مصدقہ ملفوظات یا تحریرات سے مقتبس و ملتقط ہے، لفظاً بہ لفظاً۔ صرف رابطہ ملانے یا توجہ دلانے کے لئے کہیں دخل دیا ہے۔ مکارمِ اخلاق کے علاوہ اخیر میں بہت سی دلچسپ مفید اخلاقی و روحانی کہانیاں ہیں، جو وہ بھی بیشتر انہی عظماء

کی بیان فرمودہ ہیں۔
۱۳۲ صفحے حجم ہے درسی کتب کی تقطیع پر اچھے کاغذ پر طباعت ہوئی ہے، جو کتابیں لڑکوں کے لئے چھپوائی جائیں، میرے خیال میں وہ اس سے زیادہ عمدہ کتابت کے ساتھ اس سے بہتر چھپوائی جانی چاہئیں۔ رسالہ میں تصحیح بھی نظر غائر کی محتاج ہے۔ گو زیادہ نہیں قیمت صرف پانچ آنے۔ قادیان کے کسی کتب فروش سے یا محمد یامین صاحب یک سیلر ایمن آباد سے منگوائیں۔ یہ رسالہ نوجوانوں کے لئے خصوصاً اور دیگر اصحاب کے لئے عموماً بہت مفید اور اپنی طرز کا پہلا نمونہ ہے۔

وصیتیں

نمبر ۵۶۳۵ ۱- چوہدری منیر احمد بھٹی ولد چوہدری بشیر احمد صاحب بھٹی قوم بھٹی پیشہ ملازمت عمر بیس سال پیدائشی احمدی ساکن اُرنی زُد انیروبی بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں ہے۔ میرا گذارہ ماہوار آمدنی پر ہے، جو اس وقت -/۱۲۵ شلنگ (ایک سو پچیس شلنگ) ماہانہ ہے۔ مَیں وعدہ کرتا ہوں، کہ تازیست اپنی آمد کا دسواں حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ادا کرتا رہونگا۔ انشاء اللہ۔ اس کے علاوہ اگر میری کوئی جائداد بوقتِ وفات ثابت ہو، تو اس کے دسویں حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ اور اگر میری آمد میں اضافہ ہو جائے، تو اس کا بھی دسواں حصہ ادا کرتا

رہونگا۔ انشاء اللہ بفضلِ خدا۔ العبد:۔ چوہدری منیر احمد بقلم خود۔ گواہ شد:۔ ڈاکٹر نذیر احمد نیروبی۔ گواہ شد:۔ سید محمود اللہ شاہ۔

نمبر ۵۶۲۳:۔ منکہ مرزا عزیز احمد ولد مرزا عطاء اللہ صاحب قوم مغل پیشہ ملازمت عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن لاہور کوچہ چابک سواراں بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۷ احسان ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میری اس وقت کوئی جائداد نہیں ہے۔ مگر ماہوار آمد -/۱۱۷ روپے ہے۔ جس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اگر میری کوئی اور جائیداد ہوئی تو اس کے بھی دسویں حصہ کی وارث صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ مرزا عزیز احمد کلرک F. M. R. حبانیہ عراق۔ گواہ شد:۔ مرزا احمد شفیع ولد مرزا محمد شفیع صاحب قادیان۔ گواہ شد:۔ مرزا محمد شفیع ولد حمید مرزا ساکن قادیان۔

نمبر ۵۶۲۳:۔ منکہ محمد عبد اللہ قریشی ولد حکیم میر احمد صاحب قوم قریشی پیشہ طبابت عمر ۲۷ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ یکم احسان ۱۳۱۹ھ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میری جائداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد -/۳۵ روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے بعد میرا جس قدر متروکہ ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ فقط۔ المرقوم۔ العبد:۔ محمد عبد اللہ قریشی۔ گواہ شد:۔ عبد السلام عمر بقلم خود۔ گواہ شد علی ابن عبد القادر بقلم خود۔

نمبر ۵۵۸۹:۔ منکہ مہر صالح محمد ولد مہر لال محمد قوم سیال پیشہ ملازمت عمر ۲۵ سال

تاریخ بیعت اپریل ۱۹۳۴ء ساکن موضع ادو آنہ ڈاکخانہ چیلا ضلع جھنگ حال ننگلہ جیرہ ڈاک خانہ چک ۲۴۷ ج ب براستہ عباس پورہ ضلع لائلپور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳۵ / ۴ / ۲۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں ۔ اس وقت بفضلہ تعالےٰ میرے والد صاحب حیات ہیں اس لئے میری غیر منقولہ جائیداد کوئی نہیں ہے ۔ میں اس وقت پندرہ ۱۵ روپے ماہوار پر محکمہ نہر میں بعہدہ پنسال نویسی ملازم ہوں ۔ میں بصدق اقرار کرتا ہوں، کہ اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا ۔ نیز میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں، کہ اگر اس آمد کے علاوہ اور آمد مجھے ہوئی، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں ۔ نیز میرے فوت ہونے پر جس قدر میری جائیداد منقولہ و غیر منقولہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں اور میرے ورثاء میری اس وصیت کے پابند ہونگے ۔ العبد ۔ صالح محمد ولد لال محمد ۔
گواہ شد ۔ بیرم خان نائب مدرس چک ۳۳۲ ج ب ۔ گواہ شد ۔ عبد الرحمٰن انگلش ماسٹر چک ۳۳۲ ج ب ؛

نمبر ۵۷۵۳ ۔ منکہ مرزا احمد شفیع ولد مرزا محمد شفیع صاحب قوم مغل پیشہ ملازمت عمر ۲۷ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۷ ارماہ احسان ۱۳۱۹ ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں : ۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں ۔ میری ماہوار آمد مبلغ ۔/۴۵ روپے ہے ۔ جس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں ۔ میں تادم زیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا ۔ اور میری وفات پر اگر میری کوئی جائیداد ثابت ہو، تو اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ؛

العبد:۔ مرزا احمد شفیع۔ گواہ شد:۔ محمد اسمٰعیل بقلم خود الصفہ قادیان۔ گواہ شد:۔ مرزا منور احمد واقف زندگی تحریک جدید۔ قادیان۔

نمبر ۵۶۵۴:۔ منکہ محمد اسمٰعیل ولد میاں ابراہیم صاحب قوم بھٹی کرپال پیشہ ملازمت عمر تقریباً پچاس سال تاریخ بیعت ۱۳ مارچ ۱۹۱۳ء ساکن فیروزپور شہر متصل مسجد گنبد قوالی بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۸ ماہ وفا ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ البتہ امانت فنڈ تحریک جدید میں -/۸/۷۷ جمع ہیں جنکے واپس ملنے پر انکا ۱/۱۰ حصہ بمد وصیت داخل خزانہ کرادونگا۔ اس وقت میری ماہوار آمد مبلغ -/۸/۱۳ ہے۔ مَیں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میرے مرنیکے وقت میرا جسقدر متروکہ ثابت ہو، اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ محمد اسمٰعیل بقلم خود حال مددگار کارکن نظارت بیت المال قادیان۔ گواہ شد:۔ ملک حمید علی کارکن نظارت بیت المال گواہ شد:۔ محمد حسن محلہ دارالشکر غربی قادیان بقلم خود۔

نمبر ۵۶۵۵:۔ منکہ محمد وزیر خاں بلب گڑھی ولد لعل محمد خانصاحب قوم افغان عمر ستر سال تاریخ بیعت ۱۸۹۴ء ساکن بلب گڑھ حال مہاجر قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴ ۴حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری وفات کے بعد جس قدر میری جائیداد ہو، اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں، تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائے گی۔ میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ اول جائیداد

غیر منقولہ مکان ۵۹ مع ملحقہ مکان ۶۰ حلقہ وارڈ ۵ جس کے حدود اربعہ حسب ذیل ہیں
شمال شارع عام قادیان بسراواں سڑک جنوب مکان میاں نجم الدین صاحب مرحوم
والا و قاری یاسین صاحب۔ مشرق راستہ پل و نالہ۔ مغرب گلی محلہ پیر منظور محمد صاحب
(۲) افتادہ قطعہ زمین جس کے شمال میں قادیان بسراواں سڑک۔ مشرق میں مکان مولوی
مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب مغرب و جنوب میں نالہ۔ جو قریباً ڈیڑھ کنال ہوگا۔
طول شمالاً جنوباً ۱۰۴ فٹ۔ عرض شرقاً غرباً سڑک کی طرف ۶۰ فٹ۔ (نوٹ) اس
میں سے مبلغ چار صد روپیہ میری زوجہ حمیدہ بیگم صاحبہ کا ہے۔ (۳) افتادہ قطعہ سفید
زمین شمال میں چھپڑ جنوب میں قادیان بسراواں سڑک شرقاً غرباً ۴۵ فٹ (۴)
مکان ۲۵۹ وارڈ ۶ شمال سڑک قادیان بٹالہ جنوب مکان من مظہر مشرق مکان
بابو محمد صاحب بھاگلپوری مغرب مکان بابو عبدالغفور صاحب مرحوم سب پوسٹ ماسٹر
(۵) پنجم مکان ۲۶۲ وارڈ ۶ شمال مکان من مظہر جنوب کوچہ گھماراں جو مسجد فضل
سے ڈھاب تک جاتا ہے۔ مغرب مکان بابو عبدالغفور صاحب سب پوسٹ ماسٹر مشرق
میں مکان ڈاکٹر عبداللہ صاحب (نوٹ ۱) اول مکان ۵۹ سوائے حصہ ۶۰ کے
مبلغ ۵۰۰/- روپیہ میں دفتر جائداد کے پاس رہن ہے۔ وارڈ ۵ اس کا کرایہ بھی
قریباً مبلغ ۱۲۰/- بھی میرے ذمہ ہے۔ دوم مکان ۲۵۹ وارڈ ۶ مبلغ ۴۰۰/-
روپے میں والد مرزا برکت علی صاحب کے پاس رہن ہے۔ سوم مکان ۲۶۲ وارڈ ۶
مبلغ ۷۰۰/- روپے میں مقبرہ بہشتی کے پاس رہن ہے۔ (نوٹ ۲) اس کے علاوہ
ایک اپیل میری حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی خدمت میں بابت رسالدار حاکم علی صاحب
مرحوم زیر سماعت ہے۔ اس کا بھی اس میں لحاظ رکھا جائے۔ (نوٹ ۳) علاوہ بریں

کچھ حساب مستورات کا میرے ذمہ ہے جس کے میری مصدقہ وصول شدہ رسیدات ابتک نہیں دکھائی گئیں وہ غالباً میرے حساب میں مبلغ دو صد روپیہ سے کم ہی ہوگا۔ العبد: محمد وزیر خان بقلم خود۔ گواہ شد: مدد خاں ولد راجہ فتح محمد خانصاحب قادیان۔ گواہ شد:۔ صوفی نبی بخش بقلم خود۔

نمبر ۵۶۵:۔ منکہ سکینہ اختر بنت صوبیدار مظفر خاں قوم جٹ جھمٹ عمر ۱۹ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان حلقہ مسجد مبارک بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۷ ماہِ وفا ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری اس وقت حسب ذیل جائیداد ہے۔ زیورات کانٹے طلائی ۴ ماشہ قیمتی -/۱۳ روپے۔ انگوٹھی طلائی ۲ ماشہ قیمتی ۸/- روپے اور نقد ایک سو روپیہ جمع ہے۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس جائداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے جو کہ مجھے والد صاحب دس روپے ماہوار بطور اخراجات ضروریہ کے لئے مرحمت فرماتے ہیں۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ داخل خزانہ قادیان کرتی رہوں گی۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتی ہوں، کہ میری جائداد جو بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں کردوں تو اس قدر اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ الامتہ:۔ سکینہ اختر خانہ ۳۵ بہشتی مقبرہ روڈ قادیان۔ گواہ شد:۔ محمد الدین واصل باقی نویس پنشنر وارڈ نمبر ۵ خانہ ۳۵۔ گواہ شد:۔ (ڈاکٹر) غلام مصطفےٰ (حقیقی ماموں) موصیہ۔ میو ہسپتال لاہور

نمبر ۵۶۶:۔ منکہ نصیرہ نزہت بنت ماسٹر مولا بخش صاحب قوم ارائیں عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۶/۴، ۳۰ حسب ذیل

وصیت کرتی ہوں۔ میری جائیداد مندرجہ ذیل ہے۔ کانٹے طلائی ایک عدد قیمت -/۲۵ روپے
بالیاں طلائی ۲ عدد -/۴۲ روپے سوئی طلائی ایک عدد -/۸۵ روپے چھلیل چاندی
۲ عدد قیمت ۱۲ روپے کل میزان -/۱۵۶ روپے۔ اس کے سوا اور میری کوئی جائداد نہیں
ہیں اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز میرے
مرنے کے بعد اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ
قادیان مالک ہوگی۔ اور اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم ادا کر دوں تو وہ اس میں سے
منہا کر دی جائے گی۔ الامتہ:۔ نصیرہ نزہت بنت ماسٹر مولا بخش صاحب بقلم خود۔
گواہ شد:۔ ماسٹر مولا بخش۔ گواہ شد:۔ عطاء الرحمٰن مولوی فاضل معلم نصرت گرلز ہائی
سکول۔ قادیان ؛

نمبر ۵۶۵۹:۔ منکہ زینب بیگم زوجہ ڈاکٹر شیخ غلام حیدر صاحب قوم پٹھان عمر ۲۳ سال
پیدائشی احمدی ساکن لاہور بقائمی ہوش وحواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲ ماہ وفا
۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اس وقت میری حسب ذیل جائیداد ہے (۱)
طلائی نکلس ۲ تولہ ۳ ماشہ۔ (۲) طلائی چوڑیاں ۲ تولہ چھ ماشہ۔ (۳) طلائی انگوٹھیاں
۵ ماشہ (۴) بندے طلائی ۳ ماشہ ۴ رتی (۵) کنگن طلائی ۱۰ تولہ (۶) بندے بندی گلوبند
۸ تولہ کل وزن ۲۳ تولہ ۵ ماشہ ۴ رتی جس کی قیمت موجودہ شرح کے لحاظ سے -/۹۸۶
روپے ہے۔ علاوہ اس کے میرا حق مہر مبلغ -/۲۵۰۰ بذمہ خاوندم ڈاکٹر شیخ غلام حیدر صاحب
آف لاہور ہے۔ میں مندرجہ بالا جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان
کرتی ہوں۔ اگر میری کوئی جائداد اس کے بعد ثابت ہو، تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی
صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر مندرجہ بالا جائیداد کے دسویں حصے کی قیمت میں سے

کوئی رقم میں اپنی زندگی میں ادا کردوں تو وہ کل رقم میں سے منہا سمجھی جائے گی۔
الامۃ مسز زینب بیگم بقلم خود۔ گواہ شد:۔ غلام حیدر بقلم خود۔ شوہر زینب بیگم صاحبہ۔ گواہ شد حشمت اللہ والد زینب بیگم بقلم خود۔

نمبر ۵۷۵۵:۔ منکہ حلیمہ بیگم زوجہ قریشی عبدالحق صاحب قوم مغل عمر چالیس سال تاریخ بیعت ۱۹۱۲ء ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۷ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ ایک جوڑی کانٹے دو تولے مالیتی ایک سو روپیہ۔ چوڑیاں طلائی وزنی ۵ تولے مالیتی دو سو روپیہ۔ مہر بذمہ خاوند دو سو روپیہ۔ اس حساب سے کل جائیداد مبلغ -/۵۰۰ روپیہ ہے۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بخوشی خود بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ نیز میرے مرنے کے وقت جو جائیداد میری ہوگی اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان موصوف ہوگی۔ الامۃ:۔ حلیمہ بیگم بقلم خود۔ گواہ شد:۔ عبدالحق قریشی خاوند موصیہ گواہ شد:۔ غلام نبی ایڈیٹر الفضل۔

نمبر ۵۷۵۶:۔ منکہ غلام فاطمہ صحابیہ بیوہ ماسٹر محمد شفیع صاحب مرحوم قوم اعوان جنجوعہ عمر ۶۳ سال پیدائشی احمدی ساکن بھیرہ ضلع شاہ پور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۱ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں میرے مرنیکے وقت جسقدر میری جائداد ثابت ہو اسکے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائداد خود صدر انجمن احمدیہ میں بعد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائیگی۔ میری موجودہ جائداد حسب ذیل ہے۔ یکصد روپیہ مہر کا اور پچاس روپیہ مشین کی قیمت اور چھ صد روپیہ کا مکان کے حصہ میں ہے اور ایکصد روپیہ کا زیور طلائی۔ الامۃ غلام فاطمہ بقلم خود گواہ شد عبدالبخش برادر موصیہ۔ گواہ شد:۔ عبدالوہاب عمر۔

نمبیت ۵۷۵۴ :- منکہ عائشہ زوجہ پیر خلیل احمد قوم سید عمر ۲۸ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۳ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میرا مہر پانچسو روپیہ ہے۔ اور کچھ زیور اس کے علاوہ تھا۔ اس مہر اور زیور کے عوض میرے خاوند نے مجھے مکان دیدیا ہے یہ مکان پختہ واقعہ محلہ باب الانوار قریبًا سات مرلہ میں ہے مکان کا حدود اربعہ حسب ذیل ہے جانب مغرب سفید زمین حضرت مولوی محمد سرور شاہ صاحب قادیان۔ جانب مشرق گلی جانب شمال گلی جانب جنوب سفید زمین صوفی محمد یعقوب صاحب قادیان کی ہے۔ میں اس اپنے مکان کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میرے مرنیکے وقت میری جسقدر جائداد ثابت ہو اسکے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی ۔ الامۃ :- عائشہ زوجہ پیر خلیل احمد قادیان - گواہ شد :- پیر خلیل احمد خاوند موصیہ - گواہ شد : سید نصیر الدین والد موصیہ ۔

نوٹ :- وصایا منظوری سے پہلے اس لئے شائع کیجاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے ۔

اعلان نکاح :- مورخہ ۱۴/۱۸ ماہ احسان ۱۳۱۹ ہش مطابق ۱۴/۱۸ جون ۱۹۴۰ء کو میاں عمر الدین صاحب ولد میاں

لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ محمّد رّسول اللّٰہ

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

(اُردو)

(یعنی)

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

۲۷ رجب المرجب سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق یکم ستمبر سنہ ۱۹۴۰ء

فہرست مضامین

اداریہ:-

اس دنیا کی تاریخ کا خلاصہ صرف دو لفظ ہیں۔ **ظلمت** اور **نور**۔ **ظلمت** سے مراد وہ زمانہ ہے، جب بنی نوعِ انسان آئین و اخلاق کے ضابطہ سے آزاد ہو کر اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی شروع کر دیتے ہیں، اور انہیں پورا کرنے کے لئے جائز و ناجائز کی حدود سے گذر کر وہ بھیانک اور مکروہ کام کرتے ہیں، کہ انسانیت مارے شرم کے اپنا منہ چھپا لیتی ہے، دنیا میں ہر طرف ظلم و تعدّی کا اندھیر ہی اندھیر چھا جاتا ہے، اور انسان مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَ يَسْفِكُ الدِّمَآءَ[1] کا حقیقی مصداق بن جاتا ہے۔ اور **نور** سے مراد وہ زمانہ ہے، جب خدا کے کسی پاک بندہ کی رہنمائی کی برکت سے پھر دنیا میں نیکی، تقویٰ اور للّٰہیّت قائم ہو جاتی، اور پاکبازی کا دَور دورہ ہو جاتا، اور انسان صحیح معنوں میں انسانیت کا جامہ پہن لیتا ہے۔ یہی **دو** چیزیں ہیں، جو باری باری سے دنیا کے قلوب پر حکومت کرتی چلی آئی ہیں، کبھی ظلمت کا دور ہوتا ہے، اور کبھی نور کا۔ حضرت آدمؑ سے لیکر تا ایں دم انہیں کا تسلّط و اقتدار مختلف زمانوں میں نوبت بہ نوبت رہا ہے۔

"تاریخِ عالم کا طالب علم ابتدائے آفرینش سے ان مختلف دَوروں کا مطالعہ کرتا ہوُا جب ساتویں صدی عیسوی کے حالات پر پہونچتا ہے، تو اُسے ایک لمبے دَورِ ظلمت —— چھ سَو سال —— کے بعد ایک حیرت انگیز روشنی نظر آتی ہے، جو گذشتہ تمام دَوروں

[1] جو فساد کرتا ہے زمین میں اور خون بہاتا ہے۔

کی روشنیوں سے زیادہ اجلی، زیادہ صاف اور زیادہ شاندار دکھائی دیتی ہے۔ یہ روشنی پہلے اس کی آنکھوں کو، جو اندھیرے کی عادی ہو چکی تھیں، اپنی تیز شعاعوں سے چندھیا دیتی ہے، لیکن پھر آہستہ آہستہ وہ انہیں اس نور سے مانوس کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ تمام حالات و واقعات پر تجسسانہ نگاہ ڈالنے کے قابل ہو جاتا ہے، تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس بے نظیر نور کا منبع سیّد الانبیاء محمد عربی صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات ستودہ صفات ہے، جن کے ذریعہ اس سرمدی شریعت ـــ قرآن مجید ـــ کا نزول ہوا جسے خدا تعالےٰ نے بنی نوع انسان کے لئے اپنا آخری اور عالمگیر پیغام قرار دیا، اور جس کے متعلق یہ وعدہ فرمایا، کہ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ یعنی ہم اس کی حفاظت کرینگے۔

*

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایسے زمانہ میں جو اپنی بے راہ روی اور ظلمت میں شب تار سے مشابہت رکھتا تھا، شمعِ توحید بلند کی، اور اپنی اَن تھک کوششوں سے خدائی پرستاروں کی ایک ایسی جماعت پیدا کر دی، جس نے اعلاء کلمۃ اللہ اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا، اور اس مقصد کے حصول کے راستہ میں اس نے نہ تلاطم خیز سمندروں اور مہیب صحراؤں سے خوف کھایا، نہ دن کے وقت تمازتِ آفتاب کی پرواہ کی، اور نہ رات کے وقت اندھیروں سے ڈر محسوس کیا، بلکہ وہ اس زندگی بخش نور کو پھیلانے میں ہمہ تن عمل بن گئی، اور ہر مشکل سے ٹکرا گئی، اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے، کہ قدوسیوں کے اس گروہ نے اپنی ہمت اور اولوالعزمی سے تھوڑے ہی عرصہ میں اسلام کے پیغام سے تمام دُنیا کو آشنا کر دیا، اور اس کا عَلم ہر جگہ لہرا دیا، اور افقِ عالم سے ظلم و جہالت کے بادل دور کر کے ہر طرف نور ہی نور پھیلا دیا۔

مسلمانوں کی اس قوتِ عمل کے پیچھے کیا چیز کام کررہی تھی، اور ان کی کامیابی کا راز کیا تھا؟ اس کا جواب واقعات کی روشنی میں صرف یہ ہے، کہ ان کو خدائے برتر کی ذات پر بے پناہ ایمان اور یقین کی دولت حاصل تھی، اور یہی چیز ان کی ترقی اور کامرانی کا واحد سبب تھی۔ ملتِ اسلامیہ کی گذشتہ چودہ سو برس کی تاریخ کا مطالعہ کرنے کے بعد سب سے بڑا اور نمایاں اثر جو دماغ پر رہ جاتا ہے وہ یہ ہے، کہ مسلمانوں نے قرونِ اولیٰ میں جو ترقی حاصل کی، وہ محض اپنی مذہبی اور اخلاقی برتری کی وجہ سے حاصل کی، پھر جوں جوں وہ اپنی اس خصوصیت کو ترک کرتے گئے، ان میں ضعف اور کمزوری کے آثار پیدا ہوتے گئے، حتیٰ کہ انیسویں صدی عیسوی میں آکر جب وہ اسلامی تعلیمات سے بالکل دُور جا پڑے، اور صرف نام کے مسلمان رہ گئے، تو ان کی دنیاوی حیثیت بھی کچھ نہ رہی، اور وہ ہر اعتبار سے قعرِ مذلت میں گر گئے۔

دراصل انیسویں صدی عیسوی اسلام کے لئے انتہائی مصیبت کی صدی تھی، اس میں جہاں ایک طرف مسلمان اپنی مذہبی اور دینی فوقیت کو کھو بیٹھے، وہاں اس کا لازمی اثر یہ پڑا کہ اس امتیاز کے حاصل ہونے کے باعث ان کو دنیا میں جو بلند مقام حاصل تھا، وہ بھی ان سے چھن گیا۔ دشمنانِ اسلام نے، جو مسلمانوں کی ترقی کو دیکھکر صدیوں سے انگاروں پر لوٹ رہے تھے، اس موقعہ کو غنیمت جانا، اور وہ ہر طرف سے اسلام کو کمزور کرنے کیلئے اس پر حملہ آور ہو گئے۔ یہ جد وجہد سب سے پہلے یورپ اور امریکہ کے عیسائیوں نے شروع کی، پھر ان کی دیکھا دیکھی دوسری قومیں بھی — مثلاً ہندو، یہودی وغیرہ — جنہیں اسلام سے کسی نہ کسی وجہ سے نقار تھا، اس ناپاک جہاد میں

شریک ہو کر اپنے اپنے رنگ میں اسلام اور مسلمانوں کی بیخکنی کے درپے ہو گئیں۔

اسلام پر مختلف قوموں کی اس متحدہ یورش میں کیا کیا طریق اختیار کئے گئے؟ اسکی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، مختصر یہ کہ ان کے مصنّفوں نے ایسی زہر آلود کتابیں تصنیف کیں، جن میں اسلام اور بانیٔ اسلام علیہ السلام کو گالیاں دی گئیں، ان کے مؤرخوں نے ایسی تاریخیں لکھیں، جن میں اسلام کو انتہائی وحشی مذہب اور پاکوں کے سردار محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نام لیوا مسلمانوں کو نعوذ باللہ پرلے درجہ کے سنگدل عیاش اور بنی نوع انسان کے دشمن ظاہر کیا گیا، ان کے سیاستدانوں اور بادشاہوں نے سیاسی چالوں سے مسلمانوں کی رہی سہی حکومتوں کے خلاف سازشیں کر کے انہیں کمزور کرنا شروع کر دیا، تا پان اسلامزم کا جو ہوّا یورپ اور دیگر غیر مسلم قوموں کے دماغ پر کابوس کی طرح مسلّط تھا، اسکا خوف ہمیشہ کے لئے جاتا رہے، ان کے سائنسدانوں نے ایسے ایسے علوم اور تھیوریاں پیش کیں، جن کو پڑھکر تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام سے نفرت پیدا ہو اور ان کے لیکچراروں اور واعظوں نے ایسے ایسے لیکچر اور وعظ گلی کوچوں میں دینے شروع کئے، جن میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر شدید نکتہ چینی کر کے مسلمانوں کو دعوتِ مبازرت دی گئی۔ غرضیکہ مخالف قوموں کے افراد نے اپنے اپنے رنگ اور اپنے اپنے طریق پر اسلام کو بدنام اور کمزور کرنے کا ناپاک فرض ادا کیا۔ اور چونکہ دُنیا کے بڑے حصّہ پر نصارٰی کی حکومت تھی۔ اس لئے پادریوں کی بالخصوص حوصلہ افزائی ہوتی رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوُا، کہ اغیار تو اسلام سے متنفر ہوئے ہی تھے، خود مسلمانوں میں بھی اسلام سے ایک بد دلی سی پیدا ہونی شروع ہو گئی اِبھی

تک تو وہ صرف عملاً اسلام کی تعلیمات سے بیگانہ ہوئے تھے، مگر اب مخالفین کے حملوں اور اعتراضات کو دیکھکر وہ اعتقاداً بھی اسلام سے دُور جانے لگے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب اس کے سامنے ایک چیز کی برائیاں ہی برائیاں بیان کی جائیں، اور اس کے نقائص مختلف پہلوؤں سے ظاہر کئے جائیں، تو وہ آہستہ آہستہ اس سے متاثر ہونے لگ جاتی ہے۔ یہی حال یہاں ہوا، اسلام پر جب ہر طرف سے اعتراض ہی اعتراض ہوتے رہے، اور ان کی مدافعت کماحقہ نہ ہوئی تو مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں اول اپنے مذہب کے بارے میں احساس کمتری پیدا ہوا، پھر جب اسے اپنے ہم مذہبوں کے مقابلہ میں غیر مذاہب کے لوگوں کی دُنیاوی حیثیت بھی بہتر نظر آئی، تو اس نے اپنے دنیاوی معیار کی بلندی کے خیال سے اسلام کو خیرباد کہکر یا عیسائیت کو ترجیح دی، اور یا کسی اَور مذہب کو، اور اس طرح لاکھوں مسلمان اسلام سے مرتد ہو گئے۔

یہ حالات ایسے نہ تھے، جو مسلمانوں میں ایک عام بے چینی اور ہیجان پیدا نہ کر دیتے چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ کچھ درد مند دل رکھنے والے مسلمان آگے بڑھے، اور انہوں نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی حالت کو سنبھالنے کا عزم کیا۔ ان میں سے سر سید احمد علی گڑھی اور سید جمال الدین افغانی اور ان کے سکول (مسلک) کے علماء اور لیڈر خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان بزرگوں میں سے بعض نے مسلمانوں کی تعلیمی اور تمدّنی حالت کو سدھارنے کی کوشش کی، بعض نے مسلمان حکومتوں کو اکٹھا اور متحد کرنے کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا، اور بعض نے اپنے دائرہ میں مسلمانوں

کی سیاسی حیثیت کو بلند کرنے کی سعی کی۔ ان سب کی کوششیں ملّتِ اسلامیہ کی
شکر گذاری کی مستحق ہیں، اور اس میں کچھ شک نہیں کہ انہوں نے اپنی اپنی بساط اور
سمجھ کے مطابق اسلام کی خدمات سرانجام دیں، لیکن ان کے قابلِ قدر کارناموں
کو عزّت اور احترام کی نگاہوں سے دیکھنے کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں، کہ ان کی
کوششیں ایک تو محض مقامی حیثیت رکھتی تھیں، اور دوسرے یہ کہ یہ بزرگ مسلمانوں
کی "قومی" برتری کے خواہاں تھے، اسلام پر من حیث المذہب جو اعتراضات ہوتے
تھے، ان کی طرف زیادہ توجہ نہ تھی۔ یہی وجہ ہے، کہ ان کی کوئی مستقل قابلِ ذکر تصنیف
مخالفینِ اسلام کے اعتراضات کے جواب میں اور اسلام کی حقانیّت اور فضیلت
کے موضوع پر نہیں ہے۔ بعض متفرق مضامین جو انہوں نے لکھے، ان میں بھی مرعوبیت
کا پہلو نمایاں ہے۔ مغربی مصنفین یا ان کے نقّال جب کوئی اعتراض اسلام کی تعلیم
پر کرتے تھے، تو وہ اس اعتراض کا قرار داقعی جواب دینے کے بجائے اسلام کی تعلیم کو
مغربی خیالات کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے، چنانچہ پردہ، طلاق،
اور تعدّدِ ازدواج وغیرہ مسائل پر انیسویں صدی کے مصنّفین اسلام نے مخالفین
کے اعتراضات کے جواب میں جو اسلوب اختیار کیا، وہ اسی مرعوبیت کا نتیجہ تھا،
یعنے انہوں نے اسلام کے اِن پُرحکمت تمدّنی احکام کا یا سرے سے انکار کر دیا،
اور کہا کہ یہ اسلام کی تعلیم ہی نہیں، اور یا ان کی ایسی تاویلیں کیں، جن کا قرآنی
تعلیم سے کچھ دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ اسلام کے بیان کردہ روحانی امور کے بارے
میں بھی ان کا طرزِ عمل یہی تھا، کہ رُوحانیت سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے جو چیز ان
کی سمجھ میں نہ آتی تھی، اس کا انکار کر دیتے تھے۔ چنانچہ دُعا وغیرہ کے متعلق سرسیّد

کے خیالات اسلام کے پیش کردہ نظریہ سے کوئی واسطہ نہیں رکھتے۔ مولانا رحمت اللہ مہاجر مکّی اور مولانا محمد قاسم نانوتوی وغیرہ علماء نے ہندوستان میں بے شک بعض کتابیں آریوں اور عیسائیوں کے مقابلہ میں لکھیں، اور مناظرات بھی کئے، مگر ان کا طرزِ استدلال زیادہ تر نقلی تھا، اور انہوں نے بالعموم ڈیفنس (مدافعت) کا پہلو اختیار کیا، لیکن اسلام کی حقانیّت اور فضیلت ثابت کرنے اور نئے علوم کی روشنی میں اسلامی اصول کی فلاسفی بیان کرنے میں وہ کوئی خاص خدمت نہ کرسکے۔ ان کے علاوہ ہندوستان یا ہندوستان سے باہر بلکہ خود اسلامی ممالک میں بھی انیسویں صدی میں کوئی ایسی ہستی نظر نہیں آتی، جس کے متعلق یہ کہا جا سکے، کہ اس نے اسلام کی مدافعت یا اس کی تعلیمات کی صداقت و فضیلت ثابت کرنے میں کوئی قابلِ ذکر خدمت سرانجام دی۔
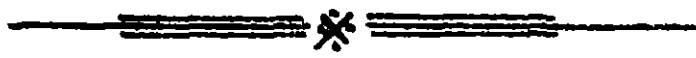
یہ وہ صورت حالات ہے، جس سے انیسویں صدی عیسوی میں اسلام دوچار ہو رہا تھا۔ ان حالات کو دیکھکر مسلمانوں پر مایوسی ہی مایوسی طاری تھی، اور کہیں بھی کوئی شمعِ امید نظر نہ آتی تھی، حتیٰ کہ یہ سمجھا گیا، کہ اب اسلام کا خاتمہ ہونے کو ہے، اور اُسے موت کے قریب پہونچا ہوا مریض سمجھکر اس کے مرثیے بھی لکھدیئے گئے۔ لیکن ناگہاں غیب سے اسلام کی حفاظت کا وہی سامان ظاہر ہوا، جس کی شہادت تیرہ سو سال سے اسلامی تاریخ مسلسل دے رہی ہے، یعنی اسلام کی کشتی جب کبھی مصیبت کے بھنور میں اس طرح پھنسی ہے، کہ دُنیا نے ہمیشہ کے لئے اس کے ڈوب جانے کا تصوّر کیا، تو اچانک خدا تعالےٰ کی غیبی نصرت نے ظاہر ہو کر اپنے وعدہ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

رسالہ ریویو آف ریلیجنز اردو بابت ماہ ستمبر ۱۹۴۰ء

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود علیہ السلام

(۱۸۳۵-۱۹۰۸ء)

کی توثیق کرتے ہوئے ناامیدی کی پیش قیاسیوں کو ہمیشہ جھٹلا کر رکھدیا ہے۔ میرا مقصد یہ ہے، کہ ٹھیک انہی دنوں میں جب یہ سمجھا گیا، کہ اسلام اب آخری دم توڑ رہا ہے، تو خدا تعالےٰ نے سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانیؑ کو مبعوث کیا، جن کی مجاہدانہ سرگرمیوں اور کوششوں نے نئے سرے سے اسلام کو تمام مذاہب و ادیان پر غالب کر دکھایا، اور وہ پیشگوئی پوری ہوئی، جو مسیح موعود کے لئے قرآن مجید میں ان الفاظ میں کی گئی ہے، هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ یعنی خدا ہی وہ ذات ہے، جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا ہے، تا وہ اُسے تمام ادیان پر غالب کردے۔ یہ آیت گو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر اُتری، مگر اس کا حقیقی ظہور ایسے زمانہ میں ممکن اور مقدر تھا، جب دنیا سفر کی سہولتوں کی وجہ سے ایک شہر کی مانند ہونے والی تھی، اور تمام مذاہب کا مقابلہ ہونے والا تھا، اور اس مقابلہ میں اسلام کا من حیث المذہب دُنیا کے سارے مذاہب پر غلبہ ظاہر ہونا تھا، سو اس زمانہ میں خدا تعالےٰ نے آنحضور صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک بروز بھیجا، جس کے ذریعہ یہ پیشگوئی پوری ہوئی، اور دنیا میں پھر آپ کا لایا ہوا **نور** پوری شان و شوکت سے چمکا، **ظلمت** کے بادل چھٹ گئے اور اسلام کا روشن سورج افقِ عالم پر پھر اسی آب و تاب کے ساتھ ظاہر ہوا۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے سب سے بڑا کام یہ کیا، کہ دہریت والحاد کا جو متلاطم سمندر موجیں مار رہا تھا، اور جس کی زد میں ہر کہ ومہ، خواہ وہ ہندو ہو یا

عیسائی، یہودی ہو یا مسلمان، بہا جا رہا تھا، اسے ایک زبردست بند کے ساتھ روک دیا۔ آپ نے زندہ خدا کے زندہ معجزات و نشانات دکھا کر اس کی ہستی پر ایمان پیدا کیا۔ دنیا معجزہ کو قصۂ پارینہ، اور اگلے وقتوں کی جاہلانہ زود اعتقادی کی یاد سمجھتی تھی، لیکن آپ نے اسے ایک حقیقت ثابت کر کے گذشتہ تمام انبیاء و صلحاء کی صداقت اور عزت کو قائم کیا۔ پھر آپؑ نے اپنے تمام معجزات اور نشانات کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت قرار دیا، اور دیگر تمام مذاہب کے لوگوں کو نشان نمائی کے میدان میں دعوتِ مقابلہ دی، جس کے لئے کسی کو طبع آزمائی کی جرأت اور حوصلہ نہ ہوا۔ یہ آپؑ کی اتنی بڑی اسلامی خدمت ہے، جس کی مثال تیرہ سو سال کی اسلامی تاریخ میں کہیں نہیں ملتی۔ بے شک مسلمانوں میں بڑے بڑے حامیانِ دین گذرے ہیں جنہوں نے اپنی عمریں اسلام کی خدمت کرتے ہوئے گذار دیں، مگر روحانی میدان میں جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمارے اس زمانہ میں اسلام کو سب مذاہب پر غالب کیا، اس طرح اور کسی کو اسلام کی حمایت کا موقعہ نہیں ملا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس عظیم الشان کارنامہ کا ایک اور پہلو یہ ہے، کہ اس زمانہ میں مسلمانوں کی اصل بیماری ان کی روحانی کمزوری اور خدا تعالےٰ کی ذات پر ایمان کی کمی یا فقدان تھا، اور یہی باعث ان کی دنیاوی کمزوری کا بھی تھا، حضرت اقدسؑ نے اس مرض کا علاج کیا، اور معجزات اور پیشگوئیوں کے ذریعہ خدا تعالےٰ کی ہستی کا ثبوت دیا۔ یہ اسی کی برکت ہے، کہ مسلمانوں میں سے ایک

پاک جماعت قائم ہوگئی، جو خدا تعالےٰ کی ذات پر ایمان سے سرشار ہو کر دیوانہ وار صحابہؓ کی طرح خدمتِ اسلام میں معروف ہے۔ یہ چھوٹی سی جماعت اپنی بے سروسامانی کے باوجود اسلام کے لئے جو قربانی کر رہی ہے، اس کی مثال کسی اور جگہ تلاش کرنا بے سُود ہے۔ اس کے ہر فرد کے دل میں اگر کوئی خواہش اور تمنّا ہے، تو وہ صرف یہ ہے، کہ اسلام پھر دنیا میں سربلند ہو۔ یہ جوش اور قوّتِ عمل یقیناً صحابہ کرامؓ کے سوا اور کہیں نہیں ملے گی۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے، کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ دنیاوی سکیموں سے ہرگز نہ ہوگی، کیونکہ یہ تو ایک رُوحانی نظام ہے، اس کی نشأۃ ثانیہ اسی نہج پر ہوگی جس پر اس کی نشأۃ اُولیٰ ہوئی تھی۔ "پان اسلامزم" کی تحریک یا "اسلامی خلافت" کو زندہ کرنے کی تجویز، یا مسلمانوں کی "عسکری تنظیم"، یا کسی "دارالاسلام" کے قیام کا خیال، یہ سب دنیاوی سکیمیں ہیں، اور گزشتہ تجربہ شاہد ہے، کہ انسانوں کی سوچی ہوئی سکیمیں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتیں، اور نہ مسلمانوں کے پنپنے اور ان کی کھوئی ہوئی عزّت و وقار کے دوبارہ حاصل کرنے کی یہ ترکیبیں ہیں۔ مسلمان اگر پھر اسی مقامِ رفعت پر پہونچنا چاہتا ہے، جس پر اس کے آباؤ اجداد فائز تھے، تو اس کی صرف یہی ایک صورت ہے، کہ اسے اپنے بزرگوں کی سی دینداری اختیار کرنی چاہیئے، اُنہیں کا سا ایمان باللہ پیدا کرنا چاہیئے، اور انہیں کی سی اصول و شعارِ اسلام کی پابندی اختیار کرنی چاہیئے، اور یہ اسی حال میں ہو سکتا ہے، کہ وہ کسی "مردِ مومن" کا دامن پکڑ لیں۔ مغربی طرز کے لیڈروں کی کوئی "لیگ" یا دنیاوی عالموں کی کوئی

"جمعیت" یا جسمانی بادشاہوں کا کوئی "میثاق" مسلمانوں کو ہرگز مفید نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالےٰ نے اپنے نبی کی زبان سے مسلمانوں کے لئے قیامت تک کالائحۂ عمل خود تجویز کردیا ہے۔ اس میں یہ بات صاف اور کھول کر بیان کی گئی ہے، کہ اسلام جب کبھی کمزور ہوگا، اس کی حفاظت کے لئے خدا تعالےٰ خود سامان مہیّا کریگا، اور مجدّدین کے ذریعہ اس کام کو سرانجام دیگا، اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ اور وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ کے الٰہی وعدے اور اِنَّ اللّٰهَ یَبْعَثُ عَلٰی رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَّنْ یُّجَدِّدُ لَهَا دِیْنَهَا کا نبوی ارشاد اسی کی طرف اشارہ کررہے ہیں، اسلام میں انسانی دماغ کی اختراع کی ہوئی سکیموں کو کوئی جگہ حاصل نہیں ہے۔ پس خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو بھیجا ہے، اور مسلمانوں کی تمام ترقیات کو انہیں کی پیروی سے وابستہ قرار دیا ہے۔ واقعات نے یہ ثابت کردیا ہے، کہ آپ کی پیروی سے ایمان باللہ جیسی بے بہا دولت حاصل ہوتی ہے، اور اس سے وہی قوتِ عمل پیدا ہوتی ہے، جو صحابہ کرامؓ میں پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ جماعت احمدیہ کی گذشتہ تاریخ اس پر شاہد ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ "مرزا صاحبؑ نے آکر مسلمانوں کو حکومت نہیں دلائی، حالانکہ اسلام کا حقیقی مقصد دنیاوی حکومت دلانا نہیں ہے، بلکہ اس کا مقصد لوگوں کے قلوب میں آسمانی بادشاہت کا قیام ہے۔ لیکن چونکہ جن دلوں میں آسمانی حکومت قائم ہوجائے، جسمانی حکومتیں خود بخود ان کے سامنے جھک جاتی ہیں، اس لئے

اسلام کی آسمانی بادشاہت جن قلوب پر قائم ہوئی، وہ تمام جسمانی حکومتوں پر غالب آئے، اور ان پر قابض ہو گئے۔ قرآن مجید میں کہیں بھی دنیاوی اور جسمانی حکومت کو مسلمان کا نصب العین قرار نہیں دیا گیا، بلکہ مسلمان کا نصب العین رُوحانی بادشاہت کا قیام قرار دیا گیا ہے، اور یہ حکومت اسی وقت قائم ہو سکتی ہے جب قلوب خدا کی ذات پر ایمان اور یقین سے پُر ہو جائیں، اس کے بعد دنیاوی حکومتیں خود بخود حاصل ہو جاتی ہیں، چنانچہ صحابہ کرامؓ کے زمانہ میں یہی ہوا۔ اور اب بھی یہی ہوگا۔ کوتاہ بین کی نظر میں دنیاوی بادشاہت کو اہمیت حاصل ہے، مگر خدا کا منشاء آسمانی بادشاہت کا قیام ہے، اور اسی پر دنیاوی نظام کی بنیادیں استوار ہونگی۔ الٰہی سلسلوں میں ہمیشہ اسی ترتیب سے انقلاب آتے رہے ہیں، اور یہی ترتیب یہاں بھی قائم رہے گی، اور اپنے وقت پر اس کی تمام منازل پایۂ تکمیل کو پہونچیں گی۔ ہر چیز خدا تعالےٰ کے اندازہ میں مقدر ہے، وہ اپنے وقتِ معیّن پر خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے۔
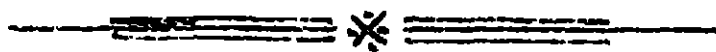
سیدنا مسیح موعود علیہ السّلام نے روحانی میدان کے علاوہ عقلی اور نقلی دلائل کے میدان میں بھی مخالفینِ اسلام کو خطرناک شکست دی۔ دشمن کا کامیاب مقابلہ تبھی ہوسکتا ہے، جب دفاع کے ساتھ اس پر حملہ بھی کیا جائے۔ آپ نے میدان میں نکلتے ہی ایک طرف مخالفین کے اعتراضات کی مدافعت کی، اور دوسری طرف ان کے مذاہب کی تعلیمات پر ایسے ایسے حملے کئے، جن سے وہ بوکھلا گئے اور ان کی توجہ اسلام پر اعتراض کرنے کے بجائے اپنے گھر کی حفاظت کی طرف ہوگئی۔ اور یہ دفاع

اور حملہ بیک وقت اس زور اور شدت سے ہوا، کہ دشمن کی صفوں میں جو نہایت سکون کے ساتھ آگے بڑھی آرہی تھیں، ہلچل مچ گئی، اور بالآخر وہ میدان کو چھوڑ کر بھاگ گئیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک کامیاب اور فاتح جرنیل کی حیثیت میں فرماتے ہیں:۔

"بھلا اب کوئی پادری تو میرے سامنے لاؤ، جو یہ کہتا ہو، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی پیشگوئی نہیں کی، یاد رکھو کہ وہ زمانہ مجھ سے پہلے ہی گذر گیا اب وہ زمانہ آگیا جس میں خدا یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے کہ وہ رسول محمد عربی جسکو گالیاں دی گئیں، جس کے نام کی بے عزتی کی گئی، جس کی تکذیب میں بدقسمت پادریوں نے کئی لاکھ کتابیں اس زمانہ میں لکھکر شائع کیں، وہی سچا اور سچوں کا سردار ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۷۴)

※

درحقیقت ہم آج اس طوفان کا اندازہ ہی نہیں لگا سکتے، جو آج سے ساٹھ برس پیشتر عیسائی مشنریوں نے تمام دنیا میں اور آریہ سماج وغیرہ فرقوں نے ہندوستان اور دوسرے ممالک میں مچا رکھا تھا۔ ان کی طرف سے ہر روز گلی کوچوں میں وعظ اور لیکچر ہوتے تھے، ٹریکٹ اور پمفلٹ شائع کئے جاتے تھے، جن میں اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نشانۂ طعن بنایا جاتا تھا، لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کامیاب مدافعت اور حملہ نے سب کے دانت کھٹے کر دیئے، اور اب خدا تعالےٰ کے فضل سے دلائل کے میدان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیش کردہ علم کلام کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اسی علمِ کلام کو لیکر جماعت احمدیہ نے عیسائی اور آریہ

وغیرہ مناظرین کا ناطقہ بند کر رکھا ہے، اور ہر ملک اور ہر محاذ پر مخالفین کو شکست ہوتی رہی ہے۔ ان کا زور ٹوٹ چکا ہے۔ کہاں وہ حالت کہ بازاروں اور پبلک جگہوں میں جلسے ہو رہے تھے، اور اسلام پر برملا حملے کئے جا رہے تھے، اور کہاں یہ حالت کہ اب سب معترضین میدان خالی کر کے چھپکر بیٹھ گئے ہیں، یا ایسے مقامات کی تلاش میں ہیں، جہاں وہ یہ سمجھیں، کہ یہاں ہم جماعت احمدیہ کی دسترس سے باہر ہیں۔

※

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان مساعی کا نتیجہ جہاں حملہ آور مخالفین کی پسپائی کی صورت میں ظاہر ہوا، وہاں مسلمانوں کے لئے بھی ڈھارس کا موجب ہوا، اور یورپ کے فلاسفروں کا جو رعب ان پر طاری تھا، وہ دور ہو گیا، یہی وجہ ہے، کہ انیسویں صدی کے نصفِ اوّل کے مصنفینِ اسلام اور موجودہ زمانہ کے مصنفین کے طرزِ تحریر میں نمایاں فرق ہے۔ اوّل الذکر گروہ کی تحریروں میں اعتذار (Apology) کا رنگ ہے، مگر مؤخر الذکر گروہ کی تحریریں متحدیانہ ہیں، اور یہ تحدی سلطان القلم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں سے مستعار ہے۔

※
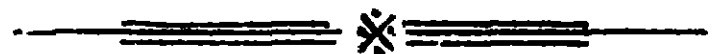
یہ حضرت اقدسؑ کی خدمات کا صرف ایک پہلو ہے، اگر تفصیل کے ساتھ آپ کے کارناموں کا ذکر کیا جائے، تو اس کے لئے ایک مبسوط کتاب کی ضرورت ہے مختصر یہ کہ آپؑ کی بعثت سے وہ تمام مقاصد پورے ہوئے، جو ایک مامور من اللہ کی بعثت سے وابستہ ہوتے ہیں۔ آج دنیا میں ایک عظیم الشان فساد برپا ہے، جس سے بحر و بر کا امن و سکون جا تارہا ہے، اور سب قومیں ایک بےچینی کی زندگی بسر کر رہی ہیں۔

اسلام میں اس بے امنی اور بے چینی کا علاج موجود ہے۔ لیکن چونکہ خود اسلام سے وابستگی کے مدعی اسلامی تعلیمات سے بے بہرہ ہو چکے تھے، اس لئے خدا تعالیٰ نے ان تعلیمات کو دوبارہ اُجاگر کرنے کے لئے ایک مجدّدِ اعظم کو بھیجا، جس نے دنیا کے سامنے تمام رُوحانی اور جسمانی بیماریوں کا وہی اکسیری نسخہ پیش کیا، جو آج سے تیرہ سو برس پیشتر ایسے ہی حالات میں سرورِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم نے پیش کیا تھا اور جس کے استعمال سے دُنیا میں امن و امان کا دَور دورہ ہو گیا تھا۔ آج بھی اگر دنیا کے موجودہ ہر قسم کے امراض کا کوئی علاج ہو سکتا ہے، تو وہ یہی نسخہ ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پیش کیا، اور ہم یقین رکھتے ہیں، کہ دنیا کو چاروناچار یہ نسخہ استعمال کرنا پڑے گا۔

رُوحانی مصلحین کے ظاہری غلبہ کے لئے کوئی خاص قانون مقرر نہیں ہے، کہ وہ کتنے عرصہ میں ہونا چاہیئے۔ گذشتہ انبیاء و ماموریں کے حالات کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ کبھی یہ غلبہ جلدی ہو جاتا ہے، اور کبھی کچھ دیر سے۔ اس کے معیّن وقت کا علم صرف خدا تعالیٰ کو ہوتا ہے؛ اور قبل از وقت اس کے متعلق کوئی قیاس کرنا ناممکن ہے۔ پس یہ اعتراض کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعہ ابھی تک ظاہری غلبہ کیوں نہیں ہوا، تاریخ اور سنّتِ الٰہیہ سے ناواقفی کا ثبوت ہے۔ آپ کی بعثت اسلام میں وہی حیثیت رکھتی ہے، جو موسوی سلسلہ میں حضرت مسیح ناصریؑ کی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اسی مناسبت سے چودھویں صدی کے مجدّد کو مسیح کا لقب دیا ہے، اور غالباً یہ اسی بات کی طرف اشارہ تھا، کہ مسیح محمدّی کا ظاہری غلبہ

اسی طریق پر ہوگا، جس پر مسیح ناصریؑ کا ہوا تھا، اور ہم کو جلدی نہیں کرنی چاہیئے، بلکہ صبر و استقلال سے انتظار کرنا چاہیئے۔ موجودہ حالات پر آئندہ کا قیاس کرنا الٰہی جماعتوں کے معاملہ میں ہمیشہ غلط ثابت ہوا ہے، اس لئے جماعت احمدیہ کی موجودہ حالت کو دیکھکر مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ فی الحال جو چیز دیکھنے کے لائق ہے، وہ صرف یہ ہے، کہ آیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت منہاج نبوت پر ہوئی ہے یا نہیں؟ اگر آپ کی بعثت منہاج نبوت پر ہے، تو آپ کی صداقت اور مامور من اللّٰہی میں شک و شبہ کرنا عنداللہ مؤاخذہ کا موجب ہوگا۔ ظاہری غلبہ تو بعض انبیاء کا ان کی وفات کے کئی صدیوں بعد ہوا، پھر یہاں یہ چیز نہ ماننے کا صحیح عذر کیونکر ہوسکتی ہے۔

انعامی مضامین حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رسالہ کی توسیع اشاعت، مقبولیتِ عامہ اور بلندیٔ معیار کے لئے منجملہ اور تجاویز کے ایک یہ تجویز بھی تھی، کہ انعامی مضامین کا اعلان کیا جائے، مقصود اس سے یہ تھا کہ اہلِ قلم حضرات اس طرف توجہ فرمائینگے، اور محنت کرکے تحقیقی مضامین بھیجیں گے، لیکن نہایت ہی افسوس سے لکھنا پڑتا ہے، کہ احباب نے اس طرف کماحقہٗ توجہ نہیں دی۔ ہم نے چھ عنوانوں کا اعلان کیا تھا، جن میں سے پہلے عنوان پر سات مضامین موصول ہوئے اور دوسرے پر صرف چار۔ اتنی بڑی علمی جماعت میں مقالہ نویسی کے علمی مقابلہ میں اس قدر تھوڑے اصحاب کا شریک ہونا بہت تعجب انگیز ہے۔ اور جو مضامین موصول ہوئے ہیں، ان کے متعلق بھی ججوں کی رائے یہ ہے، کہ کوئی ایک مضمون بھی اس معیار پر پورا نہیں اُترتا، جس کی اس انعامی مقابلہ میں توقع کی جاتی تھی۔

یہ رسالہ قوم کا رسالہ ہے، اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یادگار جماعت کے وقار کا تقاضا ہے، کہ اس میں بلند پایہ علمی اور تحقیقی مضامین شائع ہوں۔ ہمیں اپنی کمزوریوں کا اعتراف ہے، مگر ساتھ ہی ہم نہایت ادب سے اپنے احباب کی خدمت میں یہ گذارش کرینگے، کہ اس رسالہ کا بھی ان پر کچھ حق ہے۔ اہلِ قلم حضرات کا یہ فرض ہے، کہ وہ علمی اور تحقیقی مضامین ارسال کریں، اور عام احباب اس کی توسیع اشاعت کے لئے کوشاں ہوں، اور ایسی تجاویز اور تعمیری ہدایات سے وقتاً فوقتاً ہمیں اطلاع دیتے رہیں، جس سے یہ رسالہ مقبولِ عام ہو سکے، اور اس کا علمی معیار بلند ہو سکے۔ ہم ان مضمون نگاروں کے تہِ دل سے شکر گذار ہیں، جو وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ حصّہ اس رسالہ کے لئے وقف کرتے ہیں، اور ان بزرگوں کے بھی ممنونِ احسان ہیں جنہوں نے انعامی مقابلہ کے لئے گرانقدر رقوم عطا فرمائیں لیکن ہمیں جماعت کے ذی علم اور اہلِ قلم حضرات سے شکوہ بھی ہے، کہ وہ اس قومی رسالہ کی طرف وہ نظرِ عنایت نہیں رکھتے، جس کا یہ مستحق ہے۔

انعامی مقابلہ نے ہمارے لئے بجائے سہولت پیدا کرنے کے مشکلات کا دروازہ کھول دیا ہے، اور ہم شش و پنج میں ہیں، کہ انعامی رقوم کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔ انعامی مضامین کے اعلان کا مقصد تو یہ تھا کہ ذی علم احباب اس کی طرف زیادہ توجہ دیں، اور محنت کرکے بلند پایہ تحقیقی مضامین لکھیں، مگر ہوا یہ کہ اوّل تو بہت تھوڑے دوستوں نے توجہ کی، اور دوسرے یہ کہ قلم برداشتہ پرانی طرز پر مضامین لکھکر بھیج دیئے گئے، حالانکہ جن اصحاب نے اپنے مقالے بھیجے ہیں، ان میں سے بعض اگر ذرا زیادہ محنت کرتے، تو بہت اعلیٰ اور مفید علمی مضامین لکھ سکتے تھے، جن سے

ہمارے لٹریچر میں نیا اور قابلِ قدر اضافہ ہوتا۔ اب چونکہ ججوں نے پہلے دونوں موضوعوں پر آمدہ مضامین میں سے کسی کو بھی معیاری قرار نہیں دیا، اس لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے، کہ انہیں موضوعوں پر ایک دفعہ پھر احباب کو طبع آزمائی کی دعوت دی جائے، اور دونوں موضوعوں کو ملا کر ایک کر دیا جائے، جس کا عنوان یہ ہوگا، "انیسویں صدی کی مذہبی تحریکات میں احمدیّت کی امتیازی خصوصیات"۔ اہلِ قلم حضرات سے یہ توقع کی جاتی ہے، کہ وہ اس عنوان کے ذیل میں انیسویں صدی کے بنیادی اصولوں اور رجحانات پر بحث کر کے احمدیت کی امتیازی شان کو ظاہر کریں اس کے لئے گہرے مطالعہ، اور محنت کی ضرورت ہے، لہذا ہم اس کی میعاد بھی لمبی رکھتے ہیں۔ ارادہ ہے، کہ یہ مضمون جلسہ سالانہ کے موقعہ پر رسالہ میں شائع کیا جائے اس لئے کثرت سے ذی علم احباب مضامین لکھکر ۵ دسمبر تک ارسال فرما دیں۔ انعام کی تقسیم کا یہ طریق ہوگا، کہ تین جج پہلے اس امر کا فیصلہ کرینگے، کہ کون کونسے مضامین معیار پر پورے اُترتے ہیں، پھر ان میں اول دوم اور سوم کا انتخاب کرینگے، یہ تینوں مضامین شائع کر دیئے جائیں گے، اور ناظرین سے درخواست کی جائے گی، کہ وہ اطلاع دیں، کہ ان میں سے کون سا مضمون زیادہ مقبولِ عام ہؤا۔ جس مضمون کے حق میں زیادہ آراد ہوں گی، اس کے لکھنے والے کو پچاس روپے انعام دیا جائے گا۔

ایک اور ساٹھ روپے کی انعامی رقم کی تقسیم یوں ہوگی، کہ آئندہ سال بھر میں مختلف موضوعوں پر جو مضامین رسالہ میں شائع ہونگے، ان کے لکھنے والوں میں سے ججوں کے مشورہ اور ناظرین کی آراد اور مقبولیّت عامہ سب باتوں کو مدنظر

رکھکر اوّل رہنے والے مضمون نگار کو تیس روپے، دوم رہنے والے کو بیس روپے اور سوم رہنے والے کو دس روپے انعام دیا جائے گا۔

اس کے علاوہ اعلان کردہ سابقہ عنوانات میں سے تیسرے اور چوتھے کو بھی ملاکر ایک عنوان کردیا گیا ہے، اور وہ یہ ہے:۔"آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمان و مقامِ ظہور کی موزونیت"۔ اس عنوان پر جو دوست طبع آزمائی کرنا چاہیں، وہ تاریخی اعتبار سے یہ ثابت کریں، کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جس زمانہ (ساتویں صدی) اور جس مقام (عرب اور اس کی قوم) میں ظاہر ہوئے، وہ کامل اور عالمگیر شریعت کے حامل نبی کے ظہور کے لئے موزوں تھے۔ اس کا فیصلہ بھی اسی طریق سے ہوگا جو پہلے عنوان پر آمدہ مضامین کے متعلق اوپر بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ موضوع بھی کافی مطالعہ اور محنت کا محتاج ہے، اس لئے اس کی میعاد بھی ۱۵ دسمبر تک رکھی جاتی ہے۔

ان تین انعاموں کے علاوہ پچیس پچیس روپے کے دو اور انعام بھی دیئے جائینگے، اور انکے لئے ہم اپنے ناظرین سے درخواست کرتے ہیں، کہ وہ براہِ مہربانی اپنے مشورہ سے مطلع فرماویں، کہ ان کے لئے کون کونسے موضوع مقرر کئے جائیں، اور فیصلہ کا طریق کیا ہو؟ امید ہے اصحاب الرائے دوست ہمیں اپنے مفید مشوروں سے مستفید فرما کر ممنون فرمائینگے۔ اس اعلان سے قبل جو اعلانات انعامی مضامین کے بارے میں ہوچکے ہیں، انہیں منسوخ سمجھا جائے۔

آخر میں ہم پھر ایک دفعہ عرض کرینگے، کہ اس رسالہ کو بلند پایہ اور مقبول عام اور وسیع الاشاعت بنانا ہر احمدی کا فرض ہے، اور یہ اسی طرح ہوسکتا ہے، کہ احباب اس میں پوری دلچسپی کا اظہار کریں۔ کیا ہم توقع رکھیں کہ احباب اپنے فرض کو ادا کرینگے؟

بعثتِ مسیح موعود کے خلاف نباردِ عمل

(از ذاکر عجمی)

لق ودق صحرا کی وسعتِ بے کنار کا احساس ہو، مگر نخلستان کی خواہش نہ ہو۔ ہجومِ امراض سے رگِ حیات مائل بہ سکوں ہو، اور علاج و شفا کی آرزو نہ ہو۔ امساکِ باراں سے دم نکلا جارہا ہو، لو سے بدن جھلسے جارہے ہوں، اور ابرِ نیساں کی تمنا نہ ہو۔ کشتی موجِ گرداب میں اسیر ہو، اور ملاح کو ساحل کا خیال تک نہ آئے۔ سفر بے سنگ و میل ہو، منزلِ مقصود کا کچھ پتہ نہ چلے، اور مسافرِ آبلہ پا کو رہنما کا وجود لایعنی معلوم دے۔ یہ غیر فطرتی باتیں ہیں۔ وہ جس کے دماغی قویٰ ماؤف ہو چکے ہوں، جس کی قوتِ واہمہ نے عقلِ سلیم کو تاراج کر دیا ہو، وہی ایسے تضادات کا تصوّر کر سکتا ہے۔ ورنہ ان کا تصوّر فطرت کے خلاف کھلی بغاوت ہے۔ جو اس جرم کا ارتکاب کرتا ہے، وہ فرزانگی کا دعوےٰ نہیں کر سکتا، اور خردمند انسانوں کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل نہیں۔

لیکن یہ ایک المناک حقیقت ہے، کہ ملّتِ اسلامیہ جب مرکزِ ثقل سے ہٹی، تو اس میں انواع و اقسام کے عوارض پیدا ہو گئے۔ سب سے بڑا اور سب سے زیادہ مہلک عارضہ یہی دو متضاد اور متصادم عقائد کا جمع ہو جانا ہے۔ یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے، کہ شئے لطیف مفقود ہے، اور دماغ دیوانگی کا مسکن ہو چکا ہے۔ جس طرح دیوانہ

باوجود اپنی تمام عریانیوں اور فحش کلامیوں کے عقل وخرد کا دعویدار ہوتا ہے، اور اس بات سے سخت برہم ہوتا ہے، کہ کوئی اس کو دیوانہ یا مجنون کہے، بعینہٖ اس ملّتِ مرحومہ کے نام نہاد علمبردار ایک طرف تو اسلام کی بےکسی پر اشکبار ہیں، اور مسلمانوں کے سوادِ اعظم کی بےحسی اور جمود پر ماتم کناں ہیں، اور زبانِ حال سے کسی "آوازِ سروش" کے لئے گوش برآواز ہیں، مگر دوسری طرف ان کا یہ حال ہے، کہ جب ہاتف سے ندا آتی ہے، اور کوئی مردِ کامل ان کی تمناؤں کی تکمیل کے لئے ان کے دلوں پر دستک دیتا ہے، تو وہ نعل در آتش ہو جاتے ہیں۔ امراض و عوارض کا انکار نہیں کرتے، مگر معالج کی آمد کو پیغامِ اجل تصوّر کرتے ہیں۔ امساکِ باران کے معترف ہیں، مگر آسمانی ترشح کو نخلِ حیات کے لئے قاتل سمجھتے ہیں۔ سفینۂ اسلام کو قعرِ دریا میں ہچکولے کھاتے ہوئے دیکھتے ہیں، مگر "باخدا ناخدا" کے پتواروں کو دیکھکر واویلا کرتے ہیں۔ افکار و اعمال کے بگاڑ کو بھول بھی نہیں سکتے، مگر مصلحِ ربّانی کی بعثت ان پر گراں گذرتی ہے۔ جب امّت کا یہ حال وقال ہو، تو اصلاح وتجدید کی دشواریاں اظہر من الشمس ہیں۔ مگر جیسے عالمِ مادیت میں نوامیسِ فطرت جھٹلائے نہیں جا سکتے، اور متضاد خیالات خس وخاشاک کی طرح مٹ جاتے ہیں، اور دنیا کا کاروبار بخیر وخوبی چلتا چلا جاتا ہے، اور جو اس کی تکمیل میں حائل ہوتا ہے وہ خود مٹ جاتا ہے، سیارگان کی سیر وگردش کسی کے انکار سے رُک نہیں سکتی، عناصر کا بےپناہ عمل کسی کی تسلیم ورضا کا محتاج نہیں، یہی حال عالمِ روحانیت کا ہے، اس عالم میں بھی زمین وآسمان ہیں، اس میں بھی مہر وماہ ہیں، اس میں بھی سیّارے اور ثوابت ہیں، ان کی نقل وحرکت، ان کی سیر وگردش اور ان کا عمل اور ردّ عمل بھی مقدّر ہو چکا ہے

کسی کا انکار یا بغاوت سوائے جنون کے اعلان کے اور کچھ معنی نہیں رکھتا، جو اس روحانی عمل میں ممد ہوتا ہے، وہ کامیاب و کامران رہتا ہے۔ جو جنگ کرتا ہے، وہ شہاب ثاقب کا ایندھن بن جاتا ہے۔ جن کی حقائق پر نظر ہوتی ہے، وہ جانتے ہیں، کہ مشن ربّانی ضرور کامیاب ہوتے ہیں، چاہے حالات کتنے ہی نامساعد کیوں نہ ہوں، اور قبولیّت کا مادہ کتنا ہی مفقود کیوں نہ ہو گیا ہو۔

ان حالات میں جب ہم حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں وہی دشواریاں اور صعوبتیں نظر آتی ہیں، جو افکار و اعیان میں متقدین کے اجتماع سے پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور یہ فساد و خلل نت نئے رنگ و روپ میں پیدا ہو رہا ہے۔ لیکن امیدِ کامرانی ایک لحظہ کے لئے بھی نہیں مٹتی۔ اسلام کے اس بطلِ جلیل کی خدماتِ جلیلہ اور خیرہ کن کامیابیوں کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے، کہ اس بعثت سے پہلے اور بعد کے حالات کا اعادہ کیا جائے، اور جو اس مردِ کاملؑ کے مشن کے خلاف ردِّ عمل ہوا، اس کا جائزہ لیا جائے۔

یہ ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ انیسویں صدی میں مذہب و روحانیت کی فصیلیں منہدم ہونی شروع ہوئیں، اور مادیتِ قدیم نے چولہ بدلا، اور وہ مغربی تہذیب کے پیرہن میں دُنیا کی سٹیج پر جلوہ گر ہوئی۔ یہی وہ زمانہ ہے، جب مغربی اقوام میں ایک معاشی انقلاب ہوا، نظامِ جاگیرداری مٹ گیا، اور تجارت کی آزادی نے نظامِ سرمایہ داری کو فروغ بخشا، سیاحوں نے نئے ممالک دریافت کئے، زمین کے دفینوں کو بے نقاب کیا، ویران علاقے جو وحشی اقوام کے وطن تھے، آباد کردوں کی صنعت و حرفت سے تہذیب و تمدّن کے گہوارے بن گئے۔ تجّار اور تاجدار دونوں اس عملِ سلب و نہب

میں برابر کے شریک تھے۔ ان کے تعاون نے ملک کے کثیر حصّے کو ان کا دست نگر کر دیا۔ ان کے استحصال کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تعذیب و تعزیر کا سامنا کرنا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے، کہ جمہور میں معاشی استبداد کا شعور بھی پیدا نہیں ہُوا تھا۔ ہاں ایک سمت سے کھٹکا تھا، اور وہ کلیسا کا وجود تھا۔ عرصہ ہُوا "عیسائیت مٹ کر کلیسائیت" ہو چکی تھی۔ ارباب کلیسا نے الوہیّت کا پیرہن پہن لیا تھا، اور لوگوں کے دماغوں اور ذہنوں پر پورے طور پر مسلّط ہو گئے تھے۔ عیسائی مذہب کے اصول کے مطابق مذہب اور سیاست دو منفک چیزیں ہیں، لیکن کلیسا غیر مرئی امور پر اقتدار سے مطمئن نہ ہُوا، اور سیاست پر بھی چھاپا مارا، اور بادشاہوں کے ساتھ دست و گریبان ہُوا۔ اس تصادم و پیکار سے یورپ کی تاریخ رنگین ہے۔ اس خونین تاریخ میں ایک ایسا زمانہ آگیا، جب کلیسا کو کُلّی اقتدار نصیب ہو گیا، اور تاج و اورنگ کو کلیسا سے نہ صرف یمن و برکت مانگنی پڑی، بلکہ امورِ مملکت کے اکثر و بیشتر حصّوں میں کلیسا کے زُلہ رُبا ہو گئے، اور کافی عرصہ تک ریاست اور سیاست پر کلیسا کے سائے پڑتے رہے۔ لیکن شاہانہ اقتدار ارباب کلیسا کو راس نہ آیا، اور اخلاقی ذمائم میں مبتلا ہو کر جمہور کی نظر سے گر گئے۔ اس روز افزوں ضعف کو دیکھکر شاہانِ وقت نے پھر زور پکڑا، اور کلیسا کو امورات سیاسی سے بے دخل کر دیا۔ تاریخ کا یہی دَور تھا، جب معاشی انقلاب ہُوا، اور کلیسا بھی سرمایہ داری کا آلۂ کار بن گیا۔ اب جہاں تاجر جاتے وہاں پادری بھی جا موجود ہوتے۔ دُنیا میں ہر جگہ تجارت "اور مشن" کے زور پر کلیسائی حکومتوں نے غلبہ حاصل کیا۔ بائبل کا ہر زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ دور دراز مقامات پر گرجے قائم کئے گئے، "خدمتِ خلق" کے بہروپ میں بہت ادارے قائم ہوئے، اور یہ طریق

بہت کارگر ثابت ہوا۔ کیونکہ محکوم اقوام کے اکثر افراد عیسائیت کے حلقہ بگوش ہوگئے۔ ہندوستان کو اس ضمن میں بطور نمونہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے ممالک میں بھی "تاجر" "تاجدار" اور "کلیسا" کی متحدہ کوششوں کی بدولت "مغرب" کو استیلاء نصیب ہوا۔ لیکن ہر جگہ اسکو اسلام سے لڑنا پڑا، اور ہر جگہ اس کو کامیابی نصیب ہوئی۔ اس کی وجہ عیاں ہے۔ اسلام وہ جذب مقناطیسی اور قوتِ کہربائی کھو بیٹھا تھا، جس نے اس کو کسی وقت قوت فائقہ بنا دیا تھا۔ اس بے دست و پائی میں کلیسا، کا مقابلہ کرنا محال تھا۔ اب سوال یہ تھا، کہ اسلام کو کس طرح زندہ کیا جائے۔ بعض اہلِ دل تھے، جنہوں نے اس میدان میں کچھ کام کیا۔ مگر یہ معرکہ محض علم و عقل سے سر نہیں ہو سکتا تھا، اس کے لئے الہام و عرفان کی ضرورت تھی۔ تجدید کی کوششیں کیا ہوئیں، تاویلات کا سیلاب بہہ پڑا۔ ذہنی مرعوبیت کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اسلامی تعلیمات کو فرسودہ قرار دیا گیا، اور بعض کو ایسا رنگ دیدیا گیا، جس سے یہ مغرب کی نظر میں قابلِ اعتراض نہ رہیں۔ یہ ترمیم و تنسیخ تقریباً ہر حصے میں کی گئی۔ اس وقت کے معاشی نظام کا اساسی اصول سود تھا، اور "سود" ہی کا دوسرا نام سرمایہ داری ہے۔ اسلام نے اس کو نجاست قرار دیا ہوا تھا۔ اور یہ اصول ہدفِ طعن بن گیا۔ اس طعن و تشنیع سے بچنے کے لئے جھٹ یہ تاویل کردی گئی، کہ سود کی تحریم ہنگامی تعلیم تھی، اور اب جبکہ سارے سماج کی بنیاد اس پر ہے، یہ جائز ہے، اور اسلام کو مزاحم نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اسی طرح تمدنی زندگی میں مسئلہ ازدواج اور طلاق کے متعلق بھی ایسی ترمیمات کی گئیں۔ اسی طرح اسلام کی ربانی تعلیم کو مادی فلسفوں کے سانچوں میں ڈھال کر اس کے رُخِ زیبا کو اور بھی کریہہ المنظر بنا دیا۔ الغرض "ناخدا ملتے ہیں سب پر باخدا ملتا نہیں" کا مضمون تھا

ایسی زبوں حالی میں پیغامِ الٰہی کی تجدید کسی آسمانی آواز ہی سے ہو سکتی تھی۔ قلوب کا اضطراب اسی طرح تسکین حاصل کر سکتا تھا، کہ کوئی مردِ کامل نیّرِ الہام کی روشنی سے تاریکی کو دور کرے، اور اسلام کے چہرے سے نقاب کشائی کرے۔ فلسفہ اور منطق اس مہم عظیم کو سر کرنے سے عاجز تھے۔ جس کو یہ اصلاح سمجھتے تھے، وہ نیا فساد و فتور ثابت ہوتا تھا، اور دشمن کی گرفت اَور مضبوط ہو جاتی تھی۔ ان حالات میں خود ساختہ مجتہدین گمراہی اور الحاد کا موجب ہو رہے تھے۔ ان کے اجتہاد و قیاس نے دین کو مضمحل کر دیا سے

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط قوم را برہم ہمی پیچد بساط

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

اس دورِ انحطاط میں دین و ملت کا احیاء ایک ہی طریق سے ہو سکتا تھا۔ اور وہ یہ تھا، کہ مامور من اللہ مبعوث ہو، اور وہ اپنے نفسِ حیات بخش سے "عروقِ مردہ" میں زندگی کی لہر دوڑا دے۔ اور اس کا قیاس و اجتہاد محض کاوشِ دماغی اور فلسفیانہ موشگافیوں کا نتیجہ نہ ہو، بلکہ خدا کے ودیعت کردہ علم و عرفان پر مبنی ہو۔ کیونکہ اُسی صورت میں یہ بے نقص و بے خطا ہو سکتا ہے۔ اور اُسی صورت میں وہ کفر کے تار و پود کو بکھیر سکتا ہے۔ اور ملت کی چمن بندی کے کام کو سر انجام دے سکتا ہے سے

تا خدا صاحب دلے پیدا کند کو ز حرفے دفترے اِملا کند

ساز پردازے کہ از آوازۂ خاک را بخشد حیاتِ تازۂ

عقلِ عریاں را دہد پیرایۂ بخشد ایں بے مایہ را سرمایۂ

بندہا از پا کشاید بندہ را از خداونداں رہاند بندہ را

یہی رُوحانی تقاضے تھے، جنہیں پورا کرنے کے لئے خدا نے انیسویں صدی کے اواخر میں مسیح موعودؑ کو مبعوث فرمایا، اور تجدید دین کی امانت سپرد کی۔ دعویٰ مہدویت و مسیحیت سے قبل جو حضور نے قلمی جہاد کیا، اور جس حسن و خوبی سے عیسائی مناّدوں اور آریہ پرچارکوں کے زور کو توڑا، اور جس مؤثر پیرائے میں ان کے راز کو طشت از بام کیا، اس کی ایک دُنیا گواہ ہے۔ مرعوبیت کے بادل چھٹنے شروع ہوئے۔ اور اسلام کے تمام مسائل دلیری سے پیش کئے جانے لگے۔ مگر یہ فقط قلوب کی کلیہ رانی تھی۔ رُوحانیت کا بیج مہدویت اور مسیحیت نے بونا تھا۔ تاکہ مسائل کی تشریح اور زیادہ ایمان افروز ہو۔ تا کہ اس مردِ حق آگاہ کو دوسرے مجتہدین سے ممتاز کیا جائے۔ اور اس کے اجتہاد پر الہام کی مُہر ثبت ہو، اور سُننے والے محسوس کریں، کہ کہنے والا اپنے خدا کی طرف سے کہتا ہے، اور اس کے اقوال پر ہوائے نفس کا کوئی اثر نہیں، اور مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى کا نظارہ پھر ایک دفعہ آنکھوں کے سامنے آجائے۔ لیکن جمہور اسلام پر جمود طاری تھا، وہ عیسائیت کے پراپیگنڈے سے اندر ہی اندر مسموم ہو چکے تھے، وہ تعلیمات اسلام کے مسخ شدہ چہرہ سے اس قدر مانوس ہو گئے تھے، کہ وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھے، کہ تجدید دین کیلئے وحی کی ضرورت ہے۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ اعلان مہدویت و مسیحیت پر مخالفت کا لاوا پھوٹ پڑا۔ بجائے اس کے کہ حضرت اقدسؑ کے کام میں نقص نکالتے، اور اُن کی تحریک کے "مضر" اثرات پر زور دیتے، ان کے حملوں کی زد ان کی شخصیت پر پڑنے لگی لیکن درخت تو اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ پھلوں کی شیرینی اور حلاوت سے انکار کئے بغیر درخت

کی بیخ کنی پر لوگ تل گئے۔ لیکن یہ مخالفتیں پرِ کاہ سے بھی زیادہ حقیر تھیں۔ درخت کا پھیلاؤ نہ رُکنا تھا، اور نہ رُکا۔ اپنوں کا تو یہ حال تھا، کہ آتش حسد میں بھسم ہو رہے تھے۔ اُدھر اغیار اسلام کی نوزائیدہ سطوت سے مرعوب ہو رہے تھے۔ کیونکہ تعلیم اسلام کو جس رنگ میں پیش کیا گیا، اس سے ان کے تمام اعتراضات ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا ہو کر رہ گئے۔ جہاد کے صحیح نظریئے نے پادریوں کی تلوارِ تنقید کو ہمیشہ کے لئے کُند کر دیا۔ یہ عیسائیوں کا پیدا کردہ خیال تھا، کہ "جہاد" کا ایک ہی مطلب ہے، کہ مسلمان کفار کے خلاف برسرِ پیکار رہیں، اور غیر مسلم حکومتوں کے خلاف جنگ کر دیں، اور اسلامی حکومت قائم کریں۔ یہی وجہ تھی، کہ جب مسلمانوں کو رزم و پیکار کے بجائے قلمی اور علمی جہاد کی دعوت دی گئی، تو وہ بہت برافروختہ ہوئے، حالانکہ الوہیت کے عقیدہ کا بُطلان اور عیسائی تعلیم کو از کار رفتہ ثابت کرنا کلیسائی اقتدار کے مٹانے کے مرادف تھا۔ اور یہی کام حضرت اقدسؑ نے کیا، اور ثابت کر دیا، کہ اسلام کی تعلیم کا کوئی شُعشہ بھی فرسُودہ نہیں ہوا۔ گرجا کی منہزم فوجوں کی پسپائی اور آریہ پرچارکوں کی شکست فاش نے بھی مسلمانوں کو متاثر نہ کیا، اور وہی پیش پا افتادہ اعتراض کرتے رہے، اور حضورؑ کی رحلت کے بعد بھی مخالفت اسی نہج پر جاری رہی لیکن صداقت کی تلوار کے گھاؤ دنیاوی تدبیروں سے مندمل نہیں ہو سکتے، اور یہ احمدیت کی فتح مبین ہے، کہ اب کچھ عرصے سے مخالفین نے پینترا بدل لیا ہے۔ اب تکذیب کا وہ رنگ نہیں رہا، جو پہلے تھا۔ اب بالعموم یہ نہیں کہا جاتا، کہ "مرزا صاحب" کے الہام غلط ہیں۔ بلکہ سرے سے انکار کیا جانے لگا ہے، کہ کوئی مہدی یا مسیح آنیوالا نہیں۔ اب بعثتِ مسیح کی پیشگوئیوں کو مجوسی خیال کے طور پر پیش کیا

جاتا ہے۔ محاذ کی تبدیلی سے تحریک احمدیت کو بہت تقویت پہونچی ہے۔ اگر یہ خیال مجوسی ہے، تو اس کی دریافت کو چند سال بھی نہیں ہوئے، اور اس سے پہلے اور اب بھی علماء کا عقیدہ یہی ہے، کہ مہدی و مسیح آنے والا ہے۔ اس کے متعلق جو احادیث ہیں، وہ ان کو مجوسیت کا مال مسروقہ تصوّر نہیں کرتے۔ پیشتر اس کے کہ دنیائے مذہب کے یہ نئے "کولمبس" اپنی تحقیق سے حصار احمدیت پر حملہ آور ہوں، ان کو پہلے اپنے علماء کی سرکوبی کرنی چاہیئے، جو آج بھی مہدی کے لئے دیدہ براہ ہیں۔ انکے نظریوں کے تضاد سے یہ لازم آتا ہے، کہ دونوں فریق راستی پر نہیں ہوسکتے۔ یا تو علماء ان ملحد جوانوں کو اس واہمے اور نفسیاتی الجھاؤ سے نجات دیں، اور یا "یہ محقق" جوان اپنے علماء کو اپنے خود ز ائیدہ تصوّر کا قائل کرلیں۔ جب تک یہ امر طے نہیں ہوتا نئے حملے کی زد پہلے علماء پر پڑے گی، اور علماء کا عقیدہ اس نئے نظریہ کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوگا۔

علماء نے حضرت اقدس کا انکار کیا۔ مگر امّت کو کوئی نعم البدل نہ دے سکے۔ اور انتظار کی گھڑیاں سوہانِ روح ہونے لگیں۔ نہ مدعی مہدویت کا مقابلہ کرسکے، اور نہ اُن کا "آنے والا" ہی آیا۔ نوجوانوں کی بے چین روحیں دیر تک غلطاں اور پیچاں رہیں آخر اس قلبی کشمکش سے فرار کی ایک ہی صورت نظر آئی، کہ مہدی کے آنے کا بالکل انکار ہی کردیا جائے۔ چنانچہ اب اسی خیال کی تبلیغ ہورہی ہے۔ لیکن اس میں بھی تسکینِ قلب کا کوئی سامان نہیں۔ کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے، کہ احادیث کو بھی خیرباد کہدی جائے۔ کیونکہ یہ مہدی کی پیشگوئیوں سے بھری پڑی ہیں۔ جس طرح علماء کے انکار بے وقار کا نتیجہ یہ ہوا، کہ مہدی کی آمد سے انکار ہوا، اب اس نظریہ کا یہ اثر

ہو رہا ہے، کہ نوجوان حدیث کے منکر ہوتے جاتے ہیں، اور اس انکار کو ثابت کرنے کیلئے مضامین لکھے جاتے ہیں۔ اور اس کو بدعت مذموم قرار دے کر لوگوں کو احادیث سے بیزار کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ افسانہ اسی پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ اس سے ایک اور نفسیاتی کشمکش کا آغاز ہوتا ہے۔ وہ وہی تضاد ہے، جس کا میں ابتداء میں ذکر کر آیا ہوں یعنی مرض میں مبتلاء ہونا اور معالج کے وجود سے بھی منکر ہونا۔ مہدویت کو مجوسیت تصوّر کرنے والے بھی اس بات سے انکار نہیں کر سکتے، کہ ملّتِ اسلامیہ کی زبوں حالی ظاہر دیاہر ہے۔ وہ اس کے احیاء کے خواہشمند بھی ہیں، اس کے بھی قائل ہیں، کہ کوئی مردِ حق آگاہ ہی اس گتھی کو سلجھا سکتا ہے، کبھی کسی کی طرف نظر کرتے ہیں، اور کبھی کسی کی طرف۔ اب اس کا ایک ہی طریق ہے، وہ یہ کہ اسلام کے مصائب و آلام کو نظر انداز کر دیں، اور یہ سمجھنے لگ جائیں، کہ اسلام اور ملّتِ اسلامیہ کو وہی سطوت حاصل ہو، جو قرونِ اُولیٰ میں حاصل تھی، یعنی حقائق سے آنکھیں بند کر لیں۔ کیونکہ جب تک رُوحانی امراض موجود ہیں، اور فساد و فتور کے جراثیم ملّت کے قلب و دماغ کو کھا رہے ہیں، روحانی معالج کا وجود ناگزیر ہے۔

الغرض احمدیت کے مخالف اس وقت ایک روح فرسا کشمکش میں مبتلاء ہیں۔ یہ حضرت مہدیٔ معہود کا وجودِ باجود ہے، جس نے افکار کی دُنیا میں ایک آگ لگا دی ہے۔ ہر طرف ایک جستجو کا سماں ہے، جن کی نظریں تیز ہیں، اور دل صاف ہیں، وہ روحانی بیکاری سے آزاد ہو کر شاہدِ مقصود سے ہم کنار ہیں، لیکن جو ان نعماء سے محروم ہیں، اور تعصّب کے شکار رہیں، ان کے لئے اُنکا مذہب "چیستان" بنا ہوا ہے، اور اطمینانِ قلب عنقاء ہے۔ ؎

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی علاج اس کا وہی آبِ نشاط انگیز ہے ساقی

"یا چناں کُن یا چنیں"

(از حقانی ایم۔اے)

(۱)

مذہب کا بنیادی اصول خدا کی ہستی ہے۔ ثبوت اس کا یہ ہے، کہ نظامِ عالم ایک منتظم کی ضرورت ثابت کرتا ہے، کائنات کا وجود ایک خالق چاہتا ہے۔

بہتر! مادیین اور عقلیین کی مشکلات کو نظر انداز کر دیجئے، لیکن اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے نا کہ ایک خالقِ کائنات، ایک منتظمِ عالم ہونا چاہیئے۔ امکان اور ضرورت اَور بات ہے، اور فی الواقعہ موجود ہونا امرِ دیگر۔ ہے اور چاہیئے میں فرق ظاہر ہے۔ "خدا ہے" اس پر کوئی شہادت بھی ہے، یا صرف خواہش اور تمنّا، ضرورت اور جبلّی تقاضا، یا بدیگر الفاظ "ذہنی اور عملی تھکاوٹ" نے خدا کے وجود کو گھڑ لیا ہے؟

"ہاں ابتدائے آفرینش میں خدا نے کلام کیا۔ وہ خود بول اُٹھا، کہ "مَیں ہوں" اور انسانی زندگی کے لئے ہدایات دیں"۔

ممکن ہے ایسا ہو، مگر مجھے اس قصہ سے کیا فائدہ؟ کیا وہ اب بھی بولتا ہے؟ کیا اس نے اب بھی کسی سے ملاقات کی؟ کیا اب بھی وہ کہتا ہے، "مَیں ہوں"۔ نہ معلوم ابتدائے آفرینش میں بولنے اور وجود کا دعوٰے کرنے کا قصّہ سچ ہے یا جھوٹ، کیا پتہ ہے، "وہ مر ہی گیا ہو"۔

"نہیں جی۔ خدا ہے اور زندہ۔ وہ ابراہیم سے بولا اور موسےٰ سے بھی"

پھر؟

"اس نے بولنا بند کر دیا"

"نہیں تو...... وہ عیسےٰ سے بھی بولا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی"

اچھا پھر کیا ہوا؟

"اس نے بولنا بند کر دیا!"

کہیں نطشہ کی یہ روایت تو صحیح نہیں، کہ جب زرتشت (اس سے مراد اس کی اپنی ذات یعنی نطشہ ہے) بلندیوں سے اُترا، اور جنگل میں پہونچا، تو اُسے ایک بوڑھا درویش ملا۔ ایک طویل گفتگو کے بعد وہ اس درویش سے پوچھتا ہے، تم جنگل میں کیا کرتے ہو؟ درویش کہتا ہے، مَیں خدا کی حمد کے ترانے گاتا ہوں، جب وہ اس سے جُدا ہوتا ہے، تو دل میں تعجب کرتا ہے، "کیا یہ ممکن ہے؟ کہ اس بوڑھے فقیر کو ابھی تک پتہ نہیں چلا کہ خدا مر گیا ہے!"[1]

"بولنے کی دلیل کو رہنے دیجئے! خدا نہ کبھی بولا اور نہ کبھی بولے گا"

تو یہ موسےٰ، عیسےٰ، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ابراہیم، سبھی یونہی کہتے تھے؟

"نہیں تو۔ وہ سچے تھے، خدا نہیں بولتا تھا، ان کا دل بولتا تھا، ان میں ایک ملکہ پیدا ہو گیا تھا، یہ اس کی آواز تھی نہ خدا کی، انہوں نے نیک نیتی سے اسے خدا کی آواز سمجھا، حقیقت میں آواز، الفاظ وغیرہ کچھ نہ تھا، خیالات تھے خیالات"

اچھا تو پھر خدا کی ہستی کا قطعی ثبوت کیا ہوا؟ بس خدا "چاہیئے"، "ہے" کا پتہ نہیں۔

---

[1] "Thus Spoke Zarathastra. P.6."

ٹھہریئے ٹھہریئے!! میں بتائے دیتا ہوں۔ بات اصل میں یوں ہے کہ کسی شخص کا وجود ایسے ہی ثابت ہوتا ہے کہ جب وہ بلایا جائے بولے۔

بشرطیکہ بہرا نہ ہو۔

"ہاں خدا تو سمیع و بصیر ہے۔ اور کلیم بھی۔ وَ اِذَا سَأَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ۔"

اچھا تو وہ جواب دیتا ہے کیا؟

"نہیں تو۔ اب نہ اسے بلانے کی ضرورت ہے نہ اُسے بولنے کی۔"

کیوں؟

"اسلئے کہ شریعت مکمل ہو چکی۔ شروع شروع میں آدمی تھے ذرا سیدھے سادھے عقلیں ان کی خام تھیں، اور خود اپنے فکر و تدبر سے آئین نہ بنا سکتے تھے، بچے تھے بیچے، انہیں بنے بنائے قاعدے اور قانون دیدیئے گئے، کہ دیکھو ان سے اِدھر ہونا نہ اُدھر۔ اب عقلیں ہوگئیں پختہ، سائنس نے تجرباتی طریق کا بول بالا کر دیا، اب تو ہم ہر سوال کا جواب خود سوچیں گے، اور تجربے کرینگے تجربے، اور تجربات ہمارے جوابات کی صحت بتا دینگے، آخر انسانیت کو کب تک نکیلوں سے وابستہ رکھا جائے۔ اب آزادی ہونی چاہیئے آزادی اور "خودی" کے لئے وسیع میدان۔"

تو اب خدا کا وجود بیکار ہوا نا۔ کیا معلوم پہلے بھی خدا کا بولنا محض ایک افسانہ ہو، یا نفس کا دھوکا۔

کیا خدا ہے یا تھا؟ اگر پہلوں کے لئے اس کی ہستی کا ثبوت خدا کا بولنا تھا، تو آجکل کے لوگوں کے لئے بھی یہی ثبوت ہونا چاہیئے۔ پس سوال یہ ہے، کہ کیا خدا خود بھی اپنی ہستی کا کوئی ثبوت

دیتا ہے؟ کیا وہ خود بھی انا الموجود کہتا ہے؟ اگر پہلے کہتا تھا اب نہیں کہتا، تو نطشہ کی بات ٹھیک معلوم ہوتی ہے۔ اور اگر اب بولتا ہے تو کس سے؟ آؤ جس سے بولتا ہے اس کے گرد جمع ہو جائیں تاہم بھی اس کی آواز سنیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی آمد ایک چیلنج ہے؟ یا خدا ہے یا نہیں۔ اگر اگلے وقتوں میں اسکی ہستی کا قطعی ثبوت اس کا کلام تھا، تو اب بھی یہی ہونا چاہیئے۔ یا خدا زندہ ہے، یا مر گیا۔

کہیئے! آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ حضرت مسیح موعودؑ کہتے ہیں، خدا زندہ ہے، اور مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے۔ اور آپ؟ یا خدا کو زندہ مانئیے یا مردہ یا یہ کہ سرے سے تھا ہی نہیں۔

(۲)

مذہب کا دوسرا بنیادی اصول ہے، **دُعا۔**

تمام عبادات اور تمام مجاہدات کا مغز ہے، دُعا۔

خدا ہے اور ہم اس سے ملنا چاہتے ہیں، اس کے گرد محبت سے تڑپنا چاہتے ہیں جیسے شمع کے گرد پروانہ۔ ہم اس سے **باتیں** کرنا چاہتے ہیں، اور ملاقات۔ اس کے قرب کے خواہش مند ہیں، اور اس کے لئے بے قرار۔ ہم خدا کو بُلاتے ہیں، اور اپنی حاجت براری، رہنمائی، استقامت اور نصرت کے لئے پکارتے ہیں۔ کیا وہ ہماری پکار **سُنتا ہے؟**

"شاید"

تو تمہیں مذہب میں یقین نہ ہوا۔

"پہلے سُنتا تھا۔ اب نہیں سُنتا"

خدا کی ہستی میں شک پیدا ہوگیا؟

"نہیں صاحب سُنیئے! دعا دراصل عبادت ہے، اور اپنی محبت کا اظہار۔ فریاد کرنے اور چیخنے چلانے سے قدرے اطمینان، تسلّی اور استقامت ہوجاتی ہے وبس"

اچھا تو خدا کا وجود اور دعا کا بہانہ دراصل ایک طفل تسلّی ہوئی، حقیقت اسکی کچھ نہیں، پھر تو نطشہ ہی سچا نکلا!۔

دُعا کرنا باعثِ شرم ہے۔ سب کے لئے نہیں، بلکہ تیرے، میرے اور ہر اس انسان کے لئے جس کے دماغ میں ضمیر ہے، تیرے لئے دعا کرنا باعثِ شرم ہے۔ تجھے خوب معلوم ہے، تیرے اندر بُزدلی کا بھُوت چلا تا ہے کہ تو ہاتھ جوڑے، انہیں گودی میں رکھے، اور تیرے لئے کام آسان کردیئے جائیں۔ یہ بزدلی کا بھُوت تجھے ترغیب دیتا ہے کہ خدا ہے"[1]

اس سے تو "دُعا" اور "خدا" دونوں افسانہ بن کر رہ گئے۔ "دُعا" کمزوری کا اعلان ہے اور "خدا" ایک موہوم سہارا۔ تم لاکھ سر پٹکو، گڑگڑاؤ، اور رو رو کر ہلاک ہوجاؤ، تمہاری مدد کو کسی نے نہیں آنا۔ تم لاکھ چیخو اور پکارو، تمہیں کوئی جواب نہیں دیگا۔ دعا فضول ہے، اور خدا کا وجود فرضی۔

"نہیں! نہیں!! ٹھہریئے۔ مَیں بتاتا ہوں۔ خدا ہے اور دعائیں سُنتا ہے"

تمہیں کیسے پتہ چلا؟ کیا جب تم روتے ہو، اور گڑگڑاتے ہو، وہ تمہیں تسلّی دیتا ہے؟ کیا وہ بول کر کہتا ہے، تمہاری دعا منظور ہوگئی؟ کیا وہ تمہاری رہنمائی کے لئے آئندہ

[1] "Thus spoke Zarathustra. P.247.

کی کوئی خبر دیتا ہے؟

"نہیں تو۔ مَیں دُعا کرتا ہوں، اور کبھی کبھی میری حاجت پوری ہوجاتی ہے۔ خدا بتاتا تو نہیں، نہ بول کر تسلّی دیتا ہے، اور نہ کوئی آئندہ کی خبر معلوم ہوتی ہے۔ بس جب کبھی میری بات پوری ہوجاتی ہے، مَیں سمجھتا ہوں دُعا منظور ہوگئی۔"

ہوسکتا ہے، تمہاری بات حسنِ اتفاق سے پوری ہوگئی ہو۔ جب تم اپنی حاجت کسی کے پاس لے جاتے ہو، تو وہ یا تو بول کر تمہیں تسلی دیتا ہے، اور آگاہ کرتا ہے، کہ تمہاری درخواست منظور، یا پھر انکار کردیتا ہے۔ **دعا** اور خدا کا **وجود** محض ظن اور قیاس سے ثابت نہیں ہوسکتا۔

حضرت مسیح موعود کی آمد ایک چیلنج ہے۔ یا مانو کہ "دعا" ایک وہم ہے، اور فضول امر یا دُعا ایک حقیقت ہے، خدا سُنتا ہے، اور جواب دیتا ہے۔ دعا میں اور اپنی ذات میں یقین پیدا کرنے کے لئے کبھی کبھی بول کر آگاہ بھی کردیتا ہے، کہ تمہاری درخواست منظور کرلی گئی تسلّی بھی دیتا ہے، اور آئندہ کی خبر بھی، تا تمہاری مستقبل میں رہنمائی ہو کہیئے آپ کا کیا عقیدہ ہے؟ دعا ایک طفل تسلّی ہے، ایک موہوم امر اور بُزدلی کی علامت، یا دُعا ایک حقیقت ہے، یہ پکار سُنی جاتی ہے، اور اس کا جواب الفاظ میں دیا جاتا ہے۔

(۳)

مذہب کے متعلق عام طور پر تین خیال پائے جاتے ہیں:۔

اوّل۔ خدا انسانی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً اپنے پاک بندوں سے ہمکلام ہؤا، اور انہیں آئینِ زندگی سکھلایا۔ اس آئین زندگی کو عملی جامہ پہنانے کے لئے جہاں

انفرادی تزکیہ ضروری ہے، وہاں اجتماعی نظام بھی لازمی ہے۔ اس لئے جہاں ان الٰہی ہدایات پر ایمان لانا ضروری ہے، وہاں اس پاک بندے کی اطاعت بھی فرض۔

دوم۔ مذہبی عقائد توہمات ہیں، اور ان کی حقیقت کچھ نہیں۔

سوم۔ "عوام" کے لئے مذہب ضروری ہے، اور اخلاقی قوانین بھی۔ "خواص" اس سے بالا ہیں۔

درحقیقت یہ آخری خیال بھی مذہب کی حقانیت سے انکار پر مبنی ہے۔ "خواص" جو اپنے آپ کو مذہب اور اخلاقی قوانین سے بالا سمجھتے ہیں، "عوام" پر اثر و اقتدار اور غلبہ و استیلا کے لئے ضروری خیال کرتے ہیں، کہ وہ ان "افسانوں" میں امن و سلامتی بلکہ "غلامی" کے لئے مگن رہیں، اور "خواص" ان پر حکومت کئے جائیں۔ تعلیم یافتہ اور سائنٹفک دماغوں کا خیال ہے، کہ مذہب انسانی ارتقا میں اب بیکار چیز ہے، اب یہ ترقی کے راستے میں حائل ہو رہا ہے، مذہبی اور مابعد الطبیعاتی زمانہ گذر گیا، اب سائنس کا دورہ ہے، مذہب کی افادیت زائل ہو چکی ہے۔

کیا آپ پہلی قسم کے خیال کے حامی ہیں، یا دوسری دو قسموں کے؟ مذہب حقیقت ہے، یا افسانہ؟

اگر حقیقت ہے؟ تو کیا یہ زندہ ہے یا مُردہ؟ اگر یہ ایک زندہ حقیقت ہے، تو اس وقت بھی، جبکہ مذہب پر ہر طرف سے حملے ہو رہے ہیں، کوئی پاک انسان موجود ہونا چاہیئے، جو انفرادی اور اجتماعی تزکیہ نفوس کرے، اور مذہب کو ایک اجتماعی طاقت بنا دے۔ اور اس پاک انسان کا خداوند تعالےٰ سے براہ راست تعلق ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اگر وہ الٰہی ہدایات کا مفہوم اپنی عقل اور موجودہ فلسفہ اور سائنس کر

سمجھائے، تو ہر قدم پر لغزش و خطا کا امکان ہے" اور اگر آپ الہام کو "غیر عقلی طریق" سمجھتے ہیں، اور موجودہ انسانیت کے لئے مضر، تو اس کے یہ معنے ہوئے، کہ آپ کے نزدیک مذہب، قدیم زمانے کے بچوں اور احمقوں کے لئے تھا، اب ہماری "خودی" پیدا ہو گئی۔ اور سائنٹفک طریق اور "استقرائی عقل" معرضِ وجود میں آ گئی ہے، لہذا مذہب کا دور ختم ہو گیا۔

یا تو یہ تسلیم کیجئے، کہ مذہب ایک زندہ حقیقت ہے (اور یہ ایک زندہ حقیقت ہو نہیں سکتی، جب تک کوئی شخص خدا سے الہام یافتہ اور انفرادی اور اجتماعی تزکیہ اور خدا سے تعلق کرانے کے لئے موجود نہ ہو۔ ہر زمانہ میں زندہ مذہب کے لئے زندہ علمبردار کی ضرورت ہے) یا مذہب کو توہمات کا نتیجہ سمجھیئے، اور موجودہ انسانیت کے لئے مضر۔

حضرت مسیح موعودؑ کی آمد ایک چیلنج ہے، یا تو خدا کی سنّت قدیمہ قائم ہے، اب بھی مذہب ایک زندہ حقیقت ہے، یا مذہب ایک ڈھکوسلہ تھا، جو پہلے زمانہ کے "بچوں" اور "کوتاہ اندیشوں" کے لئے گھڑا گیا۔

مَیں نے حضرت مسیح موعودؑ کو کیوں سچّا مانا؟

(از خان بہادر نواب چوہدری محمد الدین صاحب ریونیو منسٹر جودھپور)

بچپن میں جب مَیں اپنے گاؤں کی مسجد میں پڑھتا تھا، تو اکثر یہ چرچا رہتا تھا، کہ چودھویں صدی میں حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے اُترینگے، اور حضرت امام مہدی کا ظہور بھی ہوگا، اور مسلمانوں کی جو ابتر حالت ہو رہی ہے، ان کے آنے سے بالکل بدل جائے گی۔ ایک دفعہ مجھے یاد ہے، ایک سولہ سترہ برس کا لڑکا ہمارے نواحی مواضعات میں بھاگتا پھرتا تھا، وہ ہمارے گاؤں میں بھی آیا، لوگوں میں مشہور ہوگیا، کہ شاید یہی امام مہدی ہے۔ اور اس کے متعلق مختلف حکایات مشہور تھیں۔ مثلاً یہ کہ ایک ہی دن میں اس کو پنجاب کے مختلف شہروں میں دیکھا گیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ الغرض سب لوگوں کو حضرت مسیح اور امام مہدی کا انتظار تھا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سوڈان میں مہدی کے ظہور کا اور سوڈان کی لڑائی کا چرچا بھی رہا۔

میں ۱۸۸۹ء میں سیالکوٹ ڈسٹرکٹ بورڈ ہائی سکول میں پڑھتا تھا۔ اس سکول میں حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ مدرس تھے۔ مَیں نے ایک دن جمعہ میں حضرت مولوی صاحبؓ کا خطبہ سُنا۔ آپ نہایت فصیح البیان تھے۔ مجھ پر آپ کے خطبہ کا بہت اثر ہوا۔ اور اس کے بعد قریبًا ہر روز شام کو مَیں ان کی خدمت میں جاتا رہتا تھا۔ اس وقت تک حضرت مولوی صاحب پر نیچریت کا اثر تھا۔ آپ مجھے "تہذیب الاخلاق"

کے پرچے پڑھنے کے لئے دیا کرتے تھے۔ انہی دنوں حضرت مسیح موعودؑ علیہ السلام کی تصانیف براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ کی مقبولیت کا شُہرہ بھی سُنا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی کو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اوّل رضی سے بہت محبت اور عقیدت تھی۔ اس وقت آپ ریاست جموں وکشمیر میں شاہی طبیب تھے، اور اکثر سیالکوٹ بھی تشریف لاتے رہتے تھے۔ ان کی صحبت کے اثر سے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کو رفتہ رفتہ نیچریت سے نفرت ہوگئی، اور آپ سلسلہ احمدیہ میں داخل ہوگئے۔

میرے مرحوم بھائی چوہدری محمد حسین صاحب اوائل زندگی میں صوم وصلوٰۃ کے پابند نہیں تھے، مذہب سے ایک حد تک ان کو نفرت تھی۔ ایک دفعہ مَیں اپنی ملازمت سے رخصت پر وطن آیا، تو مَیں نے دیکھا، کہ وہ بہت متشرع ہوگئے ہیں، خضوع و خشوع سے نماز گذارتے ہیں، اور ڈاڑھی بھی رکھی ہوئی ہے۔ مجھے معلوم ہوا، کہ ان میں یہ عظیم الشان روحانی تغیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کے مطالعہ اور حضور کی بیعت سے مشرف ہونے کی وجہ سے ہوا ہے۔ ہمارے گاؤں میں ہماری برادری کے لوگ مقدمہ بازی اور باہمی مناقشات کے لئے مشہور تھے، مَیں نے اپنے بھائی کو جب اس قدر تبدیل شدہ پایا، تو مَیں نے ان سے کہا، کہ کاش ہمارے گاؤں کے باقی لوگ بھی تمہاری پیروی کریں، اور مقدمہ بازی اور باہمی مناقشات کے متعلق گاؤں کی جو بدنامی ہے، وہ دور ہو۔

میرے ایک چچازاد بھائی اپنے اوائل ملازمت میں رشوت لیا کرتے تھے۔ بعدیں جب وہ حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت سے مشرف ہوئے، تو انہوں نے اپنی ایک اراضی ساڑھے چار ہزار روپیہ میں فروخت کی، اور جن لوگوں سے انہوں نے رشوت لی ہوئی تھی ادیہات

پس گشت کرکے ان کو ان کا دیا ہوا روپیہ واپس دینا شروع کیا۔ اکثر لوگ روپیہ واپس لینے سے انکار کرتے تو وہ ان کو بہت ترغیب دیکر اور سمجھا بجھا کر واپس کرتے اور انکو شرعی تہدید یاد دلاتے کہ الرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ كِلَاهُمَا فِي النَّارِ۔

ہمارے ایک اور دوست چوہدری مولا بخش صاحب بھٹی مرحوم (ڈاکٹر محمد شاہ نواز صاحب کے والد) تھے یہ ابتداءً بڑے فیشن پرست اور شاہ خرچ تھے۔ ان کو مذہب سے دُور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ لیکن احمدی ہونے کے بعد، میں نے دیکھا، کہ ان میں ایک نمایاں روحانی تبدیلی پیدا ہوگئی۔

اسی طرح بے شمار روحانی مُردوں کو مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی برکت سے زندہ ہوتے دیکھا۔ مَیں نے کئی ایسے لوگوں کو بھی دیکھا ہے، جنہوں نے ایک وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیعت کی تھی، اور ان کے چہروں پر اسلام کا نور معلوم ہوتا تھا، لیکن بعد میں جب وہ مرتد ہوگئے، تو ڈاڑھی مونچھ کا صفایا کرکے اپنی پرانی حالت کو عود کر گئے، اور صریحًا دہریت کے نزدیک پہونچ گئے۔

الغرض یہ میرے چشم دید حالات ہیں، جنکی وجہ سے آخر کار میں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شناخت کیا۔ اور مجھے یقین ہے، کہ اصلی اسلامی تعلیم کے احیاء اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلانے کے لئے جو کام سلسلہ احمدیہ نے انجام دیا ہے اس کی نظیر دنیا میں اس وقت کہیں نہیں مل سکتی۔

مسیح موعودؑ کی متابعت میں

میری دنیاوی اور روحانی ترقی

(از خان بہادر محمد دلاور خانصاحب ڈپٹی کمشنر بنوں)

جہانتک مجھے یاد ہے، یہ ۱۹۰۸ء یا ۱۹۰۹ء کا واقعہ ہے، کہ پہلی مرتبہ میرے کانوں میں یہ آواز پڑی، کہ ایک شخص مرزا غلام احمد نے یہ دعویٰ کیا ہے، کہ میں مسیح موعود ہوں۔ انہی سالوں میں مجھے ایک چھوٹی سی کتاب کے مطالعہ کا موقع ملا، جس کا نام "اسلام کی پہلی کتاب" تھا۔ اس کتاب میں چند سوال اور جواب تھے، جن سے میں متاثر ہوا۔ ۱۹۱۰ء میں میں نے انٹرنس کا امتحان پاس کیا۔ اور اسی سال میں نے اپنے والد بزرگوار کو ایک خط لکھا، جس میں اُن کو میں نے مسیح موعود کی آمد کی خوشخبری دی، اور اس کتاب کا ذکر کیا۔ والد صاحب نے مجھے جواب میں لکھا، کہ بہتر ہوگا، اگر تم اپنی تعلیم کی جانب زیادہ توجہ رکھو۔

انٹرنس کے امتحان کے بعد میں ایڈورڈ کالج پشاور میں داخل ہوا، جہاں مولوی عبدالرحیم صاحب پسر خان بہادر مولوی غلام حسن خانصاحب بھی پڑھا کرتے تھے۔ ایک رات جب ہم ڈبگری بازار سے ہوتے ہوئے ان کے ہاں جا رہے تھے، تو میں نے دبی زبان سے ان سے دریافت کیا، کہ کیا آپ کی جماعت مجھے شمولیت کی اجازت دیگی؟

انہوں نے کہا، کیوں نہیں۔ چنانچہ اسی رات مَیں نے بیعت کا خط حضرت مولوی نورالدین خلیفہ اوّل رضؓ کی خدمت میں ارسال کیا۔

ابتداءً احمدیت میں شمولیت کو مَیں نے ایک معمولی امر سمجھا۔ مَیں نے بیعت کے دوسرے دن اپنے والد بزرگوار کے نام ایک خط ارسال کیا، اور ان کو خوشخبری دی، کہ مَیں ایک پاک جماعت میں شامل ہوگیا ہوں۔ چند ہی دنوں کے اندر میرے چھوٹے بھائی آنریری لفٹنٹ شیر افضل خان نے بھی، جو آجکل ہری پور میں اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہیں، بیعت کر لی۔ اس کے بعد جب میرے والد بزرگوار پشاور آئے، تو میرے بڑے بھائی محمد اجون خان صاحب نے ان کو ہم دونوں بھائیوں کے برخلاف اکسایا۔ اس پر شیر افضل خان نے، جس کی عمر پندرہ سولہ برس کی تھی، بیعت سے انکار کر دیا، والد بزرگوار نے مجھ پر بھی زور دیا، کہ مَیں تائب ہو جاؤں، اور جب کالج ہاسٹل میں وہ مجھے مارنے کے لئے آگے بڑھے، تو مَیں بھاگ گیا۔ اس کے بعد پھر کبھی انہوں نے مجھے تکلیف نہ دی۔

احمدی ہونے کے وقت میری یہ حالت تھی، کہ میں نماز سے قطعی ناآشنا تھا اور نہ کسی نے مجھے قرآن پڑھایا تھا۔ ہمارے گھر میں دین کا کوئی چرچا نہ تھا۔ والد بزرگوار اسّی برس کی عمر میں ۱۹۳۷ء میں فوت ہوئے، لیکن وہ پابند صلوٰۃ نہ تھے۔ جب میں احمدیت میں داخل ہؤا، تو مجھے حیرت ہوئی، کہ اس جماعت کے لوگوں کے لئے پابند صلوٰۃ ہونا لازم ہے۔ جہانتک مجھے یاد ہے، بیعت سے کچھ تین مہینے بعد، جو شاید مارچ ۱۹۱۲ء کا مہینہ تھا، ایک دن قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعتہائے احمدیہ صوبہ سرحد، جو ان دنوں چیف کمشنر کے دفتر میں ملازم تھے، میرے پاس عصر کے وقت

آئے ہو اور کہا، کہ احمدی ہو کر نماز نہ پڑھنا بڑی شرم کی بات ہے۔ اس وقت مجھ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی۔ مَیں نے محسوس کیا، کہ میرے قلب پر ایک خاص اثر ہوا۔ ایسا اثر جس کے ساتھ مَیں نے اپنے دل میں میٹھا درد محسوس کیا۔ اسی وقت میں نے اپنا بکس کھولا، اور صاف کپڑے نکال کر غسل خانہ میں چلا گیا، اور غسل کر کے عصر کی نماز قاضی محمد یوسف صاحب کے ساتھ ادا کی۔ یہ میری پہلی نماز تھی۔ الحمد للہ کہ اب تک اس پر قائم ہوں۔ اس کے بعد روز بروز دین کے ساتھ مجھے اُنس بڑھتا گیا۔

کچھ مدّت کے بعد مجھے تجربہ سے معلوم ہوا، کہ خدا وند تعالےٰ اپنے بندوں کی دعائیں سُنتا ہے، اور ان کی خوابیں بھی سچی نکلتی ہیں۔ اسی زمانہ کا ذکر ہے، کہ مَیں نے خواب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا، کہ وہ مشرقی جانب سے آرہے ہیں۔ خواب میں ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ مَیں سات آٹھ برس کا بچہ ہوں، اور مسیح موعود کو آتے دیکھ کر مَیں ان کی طرف دوڑ پڑا، اور از راہِ محبت رو پڑا۔ اس پر حضرت اقدس نے مجھے اپنے دائیں پہلو کے ساتھ لگا کر فرمایا "تم مجھ سے محبت کرتے ہو"۔

جنوری ۱۹۱۴ء کا ذکر ہے، کہ میرے والد بزرگوار ہمارے ہاسٹل میں آئے۔ اُس وقت انہوں نے ایک سرکاری خدمت، جس کی بڑی اہمیت تھی، سرانجام دی تھی۔ دورانِ گفتگو میں مجھے القا ہوا۔ جس کا ذکر مَیں نے فوراً والد صاحب سے کر دیا۔ کہ اس خدمت کے عوض میں اللہ تعالےٰ مجھے ای۔ اے۔ سی کا امیدوار بنائے گا۔ اس ذکر کا اثر والد صاحب پر یقیناً ہوا۔ چنانچہ جب اس دن وہ ڈپٹی کمشنر بولٹن کی ملاقات کو گئے، تو میں کلاس چھوڑ کر باہر نکلا، اور سائیکل لیکر ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ پر گیا۔ اور وہاں والد بزرگوار کے کان میں یہ الفاظ کہے "خدا وند تعالیٰ مجھے ای۔ اے۔ سی کا امیدوار بنانا چاہتا ہے"

لیکن اگر آپ کی کم ہمتی کی وجہ سے یہ بات رہ گئی، تو اس کی ذمہ واری آپ پر ہوگی"۔ اس پر وُہ اَور بھی متحیّر ہوئے۔ مختصر یہ کہ ڈپٹی کمشنر نے والد صاحب کو کہا، کہ وہ اس کے متعلق سرجان ڈانلڈ چیف کمشنر سے ذکر کرینگے۔ چنانچہ اس نے سفارش کی اجازت ڈپٹی کمشنر کو دیدی۔ بعد میں جب میرے کاغذات اس کی خدمت میں پیش ہوئے، تو اس نے داخل دفتر کر دیئے۔ اسی سال مَیں نے شادی بھی کی، اور بی۔ اے کا امتحان بھی دیا، جس میں مَیں فیل ہوگیا۔ اس کے بعد قریبًا پندرہ یوم تک مَیں نے بارہا شام کی نماز میں خلوص دل کے ساتھ سجدہ میں رب العزّت کے سامنے عرض کی، کہ اے خدا! نہ مجھے اس بات کی پرواہ ہے، کہ مَیں ای۔ اے۔ سی کا امیدوار کیوں بنا، اور نہ اس بات کا افسوس کہ مَیں بی۔ اے میں فیل کیوں ہوا، مجھے تو تیری رضا چاہیئے۔ اس کے بعد جلد ہی جنگِ عظیم شروع ہوگئی۔ اسی سال مَیں نے خواب دیکھا، کہ اللہ تعالیٰ مجھے دو لڑکے عنایت کرے گا، جو الحمدللہ اب بفضلہٖ زندہ موجود ہیں۔ اسی سال اکتوبر یا نومبر کے مہینہ میں میرے والد بزرگوار موضع رستم تشریف لے گئے۔ جہاں ان کے پہونچنے سے دو گھنٹہ پہلے سرجان ڈانلڈ بھی تشریف لائے تھے۔ میرے والد کو دیکھتے ہی انہوں نے میرے متعلق دریافت کیا، اور جب انہیں کہا گیا، کہ وہ بی۔ اے میں فیل ہوگیا ہے، تو انہوں نے کہا، کہ اُسے پھر کالج میں داخل کر دو۔ اسی رات کپٹن اینسن اسسٹنٹ کمشنر مردان نے، جو چیف کمشنر کے ہمراہ آئے تھے، میرے والد صاحب کو بلایا اور کہا، کہ چیف کمشنر نے شام کے کھانے پر حکم دیا ہے، کہ میں ڈپٹی کمشنر پشاور کو تار دوں کہ دلاور خاں کے ای۔ اے۔ سی کے کاغذات، جو میرے دفتر میں پڑے ہیں، فوراً چیف کمشنر کی خدمت میں منظوری کے لئے پیش کرے۔ چنانچہ اس کے بعد مَیں ای۔ اے۔ سی کا

امیدوار بنا۔ الحمدللہ علیٰ ذالک۔

احمدیت میں داخل ہونے کے بعد مجھ پر اسی سلسلہ کی برکت سے بے شمار دنیاوی و رُوحانی انعامات ہوئے ہیں۔ ستمبر ۱۹۲۷ء سے مجھے خداوند تعالےٰ نے تہجد کی توفیق عطا کی، جس پر میں بفضلہٖ قائم ہوں۔ میری بے شمار دعائیں قبول کی گئی ہیں۔ اور مجھے بہت سے واقعات قبل از وقت رؤیا میں دکھائے گئے ہیں۔ اور یہ سب کچھ خداوند تعالےٰ کی عنایات کی وجہ سے ہے۔ حالانکہ میں ایک کمزور انسان ہوں، اور اپنی کمزوریاں محسوس کرتا ہوں۔ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ اس میں کوئی کبر نہیں۔ یہ سب کچھ میرے خداوند کے فضل کی وجہ سے ہے۔ میں علیٰ وجہ البصیرت کہتا ہوں، کہ یہ سب فیوض صرف احمدیت کی وجہ سے ہیں۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا، بیعت کے وقت میری یہ حالت تھی، کہ نہ مجھے قرآن مجید پڑھنا آتا تھا، اور نہ میں نماز جانتا تھا۔ البتہ میں نے بی۔ اے تک عربی کا کورس لیا ہوا تھا۔ احمدیت میں داخل ہو کر نماز کے علاوہ مجھے قرآن مجید پڑھنے کا شوق بھی پیدا ہوا چنانچہ میں نے اپنی عربی کی تعلیم کی مدد سے قرآن مجید پڑھنا شروع کیا۔ آہستہ آہستہ مجھے مشق ہو گئی۔ پھر ترجمہ اور مطالب کی طرف بھی توجہ کی، اور اس میں بھی خاطر خواہ کامیابی ہوئی۔ قرآن مجید میں نے کسی انسان سے نہیں پڑھا، بلکہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ، خود میرے محبوب ربّ نے مجھے پڑھایا، جو میرا رحمان ہے۔ میں اُسی مقدس انسان کا ایک ناچیز غلام ہوں، جو مرسلین کا سردار ہے، یعنی ہمارا پیارا محمدؐ جس پر ہم درود بھیجتے ہیں، وہ جس کے بارے میں کہا گیا ہے، مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ

اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ نہ مجھے اس کتاب کا علم تھا، جو ہماری ہدایت کے لئے وہ لایا، اور نہ میں یہ جانتا تھا، کہ ایمان کیا ہے۔ اور یہ بالکل درست ہے، کہ مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد کتاب اور ایمان کا ہمیں علم ہوا، اور اس پاک انسان پر ایمان لانے کے بعد ہمیں اس نور سے حصہ ملا، جو وہ آسمان سے لیکر آیا۔ میں حضور کے اس شعر سے ہمیشہ رُوحانی لطف حاصل کرتا ہوں ؎

آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے　　لو تمھیں طورِ تسلّی کا بتایا ہم نے

حضرت اقدسؑ کی کتب اور قرآن شریف کے مطالعہ سے مجھے اس قدر ذوق روحانی حاصل ہوتا تھا، کہ میں ان کے مطالعہ پر بہت وقت صرف کرنے لگا، حتّٰی کہ اوّل دفعہ میری بی۔اے کے امتحان میں ناکامی کا باعث یہی ہوا، کہ میں نے زیادہ وقت تعلیمی کورس کے بجائے ان کے مطالعہ پر صرف کیا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں کی روشنی میں قرآنی آیات کے مطالب نہایت آسانی سے حل ہوتے ہیں، اور میں ان میں ایک خاص حظ اور لطف پاتا ہوں۔ حضرت اقدس کی کتابیں دراصل قرآن مجید کی تفسیر ہیں۔ ان میں روحانیت کے وہ وہ معارف بیان ہوئے ہیں، کہ انہیں پڑھکر انسان وجد میں آجاتا ہے، اور روحانی تزکیہ میں ان سے بہت مدد ملتی ہے۔

چونکہ میں پادریوں کے کالج اور سکول کا طالب علم رہا ہوں، اسلئے دورانِ تعلیم میں ہمیں انجیل بھی پڑھنی پڑتی تھی۔ اور میں حضرت اقدسؑ کی کتب پڑھتے وقت ہمیشہ یوں محسوس کرتا ہوں، کہ گویا یہ مسیح اوّل ہی کا کلام ہے۔ تجھ پر اللہ تعالےٰ کے لاکھوں سلام اور درود ہوں، اے ہمارے ہادی! ہمارے پیارے محمدؐ کے پیارے مسیح!! تو یقیناً وہی ہے جس کے متعلق تیرے اور ہمارے آقا صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے، کَیْفَ تَہْلِکُ اُمَّۃٌ اَنَا اَوَّلُہَا وَالْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اٰخِرُھَا۔ تیرے ذریعہ دنیا پھر رُوحانیت سے آشنا ہوئی، اور تیرے ہی دامن سے وابستگی میں اس امتِ محمدیہ بلکہ ساری دُنیا کی نجات ہے۔

مسیح موعودؑ کے نشانات کا ایک گواہ

(از جناب چوہدری ظہور احمد صاحب)

لالہ ملاوامل صاحب، جن کا فوٹو آپ بالمقابل صفحہ پر دیکھ رہے ہیں، قادیان کے ایک معزز کھتری خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، اور قادیان میں آریہ سماج کے ابتدائی بانیوں میں سے ہیں، آپ کی عمر اس وقت پچاسی برس کے قریب ہے، طبابت کا کام کرتے ہیں، اور نہ صرف اپنی قوم میں بلکہ قصبہ میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

لالہ صاحب موصوف کا ذکر سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں متعدد بار آیا ہے۔ اختلاف عقیدہ و مذہب کے باوجود آپ کے تعلقات حضرت اقدس سے اخلاص و محبت کے تھے، اور حضور کے ہاں ان کی آمد و رفت بہت زیادہ تھی۔ لالہ صاحب اور حضرت اقدسؑ کے تعلقات کا اس امر سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ جب دوسری شادی کے موقعہ پر حضور دہلی تشریف لے گئے، تو لالہ صاحب بھی برات کے ہمراہ تھے۔

ابتداء زمانہ میں جب قادیان کی آبادی بہت تھوڑی تھی، تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام لالہ ملاوامل اور لالہ شرمپت صاحبان کو بلوا کر اکثر ان سے اپنے الہامات کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے۔ حضور نے ان دونوں کا ذکر اپنی کتابوں میں بارہا نشانات کے ضمن میں بطور گواہ کیا ہے۔ چنانچہ تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۳ پر نشانات نمبر ۱۹۹، ۲۰۰،

حضرت مسیح موعود کے نشانات کا زندہ گواہ

لالہ ملاوا مل صاحب، ساکن قادیان

اور ۱۰۱ کے ضمن میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"آخر میں نے ایک رسالہ لکھا، جس کا نام ہے "قادیان کے آریہ اور ہم"۔ اس رسالہ کا خلاصہ مضمون یہ ہے، کہ قادیان کے دو آریہ جن میں سے ایک کا نام ہے شرمپت، اور دوسرے کا نام ہے ملاوامل، یہ دونوں مدت تک میرے پاس آتے رہے ہیں، اور بہت سے نشان آسمانی ہیں، جو انہوں نے بچشم خود دیکھے ہیں۔ وہ میرے ان تمام نشانوں کے گواہ ہیں، جن کے وجود سے شُبھ چنتک کے ایڈیٹر و منتظم قطعی انکاری ہو کر مجھکو مکار اور مفتری قرار دیتے ہیں۔ اگر میں ایسا ہی کاذب اور مکار ہوں، تو یہ دونوں قسم کھا جائیں، کہ ہم نے یہ نشان نہیں دیکھے، سو آجتک انہوں نے قسم نہیں کھائی"۔

ایک بہت بڑا نشان جس کے لالہ صاحب زندہ گواہ ہیں۔ اور جو ان کی ذات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس کا ذکر حضرت اقدس نے براہین احمدیہ، تریاق القلوب اور نزول المسیح میں فرمایا ہے، حضور اپنی کتاب تریاق القلوب کے صفحے ۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک ہندو آریہ ساکن قادیان ملاوامل نام تپ دق میں مبتلا ہو گیا، اور ایک دن اپنی زندگی سے نومید ہو کر میرے پاس آکر بہت رویا، مَیں نے اس کے حق میں دعا کی، تب الہام ہوا قُلْنَا يَا نَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّ سَلَامًا یعنے ہم نے کہا، کہ اے تپ کی آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی ہو جا۔ یہ الہام اس کو اور کئی آدمیوں کو سُنایا گیا اور بیان کیا گیا، کہ وہ اس مرض سے شفا پائے گا۔ چنانچہ اس الہام کے بعد ایک ہفتہ کے اندر ہی وہ ہندو شفا پا گیا۔ . . . . . . یہ پیشگوئی بھی عرصہ بیس برس سے ہماری کتاب براہین احمدیہ میں مندرج ہو کر لاکھوں انسانوں میں شہرت پا چکی ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۲۷ و ۲۲۸ براہین احمدیہ"[1]

[1] نیز ملاحظہ ہو نزول المسیح صفحہ ۱۶۰ پیشگوئی نمبر ۳۹۔

دوسرے نشانات جن کے لالہ ملاوامل صاحب گواہ ہیں ذیل میں درج ہیں۔ حضور اقدس فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ فجر کے وقت الہام ہوا کہ آج حاجی ارباب محمد لشکر خاں کے قرابتی کا روپیہ آتا ہے۔ بدستور لالہ شرمپت و ملاوامل کھتریان ساکنان قادیان کو کہا گیا۔ اور قرار پایا، کہ انہی میں سے کوئی ڈاک کے وقت ڈاکخانہ میں جاوے۔ چنانچہ ان میں سے ایک آریہ ملاوامل نامی ڈاک خانہ میں گیا، اور خبر لایا کہ ہوتی مردان سے دس روپے آئے ہیں، اور خط میں لکھا تھا، کہ یہ روپیہ ارباب سرور خاں نے بھیجا ہے آگرچہ یہ پیشگوئی اس طرح پر صاف طور پر پوری ہوگئی، لیکن مذکور الصدر آریوں نے انکار کر کے یہ بحث شروع کی، کہ قرابتی ہونا ثابت نہیں، چنانچہ خط لکھنے پر کئی روز بعد ہوتی مردان سے ایک صاحب منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ نے لکھا کہ ارباب سرور خان ارباب محمد لشکر خاں کا بیٹا ہے۔ اس پر بحث کرنے والے بہت شرمندہ اور لاجواب ہوئے۔ فالحمد للّٰہ علٰی ذالک۔ اور یہ نشان آج سے بتیس برس پہلے براہین احمدیہ میں درج کیا گیا۔ دیکھو صفحہ ۴۷۰ مذکورین آریوں سے حلفاً دریافت کیا جائے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۵۸)

"میرے والد صاحب مرزا غلام مرتضٰے مرحوم کی وفات کا جب وقت قریب آیا، اور صرف چند پہر باقی رہ گئے، تو خدا تعالےٰ نے ان کی وفات سے مجھے ان الفاظ عزا پرسی کے ساتھ خبر دی۔ وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ۔ یعنی قسم ہے آسمان کی، اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آفتاب کے غروب کے بعد ظہور میں آئیگا۔ اور چونکہ ان کی زندگی سے بہت سے وجوہِ معاش ہمارے وابستہ تھے، اس لئے بشریت کے تقاضا سے یہ خیال دل میں گذرا کہ ان کی وفات ہمارے لئے بہت سے مصائب کا موجب ہوگی، کیونکہ وہ رقم کثیر آمدنی

کی ضبط ہوجائیگی جو ان کی زندگی سے وابستہ تھی۔ اس خیال کے آنے کے ساتھ ہی یہ الہام ہوا۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ۔ یعنی کیا خدا اپنے بندہ کو کافی نہیں ہے۔ تب وہ خیال یوں اُڑ گیا جیسا کہ روشنی کے نکلنے سے تاریکی اُڑ جاتی ہے۔ اور اسی دن غروب آفتاب کے بعد میرے والد صاحب فوت ہوگئے۔ جیسا کہ الہام نے ظاہر کیا تھا۔ اور جو الہام الیس اللّٰہ بکاف عبدہٗ ہوا تھا، وہ بہت سے لوگوں کو قبل از وقت سنایا گیا، جن میں سے لالہ شرمپت مذکور اور لالہ ملاوامل مذکور کھتریان ساکنان قادیان ہیں۔ اور جو حلفاً بیان کرسکتے ہیں۔ اور پھر مرزا صاحب مرحوم کی وفات کے بعد وہ عبارتِ الہام ایک نگین پر کھدوائی گئی۔ اور اتفاقاً اسی ملاوامل کو جب وہ کسی اپنے کام کے لئے امرتسر جاتا تھا، وہ عبارت دی گئی، تا کہ وہ نگین کھدوا کر اور مہر بنوا کر لے آئے۔ چنانچہ وہ حکیم محمد شریف صاحب مرحوم امرتسری کی معرفت بنوا کر لے آیا، جو اب تک میرے پاس موجود ہے، جو اس جگہ لگائی جاتی ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ (الیس اللّٰہ بکاف عبدہٗ)" (تریاق القلوب صفحہ ۳۳)[1]

"ایک دوست نے بڑی مشکل کے وقت خط لکھا، کہ اس کا ایک عزیز کسی سنگین مقدمہ میں ماخوذ ہے، اور کوئی صورت رہائی کی نظر نہیں آتی۔ اور دعا کے لئے درخواست کی۔ چنانچہ رات صافی وقت میسر آگیا۔ اور قبولیت کے آثار سے ایک آریہ کو اطلاع دی گئی، چند روز بعد خبر ملی کہ مدعی جس نے یہ مقدمہ دائر کیا تھا، ناگہانی موت سے مر گیا، اور شخص ماخوذ نے خلاصی پائی۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک۔ اس کے گواہ بھی کئی مسلمان اور وہی مذکور الصدر آریہ ہیں (لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل) جو حلفاً بیان کرسکتے

[1] نیز ملاحظہ ہو نزول المسیح صفحہ ۱۱۴ - ۱۱۷ و صفحہ ۲۰۷۔

ہیں مگر حلف مطابق نمونہ نمبر ۲ کے ہوگی اور یہ نشان آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں درج ہے۔ دیکھو صفحہ ۲۷۷ و ۴۷۸" (تریاق القلوب صفحہ ۹۹)

"ایسا اتفاق دو ہزار مرتبہ سے بھی زیادہ گذرا ہے کہ خدا تعالےٰ نے میری حاجت کے وقت مجھے اپنے الہام یا کشف سے یہ خبر دی، کہ عنقریب کچھ روپیہ آنے والا ہے۔ اور بعض وقت آنیوالے روپیہ کی تعداد سے بھی خبر دیدی۔ اور بعض وقت یہ خبر دی کہ اس قدر روپیہ فلاں تاریخ میں اور فلاں شخص کے بھیجنے سے آنیوالا ہے۔ اور ایسا ہی ظہور میں آیا، اور اس بات کے گواہ بھی بعض قادیان کے ہندو اور کئی مسلمان ہونگے جو حلفاً بیان کرسکتے ہیں۔ اور اس قسم کے نشان دو ہزار یا اس سے بھی زیادہ ہیں۔ اور یہ اس بات کی بھی دلیل ہے، کہ کیونکر خدا تعالےٰ حاجات کے وقت میں میرا متولی اور متکفل ہوتا رہا ہے۔ اور اکثر عادتِ الٰہی مجھ سے یہی ہے، کہ وہ پیش از وقت مجھے بتلا دیتا ہے*، کہ کل تو یہ کھائیگا، اور یہ پیئے گا۔ اور یہ تجھے دیا جائیگا۔ اور ویسا ہی ظہور میں آجاتا ہے، کہ جو مجھے بتلاتا ہے۔ اور ان باتوں کی تصدیق چند ہفتے میرے پاس رہنے سے ہر ایک شخص کرسکتا ہے۔ ایسے نشان . . . . لالہ شرمپت اور ملاوامل نے بہت دیکھے ہیں" (تریاق القلوب صفحہ ۳۴)

"عرصہ تخمیناً اٹھارہ برس کا ہوا، کہ میں نے خدا تعالےٰ سے الہام پاکر چند آدمیوں کو ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے اس بات کی خبر دی، کہ خدا نے مجھے مخاطب کرکے فرمایا ہے کہ اِنَّا نُبَشِّرُ بِغُلَامٍ حَسِیْنٍ۔ ہم تجھے ایک حسین لڑکے کے عطا کرنے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ میں نے یہ الہام ایک شخص حافظ نور احمد امرتسری کو سُنایا جو اب تک زندہ ہے اور بباعث میرے دعویٰ مسیحیت کے مخالفوں میں سے ہے، اور نیز یہ الہام شیخ

* کہ وہ دنیا کے انعامات میں سے کسی قسم کا انعام مجھ پر کرنا چاہتا ہے اور اکثر وہ مجھے بتلا دیتا ہے۔

حامد علی کو جو میرے پاس رہتا تھا سُنایا، اور دو ہندوؤں کو جو آمدورفت رکھتے تھے۔ یعنی شرمپت اور ملاوامل ساکنان قادیان کو بھی سُنایا۔ اور لوگوں نے اس الہام سے تعجب کیا، کیونکہ میری پہلی بیوی کو عرصہ بیس سال سے اولاد ہونی موقوف ہو چکی تھی اور دوسری کوئی بیوی نہ تھی۔ لیکن حافظ نور احمد نے کہا، کہ خدا کی قدرت سے کیا تعجب کہ وہ لڑکا دے۔ اس سے قریباً تین برس کے بعد جیسا کہ ابھی لکھتا ہوں، دہلی میں میری شادی ہوئی اور خدا نے وہ لڑکا بھی دیا اور تین اور عطا کئے۔ اس بیان کی تمام یہ لوگ تصدیق کرینگے" (تریاق القلوب ص۳۴)

"........ "جب اس الہام پر جو ابھی میں نے نمبر ۲۷ میں ذکر کیا ہے، کچھ دیر گذر گئی۔ اور براہین احمدیہ کے طبع کرانے کا شوق حد سے بڑھا، اور کسی کی طرف سے مالی امداد نہ ہوئی، تو میرے دل پر صدمہ پہونچنا شروع ہوا۔ تب میں نے اسی اضطرار کی حالت میں دعا کی۔ اس پر خداوند قدیر اور کریم کی طرف سے یہ الہام ہوا هُزِّ اِلَیْكَ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسَاقِطْ عَلَيْكَ رُطَبًا جَنِيًّا۔ یعنی کھجور کا پیڑ یا اس کی شاخوں میں سے کوئی شاخ ہلا، تب تر و تازہ کھجوریں تیرے پر گرینگی۔ مجھے بخوبی یاد ہے، کہ اس الہام کی خبر مَیں نے مولوی ابوسعید محمد حسین صاحب کو بھی دی تھی اور اس ضلع کے ایک اکسٹرا اسسٹنٹ کو بھی جس کا نام حافظ ہدایت علی تھا، اور کئی لوگوں کو بھی اطلاع دی، اور قادیان کے وہ دونوں ہندو یعنی شرمپت اور ملاوامل جن کا ذکر کئی مرتبہ اس رسالہ میں آیا ہے، ان کو بھی مَیں نے اس الہام سے اطلاع دیدی۔ غرض قبل اس کے کہ الہام کے پورا ہونے کے آثار ظاہر ہوں، خوب اس کو مشتہر کیا۔ اور پھر اس الہام کے بعد دہ بارہ بذریعہ اشتہار لوگوں میں تحریک کی۔ مگر ایک

دفعہ کسی انسان پر نظر نہ تھی، اور پوری نومیدی ہو چکی تھی، اور صرف الہام الٰہی کی تعمیل مدنظر تھی، سو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، کہ اشتہارات کے شائع ہوتے ہی بارش کی طرح روپیہ برسنے لگا، اور کتاب چھپنی شروع ہوگئی، یہانتک کہ چار حصے کتاب براہین احمدیہ کے چھپکر شائع ہوگئے، اور لاکھوں انسانوں میں اس کتاب کی شہرت ہوگئی۔ اور اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے گواہ بھی وہی اشخاص ہیں، جن کا ابھی ذکر کیا گیا ہے، اور یہ پیشگوئی آج سے تخمیناً بیس برس پہلے کتاب براہین احمدیہ میں مندرج ہو چکی ہے۔ دیکھو میری کتاب براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۶"

(تریاق القلوب صفحہ ۴۶)

"تخمیناً سولہ برس کا عرصہ گذرا ہے، کہ مَیں نے شیخ حامد علی اور لالہ شرمپت کھتری ساکن قادیان اور لالہ ملاوامل کھتری ساکن قادیان اور جان محمد مرحوم ساکن قادیان اور بہت سے اور لوگوں کو یہ خبر دی تھی، کہ خدا نے اپنے الہام سے مجھے اطلاع دی ہے، کہ ایک شریف خاندان میں وہ میری شادی کرے گا، اور وہ قوم کے سیّد ہونگے، اور اس بیوی کو خدا مبارک کرے گا، اور اس سے اولاد ہوگی۔ اور یہ خواب ان ایام میں آئی تھی، کہ جب مَیں بعض اعراض اور امراض کی وجہ سے بہت ہی ضعیف اور کمزور تھا۔ بلکہ قریب ہی وہ زمانہ گذر چکا تھا جبکہ مجھے دق کی بیماری ہوگئی تھی۔ اور بباعث گوشہ گزینی اور ترک دُنیا کے اہتماماتِ تاہّل سے دل سخت کارہ تھا۔ اور عیالداری کے بوجھ سے طبیعت متنفر تھی، تو اس حالت پُر ملامت کے تصوّر کے وقت یہ الہام ہوا تھا، "ہرچہ باید نوعروسے را ہمہ ساماں کنم"۔ یعنی اس شادی میں تجھے کچھ فکر نہیں کرنا چاہیئے۔ ان تمام ضروریات کا رفع کرنا میرے ذمہ رہیگا۔ سو قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری

جان ہے۔ کہ اس نے اپنے وعدہ کے موافق اس شادی کے بعد ہر ایک بارِ شادی سے مجھے سبکدوش رکھا، اور مجھے بہت آرام پہونچایا۔" (تریاق القلوب صفحہ ۳۴ و ۳۵)

"ایک دفعہ مجھے یہ الہام ہؤا۔ "عبداللہ خاں ڈیرہ اسمٰعیل خاں"۔ چنانچہ چند ہندو جو اتفاقاً اس وقت میرے پاس موجود تھے۔ جن میں ایک لالہ شرمپت کھتری اور ایک لالہ ملاوا مل کھتری بھی ہے، ان کو یہ الہام سُنا دیا گیا۔ اور بعض مسلمانوں کو بھی سُنا دیا گیا۔ اور صاف طور پر کہدیا گیا، کہ اس الہام سے یہ مطلب ہے کہ آج عبداللہ خاں نام ایک شخص کا ہمارے نام کچھ روپیہ آئیگا اور خط بھی آئے گا۔ چنانچہ ان میں سے ایک ہندو بشندا س نام اس بات کے لئے مستعد ہؤا، کہ میں اس الہام کو بذاتِ خود آزماؤں۔ اور اتفاقاً ان دنوں میں سب پوسٹ ماسٹر قادیان کا بھی ہندو تھا۔ سو وہ ہندو ڈاکخانہ میں گیا۔ اور آپ ہی سب پوسٹ ماسٹر سے دریافت کر کے یہ خبر لایا، کہ عبداللہ خاں نام ایک شخص کا اس ڈاک میں خط آیا ہے، اور کچھ روپیہ آیا ہے۔ جب یہ ماجرا گذرا تو اس وقت ان تمام ہندوؤں کو یہ ماننا پڑا، کہ یہ الہام واقعی سچا ہے، اور وہ ہندو جو ڈاکخانہ میں گیا تھا، نہایت تعجّب اور حیرت میں پڑا، کہ یہ غیب کی بات کیونکر معلوم کی گئی۔ تب میں نے اُسکو کہا، کہ ایک خدا ہے، قادر توانا، جو غیب کا جاننے والا ہے، جس سے ہندو بے خبر ہیں۔ یہ اس نے مجھے بتلایا۔ اور یہ الہام آج سے بیس برس پہلے کتاب براہین احمدیہ میں درج ہو چکا اور لاکھوں انسان اس سے اطلاع پا چکے ہیں۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۶ و ۲۲۷۔" (تریاق القلوب صفحہ ۴۶)

"ایک دفعہ سخت ضرورت روپیہ کی پیش آئی جس کا ہمارے اس جگہ کے آریہ لالہ شرمپت و ملاوامل کو بخوبی علم تھا۔ اور ان کو یہ بھی علم تھا، کہ بظاہر کوئی ایسی تقریب

نہیں جو جائے امید ہو سکے۔ بلا اختیار دعا کے لئے جوش پیدا ہوا۔ تا مشکل بھی حل ہو جائے، اور ان لوگوں کے لئے نشان بھی ہو۔ چنانچہ دعا کی گئی، کہ اللہ تعالیٰ نشان کے طور پر مالی مدد سے اطلاع بخشے۔ تب الہام ہوا۔ "دس دن کے بعد میں موج دکھاتا ہوں۔ الا ان نصر اللہ قریب فی شائل مقیاس۔ دن وِل یُو گو ٹُو امرتسر۔ یعنی دس دن کے بعد روپیہ آئے گا۔ خدا کی مدد نزدیک ہے اور جیسے جب جننے کے لئے اُونٹنی دُم اٹھاتی ہے۔ تب اس کا بچہ جننا نزدیک ہوتا ہے۔ ایسا ہی مدد الہٰی بھی قریب ہے۔ دس دن کے بعد روپیہ آئیگا۔ تب تم امرتسر بھی جاؤ گے۔ سو عین اس پیشگوئی کے مطابق مذکورہ بالا آریوں کے روبرو وقوع میں آیا۔ یعنی دس دن تک کچھ نہ آیا، گیارھویں روز محمد افضل خانصاحب نے راولپنڈی سے ایک سو دس روپے بھیجے۔ بیس روپے ایک اور جگہ سے آئے اور پھر برابر روپیہ آنے کا سلسلہ ایسا جاری رہا، جس کی امید نہ تھی۔ اور جس دن محمد افضل خانصاحب وغیرہ کا روپیہ آیا امرتسر بھی جانا پڑا۔ کیونکہ عدالت خفیفہ امرتسر سے ایک شہادت کے ادا کرنے کے لئے اسی روز سمن آ گیا اور اس نشان کے آریہ مذکورین گواہ ہیں جو اب تک زندہ موجود ہیں، اور یہ پیشگوئی[1] براہین احمدیہ میں چھپکر شائع ہو چکی ہے، دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۴۶۸ و ۴۶۹ و ۴۷۰۔

(تریاق القلوب صفحہ ۵۷)

"ایک دفعہ اپریل ۱۸۸۳ء میں صبح کے وقت بیداری میں جہلم سے روپیہ روانہ ہونے کی اطلاع دی گئی۔ اس بارہ میں جہلم سے کوئی خط نہیں آیا تھا۔ اور مذکور الصدر آریوں (یعنی لالہ ملاوامل و لالہ شرمپت) کو جو خود ہی ڈاک خانہ سے جا کر خط لاتے تھے

---

[1] نیز ملاحظہ ہو نزول المسیح صفحہ ۱۳۴۔

اس کا علم بھی تھا۔ بلکہ خود ڈاک خانہ کا منشی بھی ایک ہندو تھا، اور ان دنوں میں ایک ہندو الہامی پیشگوئی کے لکھنے کے لئے بطور روزنامہ نویس نوکر رکھا ہوا تھا۔ اور بعض امور غیبیہ جو ظاہر ہوتے تھے، اس کے ہاتھ سے ناگری اور فارسی میں قبل از وقوع لکھائے جاتے تھے اور اس پر اس کے دستخط بھی کرائے جاتے تھے۔ چنانچہ یہ پیشگوئی بھی بدستور لکھائی گئی۔ ابھی پانچ روز نہیں گذرے تھے کہ پینتالیس روپیہ کا منی آرڈر جہلم سے آگیا۔ حساب کیا گیا تو منی آرڈر کے روانہ ہونے کا ٹھیک وہی دن تھا جس دن خدا تعالے کی طرف سے خبر ملی تھی۔ اور یہ نشان آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں درج ہو کر ہزارہا انسانوں میں شائع ہو چکا ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۴۷۵۔ اس نشان کے گواہ وہی آریہ ہیں۔" (تریاق القلوب صفحہ ۵۸ و ۵۹)

"ایک دفعہ خواب میں دیکھا، کہ حیدر آباد سے نواب اقبال الدولہ صاحب کی طرف سے خط آیا ہے اور اس میں کسی قدر روپیہ دینے کا وعدہ ہے۔ خواب بدستور لکھا یا گیا۔ اور مذکور الصدر آریوں کو اطلاع دی گئی، پھر تھوڑے دن بعد حیدر آباد سے خط آیا، اور سو روپیہ نواب موصوف نے بھیجا۔ فالحمد للہ علی ذٰلک۔ اس نشان کے گواہ وہی آریہ ہیں۔ اور حلفًا بیان کر سکتے ہیں۔ . . . . . اور یہ نشان آج سے بیس برس پہلے براہین احمدیہ میں درج ہو چکا ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ صفحہ ۲۲۸"

(تریاق القلوب صفحہ ۵۹)

"ایک مرتبہ میں ایسا سخت بیمار ہوا کہ میرا آخری وقت سمجھ کر مجھکو مسنون طریقہ سے تین دفعہ سورۂ یٰسین سنائی گئی، اور میری زندگی سے سب مایوس ہو چکے تھے۔ اور بعض عزیز دیواروں کے پیچھے روتے تھے۔ تب اللہ تعالے نے الہامًا مجھے یہ دعا

سکھلائی، سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم۔ اللّٰھم صلّ علیٰ محمّد وعلیٰ آل محمد اور القاء ہوا کہ دریا کے پانی میں جس کے ساتھ ریت بھی ہو ہاتھ ڈال اور یہ کلمات طیبہ پڑھ، اور اپنے سینے اور پشت سینہ اور دونوں ہاتھوں اور مونہہ پر اس کو پھیر کہ تو اس سے شفا پائے گا۔ چنانچہ اس پر عمل کیا گیا۔ ابھی پیالہ ختم نہ ہونے پایا تھا، کہ مجھے بکلّی صحت ہوگئی۔ پھر یہ الہام ہوا۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِشِفَاءٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ یعنی اگر تمہیں اس نشان میں شک ہو، جو ہم نے شفا دیکر دکھایا ہے تو تم اس کی نظیر پیش کرو۔[1]

(نزول المسیح صفحہ ۲۰۷ و ۲۰۸)

• قریبًا اٹھارہ برس سے ایک پیشگوئی ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الصِّهْرَ وَالنَّسَبَ۔ ترجمہ۔ وہ خدا سچا خدا ہے۔ جس نے تمہاری دامادی کا تعلق ایک شریف قوم سے جو سیّد تھے کیا۔ اور خود تمہاری نسب کو شریف بنایا۔ جو فارسی خاندان اور سادات سے معجونِ مرکب ہے۔ اس پیشگوئی کو دوسرے الہامات میں اور بھی تصریح سے بیان کیا گیا ہے، یہانتک کہ اس شہر کا نام بھی لیا گیا تھا جو دہلی ہے۔ اور یہ پیشگوئی بہت سے لوگوں کو سنائی گئی تھی۔ ... شرمپت اور ملاوامل کھتریان ساکنان قادیان کو قبل از وقت یہ پیشگوئی بتلائی گئی تھی۔ اور جیسا کہ لکھا تھا، ایسا ہی ظہور میں آیا۔ کیونکہ بغیر سابق تعلقات قرابت اور رشتہ کے دہلی میں ایک شریف اور مشہور خاندانِ سیادت میں میری شادی ہوگئی۔" (تریاق القلوب صفحہ ۶۴ و ۶۵)

---

[1] ۔ اس نشان کے گواہ شیخ حامد علی اور لالہ شرمپت اور ملاوامل کھتری اور دیگر بہت سے لوگ ہیں۔ جن کو پہلے سے اس وحی کی خبر دی گئی تھی۔

منجملہ خدا تعالےٰ کے نشانوں کے ایک یہ نشان ہے، کہ وہ مقدمہ جو منشی محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ کی رپورٹ کی بناء پر دائر ہو کر عدالت مسٹر ڈوئی صاحب مجسٹریٹ ضلع گورداسپور میں میرے پر چلایا گیا تھا۔ جو فروری ۱۸۹۹ء کو اس طرح پر فیصلہ ہوا، کہ اس الزام سے مجھے بری کر دیا گیا۔ اس مقدمہ کے انجام سے خدا تعالےٰ نے پیش از وقت مجھے بذریعہ الہام خبر دیدی، کہ وہ مجھے آخر کار دشمنوں کے بد ارادے سے سلامت اور محفوظ رکھے گا۔ اور مخالفوں کی کوششیں ضائع ہو جائیں گی۔ سو ایسا ہی وقوع میں آیا۔ جن لوگوں کو اس مقدمہ کی خبر تھی۔ ان پر پوشیدہ نہیں، کہ مخالفوں نے میرے پر الزام قائم کرنیکے لئے کچھ کم کوشش نہیں کی تھی۔ بلکہ مخالف گروہ نے ناخنوں تک زور لگایا تھا۔ اور افسر مذکور نے میرے مخالف عدالت میں بڑے زور سے شہادت دی تھی۔ لیکن جیسا کہ ابھی میں نے بیان کیا ہے قبل اس کے جو یہ مقدمہ دائر ہو۔ مجھے خدا تعالےٰ نے اپنے الہام کے ذریعہ سے اطلاع دی تھی۔ کہ تم پر ایسا مقدمہ عنقریب ہونے والا ہے۔ اور اس اطلاع پانے کے بعد میں نے دعا کی اور وہ دعا منظور ہو کر آخر میری بریّت ہوئی۔ اور قبل انفصال مقدمہ کے یہ الہام بھی ہوا، کہ تیری عزّت اور جان سلامت رہے گی اور دشمنوں کے حملے جو اس بدغرض کے لئے ہیں۔ ان سے تجھے بچایا جائیگا۔ ۔ ۔ ۔ اس الہام سے میں نے اس جگہ کے سرگرم اور متعصّب آریہ لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل کو بھی قبل از وقت خبر کر دی تھی۔" (تریاق القلوب صفحہ ۹۰ حاشیہ)

نئی مطبوعات پر تبصرہ

مکرم محترم قاضی محمد یوسف صاحب فاروقی امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ سرحد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ میں سے ہیں اور بدو شباب سے سلسلہ احمدیہ کی تبلیغ واشاعت میں قابلِ قدر حصہ بذریعہ لٹریچر بالخصوص لیتے رہے ہیں۔ حال ہی میں انکی طرف سے شائع شدہ مندرجہ ذیل صحائف ہماری نظر سے گذرے ہیں۔

تفسیر بیان القرآن اور مذہب حضرت احمد آخر زمان یہ رسالہ تبلیغ احمدیت کے سلسلہ میں نمبر ۱۷ ہے۔ ۲۰ صفحے حجم ۲۶×۲۰/۸ تقطیع ہے اس میں حضرت مسیح موعود علیہ صلوات اللہ الودود کی تحریرات کے اقتباسات اور بالمقابل بیان القرآن سے مولوی محمد علی صاحب کے بیانات دیکر دکھایا گیا ہے کہ وہ تفسیر جس کا بار بار ذکر لبید افتخار کیا جاتا ہے، وہ حضور علیہ السلام کے مذہب و مسلک کے کس قدر خلاف تیار کی گئی ہے۔ یہ رسالہ نہایت مفید ہے اور ۲۷ و ۲۸ مسائل مسلمہ میں اختلاف دکھایا گیا ہے، جن پر سلسلہ احمدیہ کا دار و مدار ہے۔

امتیاز اس رسالہ میں احمدیت اور غیر احمدیت میں امتیاز بتایا گیا ہے، اور ثابت کیا گیا ہے، کہ جماعت احمدیہ وہ موعود جماعت ہے، جس کا ذکر قرآن کریم و احادیث نبی کریمؐ میں موجود ہے۔ نماز کی امامت، جنازہ غیر احمدیان، غیر احمدی کو لڑکی دینا وغیرہ مسائل میں حضرت مسیح موعودؑ کے صریح احکام جمع کردئیے گئی ہیں۔ اور حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کا اس پر عمل دکھایا گیا ہے۔

چار ٹریکٹ ہر ٹریکٹ چار چار صفحے کا، مگر بلحاظ دلائل و نفس مضمون کئی سو صفحات کی مختلف

کتب و حوالجات کا خلاصہ۔ ان میں بھی مختلف پہلوؤں سے غیر مبائع حضرات کے عقائد کی قلعی کھول گئی ہے، اور انکے بعض مایۂ ناز اعتراضات کے مدلل جوابات دیئے گئے ہیں۔ یہ صحائف انجمن احمدیہ صوبہ سرحد مرکز مسجد احمدیہ پشاور شہر کے پتے سے مل سکتے ہیں قیمت درج نہیں ہے۔

احمدی نوجوان یہ ایک ولولہ انگیز قابلِ صد داد نظم ہے، جو ہمارے محترم دوست چوہدری عبدالرشید صاحب تبسم بی۔اے نے حوالہ قلم جواہر رقم کی ہے اور حق یہ ہے، کہ خوب لکھی ہے سہ "اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ"۔ میں نے چاہا تھا، کہ بطور نمونہ چند اشعار درج کر دوں، مگر انتخاب کے وقت سہ "کرشمہ دامنِ دل میکشد کہ جا اینجا است" کا منظر پیش نظر ہو گیا، اسلئے اسی پر اکتفاء کرتا ہوں، کہ منگوایئے اور پڑھکر مشام جان و دستنبوئے بزمِ دوستاں بنایئے۔ فوٹو بھی ہے۔ قیمت چار آنے۔ ملنے کا پتہ:۔ بکڈپو تالیف و اشاعت قادیان۔

مولوی محمد علی صاحب کا جنگ موعود نبی سے اس رسالہ میں، جو ہمارے دوست ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم نے شائع کیا ہے، یہ دکھایا گیا ہے کہ مولوی محمد علی صاحب کی ایک مسائل مبینہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اوّل رض کے خلاف جا رہے ہیں خلافت و نبوت کے علاوہ بعض متفرق مسائل کے متعلق بھی کافی مصالحہ جمع ہے۔ ۵۶ صفحے حجم ہے۔ قیمت درج نہیں ہے۔ ملنے کا پتہ:۔ منشی غلام جیلانی صاحب احمدی کاتب ریلوے روڈ جالندھر شہر

کتابیں چھپوانیکا انتظام:۔ اگر آپ کوئی کتاب یا ٹریکٹ چھپوانا چاہتے ہیں، تو مسودہ صاف لکھا ہوا ہمیں ارسال فرمائیں۔ ہم کتابت، طباعت اور کاغذ کا بہترین انتظام کرینگے۔ آپکو سائز وغیرہ کے متعلق بھی مفید مشورہ دینگے۔ کاپیوں اور پروفوں کی تصحیح کا بندوبست بھی کرینگے۔ غرض آپکو پوری طرح سے چھپائی کے فکر سے فارغ کر دینگے۔ اور یہ سب کچھ معمولی اجرت پر۔ کتابت، طباعت اور کاغذ کی اصل قیمت آپ سے وصول کیجائیگی۔ نیز ہر قسم کی کتابوں کیلئے بھی ہمیں لکھیں: منیجر مکتبۂ احمدیہ قادیان۔

تریاقِ چشم رجسٹرڈ (اصلی ممیرا والا)

سرکاری اعلیٰ افسران سے بڑھکر اور کیا شہادت ہوسکتی ہے

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

سندات متعلقہ تریاق چشم غلط ثابت کرنیوالے کو مبلغ ایکہزار روپیہ انعام۔ ہندوستان کے بہت بڑے ماہر امراضِ چشم لندن کے سند یافتہ سرکاری اعلیٰ افسر یعنی لفٹنٹ کرنل ایس۔ ایم فاروقی صاحب ایم۔ ڈی۔ آئی۔ ایم۔ ایس۔ آئی سپیشلسٹ چھاؤنی کلکتہ۔

نقل ترجمہ انگریزی :۔ "مَیں تصدیق کرتا ہوں کہ مرزا حاکم بیگ ساکن گجرات پنجاب کا تیار کردہ تریاق چشم میں نے اپنے چند بیماروں پر آزمایا، اور اسے آنکھوں کے زخم۔ پانی بہنا۔ اور ککروں کیلئے بہت مفید اور موثر پایا۔ اسکے اجزاء امراضِ چشم کیلئے بہت مشہور ہیں۔ ان اجزاء کی مقدار ہر طرح صحیح اور درست نسبت سے ملائی گئی ہے۔ موجد تریاقِ چشم کے تیار کرنیکا طریق زمانہ حال کے مروجہ طریق کے مطابق صاف اور ستھرا ہے"

جناب ڈاکٹر پنڈت اودھو رام صاحب کیمیکل ایگزیمنر گورنمنٹ پنجاب لاہور و صوبہ سرحد (پنشنر) نقل ترجمہ انگریزی :۔ "تریاق چشم جسکو مرزا حاکم بیگ صاحب سکنہ گجرات نے ایجاد کیا ہے، بہت مفید ہے۔ امراضِ چشم مثلاً روہے۔ پانی بہنا، پلکوں کا گر جانا۔ یا آنکھوں کا دکھنا وغیرہ کیلئے میں نے اپنے بچوں پر استعمال کیا۔ اور اسکو بہت کامیاب پایا۔ یہ موجودہ طریق کے مطابق نہایت صاف ستھرا اور نفیس طور پر تیار کیا جاتا ہے۔ اس سرمہ میں ایک اور خوبی کا یہ اضافہ ہے، کہ بجائے سیاہ رنگ کے خاکی رنگ کا پوڈر ہے۔ میں مرزا صاحب کو امراضِ چشم کیلئے ایک ایسا عمدہ علاج تیار کرنے پر مبارکباد دیتا ہوں"

جناب ڈاکٹر سید طفیل حسین شاہ صاحب۔ ایل۔ ایم۔ ایس۔ پی۔ سی۔ ایم۔ ایس بھاٹی دروازہ لاہور جو آجکل سینیئر اسسٹنٹ کیمیکل انجینیئر گورنمنٹ پنجاب بھی ہیں لکھتے ہیں:۔

ہم نے (تریاق چشم کو) اپنے مریضانِ چشم پر بطور آزمائش استعمال کیا اور اسکو امراضِ چشم یعنی دھند غبار۔ خارش۔ سرخی۔ پلکوں کا گر جانا اور خصوصاً ککروں کیلئے نہایت مفید پایا۔ ذاتی طور پر ہم نے اپنی آنکھوں میں استعمال کیا جس سے ہمکو بہت ہی فائدہ ہوا۔ آنکھیں جو کثرت کام کیوجہ سے بھاری رہتی تھیں۔ اسکے استعمال سے بالکل ہلکی اور صاف ہو جاتی ہیں۔ شیر خوار بچوں کی آنکھوں کیلئے بھی مفید اور بالکل بے ضرر ہے۔"

جناب خان بہادر میاں محمد شریف صاحب سول سرجن صاحب بہادر کیمبل پور۔ نقل ترجمہ انگریزی:۔ "مَیں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے تریاق چشم جسے مرزا حاکم بیگ صاحب نے تیار کیا ہے۔ گجرات اور جالندھر میں اپنے ماتحتوں یعنی ڈاکٹروں اور دوستوں میں بھی تقسیم کیا۔ اور مَیں نے سفوف مذکور کو آنکھوں کی بیماریوں بالخصوص ککروں میں نہایت مفید پایا۔ جیسا کہ دیگر سرٹیفکیٹوں سے بھی ظاہر ہوتا ہے۔"

جناب ڈاکٹر دھنپت رائے صاحب ورما۔ ایل۔ ایم۔ ایس۔ ایل۔ ایم (ڈبلن) ایف۔ آر۔ آئی۔ پی۔ ایچ (لندن) پی۔ سی۔ ایم۔ ایس سول سرجن صاحب بہادر گوڑگاؤں "آپ کا تریاق چشم اپنے ایک عزیز پر استعمال کر رہا ہوں اس سے کافی تسلی بخش فائدہ ہو رہا ہے براہ مہربانی آدھ تولہ سرمہ بذریعہ وی۔ پی پارسل ارسال کریں۔"

نوٹ ۱:۔ اسکے علاوہ اسسٹنٹ سرجن صاحبان و سب اسسٹنٹ سرجن صاحبان نیز کالج کے پروفیسران و انسپکٹر صاحبان محکمہ تعلیم۔ وکلاء، و جج صاحبان اور ملکی اخبارات نے بعد آزمائش زبردست ریویو کئے ہیں۔

۲:۔ قیمت پانچ روپیہ فی تولہ۔ محصولڈاک موازی ۸ر بذمہ خریدار ہوگا۔ المشتہر:۔

مرزا حاکم بیگ احمدی موجد تریاق چشم گرامی شاہدولہ۔ گجرات پنجاب۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ارشاد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ——— نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

لالہ ملاوا مل صاحب حکیم قادیان کو اکثر احباب جانتے ہیں انکا حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے قدیمانہ تعلق رہا ہے انہوں نے بعض ادویہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے نسخوں کے مطابق تیار کی ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز سے ان ادویہ کے متعلق سفارش کی خواہش کی ہے سو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے منشاء کے مطابق یہ سفارش الفضل میں شائع کیجاتی ہے کہ حاجتمند احباب لالہ ملاوا مل صاحب قادیان سے انکی تیار کردہ ادویہ خرید کر فائدہ اٹھائیں۔ والسلام (خاکسار پرائیویٹ سیکرٹری)

معجون مبارک:۔ جو دماغ اور بصارت کیلئے ازحد مفید ہے اور حضرت مرزا صاحب ہمیشہ استعمال فرمایا کرتے تھے ۸ ؏ فی سیر

معجون دلشاد:۔ باہمہ صفت موصوف یعنی جیسی نیت ویسی مراد نئی طاقت۔ اعصابی کمزوری، دل و دماغ، معدہ جگر کو بہت مفید ہے چستی، پھرتی، خوشی فوراً حاصل ہوتی ہے نیز اختناق الرحم کا عمدہ علاج ہے۔ ہر انسان حسب منشا فائدہ اٹھائیگا پندرہ خوراک وزنی ۱½ تولہ قیمت تین روپے۔

سفوف نشاط:۔ یہ دوائی مفرح ہونیکے علاوہ مقوی اعضاء رئیسہ ہے اور جن لوگوں کو جائز طور پر ممسک دوائی کی ضرورت ہو انکے لئے بہت مفید ہے قیمت پندرہ خوراک اڑھائی روپیہ۔

اکسیر بواسیر:۔ یہ نسخہ بواسیر ایک سنیاسی مہاتما کا فرمودہ ہے لیکن ساتھ ہی اسکے شاہی طبیب حکیم جناب مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اولؓ نے اس نسخہ کو بہت پسند فرمایا تھا فی الواقعہ ہر قسم کی بواسیر کیلئے بہت مفید ہے سینکڑوں اصحاب اس سے فائدہ اٹھا چکے ہیں نیز جو بچے پھوڑے پھنسیاں خرابی خون اپنے ساتھ ہی لاتے ہیں انکی ماتاؤں کو چاہیئے کہ ایام حمل میں دو تین مرتبہ اس دوائی کو استعمال کرائیں۔ قیمت پندرہ خوراک ایک روپیہ۔

زدجام عشق:۔ حضرت جناب مرزا صاحب کا مشہور نسخہ ہے پہلی خوراک ہی اپنے فوائد اور برکات ظاہر کر دیگی قیمت فی درجن عہ

المشتہر:۔ (لالہ) ملاوا مل حکیم بڑا بازار۔ قادیان۔

دواخانہ نورالدین رضؓ

بیادگار

حضرت حکیم الامت طبیب شاہی حاجی الحرمین سیدنا نورالدین خلیفۃ المسیح اولؓ

(زیرِ نگرانی)

ابنائے حکیم الامت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ

مدت سے احباب کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہو رہا تھا۔ کہ وہ طبّی فیضان جس کو حضرت والدِ بزرگوار نے عمر بھر جاری رکھکر ہزارہا بندگانِ خدا کو فائدہ پہونچایا تھا، اُسے آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی یادگار کے طور پر جاری رکھا جائے۔ مگر احباب کی یہ خواہش ہماری تعلیمی مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک پوری نہ ہوسکی۔ اب ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتے ہیں، کہ محض اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہم اس قابل ہوئے ہیں، کہ اس مبارک مقصد

کو پورا کرنے کے لئے آپ کے مبارک نام پر دواخانہ نور الدینؓ کی بنیاد رکھیں۔

حضرت حکیم الامت طبیب شاہی سیدنا نور الدین رضی اللہ عنہ کی تمام عمر کے مجربات کا نچوڑ جس کو اپنی آخری عمر میں حضور نے ایک قلمی بیاض میں جمع کر دیا تھا خدا تعالےٰ کے فضل سے ہمارے پاس بعینہٖ محفوظ ہے، اس بیش بہا خزانہ پر ہم جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ اس میں آپ نے تمام چھوٹے بڑے اور پیچیدہ سے پیچیدہ امراض اور ان کے طریق علاج کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے چنانچہ آپ کی بیان فرمودہ ہدایات کی روشنی میں ہم نے ان مجربات کو صحیح خالص اور اعلےٰ اجزاء کے ساتھ خود اپنی نگرانی میں تیار کرانا شروع کر دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب تک نسخوں کے اجزاء اعلےٰ قسم کے عمدہ اور درست نہ بہم پہونچائے جائیں، اور ان کو احتیاط اور ٹھیک طریقوں سے تیار نہ کیا جائے عمدہ سے عمدہ نسخہ بے اثر ہوتا ہے، اس لئے جہاں اس دواخانہ کے پاس حضور کی قلمی بیاض کے خاص نسخے موجود ہیں وہاں دواؤں کی طیاری کیلئے نہایت محنت اور صرفِ کثیر سے چن چن کر صحیح، خالص اور مؤثر اجزاء خریدے اور فراہم کئے گئے ہیں، اور وہ تمام جڑی بوٹیاں جو عام طور پر بازار میں نہیں ملتیں، یا جن کی بجائے عطار اور پنساری غلط چیزیں فروخت کر دیتے ہیں خاص طور پر کوشش کر کے مہیا کی گئی ہیں۔ اور کسی نسخہ میں اس کے قیمتی اجزاء کے قلیل القیمت بدل نہیں ڈالے۔ کیونکہ ان قیمتی دواؤں کا جو مخصوص ذاتی اثر ہوتا ہے وہ انکے بدل اجزاء میں ہرگز نہیں ہوتا۔

پس احباب اپنی تمام طبی ضروریات کے وقت دواخانہ نور الدینؓ

کو یاد رکھیں۔ اگر کوئی نسخہ طیّار کرانا ہو، تو بہترین اور اصلی اجزاء سے تیار کر کے بھیجا جائیگا۔ بیماری کی مفصّل کیفیّت لکھنے پر مناسب نسخہ تجویز کیا جائے گا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کے مشہور مجربات جو نہایت احتیاط سے طیار کئے جاتے ہیں مناسب قیمت پر مہیّا کئے جائیں گے۔

ذیل میں ہم دواخانہ نورالدین کے خاص الخاص مجربات کی فہرست درج کرتے ہیں۔ ان دواؤں کے نسخہ جات حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کی قلمی بیاض میں سے لئے گئے ہیں۔ لیکن جن خاص مجرّبات کا ذکر اس فہرست میں کیا گیا ہے ان کے علاوہ دنیائے طب کے تمام مروّجہ اور مستعملہ مرکبات بھی اس دواخانہ میں نہایت صفائی اور احتیاط کے ساتھ تیار کروائے گئے ہیں۔ اگر کوئی دوست اپنا نسخہ تیار کرانا چاہیں، تو ان کی دوا بھی نہایت احتیاط اور صحیح اجزاء کے ساتھ تیار کی جائے گی۔

آخر میں ہم احباب سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں، کہ اللہ تعالےٰ ہمارے ارادوں میں برکت دے۔ اور وہ طبّی چشمۂ فیض جو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے ذریعہ جاری ہُوا تھا، دَوَاخانہ نورالدین رضؓ کے ذریعہ روزافزوں ترقی کرے۔

المشتہرین

ابناءِ حکیم الامت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ

فہرست مجرّبات اگلے صفحوں پر ملاحظہ فرمائیں۔

یہ بے ضرر مرکب معدہ کی خاص دوا ہے۔ اس کے استعمال سے معدہ کے نازک نظام پر بڑا تسکین بخش اثر پڑتا ہے۔ بدہضمی، نفخ، کھٹے ڈکار، سینے کی جلن، پیٹ کا درد، باؤ گولہ، جی کا متلانا، سستی، کمزوری، بھوک کم لگنا، خرابی جگر۔ ان تمام بیماریوں کے لئے اکسیر معدہ کا استعمال مفید ہے۔ بیماری کے بعد یا کمزوری۔ کثرت کار یا ثقیل غذاؤں کے زیادہ استعمال سے جب معدہ کمزور ہو گیا ہو۔ تب اس دوا کے استعمال سے بھوک بڑھ جاتی ہے، اور ہاضمہ کی قوت تیز ہو کر آپ کو اپنی غذا سے زیادہ سے زیادہ قوت حاصل کرنے کے قابل بناتی ہے اور بواسیر میں بھی مفید پائی گئی ہے۔

قیمت یکصد (۱۰۰) قرص ایک روپیہ بارہ آنہ (عہ/)

پچاس قرص ایک روپیہ (عہ/)

امراضِ خاص

خاص امراض کی تشریح و تفصیل مشکل ہے۔ ان امراض کی اہمیت کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ بہت سے مریض ان کو لا علاج سمجھکر مایوس ہوجاتے ہیں۔ جو احباب ان میں سے کسی مرض کا شکار ہوں، یا ان کے علم میں کوئی دوست اس مرض میں گرفتار ہوں تو وہ اپنے مفصّل حالات ہمیں لکھیں۔

حضرت حکیم الامّت کی خاص قلمی بیاض کے مطابق ادویہ تیار کرکے مناسب قیمت پر ان کی خدمت میں بھیجی جائینگی۔

غیر معتبر اشتہاری ادویہ خرید کر اپنی صحت اور روپیہ کو برباد نہ کریں۔ بلکہ آج ہی سے دواخانہ نورالدّینؓ کی تیار کردہ بہترین ادویہ کا استعمال شروع کردیں۔

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اُردو)

(یعنی)

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

جلد ۳۹ | ۲۸ شعبان سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق یکم اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء | نمبر ۹

فہرست مضامین

اداریہ :-

خدا نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے، مگر اس مریض کا کیا علاج، جو طبیب کے کہے کو ہذیان سمجھے، اور دوا و پرہیز سے جی چرائے۔

وبا زوروں پر تھی، اور مخلوقِ خدا تباہ ہوتی چلی جا رہی تھی۔ ڈاکٹر آیا۔ اور اس نے دوا و تدبیر بتائی۔ جنہوں نے اس کی ہدایات پر عمل کیا، وہ بچ گئے۔ اور جو تمسخر اور استہزاء کرتے تھے، یا لاپرواہی سے کان بند کئے بیٹھے تھے، وبا کا شکار ہو گئے۔ اس پر ایک نادان چلّا اٹھا، ڈاکٹر غلطی پر تھا۔

مالی نے ایک باغ کی بنیاد رکھی، اور کہا کہ اس میں سایہ دار درخت ہونگے، جن پر پرندے آکر بسیرا کرینگے، اور وہ خوش آئند نغموں سے باغ کی فضاء کو معمور کر دینگے۔ پھولدار پودے ہونگے، جو اپنی خوشبو سے ایک عالم کو معطّر کر دینگے۔ پھلدار درخت ہونگے، جو پھل لائینگے، اور ایک دنیا ان شیریں پھلوں سے متمتع ہو گی۔ ایک بے صبر نادان چلّا اٹھا، "مالی ناکام رہا، مجھے تو نہ سایہ دار درخت نظر آتے ہیں، نہ پھل اور پھول" کوتاہ بین انسان! دیکھ وہ کونپلیں نکل رہی ہیں، اور شگوفے پھوٹ رہے ہیں۔ ٹھہر کہ عنقریب یہاں تناور درخت، خوش رنگ پھول اور شیریں پھل اپنے وقت پر ظاہر ہونگے۔

کسی نادان نے شاہیں بچہ دیکھا، جس کے ابھی نہ بال آئے تھے نہ پر۔ ایک احمق لگا حماقت سے تمسخر اڑانے اور یہ کہنے کہ "کیا یہ آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرے گا، اور

اس کی نظر پہ دُور دُور تک شکار کو تاکیں گی؟" کم نظر! ذرا صبر کر، اس کے بال و پر آنے دے، اور پھر اس کی شاہی پرواز دیکھنا، اور جھپٹنا اور جھپٹ کر بلندیوں پر چڑھنا۔

ایک بادشاہ نے پُرامن بادشاہت کی بنیاد ڈالی، طاغوتی لشکر بغاوت پر آمادہ ہوئے۔ خدائی عذاب آیا، اور وہ باغی عسا کر لگے آپس میں لڑنے، اور لڑ لڑ کر اپنے آپ کو تباہ کر دیا، اور اس طرح پُرامن بادشاہت کے لئے میدان صاف ہو گیا۔ ایک بیوقوف چلّا اُٹھا، "بادشاہ ناکام رہا، بڑی لڑائی ہوئی اور قتل و خونریزی" کم عقل! باغیوں کی یہی سزا تھی، دیکھ! پُرامن حکومت کے لئے میدان صاف ہو گیا۔

ایک جرنیل نے ایک فوج ترتیب دی، اور چھاؤنیاں بنائیں اور قلعے تعمیر کئے۔ جنگلات صاف کئے گئے، اور ان کی مفید لکڑیاں عمدہ سامان تیار کرنے میں کام آئیں، اور باقی جلانے کے کام، سردی سے ٹھٹھرے ہوئے سپاہیوں کو تپش ملی، اور کچھ رسد پکا کر تیار ہو گئی۔ میدان صاف کئے گئے اور جو پہاڑ راستہ میں روک تھے، اڑا دیئے گئے، جو کام کے تھے، رہنے دیئے گئے۔ غنیم سے بچنے کے لئے پناہ گاہیں بنائی گئیں، اور خندقیں کھودی گئیں۔ سپاہیوں کے ہاتھوں میں ہتھیار دیئے گئے، اور انہیں بچاؤ کے طریقے سکھائے گئے۔ حملہ کی سکیم سوچی گئی، اور اس کے لئے سپاہیوں کو تربیت دی گئی۔ ایک بے عقل اُٹھا، اور کہنے لگا "جنگل کیوں کاٹا گیا، اور پہاڑیاں کیوں اڑائی گئیں، اور ان قلعوں اور ہتھیاروں کی کیا ضرورت؟ نہ میں پناہ گاہ میں آؤنگا۔ نہ ہتھیار لیکر لڑونگا۔ نہ مجھے فوجی تربیت کی ضرورت ہے، اور نہ تمہارے حکم کی تعمیل مجھ پر لازمی اور فرض ہے۔" دشمن آیا، اور اس نادان کا خاتمہ کر گیا۔ لیکن تربیت یافتہ فوج لڑی، اور اس نے دشمن کا صفایا کر دیا۔

دُنیا بیمار تھی، اور اس کی رُوح کو گھُن لگ چکا تھا، جو اُسے کھائے جا رہا تھا۔ ایک روحانی طبیب آیا جس نے ایک ہسپتال کی بنیاد رکھی۔ جو اس کے پاس آئے شفایاب ہو گئے۔ لیکن جو نادان اس پر ایمان نہ لائے، اور علاج نہ کیا، بلکہ ہسپتال کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے، ہلاکت نے ان کو اپنی آغوش میں لے لیا، اور وہ روحانی لحاظ سے مُردہ ہو گئے۔

خدا کا ایک جرنیل دُنیا کو فتح کرنے نکلا۔ کچھ آدمی اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ اُنکی تربیت کی گئی، اور انہیں ہتھیاروں سے مسلح کیا گیا، وہ جہاں گئے، دشمن کو پسپا کر دیا۔ خدا ان کی نصرت کو اُترا، اور اپنے "زور آور حملوں" سے اپنے نذیر کی صداقت کو ظاہر کر دیا۔ یاجوج و ماجوج، دجّال اور دآبۃ الارض کو دنیاوی سامانوں، طاقت و اقتدار اور اپنی اکثریت و قدامت پر ناز تھا۔ خدا کا غضب بھڑک اٹھا، اور انہیں جلا کر خاکستر بنا دیا، اے کوتاہ بین! اعتراض میں جلدی نہ کر، ذرا صبر کر اور ٹھہر، کہ اس خاکستر سے ایک نیا عالم تعمیر ہونے کو ہے۔

"اہلحدیث" ۹۔ اگست سنہ ۱۹۴۰ء میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے ہمارے رسالہ بابت ماہ جولائی میں شایع شدہ ایک مضمون پر جس کا عنوان "مسیح موعودؑ کی بعثت کا مقصد" تھا، اعتراض کیا ہے۔ انہیں اعتراف ہے، کہ مسیح موعودؑ کی بعثت کی غرض و غایت وہی ہے، جو بیان کی گئی ہے، مگر وہ پوری نہیں ہوئی۔ وہ لکھتے ہیں، مسیح موعود کی بعثت کی غرض تھی، خدا پر یقین پیدا کرنا، اور دُنیا میں صلح و امن اور خدائی بادشاہت کا قیام۔ مگر مرزا صاحب کے آنے سے نہ خدا پر یقین رکھنے والوں کی اکثریت ہوئی، نہ خدا کی بادشاہت قائم ہوئی، اور نہ دُنیا میں امن و امان ہوا، بلکہ فسادات بدستور ہیں۔

مگر مولوی صاحب کو یہ یاد نہیں رہا کہ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام بشیر تھے وہاں وہ نذیر بھی تھے۔ ضرور تھا، کہ یاجوج و ماجوج اور دیگر طاغوتی طاقتیں متلاطم سمندر کی موجوں کی طرح ایک دوسرے سے ٹکرائیں، اور اپنے آپ کو تباہ کر لیں۔ یہ سب کچھ تو خدائی نوشتوں کے ماتحت اور بطلِ اسلام کی پیشگوئیوں کے عین مطابق ہو رہا ہے۔ پس یہ تو صداقت کی دلیل ہے، نہ کہ کذب کی۔ مگر شاید مولوی صاحب کو ایک ہندو عورت کی تریا ہٹ والی داستان یاد نہیں رہی، جو خاوند کی ہر بات کے خلاف عمل کرتی تھی، اور گنگا کی آغوش میں جا سوئی۔ کاش! مولوی صاحب اپنے علم سے کام لیتے، اور ایسا عامیانہ اعتراض نہ کرتے۔

زمین پر خدائی ہل چل رہا ہے۔ اس کا سینہ چیرا جائیگا، اور بوسیدہ جڑیں اکھاڑ کر پھینک دی جائیں گی۔ پہاڑ اڑائے جائیں گے۔ اور جنگلوں سے دھواں اٹھتا دکھائی دیگا۔ ردّی مادوں سے کھاد تیار ہوگی۔ اور روحانی کھیتی کی آسمانی پانی سے آبپاشی کی جائے گی، اور پھر اس ویران دُنیا میں لہلہاتے کھیت ہونگے اور سرسبز باغات۔ مگر آنکھ کے اندھے کیا جانیں، کہ الٰہی مصلحتیں کیسے اپنا کام کرتی ہیں۔

کاش! مولوی صاحب یہ اعتراض کرنے سے قبل سلسلۂ انبیاء پر ایک نگاہ ڈالتے، تو انہیں معلوم ہو جاتا، کہ الٰہی فرستادوں کا یہ گروہ رُوحانیت کا محض ایک بیج بونے آتا ہے، جو اپنے وقت پر بڑھتا، پھلتا اور پھولتا ہے، دیکھنے کے قابل یہ چیز ہوتی ہے، کہ آیا اس بیج میں بڑھنے، پھلنے اور پھولنے کی صلاحیت ہے یا نہیں؟ اگر اس میں یہ صلاحیت صاف نظر آ رہی ہو تو پھر اس پر یہ اعتراض کرنا کہ یہ ہمارے دیکھتے دیکھتے فوراً بڑھکر پھلتا اور پھولتا کیوں نہیں، سراسر حماقت ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے خدا تعالےٰ کی ذات پر ایمان اور یقین پیدا کرنے کے لئے جو دلائل و براہین اور زندہ نشانات دکھائے ہیں، وہ یقیناً اپنے اندر خدا کی ذات پر ایمان اور یقین پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اور اس کا ثبوت جماعت احمدیہ کا وجود ہے۔ اسی طرح آپ نے اسلام کی تعلیمات کی روشنی میں دنیا میں قیام امن و امان کے جو اصول بیان فرمائے ہیں، وہ اپنے اندر یقیناً یہ صلاحیت رکھتے ہیں، کہ اگر دُنیا ان پر عمل پیرا ہو، تو وہ حقیقی آرام اور چین کی زندگی بسر کرے ــــ روحانی لحاظ سے بھی اور دنیاوی جسمانی لحاظ سے بھی، اور ہمیں یقین ہے، کہ بالآخر دُنیا انہیں اصول کی طرف آنے پر مجبور ہوگی۔ موجودہ بدامنی اور فساد تو محض اسی وجہ سے ہے، کہ دُنیا ان اصول پر عمل نہیں کر رہی۔ اور یہ چیز حضرت مسیح موعودؑ کے پیش کردہ اصول کی صداقت کا ثبوت ہے، نہ آپ کے کذب کی۔

مولوی صاحب نے ہسپتال کی مثال پیش کی ہے، آپ لکھتے ہیں:۔

"حکومت نے کسی بستی میں ایک بڑا ہسپتال بنایا، وجہ یہ بتائی کہ یہاں بیماری بکثرت موجود ہے۔ ہسپتال کا مقصد بیماروں کا علاج کرنا ہے، جس کا نتیجہ صحت و تندرستی کی شکل میں ظاہر ہوگا۔ مگر چند روز کے بعد حکومت خود ہی اعلان کر دے، کہ جس وقت ہسپتال بنا تھا، اس وقت جتنی بیماری تھی، آج اُس سے دوگنی بلکہ چوگنی ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی ہے کہ ہسپتال کا مقصد حاصل نہیں ہوا۔"

گو یہ مثال تمام پہلوؤں سے حضرت مسیح موعودؑ پر صادق نہیں آتی، مگر ہم اسی کو لیکر عرض کرتے ہیں، کہ اگر ہسپتال میں آنے کے باوجود علاقہ میں مرض بڑھتا جائے، تب تو بے شک ہسپتال اور اس کے بنانے والوں کو ناکام کہہ سکیں گے، لیکن اگر لوگ

ہسپتال میں داخل ہی نہ ہوں، بلکہ دوسروں کو بھی آنے سے روکیں، اور مرض پھیلتا چلا جائے، تو کوئی انصاف پسند بتائے، کہ کیا اس صورت میں بھی ہسپتال اور اس کے بنانے والوں کو ناکام کہا جائیگا؟ ہر عقلمند یہی کہیگا، کہ اس آخری صورت میں ہسپتال اور اس کے بنانے والوں کا کوئی قصور نہیں، بلکہ یہ علاقہ کے لوگوں کی بدبختی ہے، کہ وہ اس سے فائدہ نہیں اُٹھا رہے۔ اور اس وجہ سے نقصان برداشت کر رہے ہیں۔ اور اگر کچھ لوگ اس ہسپتال میں داخل ہو کر شفایاب بھی ہو جائیں، اور وہ دُوسروں کی نسبت مرض سے محفوظ رہیں، تو یہ حالت تو قطعی ثبوت اس بات کا ہوگا، کہ ہسپتال اور اس کے قائم کرنے والے یقیناً کامیاب ہیں اور ان لوگوں کی کم نصیبی میں کوئی شبہ نہیں، جو ہسپتال سے دور بھاگتے ہیں، اور ڈاکٹر کے کہے کو ہذیان قرار دیتے ہیں۔

اگر استدلال کا یہی طریق درست ہے جو مولوی صاحب نے پیش کیا ہے، تو ہم آپ سے یہ دریافت کرتے ہیں، کہ قرآنِ مجید میں اللہ تعالےٰ نے جنّ وانس کی پیدائش کی کیا غرض بتائی ہے، اور نبیوں کی بعثت کا کیا مقصد قرار دیا ہے۔ اور آیا وہ غرض وغایت اور مقصد پورا ہو گیا ہے؟ کیا دنیا میں اکثر لوگ خدا سے غافل اور دور نہیں ہیں، حتیٰ کہ خاتم النبیّین صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت اور اس کے بعد بھی آجتک یہی حال ہے۔ اللہ تعالےٰ خود فرماتا ہے، قَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ پھر کیا کسی دہریہ کا یہ اعتراض درست ہوگا، کہ خدا دُنیا کی پیدائش کے مقصد میں ناکام رہا ہے، اور انبیاء کی بعثت کی غرض وغایت بھی پوری نہیں ہوئی؟ کامیابی وناکامی کا جو معیار مولوی صاحب نے پیش کیا ہے، اس کے پیشِ نظر تو یقیناً یہ اعتراض صحیح ہے۔ کیا مولوی صاحب اس پر کچھ روشنی ڈالیں گے؟

اسلام میں عورت کے حقوق

(از جناب مولوی محمد دین صاحب سابق مبلغ امریکہ)

ذیل میں ہم ایک مضمون کا ترجمہ درج کرتے ہیں، جس سے ناظرین اندازہ کرسکینگے کہ مغربی مبصّرین کی رائے اب اسلام کے متعلق کیا ہو رہی ہے۔ برنرڈ شا کا بیان ہے کہ دُنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔ اس مضمون میں بھی اسلام کے معاشرتی قانون کی فضیلت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

یہ مضمون امریکہ کے رسالہ ایشیا میں شائع ہوا ہے۔ اصل مضمون انگریزی میں ہے اس کا لکھنے والا جس کا نام M. Pierre Crabites ہے ایک ایسا شخص ہے، جو ایک لمبا عرصہ مصر میں مقیم رہا ہے۔ مضمون نگار کوئی معمولی حیثیت کا آدمی نہیں، بلکہ قانون دان اور سرکاری افسر اور گورنمنٹ امریکہ کی طرف سے مصر کی مخلوط عدالتوں میں امریکن جج کی حیثیت سے لمبا عرصہ کام کر چکا ہے۔ عربی سے واقف اور مصر میں اسلامی زندگی کا خوب مطالعہ کئے ہوئے ہے۔ یہ مضمون بھی اس نے قانونی نکتہ نگاہ سے لکھا ہے، اور ہے بھی اسلامی معاشرت کے اس حصّہ کے متعلق جس پر دنیا کا ترقی یافتہ طبقہ اعتراض کرتا رہتا ہے۔ مضمون کو اُردو لباس پہنانے میں لفظی ترجمہ ملحوظ نہیں رکھا گیا، صرف نفسِ مضمون کو مدّنظر رکھکر اسے سادہ الفاظ میں ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس بات کا اہتمام کیا گیا ہے، کہ مفہوم میں سرِمو فرق نہ آئے۔ (مترجم)

آج سے سولہ سال قبل اگر کوئی مجھ سے کہتا کہ حضرت محمد (صلعم) عورت کے حقوق کے سب سے بڑے حامی و محافظ تھے تو میں سمجھتا، کہ مجھ سے دل لگی کی جا رہی ہے، مگر پریذیڈنٹ ٹافٹ نے جب ۱۹۱۱ء میں مجھے جج بنا کر مصر روانہ کیا، تاکہ میں قاہرہ کی مخلوط عدالتوں میں اپنے ملک یعنے امریکہ کی نمائندگی کروں، تو وہاں پہونچ کر مجھے ایک ایسے تمدن سے واسطہ پڑا جو میرے لئے بالکل نیا تھا، اور یہ واسطہ بھی گہرا واسطہ تھا۔ مَیں نے دن رات ایک کرکے اپنے ماحول کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس اثناء میں مجھے ایسے ایسے واقعات معلوم ہوئے جو میرے لئے بالکل نئے اور تعجب انگیز تھے۔ بعض امر ایسے بھی تھے کہ جن سے میرے علم میں بڑی وسعت پیدا ہوئی، اور سب سے بڑھکر یہ کہ بعض ایسی باتیں منکشف ہوئیں جن کو دیکھکر میں متحیّر رہ گیا۔ مختصر یہ کہ جو چیز میرے لئے سب سے زیادہ حیرت کا موجب بنی وہ یہ تھی کہ ۶۳۲ء سے قبل ہی حضرت محمد (صلعم) نے اپنے ملک کی عورتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے وہ کچھ کر دکھایا، جو ریاستہائے متحدہ امریکہ کی ایک ترقی یافتہ ریاست لوزی آنا (Louisiana) کی مجلس واضع قوانین بھی اب تک نہیں کرسکی۔

میرے ہم پہلو ایک مصری جج بھی تھے، جن کا نام راغب بدر پاشا تھا۔ وہ اسلامی شریعت کی اس نمایاں آزادی اور قابلِ قدر فیاضی کی طرف مجھے اکثر توجہ دلاتے رہتے تھے، اور مجھے محسوس ہوتا تھا، کہ ان کو اس سے ایک خوشی اور مسرّت محسوس ہوتی تھی۔ خوش قسمتی سے وہ ابھی تک ججی کے عہدہ پر سرفراز ہیں۔ بے شک وہ فقہ اور علم اصول کے بڑے ماہر تھے، مگر اس تبحر علمی کے پیچھے جو چیز نمایاں طور پر کام کر رہی تھی، وہ ان کا حسنِ فہم تھا، جس میں ظرافت و خوش طبعی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ان کو علم تھا، کہ مجھ میں وہ تمام باتیں موجود ہیں، جو ایک مغربی میں پائی جانی چاہئیں۔ اس لئے انہوں نے پہلے ہی سے فرض کر لیا تھا، کہ مجھے اسلام کی بالکل دھندلی سی واقفیت ہوگی، اور جو

درجہ اسلام نے عورت کو دیا ہے اول تو اس کا مجھے علم ہی نہیں ہوگا، اور اگر ہوا بھی تو بہت ہی مبہم اور دھندلا سا۔ اب جبکہ میں ان تمام باتوں پر دوبارہ غور کرتا ہوں تو مجھے یقین ہو جاتا ہے، کہ اس نیک دل شریف الطبع اور ظرافت پسند انسان کو مجھ پر ایک طبعی لگاؤ ہو گیا تھا، اور وہ چاہتا تھا، کہ وہ مجھے میرے اس نئے دورِ زندگی سے پورے طور پر آگاہ کر دے۔ ہماری پہلی ہی ملاقات میں اس نے مجھے کہا، کہ میں آپ کو اپنے خانگی امور کے متعلق کچھ باتیں بتلا دینا چاہتا ہوں، اور کہا، کہ میں ذاتی طور پر غریب آدمی ہوں، لیکن میری بیوی بہت مالدار ہے۔ اور ساتھ ہی مجھ سے دریافت کرنے لگے، کہ میں تو مجبور ہوں مجھے تو بہر حال ان حالات میں رہنا ہے کیا آپ امریکن اس صورتِ حال کو برداشت کر سکتے ہیں؟ یہ الفاظ انھوں نے آنکھ چمکا کر کہے جن کو میں اس وقت نہ سمجھا۔ ایک دن جبکہ مجھے مصر آئے ابھی زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا، ان کے مکان پر ان سے ملنے کے لئے چلا گیا۔ تین یا چار مصری کاشتکار وہاں موجود تھے، اور راغب بدر پاشا ان کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ایک عربی دستاویز پڑی ہوئی تھی، مجھے دیکھکر فرانسیسی میں فرمانے لگے تشریف لے آیئے۔ جب میں بیٹھ گیا تو مروجہ مزاج پرسی و تواضع کے بعد کہا، کہ یہ جو فلاحین یا کاشتکار آپ دیکھتے ہیں، یہ میری بیوی کی زمین اجارہ پر لینا چاہتے ہیں۔ مجھے اپنی بیوی کی طرف سے مختار نامہ حاصل ہے۔ ان کاشتکاروں نے اجارہ کے کاغذات پُر کئے ہوئے ہیں، اور وہ مجھ سے چاہتے ہیں، کہ میں بحیثیت مختار کے ان پر دستخط کر دوں۔ بے شک مختار نامہ تو مجھے حاصل ہے۔ مگر ان کو معلوم نہیں، کہ میں اصل مالک کی مرضی معلوم کئے بغیر کچھ نہیں کیا کرتا۔ اور جب تک کہ پوری تفصیل سے ان کو مطلع نہ کر لوں، میں ایسے کاغذات پر دستخط نہیں کرونگا بحیثیتِ مختار ان کو مجھ پر پورا اعتماد بھی ہے۔ مگر میری عادت یہی ہے، کہ جب تک ان کی منظوری نہ لے لوں، میں اس قسم کا کام نہیں کیا کرتا۔ یہ باتیں انہوں نے

ایسے اخلاص اور سچائی سے کیں، کہ مجھ پر گہرا اثر ہوا۔ لیکن مجھے یقین نہ آتا تھا، میرا دل کہتا تھا، کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا، کہ خاوند کو اپنی بیوی کی جائداد پر اختیار نہ ہو، اور جس طرح اس کا جی چاہے اس کے ساتھ نہ کرے۔ بالخصوص اس صورت میں کہ خاوند مسلمان ہو، اور مسلمانوں کے متعلق میرے پہلے خیالات تو یہی تھے، کہ ان کے ہاں عورت کی کوئی قدر و منزلت نہیں۔ عورت ان کے ہاں محض اثاثۃ البیت سمجھی جاتی ہے۔ نیز ہمارے مغربی ممالک میں بھی جو انتہا درجہ کے ترقی یافتہ سمجھے جاتے ہیں، عورت کی جائداد کا مالک بھی اس کا خاوند ہی سمجھا جاتا تھا۔ اس لئے مجھے وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا، کہ عورت کے بھی کوئی حقوق ان مسلمانوں میں ہو سکتے ہیں۔ مگر جس وثوق کے ساتھ میرے مصری دوست نے مجھ سے گفتگو کی، اس نے مجھے تحریک کی، کہ میں اپنے طور پر اس قانون کا مطالعہ کروں۔ اس کے لئے میں نے اپنے ایک انگریز دوست سے مشورہ کیا۔ یہ صاحب بھی ان مخلوط عدالتوں کے ججوں میں سے ایک جج تھے، جن کے ساتھ مجھے ملکر کام کرنا پڑتا تھا۔ میں نے ان سے یہ تمام واقعہ بیان کر کے اپنے شبہات عرض کر دیئے۔

یہ میرے انگریز دوست ایک ایسی شخصیت کے مالک تھے، کہ جو شخص بھی ان سے ایک دفعہ ملا وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جونہی کہ انہوں نے مجھ سے میری داستان سنی وہ اپنی ہنسی کو ضبط نہ کر سکے۔ وہ فرمانے لگے، کہ راغب بہت ہی ہوشیار آدمی ہے، لیکن بڑے ہی کھرے دل والا۔ جہاں تک میرا خیال ہے، زمین کی اجارہ داری کا معاملہ محض ایک تماشا تھا، جو آپ کے دکھانے کے لئے کھڑا کر دیا گیا۔ ان کو معلوم ہوتا ہے، کہ آپ کے آنے کا علم ہو گیا تھا۔ اس لئے آپ پر پوری حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ کھیل انہوں نے کھڑا کر دیا تھا۔ ان کو اچھی طرح علم ہے کہ تمام یورپین اور امریکن ایک بہت بڑی غلط فہمی کا شکار رہیں، کہ مسلمان عورتوں کے کوئی حقوق نہیں ہوتے اور مسلمان عورتیں گھر کی دوسری جائداد کی طرح ایک جائداد کا حصہ شمار ہوتی ہیں۔ ان کا منشا اس

تمام تماشہ سے یہی معلوم دیتا ہے، کہ آپ اس نئے ماحول سے بخوبی واقف ہوجائیں۔ ان کو آپ سے محبت ہے، جس کا انہوں نے مجھ سے بھی ذکر کیا تھا۔ ان کا ذہن بہت ہی عملی رنگ کا واقع ہوا ہے، وہ تجربہ اور مشاہدہ سے آپ پر وہ حقیقت کھولنا چاہتے ہیں، جن سے آپ ناواقف ہیں۔ انہوں نے جو ایک مصنوعی افسانوی ڈھانچہ بنا کر آپ کے سامنے لا کھڑا کیا ہے، وہ ایک بڑی سچی حقیقت پر مبنی ہے۔

نتیجہ اس کا یہ ہوا، کہ مجھے تحقیق کا شوق پیدا ہوا، اور میں نے چاہا، کہ مجھے مزید علمی واقفیت پیدا ہوجائے۔ میں نے اسلامی شریعت کا گہرا مطالعہ شروع کر دیا۔ اگرچہ اس قانون کا میرے فرض منصبی کے ساتھ کوئی براہِ راست تعلق تو نہ تھا تاہم آتش شوق نے مجھے مجبور کیا، کہ میں اس کو کافی وقت دوں۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مجھے اتنی واقفیت ہوگئی کہ اسلامی شادی ایک معاہدہ ہے جس کی شرائط فریقین کی رضامندی پر موقوف ہیں۔ اس معاہدہ کی تصدیق قاضی یا مجسٹریٹ کے سامنے ہونی چاہیئے۔ خاوند پر یہ بھی فرض ہے، کہ مہر کا کچھ حصّہ اپنی بیوی کو کسی رنگ میں شادی سے قبل ضرور ادا کرے۔ کسی اور رسم کی ضرورت نہیں۔ اسلامی نکاح فریقین کے درمیان صرف ایک معاہدہ ہے۔ اور یہ معاہدہ صرف عدالتی تصدیق سے مکمل ہوجاتا ہے۔ بظاہر بالکل آسان اور صاف بات ہے، کوئی اینچ پیچ نہیں، مگر ہر ایک پہلو سے معنی خیز ہے۔

اسلام میں شادی ایک معاہدہ ہے، جس میں فریقین کو اختیار ہے، کہ اپنی جو شرط چاہیں منوالیں، اور معاہدہ میں درج کرالیں۔ یہ جان کر میں تو حیران سا رہ گیا۔ یورپ و امریکہ میں دستور ہے، کہ میاں بیوی کے قریبی رشتہ دار آپس میں ملکر فیصلہ کیا کرتے ہیں، کہ کس حد تک مالی معاہدہ دولہن کے جہیز وغیرہ کے لئے مکتفی ہوگا۔ مگر یہاں اسلام میں تو معاہدۂ شادی کو کلیسا یا عدالت سے باہر نکال کر محض فریقین کی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ اسلام میں کلیسا کوئی شے ہی نہیں۔ عدالت نے محض تصدیق کر دینی ہے، کہ میاں بیوی

فلاں فلاں شرائط پر راضی ہو گئے ہیں، مشہور مقولہ ہے، کہ "میاں بیوی راضی کیا کریگا قاضی" یہاں تو شادی کے شرائط میاں بیوی وضع کر رہے ہیں۔ یہ ہے وہ نتیجہ جس تک میرا مطالعہ مجھے لے گیا۔ اور مَیں صاف دیکھ رہا تھا کہ اصل متن قانون سے یہی نتیجہ مترشح ہوتا ہے میں نے مناسب سمجھا، کہ اپنے اس مطالعہ کے نتیجے کو شیخ منصور نصر کے سامنے پیش کروں، اور دیکھوں کہ وہ کیا کہتے ہیں۔ یہ بزرگ ایک بہت بڑے جیّد عالم و فقیہہ تھے۔ انہی کی وساطت سے میں نے مصر اور اہلِ مصر کے علمی کمال سے کچھ حد تک واقفیت حاصل کی تھی۔ ایسے وسیع القلب و فراخ دل آدمی سے ملنے کا مجھے بہت کم اتفاق ہُوا ہے۔ وہ صرف ایک زبان بولتے تھے۔ اور یہ زبان ایک محبت کی آواز تھی جو خالص عربی میں وہ ادا فرماتے تھے۔

جب مَیں نے اس بزرگ سے اپنے اس لمبے مطالعہ کے نتیجہ کا ذکر کیا۔ جس نتیجہ نے میرے سامنے نئے خیالات کا ایک وسیع سمندر پیدا کر دیا تھا۔ تو شیخ منصور نصر نے اپنی کرسی کھینچکر میرے ڈیسک سے اور قریب کر لی، اور کہا، کہ آپ بالکل فکر نہ کریں، کہ آپ کوئی انوکھی بات کہہ رہے ہیں۔ آپنے اس بزرگ نبی (صلعم) کی تعلیم کی روح کو بھانپ لیا ہے، کہ وہ کس قدر حق و حکمت پر مبنی ہے۔ آنحضرت (صلعم) نے یہ معاہدہ اس لئے مقرر کیا ہے، کہ ہر والد اپنی لڑکی کے حقوق کی پوری طور پر حفاظت کر سکے۔

سخت گرمی کا دن تھا۔ جس دن کا یہ واقعہ ہے۔ آبلے ڈالنے والی خمسین (ہوا) چل رہی تھی، جس کے ساتھ اُڑتی ہوئی ریت کا طوفان چلا آرہا تھا۔ مَیں نے تمام کھڑکیاں اور دروازے وغیرہ بند کر رکھے تھے۔ شیخ منصور اپنی گفتگو کے جوش اور فصاحت بیانی میں محو ہو کر اس گرمی سے بالکل بے پرواہ ہو رہے تھے، اور مَیں فرطِ خوشی سے اس کے ایک ایک لفظ کو گویا پی رہا تھا۔ میرے بزرگ و واجب التعظیم شیخ منصور فرمانے لگے، کہ آپ کو معلوم ہے، کہ ہمارے شہروں میں تعدد ازدواج کا رواج عملاً مفقود ہو چکا ہے، مگر

دیہات کے غلاحوں اور کاشتکاروں میں ابھی تک اس کا رواج ہے۔ آپ کے ممالک میں کاشتکار عام طور پر کثیر الاولاد ہوتے ہیں، اور یہاں کثیر الازدواج۔ دونوں کو کاشتکاری میں امداد کی ضرورت ہے۔ قاہرہ اور اسکندریہ میں اکثر والدین ایسے ملیں گے، جو اپنے داماد کے لئے کثرت ازدواج پسند نہیں کرتے۔ اس لئے وہ نکاح کے وقت معاہدہ میں یہ شرط لکھوا لیتے ہیں، کہ دوسری شادی کی صورت میں پہلی بیوی کو حق حاصل ہوگا، کہ وہ نکاح فسخ کر دے۔ آنحضرت (صلعم) نے دراصل ایسا ہی سوچا تھا، کہ خاوند کسی طور پر اپنی بیوی پر ظلم نہ کر سکے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے، کہ لڑکے کے والدین یا مشیر کار، اگر ضرورت سمجھیں، تو اس قسم کا معاہدہ پہلے سے لکھوا لیں۔

حضرت محمد (صلعم) نے دو باتوں پر بہت زور دیا ہے، جن سے عورت کے حقوق کی حفاظت اور بھی مستحکم ہو جاتی ہے۔ پہلے تو آپ نے عدالت کے لئے یہ ضروری قرار دیا، کہ وہ دیکھ لے، کہ مہر کی رقم معقول ہے، یا نہیں، اس لحاظ سے بھی، کہ خاوند کی آمدنی کیا ہے، اور اس لحاظ سے بھی، کہ عورت کی حیثیت کیا ہے، اور سوسائٹی میں اس کے خاندان اور اس کی ذات کا کیا رتبہ ہے۔ اور ساتھ ہی آنحضرتؐ نے یہ طریق شروع کر دا دیا، کہ نکاح کے وقت کچھ رقم مہر کی خاوند ادا کر دے۔ اس کا دوسرے لفظوں میں یہ مطلب تھا، کہ جب مرد کسی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے، یا بالفاظ دیگر وہ محبت کے جذبات کے ماتحت اپنی طبیعت کو بہت ہی وسیع اور فراخ پاتا ہے، اور فیاضی کا اس پر اس وقت غلبہ ہوتا ہے، اس وقت اسے وہ رقم مقرر کرنی پڑتی ہے، جو اُسے طلاق وغیرہ کی صورت میں ادا کرنی ضروری ہوتی ہے اور یوں بھی مہر کی ادائیگی فرض ہے، خواہ طلاق ہو یا نہ ہو۔ اور چونکہ اس امر کا تعلق نظام و انتظام سلطنت کے ساتھ متعلق ہے، تاکہ رعایا کے حقوق تلف نہ ہوں، اس لئے سیاست مدن کے ماتحت مجسٹریٹ کا فرض ہے کہ وہ دیکھے آیا مہر کافی اور مناسب ہے یا نہیں۔ کچھ رقم پیشگی ادا کرنے کی رسم بھی عورت کے حقوق کی حفاظت میں بہت مد ہے، کیونکہ انسان

طلاق صرف اسی وقت عام طور پر دیتا ہے۔ جبکہ اس کے ذہن میں یہ ہوتا ہے، کہ اس کو چھوڑ کر کسی دوسری سے شادی کرونگا۔ اس لئے جب تک کہ وہ پہلی کے حقوق کی ادائگی سے پورے طور پر فارغ نہیں ہولیتا، وہ دوسرے نئے حقوق اور غالباً پہلے سے زیادہ بھاری اپنی گردن میں ڈالنے کے لئے بخوشی طیار نہیں ہوسکتا۔

ہاں سوال پیدا ہوسکتا تھا۔ کہ عورت کو پہلے خاوند کی موجودگی میں دوسرے خاوند کی اجازت نہیں۔ مگر مرد ایک سے زیادہ عورتیں چار تک کی تعداد میں کرسکتا ہے۔ اس طرح بظاہر مرد کو ایک خاص امتیاز دیا گیا ہے۔ نیز طلاق کی صورت میں عورت کو عدت کا عرصہ بھی پورا کرنا ہوتا ہے۔ مَیں نے یہ معاملہ اپنے بزرگ شیخ کے سامنے رکھا، کیونکہ مجھے معلوم تھا، کہ ان کی طبیعت نہایت انصاف پسند واقع ہوئی ہے۔ ان کا جواب نہایت ہی عجیب تھا، انہوں نے کہا، کہ اس کا الزام نبی کریم (صلعم) پر نہیں یہ سب کچھ اللہ کا فیصلہ ہے
اِلْزَامُ هٰذَا لَيْسَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَلْ كُلُّ هٰذَا اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖ - مَیں نے کہا، آپ معموں میں بات نہ فرماویں، ذرا زیادہ وضاحت سے کام لیں۔ مَیں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا۔ تب شیخ نے نظر اُٹھا کر چاروں طرف دیکھا اور پھر دبی آواز میں کچھ کہا۔ معلوم ہوتا تھا، کہ وہ کسی وجہ سے ہچکچا رہے تھے، اور ان کی ہچکچاہٹ کا باعث ان کی فطری نجابت، نظافت او شرافت تھی، جو اس قسم کی باتیں علانیہ زبان پر لانے سے روک رہی تھی۔ مگر میری آنکھوں سے التجا ٹپکتی دیکھکر آہستہ آہستہ الفاظ ان کی زبان پر آنے شروع ہوئے، اور آپ نے فرمایا، کہ بچے کے حقوق ماں پر بھی مقدم ہیں۔ وہ اپنی مرضی سے دُنیا میں نہیں آتا۔ اس کو کم از کم یہ حق حاصل ہے، کہ وہ دریافت کرے، کہ اس کے ماں باپ کون ہیں۔ تعدد ازدواج میں کم از کم اولاد کو یہ تو صحیح طور پر علم ہوسکتا ہے، کہ ان کا باپ کون ہے لیکن ایک عورت کے کئی خاوند ہونے کی حالت میں پتہ نہیں چل سکتا، کہ بچے کا اصل باپ کون ہے۔ کیا آپ یہ پسند کرینگے کہ ایک

عورت تمام خاوندوں کو اکٹھا کرکے کہے، کہ دیکھو صاحبو! میں حاملہ ہوچکی ہوں، آپ تمام آپس میں ملکر فیصلہ فرمالیں، کہ پیدا ہونے والے بچے کا باپ کون ہوگا۔ نہیں نہیں ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ یہ الٰہی مشیّت کے خلاف ہے۔

بے شک اس قسم کے دلائل کا جواب تو یہ ہوسکتا تھا، کہ اگر حقیقی مساوات مرد و عورت میں قائم رکھنی ہو، تو پھر ایک میاں اور ایک ہی بیوی کا اصول ہی ٹھیک رہے گا۔ لیکن مجھ میں یہ جرأت نہ تھی، کہ یہ بات میں بر ملا شیخ کو کہتا۔ کیونکہ مجھے علم تھا، کہ بائبل کے وسیع مطالعہ والے عالم مارٹن لوتھر نے فلپ نواب ہیس کو باقاعدہ طور پر مشورہ دیا تھا، کہ نئے عہدنامہ کے رُو سے تعدد ازدواج منع نہیں ہے۔ اس واسطے میں نے یہی مناسب سمجھا، کہ میں اپنی زبان بند رکھوں، کیونکہ مجھے خوف تھا کہ مشرقی علماء مغرب کے گھر کے حالات سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔

الغرض حضرت محمد (صلعم) نے جو عورت پر نمایاں احسان کیا، وہ یہ تھا، کہ اس کا علیحدہ حقِ جائداد تسلیم کیا، جس کے رُو سے ہر ایک زوجہ اپنی مستقل جائداد کی واحد مالک قرار دیدی گئی۔ جہانتک قانونِ وراثت کا تعلق ہے، عورت مرد کے ہم پلّہ ہے۔ مسلم عورت اپنی جائداد کے سیاہ و سفید کے متعلق ایسی ہی آزاد ہے، جیسے کہ ایک آزاد پرند ہوا میں۔ وہ اپنی مرضی سے بغیر اپنے خاوند کے استصواب و مشورہ کے جب بھی اور جس طرح بھی چاہے اپنی جائداد و اموال و املاک کو خرچ کرسکتی ہے۔ ان معاملات میں اس کے خاوند کا صرف اتنا ہی تعلق ہے، جتنا ایک اجنبی کا۔ میں اس مضمون کے شروع میں ذکر کر آیا ہوں، کہ مرد اپنی بیوی کا مختار بن سکتا ہے۔ لیکن یہ اختیار وہ زید عمر بکر جس کو چاہے تفویض کرسکتی ہے۔ اور اس کا خاوند اس پر ذرا چون و چرا نہیں کرسکتا۔ وہ اپنی مرضی سے بذاتِ خود یا کسی غیر شخص کی معرفت جس کو وہ خود بخود چُن لے، اپنی جائداد املاک و اموال جسے چاہے دیدے، یا فروخت کرکے رقم اپنی جیب میں ڈال لے، اور اس کا خاوند مُنہ دیکھتا رہ جائے۔ اور تو اور بر خلاف

مغربی دستور کے عورت مجبور نہیں ہے، کہ اپنے خاوند کے نام میں شامل ہو جائے۔ وہ اپنا علیحدہ نام برقرار رکھ سکتی ہے۔ ایک لڑکی جس کا نام عائشہ بنت عمر ہے، وہ خواہ دس دفعہ بھی شادی کرے، لیکن وہ عائشہ بنت عمر ہی کہلائیگی، اور اس کا نام اپنے خاوند کے نام میں کبھی مدغم نہیں ہوگا، اس کی اپنی شخصیت بہر حال برقرار و قائم ہے، وہ مغربی چاند نہیں، جو سورج کی روشنی منعکس کر کے روشن ہوتا ہے، بلکہ وہ ایک علیحدہ سورج ہے جس کا اپنا علیحدہ نام اور جداگانہ مستقل قانونی ہستی ہے۔

میں یہاں نقاب، حرم، خواجہ سرائے، حرم سرائے اور انجام کار کی دلشکن مایوسی کا ذکر کرنا غیر ضروری سمجھتا ہوں۔ میرا مضمون یہاں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ میں یہاں اس آدمی کا ذکر کر رہا ہوں، جس کو فوت ہوئے تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے، جس نے اسلام کو آٹھ سو سال قبل از دریافت امریکہ شراب و دیگر منشیات سے بالکل آزاد کر دیا۔ جس نے دنیا کے ایک بہت بڑے علاقہ کو عملاً شراب سے نجات دی۔ امریکہ جیسے ملک کو شراب خور کولمبس نے آٹھ سو سال اس کی وفات کے بعد دریافت کر کے ایسا شراب خور بنا دیا، کہ ملک کی گورنمنٹ باوجود انتہائی کوشش کے شراب خوری مٹانے میں ناکام رہی ہے، امریکہ میں ممانعتِ شراب سے مراد حقیقی ممانعت شراب نہ تھی، محض نسبتی ممانعت تھی، مگر امریکہ اس میں بھی کامیاب نہیں ہو سکا۔ مگر اس عظیم شخصیت نے اسلام میں شراب سے خالص اور کلی نفرت پیدا کر دی۔ یہ وہ شخصیت ہے، جس نے کم از کم عورت کی علیحدہ اور مستقل ہستی امریکہ کی پہلی ریاست سے جس نے اس معاملہ میں قدم اٹھایا، گیارہ بارہ صدیاں پہلے سے قائم کر دی۔ ورنہ اس سے قبل اور اب تک تمام مغربی ممالک میں عورت کا وجود مرد کے وجود میں مدغم اور اس کی جائداد مرد کی جائداد متصوّر ہوتی تھی۔ اس لئے میرے سامنے اس بات کا بیان کرنا فضول ہے، کہ مسلمانوں میں عورت محض دودھ پلانے کی مشین ہے، یا وہ رُوحِ انسانی سے خالی و عاری ہے۔

یا اس کی رُوح اس کی ذاتی ملکیت نہیں ہے، اور یہ کہ مرد اس کا آقا و مالک ہے۔ مَیں یہاں موجودہ مجلسی حالات کے متعلق بحث نہیں کر رہا، مَیں تو ایک مقنّن کے کارنامے کو بیان کر رہا ہوں، اور اس قانونی عمارت کا نقشہ دکھلا رہا ہوں، جو اس نے بنایا۔ اگر کوئی مجبور کرے، تو مَیں اس امر کے لئے بھی تیار ہوں، کہ عملی طور پر دکھلا دوں، کہ کس طرح مؤثر اختیارات عورت کو سونپے گئے ہیں۔ اگر مجھے کوئی اس امر کے متعلق چیلنج کرے، تو مَیں ہر ایک ایسے شخص کو، مرد ہو یا عورت چیلنج دینے کے لئے طیار ہوں، کہ پیشتر اس کے کہ وہ اسلام کے خلاف آواز اُٹھائے، مجھے واضح طور پر بتلائے، کہ آیا اس کی اپنی ریاست و سلطنت میں عورت کو کوئی ایسے حقوق بھی حاصل ہیں، جو قانونی طور پر اسلام کے مقرر کردہ قوانین سے لگا بھی کھا سکتے ہیں۔ اگر مَیں یہ مطالبہ کروں، تو مَیں حق بجانب ہونگا، میرا خیال ہے، کہ بہت ہی تھوڑی ریاستیں نکلیں گی، جو اس مطالبہ پر پوری اُتر سکیں۔ پھر اگر وہ اس محک پر پوری بھی اُتر آئیں، اور یہ ہفت خوان طے بھی کر لیں، تو پھر میں کہوں گا، کہ اپنے اپنے ثبوت لیکر میری عدالت میں حاضر ہوں، وہاں مَیں ان کو ایسی ایسی برقعہ پوش عورتوں سے سامنا کراؤ دونگا، جن کے گودے ہوئے بازو، ناکوں میں چھلّے، مکھیوں سے بھرے ہوئے بچے ان کے کاندھوں پر بغیر کسی وکیل یا حمایتی و مددگار عدالت کے سامنے کھڑی ہیں، اور اپنے حقوق کے تحفّظ میں اس وثوق سے بات کر رہی ہیں، اور اس قدر روانی و اقتدار ان کو اپنی زبان اور کلام پر ہے، کہ ہر ایک دیکھنے والا اور سُننے والا عش عش کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ یہ سارا زور اس حق کی وجہ سے ہے، جس کو وہ بخوبی سمجھتی ہیں، اور جس کو کوئی عدالت اور کوئی وکیل ردّ نہیں کر سکتا۔ اگر یہ نظارہ بھی میرے معترضین کے لئے کافی طور پر تشفّی بخش نہ ہو، تو پھر میں کہوں گا، کہ وہ کسی ایسے آدمی کی وساطت سے پتہ لگائیں، جس پر انہیں کلّی اعتماد ہو، کہ کس نے اس چنگاری کو سب سے پہلے سلگایا۔ جس کی وجہ سے انگلینڈ کی پوزیشن مصر میں خطرے میں

پڑ گئی ہے۔ (یہ مصر کی جدّ وجہد آزادی کی طرف اشارہ ہے) کس نے اس شعلے کی بھڑک کو مدھم نہیں ہونے دیا۔ اس قسم کے سوال کا جواب صرف ایک ہی ہے، اور وہ یہ ہے، کہ مسلمان عورت کو اس قسم کا تیز محرک بنانے میں اسی کامل شخصیت کا ہاتھ ہے، جس نے تیرہ صد سال پہلے عورت کے لئے ہمیشہ کے لئے ایک امتیاز طیار کر دیا۔ مختصراً حقوق سے ذمہ واری پیدا ہوئی۔ ذمہ واری سے قیادت۔ اور قیادت ہمیشہ سامنے آجایا کرتی ہے۔ یہ حضرت محمد (صلعم) کی دُور بین، تیز اور نہ غلطی کرنے والی بصیرت تھی، جو اس امر کو بھانپ گئی تھی، کہ جائیداد و املاک میں عورت کے مستقل حقوق قائم کر کے عورت اپنی مستقل ہستی کو قائم رکھ سکیگی۔ اور چونکہ تمام جھگڑے املاک و جائیداد وغیرہ سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اس لئے عورت کو مستقل حیثیت دیکر مرد کے بالکل ہم پلّہ کھڑا کر دیا۔ یہ آنحضرت (صلعم) ہی تھے، جنہوں نے عورت کی قانونی شخصیت کو عدم سے وجود بخشا۔ آپ (صلعم) ہی نے اس کے ہاتھ میں یہ زبردست عصا دیدیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا حقیقی مقام

(از جناب پیر اکبر علی صاحب وکیل فیروز پور)

آج ۲۸ جولائی ۱۹۴۰ء کو بذریعہ ڈاک مولوی محمد علی صاحب کا شائع کردہ ایک دو ورقہ ٹریکٹ بعنوان "قادیانی اصحاب سے حضرت مسیح موعود (علیہ السلام) کے دعوٰے نبوت کے متعلق دو سوال" مجھے ملا۔ اتفاق حسنہ ہے، کہ میرے زیر مطالعہ آج حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کی کتاب تجلیاتِ الٰہیہ تھی۔ اس دو ورقہ کے صفحہ ۳ پر بھی تجلیاتِ الٰہیہ کے حاشیہ مندرجہ صفحہ ۸ کا حوالہ دیا گیا ہے۔ چنانچہ میں نے دو دفعہ اس کتاب کو نہایت غور سے پڑھا، تو مجھے حضرت اقدس کے دعوٰے نبوّت کی صداقت پر اور اس بارہ میں اپنے عقیدہ پر اس قدر یقین، تسلّی اور تشفی حاصل ہوئی، کہ میں اسے بیان نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کا ایک حصہ (۱۳ صفحات تک) یقینی طور پر ۲۸ فروری ۱۹۰۶ء کے بعد تحریر ہوا، اور باقی حصہ ۱۵ مارچ ۱۹۰۶ء کو یا اُس کے بعد۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحبؑ اس کتاب میں اپنے دعوٰے نبوت کے متعلق اور اپنے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کے متعلق کیا فرماتے ہیں۔

حضور صفحہ ۵ میں فرماتے ہیں:۔ "مگر خدا فرماتا ہے، مَیں سب کو شرمندہ کرونگا، اور کسی دوسرے کو یہ اعزاز ہرگز نہیں دونگا۔ .... مَیں ان سب کو شکست دُونگا، اور مَیں اس کا دشمن بن جاؤنگا، جو تیرا دشمن ہے۔ اور وہ فرماتا ہے، کہ اپنے اسرار کے اظہار کے لئے مَیں نے تجھے ہی برگزیدہ کیا ہے، ...... اور تُو مجھ سے

ایسا ہے جیسا کہ میرا عرش۔ اسی کے مطابق قرآن شریف میں یہ آیت ہے، جو خدا کے برگزیدہ رسولوں کو غیروں سے ممتاز کرتی ہے، لَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ، یعنے کھلا کھلا غیب صرف برگزیدہ رسول ہی کو عطا کیا جاتا ہے، غیر کا اس میں حصہ نہیں۔ سو ہماری جماعت کو چاہیئے، کہ ٹھوکر نہ کھائیں، اور ان غیروں کو جو میرے مقابل پر ہیں اور میری بیعت کرنے والوں میں داخل نہیں ہیں، کچھ بھی چیز نہ سمجھیں، ورنہ خدا کے غضب کے نیچے آ جائینگے"۔

اس عبارت میں حضور نے اپنے آپ کو رسول کے لفظ سے بیان کیا ہے، اور اس امر کو بھی کھول کر بیان کر دیا ہے، کہ جو حضور کے مقابل پر ہیں، اور بیعت کرنیوالوں میں نہیں، وہ کچھ بھی چیز نہیں، اور جو ان کو کچھ چیز سمجھتا ہے، وہ خدا تعالےٰ کے غضب کے نیچے ہے۔ مولوی صاحب کو اس عبارت پر غور کر کے دیکھنا چاہیئے، کہ کیا ان کا مسلک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صریح خلاف نہیں ہے؟

پھر حضور صفحہ ۶ میں فرماتے ہیں:-

"خدا سچے ایمانداروں کو آزماتا ہے، کہ کیا وہ غیر کو وہ وقعت اور عزت دیتے ہیں، جو خدا اور اس کے رسول کو دینی چاہیئے، اور دیکھتا ہے، کہ کیا وہ اس سچائی پر قائم ہیں یا نہیں جو اُن کو دی گئی"۔

مولوی صاحب! وہ کونسی سچائی ہے، جو جماعت احمدیہ کو دی گئی؟ اور پھر جماعت احمدیہ میں یہ کس کی کوشش ہے، کہ غیروں میں جذب ہو جاوے؟

آگے چلکر صفحہ ۸ میں، جس کا حوالہ آپ نے بھی دیا ہے، اس لئے خیال ہے کہ آپ نے اُسے ضرور غور سے پڑھا ہوگا، حضور فرماتے ہیں:-

"مگر اصل بات یہ ہے، کہ نبی عذاب کو نہیں لاتا، بلکہ عذاب کا مستحق بن جانا اتمام حجت کے لئے نبی کو لاتا ہے، اور اس کے قائم ہونے کے لئے ضرورت کو پیدا

کرتا ہے۔ اور سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں "۔

پھر اس کی تائید میں آیت شریفہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا پیش کی ہے۔ اس کے بعد طاعون اور زلزلوں کے عذابوں کا ذکر کر کے صفحہ ۹ میں فرماتے ہیں:۔

"اے غافلو! تلاش تو کرو، شاید تم میں کوئی نبی قائم ہو گیا ہے۔ جس کی تم تکذیب کر رہے ہو۔ . . . . . بغیر قائم ہونے کسی مرسل الٰہی کے یہ وبال تم پر کیوں آ گیا۔ آخر کچھ بات تو ہے کیوں تلاش نہیں کرتے، اور تم کیوں اس آیت موصوفہ بالا میں غور نہیں کرتے جو خدا تعالیٰ فرماتا ہے، وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ یعنے ہم کسی بستی پر غیر معمولی عذاب نازل نہیں کرتے، جب تک ان پر اتمام حجت کے لئے ایک رسول نہ بھیج دیں"۔

مولوی صاحب! خوف کا مقام ہے، ایسا نہ ہو، آپ خدا کے الزام کے نیچے آ جائیں۔ صفحہ ۸ کے حاشیہ میں حضرتؑ نے لفظ نبی کی تشریح اس طرح فرمائی ہے:۔

"نبی کے لفظ سے اس زمانہ کے لئے صرف خدا تعالیٰ کی یہ مراد ہے، کہ کوئی شخص کامل طور پر شرف مکالمہ و مخاطبہ الٰہیہ حاصل کرے، اور تجدید دین کے لئے مامور ہو۔ یہ نہیں، کہ وہ دوسری شریعت لاوے۔ کیونکہ شریعت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی پر نبی کے لفظ کا اطلاق بھی جائز نہیں جب تک کہ اس کو امتی بھی نہ کہا جائے۔ جس کے یہ معنے ہیں، کہ ہر ایک انعام آنحضرتؐ کی پیروی سے پایا، نہ براہِ راست"۔

مولوی صاحب! آپ کے جملہ اعتراضات کا جواب اس عبارت میں موجود ہے۔ انعام سے مراد اس جگہ صاف طور پر شرف مکالمہ مخاطبہ یعنی نبوت ہے، فرق صرف طریق حصول کا ہے، کہ یہ انعام نبوت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے ملا ہے، نہ براہِ راست۔

پھر زلزلوں کا ذکر کر کے صفحہ ۱۲ میں فرماتے ہیں:۔
"آپ لوگ سمجھ سکتے ہیں، کہ کوئی علم طبقات الارض کا اس تصریح اور تفصیل کو بتلا نہیں سکتا۔ بلکہ وہ خدا جو زمین اور آسمان کا خدا ہے، وہ اپنے خاص رسولوں کو یہ اسرار بتلاتا ہے، نہ ہر ایک کو، تا دُنیا کے لوگ کفر او رانکار سے بچ جائیں، اور تا وہ ایمان لائیں، اور جہنم کے عذاب سے نجات پائیں"۔

مولوی صاحب! حضرت صاحب فرماتے ہیں، کہ مجھ پر ایمان لانا جہنم کے عذاب سے نجات دلاتا ہے، مگر آپ کا عقیدہ ہے، کہ ایسا نہیں، بلکہ ماننا نہ ماننا یکساں ہے، کوئی فرق نہیں۔

پھر صفحہ ۱۳ میں فرماتے ہیں:۔
"آج مَیں نے وہ پیشگوئی جو پانچ زلزلوں کے بارے میں ہے بتصریح بیان کردی ہے، تا تم پر حجت ہو، اور تا تمہاری گمراہی پر موت نہ ہو، ...... خدا کسی قوم پر ایسے سخت عذاب نازل نہیں کرتا، اور نہ کبھی اس نے کئے، جب تک اس قوم میں اس کی طرف سے کوئی رسول نہ آیا ہو، ...... تلاش کرو وہ کون ہے۔ ...... اس شخص کو تلاش کرو کہ وہ تم میں موجود ہے، اور وہ یہی ہے جو بول رہا ہے"۔

اور آگے چل کر صفحہ ۲۰ و ۲۱ میں فرماتے ہیں:۔
"اگر یہی حال ہے، تو کسی نبی کی نبوت قائم نہیں رہ سکتی۔ ..... مَیں اب بھی اس بات کے لئے حاضر ہوں، کہ ان کے لغو اور بیہودہ شبہات کا جواب دوں، اور ان کو دکھلاؤں، کہ کس قدر خدا نے ایک فوج کثیر کی طرح میری شہادت میں پیشگوئیاں مہیا کر رکھی ہیں، جو ایسے طور سے ان کی سچائی ظاہر ہوئی ہے، جیسا کہ دن چڑھ جاتا ہے۔ یہ نادان مولوی اگر اپنی آنکھیں دیدہ دانستہ بند کرتے ہیں، تو کریں، سچائی کو اس سے کیا نقصان؟"

اور صفحہ ۲۲ میں فرمایا:۔

"میرے سلسلہ کو تمام زمین میں پھیلائے گا، اور سب فرقوں پر میرے فرقے کو غالب کرے گا۔ اور میرے فرقے کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کرینگے، کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کی رُو سے سب کا مُنہ بند کر دینگے۔ .....
اور یہ سلسلہ زور سے بڑھے گا، اور پھولیگا، یہانتک کہ زمین پر محیط ہو جاویگا۔"

مولوی صاحب! حضور اپنے سلسلہ کو دوسرے سلسلوں سے جُدا کرتے ہیں، مگر آپ دوسروں میں جذب ہونا چاہتے ہیں۔ فرمایئے! آپ کے پاس وہ کونسے دلائل ہیں، جن سے آپ دوسروں کا مُنہ بند کرینگے۔ آپ تو سرے سے سلسلہ کی علیحدگی کے ہی مخالف ہیں۔

پھر صفحہ ۲۵ و ۲۶ و ۲۷ میں فرماتے ہیں:۔

"کیا اس قدر غیب کا موج در موج ظاہر ہونا، کسی مفتری کے کاروبار میں ممکن ہے؟ مَیں اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں، کہ جیسا کہ اس نے ابراہیم سے مکالمہ مخاطبہ کیا، اور پھر اسحٰق سے، اور اسمٰعیل سے، اور یعقوب سے، اور یوسف سے، اور موسٰے سے، اور مسیح ابن مریم سے، اور سب کے بعد ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہمکلام ہوا، کہ آپ پر سب سے زیادہ روشنی اور پاک وحی نازل کی، ایسا ہی اس نے مجھے بھی اپنے مکالمہ مخاطبہ کا شرف بخشا، مگر یہ شرف مجھے محض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوا۔ اگر مَیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی امت نہ ہوتا، اور آپؐ کی پیروی نہ کرتا، تو اگر دُنیا کے تمام پہاڑوں کے برابر میرے اعمال ہوتے، تو پھر بھی میں کبھی یہ شرف مکالمہ مخاطبہ ہرگز نہ پاتا۔ کیونکہ اب بجُز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا، اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے، مگر وہی جو پہلے امتی ہو۔ پس اسی بنا پر مَیں امتی بھی ہوں، اور نبی بھی۔ ..... یہ مکالمہ جو مجھ سے ہوتا ہے یقینی ہے۔ اگر مَیں ایک دم کے لئے بھی اس میں شک کروں، تو کافر ہو جاؤں اور میری آخرت تباہ ہو جائے، وہ کلام جو میرے پر نازل ہوا، یقینی اور قطعی ہے.....

میں اس پر ایسا ہی ایمان لاتا ہوں، جیسا کہ خدا کی کتاب پر۔ یہ تو ممکن ہے، کہ کلام کے معنے کرنے میں بعض مواضع میں ایک وقت تک مجھ سے خطا ہو جائے، مگر یہ ممکن نہیں کہ میں شک کروں، اور چونکہ میرے نزدیک نبی اس کو کہتے ہیں، جس پر خدا کا کلام یقینی قطعی بکثرت نازل ہو، جو غیب پر مشتمل ہو، اس لئے خدا نے میرا نام نبی رکھا، مگر بغیر شریعت کے۔ شریعت کا حامل قیامت تک قرآن شریف ہے۔"

اب مولوی صاحب آپ کے لئے کوئی گنجائشِ انکار نہیں تسلیم کرلیں، کہ حضرت مرزا صاحب نبی ہیں، اسی طرح جس طرح ابراہیم، اسحٰق، اسمٰعیل، یعقوب، یوسف، موسیٰ، ابن مریم علیہم السلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہیں۔ فرق صرف یہ ہے، کہ حضرت مسیح موعودؑ کو نبوت کی نعمت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے حاصل ہوئی، اور آپ بغیر شریعت کے نبی ہیں۔

مولوی صاحب! آپ "تجلیاتِ الٰہیہ" کے بعد کی حضرت صاحب کی کسی تصنیف سے نکال کر دکھاویں، کہ حضرت صاحب نے نبوت سے انکار کیا ہو، آپ یہ بھی نہیں دکھا سکتے کہ اس کے بعد حضرت صاحب نے اپنے آپ کو محدث کہا ہو۔

آپؑ نے فرما دیا، کہ کلام کے معنی کرنے میں ایک وقت تک مجھ سے خطا ممکن ہے۔ چنانچہ ایک وقت تک حضرت صاحب محدثیت اور نبوت کو ہم معنے سمجھتے رہے، مگر خدا تعالےٰ نے اس پر قائم نہ رہنے دیا، اور حضورؑ کے اپنے قلم سے آپ کا مقام صاف صاف بیان کروا دیا، کہ وہ مقام مقامِ نبوت ہے۔ مگر یہ درجہ حضرت مرزا صاحب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال پیروی سے حاصل ہوا۔

مولوی صاحب! دنیا چند روزہ ہے، آپ کو حضرت مرزا صاحبؑ کے درجہ کو کم کرنے سے کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ کیا آپ کو یہ الہامی شعر یاد نہیں ؎

مقام او مبین از راہ تحقیر بدورانش رسولاں ناز کردند

مولوی صاحب! ایسے دعوے ایسے غیب کے علوم آپ کسی غیر نبی میں نہیں دکھا سکتے۔ آپ غیر احمدیوں میں عزّت حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ آپ کو نصیب نہیں ہوئی اب احمدیہ جماعت قادیان کے برخلاف دوسروں کو مشتعل کرنا چاہتے ہیں، اس میں بھی آپ بُری طرح ناکام رہے ہیں۔

مَیں کچھ عرصہ سے محسوس کر رہا ہوں، کہ آپ کو اور آپ کے ہم خیال لوگوں کو نہ احمدیت سے کوئی تعلق رہا ہے، نہ تقوٰے پر عمل ہے، اور نہ عاقبت کا فکر۔ آپ اپنی تمام کوششیں اس بات پر صرف کر رہے ہیں، کہ جماعت احمدیہ قادیان کی روز افزوں ترقی کو روک دیں۔ مگر یاد رکھیں، کہ خدا کے کام رُکا نہیں کرتے۔ آپ کیوں خدا کا مقابلہ کر رہے ہیں خشیت الٰہی اور تقوٰے اللہ کی راہ نہ چھوڑیں۔

میرے لئے حجّت نہیں، مگر آپ کے لئے ذیل میں درج کیا ہوا واقعہ حجّت ہے۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب سے ان کی وفات سے چند روز قبل مجھے ملنے کا اتفاق ہوا۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے متعلق گفتگو کے دَوران میں انہوں نے کہا، کہ اگر مَیں احمدی ہوا، تو قادیان کی جماعت میں شامل ہونگا۔ لاہوریوں کو جن الفاظ سے انہوں نے یاد کیا، وہ الفاظ تو یاد نہیں ہیں، مطلب یہ تھا، کہ وہ بانیٔ سلسلہ کے عقیدہ پر نہیں ہیں۔ اور مکار ہیں۔ پس آپ کو نہ دنیوی عزّت ملی، اور نہ دین ملا۔ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے۔

مولوی صاحب! مَیں آپ سے پھر التماس کرتا ہوں، کہ آپ اسی کتاب کے صفحہ ۴۲ کا یہ فقرہ غور سے پڑھیں:۔

"تا جس وقت ان میں کوئی نبی ظاہر ہو، تو دولت قبول سے محروم نہ رہیں۔"

یہ فقرہ جہاں آپ کے حسب حال ہے، وہاں اس سے نبوت کا جاری ہونا بھی ثابت ہے۔

آخر میں مَیں یہ بھی بیان کر دینا ضروری سمجھتا ہوں، کہ شاید آپ خیال کریں، کہ میں نے آپ کے سوالات کے جواب کی طرف توجہ کیوں نہ کی۔ سو آپ کو معلوم ہو، کہ آپ کا مقصد

تو صرف یہ ہے، کہ آپ حضرت مرزا صاحب کے متعلق یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں، کہ وہ نبی نہیں تھے، اور انہوں نے نبوت کا دعوےٰ نہیں کیا۔ مَیں نے اس مضمون میں حضرت صاحب کی اپنی تحریرات سے ثابت کردیا ہے، کہ آپ کا دعوےٰ نبوت و رسالت کا تھا، ایسی نبوت و رسالت کا جو بغیر شریعت کے ہو۔

مولوی صاحب! آپ نے اپنے اس اشتہار کے صفحہ ۲ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ کا تمسخر اور مذاق اڑانا چاہا ہے، مگر مَیں کہونگا کہ یہ شیوہ عالموں کا نہیں ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح کی عزت لاکھوں انسانوں کے دلوں میں اس حد تک ہے، جس کا آپ اندازہ نہیں کرسکتے۔ ایسے انسان سے آپ کا تمسخر اور مذاق اڑانا کسی شریف انسان کے نزدیک مستحسن نہیں ہوسکتا۔

ایک بات اور عرض کردینا چاہتا ہوں، کہ مَیں آپ کو اور آپ کے ہم عقیدہ اصحاب کو صرف اس وجہ سے احمدی خیال کرتا ہوں، کہ حضرت خلیفہ ثانی نے مجھے ایک موقعہ پر فرمایا، کہ وہ احمدی ہیں، ورنہ آپ کی جو عداوت قادیان اور احمدی جماعت سے ہے، اس کو مشاہدہ کرتے ہوئے اور حضرت مرزا صاحب کی جو تحقیر آپ کرتے ہیں اس کے پیشِ نظر تو آپ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے دشمن معلوم ہوتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ لوگوں پر رحم فرمائے، اور حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ماننا کیوں ضروری ہے؟

(از جناب پیر صلاح الدین صاحب پلیڈر فیروزپور)

جب قرآن اور حدیث کے پے در پے دلائل مسیح ناصریؑ کی زندگی کے خیال کو بیخ و بُن سے اکھیڑ کر پھینک دیتے ہیں، اور ایک لمبے عرصہ کی انتظار امید کی آخری کرنوں کو ناامیدی کی تاریکیوں میں بدل دیتی ہے، تو بجائے اس کے کہ انسان ایمان کو انکار پر مقدم رکھتا، اور اس شخص کو قبول کر لیتا، جو قرآن اور حدیث اور صحفِ سابقہ کے مطابق مسیح ناصریؑ کا مثیل ہو کر عین وقت پر آیا، یہ کہنے لگ جاتا ہے، کہ ہمارے پاس قرآن ہے، محمد رسول اللہ صلعم خاتم الانبیاء ہیں، ہمیں کسی نئے یا پُرانے مسیح کی ضرورت نہیں مسیح آسمان سے ہمارے لئے نہیں بلکہ عیسائیوں کے لئے آئیگا۔

یہ اس قوم کی موت کا نقارہ ہے جس کے پاس سخت ضرورت پر ہدایت آئی، اور اس نے اسے ردّ کر دیا۔ کیا مسیح کا آنا کوئی آسمانی بلا یا لعنت ہے، کہ وہ غیر قوموں کے لئے خاص کر دی جائے، اور مسلمانوں کو اس میں سے کچھ بھی حصّہ نہ دیا جائے۔ کیا اس بے کس قوم پر اب رحمتوں کے تمام دروازے بند ہو گئے ہیں۔ اسے انکار میں جلدی کرنے والی قوم! اتنا تو سوچ، کہ اگر حضرت محمد عربی صلعم کے بعد غیر قوموں کی طرف ایسے رسول آسکتے ہیں، جو محمدی فیض سے فیضیاب نہیں، تو پھر آپ کی خاتمیت کیا ہوئی، اور آپ اِلَی کَآفَّۃِ النَّاس کیونکر

ہوئے؟ کیا جن لوگوں کو مسیح ندا کریگے ان کے لئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم مبعوث نہیں ہوئے؟ پس کیا خدا کا آخری پیغام ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ اور ایک حصہ اس کا مسیح لے گیا، اور باقی آپ کے پاس رہ گیا۔ اور اگر مسیح نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دے سکتے ہیں، تو ان نام کے مسلمانوں کو حقیقت اسلام کی طرف بلانے میں کیا عذر ہے۔ آخر ایک گروہ کے بلانے سے کیا حرج لازم آجاتا ہے، جو دوسرے کو بلانے سے نہیں آتا۔ پھر سوال یہ ہے، کہ کیا وہ اس ایمان کی طرف لوگوں کو لائینگے، جو ثریا پر پہونچ چکا، یا اس کتاب کی طرف بلائینگے، جس کے متعلق رسولِ عربی صلعم نے فرمایا۔ لَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ۔ یا کیا وہ غیر قوموں کو تو حقیقی قرآن اور حقیقی ایمان دے جائینگے، اور یہ ہمارے مسلمانوں کے پاس وہی نام کا اسلام اور رسمی قرآن باقی چھوڑ جائینگے، کیا اس "خیرِ امت" کے لئے دنیا جہان کے سب شر جمع ہیں، اور کوئی بھی خیر نہیں۔ ماسوا اس کے جب وہ لوگوں کو اسلام میں داخل کرینگے، تو ان کے مطاع اور امام ہونگے یا نہیں؟ اگر نہیں، تو کیا نبی کی اطاعت اور قیادت ایک لعنت ہے، جس سے اسلام میں داخل ہونا انسان کو بچا لیتا ہے۔ اور کیا نبی سے بڑھکر بھی کوئی قوتِ قدسی کا حامل ہوگا، جو آپ کے بجائے امام بنے۔ اور اگر آپ اُن کے امام رہیں گے، تو کیا نو مسلمین دوسروں سے ایک علیحدہ جماعت نہ بن گئے، اور اسلام میں افتراق نہ پیدا ہوگیا، اور ایک گروہ تو اسلام میں سے اس شخص کا مطیع ہوگیا، کہ جس کی گردن میں اطاعتِ محمدی کا طوق نہیں، اور دوسرا گروہ اپنے زمانہ کے امام کی شناخت اور اس کے فیوض سے محروم رہا، اور مطابق حدیث مَنْ مَاتَ بِغَیْرِ اِمَامٍ مَاتَ مِیْتَۃً جَاھِلِیَّۃً (مسند احمد) جہالت میں مبتلا ہوگیا۔

اور یہ کہنا کس قدر بے باکی ہے، کہ ہمارے پاس قرآن ہے اس لئے ہمیں کسی مسیح کی ضرورت نہیں۔ کیا قرآن ہدایت کی ساری راہیں بند کردیتا ہے۔ اور اگرچہ گمراہی اور ضلالت کے بادل چاروں طرف سے گھر آئیں، وہ اس مہدی کو جو خود اُسی کی راہوں کو زندہ کرنیوالا ہو

روک دیتا ہے؟ اور اس صادقوں کے سردار نے فرمایا تھا، کہ وہ زمانہ آتا ہے، کہ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اِسْمُہٗ وَ لَا مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ (مشکوٰۃ) یعنی اسلام نام کو اور قرآن رسمی طور پر باقی رہ جائے گا۔ اور اللہ تعالےٰ نے خود قرآن میں یہ پیشگوئی فرمائی، کہ یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا ہ کہ اے میرے رب میری قوم نے اس عظیم الشان قرآن کو چھوڑ دیا۔ پس کیا ابھی مسیح کی ضرورت نہیں، جبکہ نہ قرآن باقی رہ گیا، اور نہ اسلام۔ چنانچہ اس بات کا قوم کے اکابر کھلے کھلے طور پر اعتراف کر چکے ہیں، مولانا حالی فرماتے ہیں ؎

نبوت نہ گر ختم ہوتی عرب پر — کوئی ہم پہ مبعوث ہوتا پیمبر
تو ہے جیسے مذکور قرآں کے اندر — ضلالت یہود و نصاریٰ کی اکثر

یونہی جو کتاب اس پیمبر پہ آتی
وہ گمراہیاں سب ہماری جتاتی

اگر قرآن مجید واقعی تمہارے پاس ہے، تو پھر بتلاؤ کہ وہ تو شِفَاءٌ لِمَا فِی الصُّدُوْرِ ہے، اور تم دنیا جہان کی گندگیوں میں مبتلا کیوں ہو؟ مسلمان آج علمی، اخلاقی اور روحانی میدانوں میں تباہ حال ہے۔ کیا (نعوذ باللہ) قرآنِ مجید میں اب وہ زور نہیں رہا، یا اس کے پاس وہ قرآن نہیں۔ یاد رکھو، قرآن مجید خود فرماتا ہے، کہ یُضِلُّ بِہٖ کَثِیْرًا وَّیَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا ؕ وَمَا یُضِلُّ بِہٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ہ کہ وہ فاسقوں کی قوم کے لئے موجب ضلالت ہے۔ اور فاسق کون ہے؟ سو آیت استخلاف کو پڑھو، اور غور کرو، وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ (نور) یعنے جو لوگ خدا کے قائم کردہ خلفاء کا انکار کریں، وہ قطعی فاسق ہیں۔ پس اے بھائیو! اگر واقعی قرآن تمہارے پاس ہے، اور تم اس سے ہدایت حاصل

کرنا چاہتے ہو، اور گمراہ ہونا نہیں چاہتے، تو اس کی ہدایت کو قبول کرو، اور خدا کے مسیح پر ایمان لاؤ، جو خاتم الخلفاء ہے، تا فاسقوں کی قوم میں تمہارا شمار نہ ہو، اور تم گمراہ نہ ٹھہرائے جاؤ۔

یہ مت خیال کرو، کہ چونکہ رسول کریم صلعم خاتم النبیین ہیں، اس لئے اب کسی نبی اور مسیح کی ضرورت نہیں۔ یہ خیال صرف اسی صورت میں قبول کئے جانے کے لائق تھا، کہ خدا تعالےٰ دنیا میں ایسی گمراہی کو نہ پھیلنے دیتا، جس کے متعلق کہ اس کی سنّت اسی طور پر جاری ہے کہ وہ اس کا استیصال اپنے انبیاء اور رسل کے ذریعہ کرتا ہے۔ لیکن (نعوذ باللہ) یہ کیسا رحمۃ للعالمین رسول ہے (صلے اللہ علیہ وسلم) کہ اس کے بعد گمراہی تو اس زور سے پھیل گئی، لیکن اس گمراہی سے بچانے کے لئے کوئی رہنما نہیں۔ اس تاریکی سے نکالنے کے لئے کوئی رہبر نہیں۔ واقعی رسول کریم خاتم النبیین ہیں، اور واقعی آپ رحمۃ للعالمین ہیں، اس لئے جب بھی دُنیا میں گمراہی اپنا سر نکالتی ہے تو آپ کی رُوحانیت جوش مار کر اپنا ایک بروز پیدا کر لیتی ہے۔ اور آپ کی رحمت تمام زمانوں پر حاوی ہے، اس لئے کوئی زمانہ آپ کے فیضان سے خالی نہیں۔ اور ہر ایک زمانہ میں آپ کا ایک کامل متبع ہی سُبُل السلام کی طرف بلاتا ہے۔ یہ وہ رحمت ہے، جس کا وعدہ آپ نے اس اُمّت کو دیا تھا، کہ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا۔ (ابوداؤد) یعنے خدا تعالےٰ اس اُمّت کے لئے ہر ایک صدی کے سر پر ایک مجدّد مبعوث فرمایا کرے گا۔ پس جب گمراہی نے شدّت اختیار کی، اور اتنی بڑھی، کہ اس کی مثال پہلے زمانوں میں نہ رہی، تو آپ کی رحمت نے بھی شدّت اختیار کی اور ایسا جوش دکھلایا، جو پہلے زمانوں میں نہ دکھلایا تھا، اور جب وہ قیامت کا فتنہ اُٹھا جس سے پہلے انبیاء ڈراتے آئے ہیں، اور شیطان اپنی تمام فوجوں کے ساتھ حملہ آور ہوا، اور ایک طرف صلیبی فتنہ نے زور پکڑا، اور دوسری طرف دہریت کا غلبہ ہوا، اور وہ تمام باتیں

ظاہر ہو گئیں، جو اس مخبر صادق نے بیان فرمائی تھیں، تب آپ ہی کے وعدوں کے مطابق عین صدی کے سر پر مسیح موعود ظاہر ہوا لیکن وہ مسیح، مسیح ناصریؑ نہ تھا، جس نے فیضانِ رسالت مآب سے کچھ حصہ نہ پایا ہو، بلکہ وہ مسیح، مسیح محمدیؐ تھا، جو آپ ہی کی اتباع اور آپ ہی کی پیروی سے اس مقام کو پہونچا۔ اور خدا تعالےٰ نے اسے آپ کی بدولت اور آپ کی ظلیت میں نبوت کی خلعت عطا کی، تا یہ نہ سمجھا جائے، کہ سب سے بڑے فتنہ کے وقت اُمتِ محمدیہ ان بزرگ ہستیوں کے وجود سے محروم رہ گئی، جو کہ اس سے ادنےٰ فتنوں کے موقعہ پر دوسری قوموں میں آتی رہیں، بلکہ خدا تعالےٰ نے اس شخص کو گذشتہ بعض انبیاء پر فضیلت دی، تا اُمتِ محمدیہ کی فضیلت قائم ہو، اور دنیا دیکھ لے، کہ محمد عربی صلعم کا ایک خادم اس کمال کو پہونچ گیا، جہاں کوئی دوسرا نہ پہونچ سکا تھا۔ وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

اے لوگو! اپنے دلوں کو ٹٹولو، اور بتلاؤ کہ کیا نبی رحمت ہے، یا لعنت؟ اگر رحمت ہے تو پھر کیوں رسول کریم صلعم کے بعد اس رحمت کو بند کرتے ہو۔ بے شک اگر کوئی نبی آکر لوگوں کو قرآن جیسی کامل کتاب سے اور محمد عربیؐ جیسے کامل نور سے جُدا کرے، تو اس کا آنا خدا کے وعدوں کے خلاف اور اس کی عزت اور تقدیس کے مخالف ہے، لیکن اس نبی کے ماننے میں کیا حرج ہے، جو اپنے آپ کو رسول کریم صلعم کا ایک ادنےٰ خادم بیان کرے، اور کہے ؎

وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

اور اسی کی راہوں کو زندہ کرے، اور اسی کی طرف بلائے، اور اسی کا کلمہ پڑھائے، اور اسی کی شریعت پر عمل کروائے، اور اسی کے قبلہ کو قبلہ بتائے۔

ہر عقلمند کو سوچنا چاہیئے، کیا کبھی بھی کوئی شخص اس لئے قابلِ ستائش ٹھہرا، کہ اُس نے آکر ایک فن کا خاتمہ کر دیا، ہمیشہ لوگ اسی کو بڑا کہتے ہیں، جس کی شاگردی میں بڑے

بڑے صاحب کمال پیدا ہوں۔ پھر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اور آپ کی شاگردی میں ان کمالات کو کیوں پسند کرتے ہو، اور آپ کے لئے کیوں اس ہتک کو برداشت کر لیتے ہو، جو مانی اور بہزاد اور شیکسپیئر اور میکالے اور ذوق اور غالب وغیرہ تک کے لئے قبول نہیں کرتے۔ کیا اگر مانی اور بہزاد کے بعد آرٹ کا خاتمہ ہوجاتا، یا شیکسپیئر کے بعد ڈرامہ دنیا سے اُٹھ جاتا، اور میکالے کے بعد قلم کا زور ٹوٹ جاتا، اور غالب اور ذوق کے بعد شاعری کا خاتمہ ہوجاتا، تو تم ان کی تعریف کرتے یا مذمت۔ بے شک تم مذمت ہی کرتے۔ کیونکہ تمہیں آرٹ اور ڈرامہ، اور شاعری وغیرہ سے رغبت ہے۔ پس اگر تمہیں خدا کی راہوں سے میل ہو، تو کبھی بھی اس کی نبوت کو بند نہ کرو، اور اگر رسول عربی سے سچا پیار ہو تو کبھی بھی یہ نہ کہو، کہ آپ نے آکر نبوت جیسی نعمت کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ بے شک وہ شخص تعریف کئے جانے کے قابل ہے، جو اس کمال تک پہونچ جائے، کہ پہلوں اور پچھلوں میں سے کوئی اسے حاصل نہ کر سکے۔ سو جان لو۔ کہ یہی معنے خاتم النبیین کے ہیں، کہ آپ نے نبوت کے وہ کمالات حاصل کئے، کہ اب کسی فرد بشر کی استطاعت نہیں، کہ ان تک پہونچ جائے۔ اور آپ پر نبوت اس طرح ختم ہوگئی جس طرح کہتے ہیں، کہ فلاں پر شاعری ختم ہوگئی، یا فضیلت ختم ہوگئی، یا ولایت ختم ہوگئی۔

غور کا مقام ہے، کہ کیا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پتہ نہ تھا، کہ قرآن آخری اور کامل کتاب ہے، اور آپ خاتم الانبیاء ہیں۔ پھر آپ نے اس قدر تواتر سے مسیح کے نزول کی پیشگوئی کیوں بیان فرمائی۔ اور کیوں فرمایا، کہ وہ نبی ہوگا۔ کیا یہ سب عبث تھا، اور یہ کیوں فرمایا، کہ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِيْكُمْ اِبْنُ مَرْيَمَ وَاِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (بخاری) یعنی ابن مریم تم میں نازل ہوگا، اور وہ تمہارا امام ہوگا، کیا ان تمام احکام کا یہی مطلب تھا، کہ جب وہ خدا کا پیارا نازل ہو، تو مسلمان اس کی کچھ بھی پرواہ نہ کریں۔ پھر جب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ كَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَالْمَسِيْحُ اٰخِرُهَا۔ یعنے وہ اُمّت کس طرح ہلاک ہوسکتی ہے، جس کا اوّل میں ہوں، اور آخر مسیح ہے، تو کیا آپ کو معلوم نہ تھا، کہ حضور خاتم الانبیاء ہیں، اور قرآن جیسی کتاب چھوڑ چلے ہیں۔

رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا خاتم الانبیاء ہونا اس امر کو لازم گردانتا ہے، کہ آپ کے بعد آپ کے اظلال پیدا ہوں، اور قرآن کا کامل کتاب ہونا کامل لوگوں کے وجود کو چاہتا ہے۔ جو اس کی ہدایت سے تربیت یافتہ ہوں۔ پس وہ جو رسول کریم صلعم کے اظلال کو قبول نہیں کرتا آپ کو

قبول نہیں کرتا اور وہ جو قرآن کی ہدایتوں کو قبول نہیں کرتا، قرآن کو قبول نہیں کرتا۔

مذہب کی اصل غرض تو یہی ہے کہ انسان اپنے رب سے اور اس کا رب اُس سے راضی ہوجائے، اور اس کے اور خدا تعالےٰ کے درمیان محبت کے تعلقات قائم ہوجائیں۔ اب کیا کوئی بصیرت رکھنے والا یہ سمجھ سکتا ہے، کہ کسی کی محبت عرفان کے بغیر بھی حاصل ہوسکتی ہے؟ جب دُنیا کے ادنےٰ ادنےٰ حسینوں کی محبت سے پیشتر عرفان کی ضرورت ہے، تو بھلا اس غیر فانی محبت کو کس طرح عرفان کے بغیر ہی حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اور جانتے ہو عرفان کیا چیز ہے؟ عرفان کسی چیز کا یہ ہے، کہ انسان اُسے دیکھ لے، اور پہچان لے۔ پس عرفان حقیقی ایمان ہے۔ اور اس کے بغیر ایمان ایک قالب بے جان ہے۔ اور خدا تعالےٰ ان خارق عادت نشانوں اور آیات سے دکھلائی دیتا ہے جو وہ اپنے بندوں کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے۔ سو اگر آج بھی خدا ایسا ہی ہے جیسا کہ وہ پہلے تھا، اور اس نے آج کی مخلوق کو چھوڑ نہیں دیا، جیسا کہ اس نے پہلوں کو نہ چھوڑا تھا، تو لازم ہے کہ آج بھی اس کے نشان ظاہر ہوں جیسا کہ پہلے ہوتے تھے، تا اس کے بندے اس کے ہاتھ کو دیکھکر اس کی طرف جھکیں۔

سو اس نے اپنی زندگی کا ثبوت دینے کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کو بھیجا ہے، جیسا کہ وہ پہلوں کی طرف اپنے رسول بھیجتا آیا ہے۔ اور اس نے زمین کو اور آسمان کو نشانوں سے بھر دیا، تا لوگ اس کو دیکھیں۔ اور اس کے مامور نے تمام دُنیا کو بارہا للکارا، کہ تم میں سے کون ہے، جو نشانوں میں میرا مقابلہ کرسکے؟

پس اے بھائیو! آؤ خدا سے سرکشی نہ کرو، اور جب اس نے ہزارہا نشانوں سے ایک شخص کی صداقت پر مُہر لگادی، تو اس کے فیصلہ کو قبول کر لو۔ یاد رکھو، کہ اگر ان نشانوں سے فائدہ اٹھاؤ گے، اور خدا کے سلسلہ کے ساتھ تعلق گانٹھ لوگے، تو اُس کی محبت تمہارے دلوں میں ایک آہنی میخ کی طرح گڑ جائے گی۔ اور تمہیں دُنیا کی ہر بات میں اُسی کی محبت سب سے بہتر نظر آئے گی، اور تمہارے دل مطمئن ہونگے، اور تم اپنے رب سے اور تمہارا رب تم سے راضی ہوگا، اور یہی انسانی زندگی کا مقصد ہے۔

وصیّتیں

نمبر ۵۶۶۶:۔ منکہ فاطمہ بی بی بنت چوہدری نظام دین صاحب قوم سیال عمر ۶۰ سال پیدائشی احمدی ساکن جوڑا ڈاکخانہ قصور ضلع لاہور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۲/۹/۴۶ حسب ذیل وصیّت کرتی ہوں۔ میری اسوقت حسب ذیل جائداد ہے۔ جس کی کل قیمت -/۱۲۰ روپے ہے۔ اول دو عدد سونے کی کانوں کی بالیاں قیمتی -/۶۰ روپے۔ دوم ساٹھ روپے نقد۔ اس کے علاوہ میری اور کوئی جائداد نہیں۔ میں اس رقم کے ۱/۳ حصّہ کی وصیّت (۴۰ روپے) کرتی ہوں۔ مَیں یہ رقم اپنی زندگی میں ہی داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرونگی۔ میری وفات کے وقت جسقدر میری جائداد ثابت ہو، اس کے ۱/۳ حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر مَیں کوئی رقم اپنی زندگی میں خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں بمد وصیّت داخل یا حوالہ کر کے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائیگی۔ اس کے علاوہ مہر ۵۰ روپے ہے۔ اسکے بھی ۱/۳ حصّہ کی وصیّت کرتی ہوں۔ الامتہ:۔ فاطمہ بی بی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ شاہ محمد ولد چوہدری امام دین۔ گواہ شد:۔ محمد عمر ولد چوہدری عبدالستار دفتر ڈی۔سی۔ لاہور۔

نمبر ۵۶۶۷:۔ منکہ مبارکہ بیگم زوجہ سردار بشارت احمد صاحب قوم قریشی عمر ۲۵ سال تاریخ بیعت ۱۸/۳/۴۴ ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۲/۹/۴۶ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری جائداد اسوقت پانصد روپیہ مہر بذمہ خاوند سردار بشارت احمد صاحب ہے جو ابھی ادا نہیں ہوا۔ مَیں اس رقم کے پانچویں حصّہ کی وصیّت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ میری اس وقت کوئی جائداد نہیں۔ میری وفات کے وقت میری اَور کوئی جائداد اگر ثابت ہو، تو اسکے بھی پانچویں حصّہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ مَیں انشاءاللہ عنقریب یہ رقم ادا کرنے کی کوشش کرونگی (بقلم سردار بشارت احمد) الامتہ:۔ مبارکہ بیگم موصیہ گواہ شد:۔ سردار بشارت احمد انچارج الیکٹرک سب سٹیشن ٹانگانیکا۔ گواہ شد:۔ سردار عبدالرحمٰن بی۔ اے (بحروف انگریزی) گواہ شد:۔ امۃ الحفیظ۔

نمبر ۵۶۶۸:۔ منکہ محمد الدین ولد سوارت خان قوم راجپوت پیشہ زمیندارہ عمر ۷۰ سال تاریخ بیعت ۱۸۹۷ء ساکن شکار ڈاکخانہ تھاروالی ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ

آج بتاریخ ۸ ۱۳۱۹/۶ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اس وقت زمین ہے جو پانچ گھماؤں ہے۔ آجکل اس کی قیمت پانچ صد روپیہ ہے۔ ایک مکان خام جس کی قیمت سو روپیہ ہے اور ایک راس بھینس قیمتی پچیس روپے ہے اس کے علاوہ میری کوئی آمدنی نہیں ہے۔ میں اس کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز میرے مرنے کے وقت اس کے علاوہ کوئی اور جائیداد ثابت ہو، تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔
العبد:۔ محمد الدین نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ رحمت اللہ واثق احمدی قادیان۔ گواہ شد:۔ فضلدین بقلم خود احمدی مدرس قادیان۔

نمبر ۵۶۶۴:۔ منکہ محمد حسین ولد چوہدری لال خاں صاحب قوم کاہلوں جٹ پیشہ زمینداری عمر ۳۵ سال پیدائشی احمدی ساکن کھرپا ڈاکخانہ چونڈہ ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۷ ر ماہ وفا ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت غیر منقولہ جائداد حسب ذیل ہے (۱) زمین موازی ۴۲ گھماؤں ہے۔ جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ یعنی ۴ گھماؤں ۲ کنال زمین کی مالک صدر انجمن احمدیہ میرے مرنے کے بعد وارث ہوگی۔ اور میرے ورثا کو کوئی حق نہ ہوگا، کہ کوئی روک پیدا کریں، یا اس کی قیمت مقرر کرکے انجمن لے سکتی ہے۔ جو اپنی زندگی میں ادا کروں گا۔ (۲) میرا مکان رہائشی جس کی قیمت اندازاً -/۲۰۰ روپیہ ہے۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ یعنی -/۲۰ کی وصیت کرتا ہوں۔ جو میں چار سال کے بعد ادا کروں گا۔ انشاء اللہ تعالے۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائداد نہیں ہے۔ ہاں اگر میرے مرنے کے بعد کوئی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو۔ اس کے دسویں حصہ پر بھی یہ وصیت حاوی ہوگی۔ والسلام ۷ ۱۳۱۹/۷ ۔ العبد:۔ محمد حسین بقلم خود کھرپا۔ گواہ شد:۔ سردار خاں سفید پوش سکنہ ٹھروہ۔ گواہ شد:۔ نشان انگوٹھا برکت خاں۔ کھرپا۔

نمبر ۸۱۱۵:۔ منکہ آمنہ بیگم زوجہ حکیم عبداللطیف قوم اعوان عمر ۲۲ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۳ء ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلاجبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰ ر ماہ ہجرت ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اس وقت میری جائیداد حسب ذیل ہے۔ (۱) مہر بذمہ خاوند مبلغ تین صد روپیہ (۲) ڈنڈیاں طلائی قیمتی مبلغ چھیاسٹھ روپے وزنی ڈیڑھ تولہ سونا (۳) تیلا وغیرہ تیل طلائی قیمتی ۱۲/- وزن تین ماشہ (۴) پازیب نقرئی قیمتی اٹھارہ روپے چار آنہ۔ کل میزان معہ حق مہر تین صد پچانوے روپے چار آنے۔ میں اس جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان

کرتی ہوں۔ نیز میری وفات پر اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو، تو اس جائداد کے ۱/۳ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ جو رقم میں اپنی زندگی میں ادا کر کے رسید حاصل کر لوں۔ وہ حصہ وصیت کردہ سے منہا سمجھی جائیگی۔ کاتب الحروف حکیم محمد عبداللطیف خاوند موصیہ۔ الامتہ آمنہ بیگم بقلم خود۔ گواہ شد۔ مہدی حسین خادم المسیح۔ گواہ شد۔ عبدالعزیز احمدی عزیز منزل قادیان۔

نمبر ۵۶۷۱۔ منکہ عبدالقادر ولد میاں محمد عبداللہ صاحب قوم کھٹی پیشہ ملازمت عمر ۲۲ سال پیدائشی احمدی ساکن گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۲ ماہ ۱۹۴۰ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری ذاتی جائیداد کوئی نہیں ہے۔ میں اس وقت قلعہ میگزین راولپنڈی میں بمشاہرہ ۳۷/- روپے بطور کلرک ملازم ہوں۔ جس پر میرا گذارہ ہے۔ میں اپنی آمدنی کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور اقرار کرتا ہوں، کہ اپنی آمد مذکورہ کا ۱/۱۰ حصہ بمد وصیت داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ میری وفات کے بعد جو ترکہ ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ مرقومہ ۱۲ر جولائی ۱۹۴۰ء۔ ۱۲ ماہ وفا ۱۳۱۹ ہش۔ العبد۔ عبدالقادر بقلم خود موصی۔ حال کلرک آرسنل راولپنڈی گواہ شد۔ کرم الٰہی کلرک آرسنل۔ گواہ شد۔ محمد عبداللہ اپر ڈویژن اسسٹنٹ آرسنل راولپنڈی۔

نمبر ۔ منکہ ابو محمد عبداللہ ولد چوہدری عطر دین صاحب قوم جٹ باجوہ پیشہ زمینداری عمر تخمیناً ۵۵ سال تاریخ بیعت ۱۸۹۷ء ساکن کھیوہ باجوہ ڈاکخانہ کلاسوالہ ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹ر جون ۱۹۴۰ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد منقولہ قیمتی پانچسو روپیہ اور غیر منقولہ موضع کھیوہ میں اراضی ملکیت و رہن قیمتی پانچسو روپیہ موضع میاں رحیمہ اراضی مرہونہ قیمتی ایک سو روپیہ موضع جیوں ڈھلوں میں خود اراضی پیدا کردہ قیمتی چھ ہزار روپیہ اور اس کے علاوہ ضلع منٹگمری میں میرے قبضہ میں ایسی اراضی ہے۔ جس کی مالک سرکار ہے کچھ زمین سرکار سے مجھکو بطور عطیہ ملی ہوئی ہے۔ اور باقی اراضی میرے فرزندوں نے میرے نام پر خریدی ہوئی ہے۔ اس تمام اراضی کے متعلق بجز از منظوری صاحب کلکٹر بہادر ضلع منٹگمری میں وصیت نہیں کر سکتا۔ اب میں نے اپنے بیٹوں سے تمام باتوں کا لحاظ رکھکر فیصلہ کیا ہے، کہ تمام اراضی اور مکانات موضع کھیوہ باجوہ کی قیمت اکیس ہزار روپیہ سمجھی جاوے۔ اس تمام جائیداد کے ساتویں حصہ کی قیمت تین ہزار روپیہ ہے بوقت موجودہ بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ آمدنی کا دسواں حصہ بھی ادا کرتا رہونگا۔ اگر موجودہ جائداد کے

سوا میرے مرنے کے وقت اگر کوئی اور جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کا حصہ بھی وصیت میں شمار ہوگا
مَیں مبلغ تین ہزار روپیہ اپنی زندگی میں ادا کرنے کی کوشش کرونگا۔ جس قدر ادا ہو سکا وہ مجرا ہوگا
اور اگر ادا نہ کر سکا تو میرے مرنے کے بعد میرے ورثا اس کے ادا کرنے کے ذمہ دار ہونگے ÷
العبد:۔ ابو محمد عبد اللہ ولد چوہدری عطر دین صاحب بقلم خود۔ گواہ شد:۔ عبد الرحمٰن پسر موصی۔ گواہ شد
غلام قادر پسر موصی۔ گواہ شد:۔ محمد خاں پسر موصی ÷

نمبر ۵۶۲۳:۔ منکہ فضل الرحمٰن ولد حاجی عبد الرحمٰن قوم کھوکھر راجپوت پیشہ ملازمت عمر ۳۱ سال پیدائشی احمدی ساکن بھیرہ محلہ معماراں ضلع شاہ پور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۹ ہش ۱۳۱۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائداد اس وقت صرف ایک مکان سہ منزلہ واقعہ محلہ معماراں شہر بھیرہ ہے۔ جس میں ہم چار بھائی حصہ دار ہیں۔ اس کی موجودہ قیمت اندازاً ۱۸۰۰/- روپے میری دانست میں ہے۔ جو حالات کے ماتحت کم و بیش ہو سکتی ہے۔ لیکن میرا گذارہ اس جائیداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے جو اس وقت مبلغ ۲۲/- روپے ماہوار ہے۔ میں تا زیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں، کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں کروں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ لہذا یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان لکھدی، کہ سند رہے۔ العبد:۔ فضل الرحمٰن موصی حال مدرس مڈل سکول سالم ضلع شاہ پور۔ گواہ شد:۔ فیض احمد انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ غلام رسول احمدی۔ سالم۔

نمبر ۵۶۶۵:۔ منکہ محمد رفیق ولد چوہدری علی بخش صاحب نمبر دار قوم اعوان پیشہ ملازمت عمر ۲۰ سال پیدائشی احمدی ساکن بھرتھا نوالہ ڈاکخانہ کوٹلی لوہاراں مغربی تحصیل سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۷ ماہ وفا ۱۳۱۹ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میری اسوقت کوئی غیر منقولہ جائداد نہیں۔ میرا گذارہ صرف ملازمت پر ہے جس کی ماہوار آمد صرف ۱۵/- روپے ہے۔ مَیں بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان اس ماہوار آمد کے دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں جو میں باقاعدہ ادا کرتا رہونگا۔ اور اگر میری زندگی میں یا وفات کے وقت کوئی جائداد ثابت ہو، تو اسکے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ محمد رفیق ساکن بھرتھا نوالہ حال کلرک

آئی۔ایس۔پی سیکشن ہیڈ کوارٹرز سپلائی ڈپو انبالہ چھاؤنی۔ گواہ شد:۔ خواجہ نظام دین ہیڈ بیکر گورنمنٹ بیکری انبالہ چھاؤنی۔ گواہ شد:۔ مرزا بشیر احمد بیکرڑی انبالہ چھاؤنی۔

نمبر ۵۷۲۹:۔ منکہ عزیز الدین حکیم ولد ماہنے شاہ حکیم قوم اگھوتر پیشہ طبابت عمر اندازاً ساٹھ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۵ء ساکن رتوچک حال قادیان دارالسعۃ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۴ ؍ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ چونکہ میرے پاس یکصد روپیہ تھے، ۷۰ رقم میں نے اپنے لڑکے محمد حسین کو قرض دے دی ہے۔ اس رقم کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اسکے علاوہ میرے پاس اور کوئی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں ہے۔ نیز میری اوسط ماہوار بطور پیشہ طبابت جو اندازاً دس روپے ماہوار ہے اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور بوقت وفات اگر میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد حکیم عزیز دین بقلم خود۔ دارالسعۃ۔ گواہ شد:۔ محمد حسین مدرس پسر موصی۔ گواہ شد:۔ قاضی غلام نبی مدرس محلہ دارالصحت۔

نمبر ۵۷۲۸:۔ منکہ عبدالرشید ولد میاں چراغ دین صاحب قوم چوغطہ گورنمنٹ پنشنر عمر ۶۷ سال تاریخ بیعت ۱۸۹۸ء ساکن لاہور مبارک منزل حال چوک فرید امرتسر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۶؍ ماہ ہجرت ۱۳۱۹ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں اسوقت میری ماہوار آمد ایک سو پچاس روپے ہے، جو مجھے عارضی ملازمت کے سلسلہ میں مل رہی ہے۔ علاوہ ازیں میں تین صد روپے ماہوار کا سرکاری ملازم تھا۔ چونکہ میری پنشن کا معاملہ زیر غور ہے اس لئے فی الحال اس صحیح رقم بتانے سے معذور ہوں۔ بعد منظوری پنشن نظامت بہشتی مقبرہ کو مطلع کر دیا جائے گا۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہوں گا۔ میرے مرنے کے وقت میری جس قدر جائیداد ثابت ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد:۔ عبدالرشید بقلم خود ریٹائرڈ چیف ڈرافٹسمین امرتسر حال معرفت انجمن احمدیہ راولپنڈی۔ گواہ شد:۔ محمد عبداللہ اپر ڈویژن اسسٹنٹ آرسنل راولپنڈی۔ گواہ شد:۔ محمود احمد پسر موصی۔

نوٹ:۔ وصیتیں اس لئے شائع کی جاتی ہیں، کہ اگر کوئی غلطی ہو، تو اس کی تصحیح کرائیں۔

ویدوں میں احمد اور قادیان

ایک دلچسپ مناظرہ

مولانا ناصر الدین عبد اللہ صاحب مولوی فاضل، کاویہ تیرتھ، وید بھوشن، پرفیسر جامعہ احمدیہ قادیان سات سال تک بنارس میں سنسکرت اور وید پڑھکر آئے ہیں۔ آپ نے اتھرووید سے ایک پیشگوئی نکالی ہے، جس میں ایک رشی احمد نام کی آمد کا ذکر ہے اس رشی کا مقام قدون یعنی قادیان بتایا گیا ہے۔ چند روز ہوئے پنڈت ترلوک چند صاحب شاستری آریہ سماجی نے مولوی صاحب موصوف سے اس پیشگوئی پر تحریری مناظرہ کیا، جس کے پرچے ایک بڑے مجمع میں سنائے گئے۔ اب یہ پرچے افادہ عام کے لئے ایک رسالہ کی شکل میں شائع کئے گئے ہیں، یہ بحث علمی اعتبار سے بہت دلچسپ ہے۔

رسالہ کے شروع میں حضرت میر محمد اسحٰق صاحب فاضل کا جو اس مناظرہ کے صدر تھے، دیباچہ ہے، جس میں اس بحث پر تبصرہ ہے۔ ایک رسالہ کی قیمت دو آنے پچیس کی تین روپے پچاس کی پانچ روپے۔ اور سو کی نو روپے ہے، ہندو اصحاب میں تقسیم کرنے کے لئے آج ہی خط لکھکر طلب فرمائیں۔ بہت تھوڑی تعداد میں چھاپا گیا ہے ؀

مکتبہ احمدیہ قادیان

دواخانہ نور الدین رضؓ

بیادگار

حکیم الامت طبیب شاہی حاجی الحرمین سیدنا حضرت نور الدین خلیفۃ المسیح اول رضؓ

(زیرِ نگرانی)

ابنائے حکیم الامت حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضؓ

مدت سے احباب کی طرف سے اس خواہش کا اظہار ہو رہا تھا، کہ وہ طبی فیضان جس کو حضرت والدِ بزرگوار نے عمر بھر جاری رکھکر ہزارہا بندگانِ خدا کو فائدہ پہونچایا تھا، اُسے آپ کی وفات کے بعد بھی آپ کی یادگار کے طور پر جاری رکھا جائے۔ مگر احباب کی یہ خواہش ہماری تعلیمی مصروفیتوں کی وجہ سے اب تک پوری نہ ہو سکی۔ اب ہم نہایت مسرت کے ساتھ اس امر کا اعلان کرتے ہیں کہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم اس قابل ہوئے ہیں، کہ اس مبارک مقصد

کو پورا کرنے کے لئے آپ کے مبارک نام پر دَوَاخانہ نُورالدّینؓ کی بنیاد رکھیں۔

حضرت حکیم الامّت طبیب شاہی سیّدنا نُورالدّین رضی اللہ عنہ کی تمام عمر کے مجرّبات کا نچوڑ جس کو اپنی آخری عمر میں حضور نے ایک قلمی بیاض میں جمع کر دیا تھا خدا تعالےٰ کے فضل سے ہمارے پاس بعینہٖ محفوظ ہے، اس بیش بہا خزانہ پر ہم جس قدر بھی فخر کریں کم ہے۔ اس میں آپ نے تمام چھوٹے بڑے اور پیچیدہ سے پیچیدہ امراض اور ان کے طریق علاج کو بالتفصیل بیان فرمایا ہے، چنانچہ آپ کی بیان فرمودہ ہدایات کی روشنی میں ہم نے ان مجرّبات کو صحیح خالص اور اعلےٰ اجزاء کے ساتھ خود اپنی نگرانی میں تیار کرانا شروع کر دیا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب تک نسخوں کے اجزاء اعلیٰ قسم کے عمدہ اور درست نہ بہم پہونچائے جائیں، اور ان کو احتیاط اور ٹھیک طریقوں سے تیّار نہ کیا جائے عمدہ سے عمدہ نسخہ بے اثر ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں اس دواخانہ کے پاس حضور کی قلمی بیاض کے خاص نسخے موجود ہیں وہاں دواؤں کی تیاری کیلئے نہایت محنت اور صرفِ کثیر سے چُن چُن کر صحیح، خالص اور مؤثر اجزاء خریدے اور فراہم کئے گئے ہیں، اور وہ تمام جڑی بُوٹیاں جو عام طور پر بازار میں نہیں ملتیں، یا جن کی بجائے عطّار اور پنساری غلط چیزیں فروخت کر دیتے ہیں خاص طور پر کوشش کر کے مہیّا کی گئی ہیں۔ اور کسی نسخہ میں اس کے قیمتی اجزاء کے قلیل القیمت بدل نہیں ڈالے، کیونکہ ان قیمتی دواؤں کا جو مخصوص ذاتی اثر ہوتا ہے، وہ انکے بدل اجزاء میں ہرگز نہیں ہوتا۔

پس احباب اپنی تمام طبّی ضروریات کے وقت دواخانہ نُورالدّینؓ

کو یاد رکھیں۔ اگر کوئی نسخہ طیّار کرانا ہو، تو بہترین اور اصلی اجزا سے تیار کرکے بھیجا جائیگا۔ بیماری کی مفصّل کیفیت لکھنے پر مناسب نسخہ تجویز کیا جائے گا۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کے مشہور مجرّبات جو نہایت احتیاط سے طیار کئے جاتے ہیں مناسب قیمت پر مہیّا کئے جائیں گے۔

ذیل میں ہم دواخانہ نورالدین کے خاص الخاص مجرّبات کی فہرست درج کرتے ہیں۔ ان دواؤں کے نسخہ جات حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی قلمی بیاض میں سے لئے گئے ہیں۔ لیکن جن خاص مجرّبات کا ذکر اس فہرست میں کیا گیا ہے، ان کے علاوہ دنیائے طبّ کے تمام مروّجہ اور مستعملہ مرکبات بھی اس دواخانہ میں نہایت صفائی اور احتیاط کے ساتھ تیار کروائے گئے ہیں۔ اگر کوئی دوست اپنا نسخہ تیار کرانا چاہیں، تو ان کی دوا بھی نہایت احتیاط اور صحیح اجزاء کے ساتھ تیار کی جائے گی۔

آخر میں ہم احباب سے دُعا کی درخواست کرتے ہیں، کہ اللہ تعالےٰ ہمارے ارادوں میں برکت دے۔ اور وہ طبّی چشمۂ فیض جو حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کے ذریعہ جاری ہوا تھا، دَوَاخانہ نورالدّینؓ کے ذریعہ روز افزوں ترقی کرے۔

المشتہرین

ابنائے حکیم الامّت حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ

فہرست مجرّبات اگلے صفحوں پر ملاحظہ فرمائیں۔

صندلین

انیمیا یا کمی خون کا بہترین علاج

خون تمام اعضاء بدن کو غذا و رُوح پہونچاتا ، اور زہریلے
جسم سے خارج کرتا ہے ۔ تمام اعضاء جسم خون سے ہی زندہ ہیں ۔ خ
کے ہر ایک حصّہ کی غذا کے لئے مناسب مواد مہیا کرتا ہے ۔ اور
میں ایسے اجزاء لے جاتا ہے ، جو دودھ بننے کے لائق ہیں ۔ یہ خصیہ
ایسے اجزاء لے جاتا ہے ، جو مادہ حیات بننے کے لائق ہیں ۔

جسم میں دورۂ خون سے حرارتِ بدن برقرار اور قائم رہتی ہے
کا مدار بھی اسی پر ہے ۔ اور صندلین میں وہ تمام اجزاء بکثرت مو
جن پر خون کے پیدا ہونے کا انحصار ہے ۔

کمیٔ خون خواہ کثرتِ حیض اور بواسیر سے ہو یا عرصہ تک کی بیماری مثـ
وغیرہ میں مبتلا رہنے سے ۔ ان تمام حالات میں صرف صندلین کا ا
ہی آپ کے لئے مفید ہے ۔ صندلین چہرہ کے رنگ کو نکھارنے اور
کے لئے بھی اکسیر ہے ۔

قیمت یکصد قرص ایک روپیہ بارہ آنہ (۱۲؍)
" پچاس قرص ایک روپیہ (عہ؍)

امراض خاص

خاص امراض کی تشریح و تفصیل مشکل ہے۔ ان امراض کی اہمیت کسی توضیح کی محتاج نہیں۔ بہت سے مریض ان کو لا علاج سمجھکر مایوس ہوجاتے ہیں جو احباب ان میں سے کسی مرض کا شکار ہوں، یا ان کے علم میں کوئی دوست اس مرض میں گرفتار ہوں تو وہ اپنے مفصل حالات ہمیں لکھیں۔

حضرت حکیم الامت کی خاص قلمی بیاض کے مطابق ادویہ تیار کر کے مناسب قیمت پر ان کی خدمت میں بھیجی جائیں گی۔

غیر معتبر اشتہاری ادویہ خرید کر اپنی صحت اور روپیہ کو برباد نہ کریں۔ بلکہ آج ہی سے دواخانہ نور الدینؓ کی تیار کردہ بہترین ادویہ کا استعمال شروع کر دیں:۔

نور منجن

اگر آپ کے مسوڑھوں سے خون یا پیپ بہتی ہے مسوڑھے پھولتے یا درد کرتے ہیں منہ سے بدبو آتی ہے۔ دانت میلے رہتے ہیں۔ دانتوں میں کیڑا لگ گیا ہے۔ پانی پینے سے ٹیس سی لگتی ہے، تو آپ کو نور منجن کا استعمال فوراً شروع کر دینا چاہیئے کیونکہ یہ بے مثال منجن دانتوں کی آب قائم رکھتے ہوئے انہیں موتیوں کی طرح صاف چمکدار اور خوشنما ہی نہیں بناتا بلکہ منہ کی بدبو دور کر کے ان خطرناک جراثیم کو بھی ہلاک کرتا ہے جو دانتوں کی بیماریوں کا موجب ہوتے ہیں۔ پھر اس کا خاص جزو پائیریا سے بھی بچاتا ہے اور مسوڑھوں کے نازک پٹھوں کو طاقت دیکر انہیں اس قابل بناتا ہے کہ خون سے اپنی غذائیت حاصل کر سکیں۔

نور منجن کا ذائقہ خوشگوار ہے، اور حجم کو بڑھانے کے لئے اس میں چاک وغیرہ قسم کی کوئی چیز شامل نہیں کی گئی۔ اس کا روزانہ استعمال دانتوں کی بیماریوں سے محفوظ رکھتا ہے قیمت ۲ اونس کی شیشی پانچ آنہ۔ ایک درجن تین روپیہ دو آنہ۔

ایک اونس کی شیشی تین آنہ ایک درجن ۲ روپیہ

ہر قسم کی خط و کتابت کے لئے فقط یہ پتہ یاد رکھیں

دواخانہ نور الدین قادیان

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز (اردو)

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر اور اہل مذاہب کا تشحیذ الاذہان

۳۹ | ۳۰ رمضان المبارک ۱۳۵۹ھ مطابق یکم نومبر ۱۹۴۰ء

فہرست مضامین

قرآن کریم کلام اللہ ہے

(از نواب اکبر یار جنگ بہادر حیدر آباد دکن)

ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے، کہ وہ جو عقائد چاہے، اختیار کرے، لیکن جبتک وہ کسی خاص مذہب کی طرف اپنے آپ کو منسوب کرتا ہے اس کو اس مذہب کے متفقہ اور مسلّمہ بنیادی عقائد و اصول کے خلاف کچھ لکھنے یا کہنے کا حق نہیں ہے۔ اگر وہ ایسا کریگا تو اس کا یہ فعل منافقانہ ہوگا۔ کیونکہ اس سے ایک تو اس مذہب کے مخالفین کو تقویت پہونچے گی، اور دوسرے خود اس مذہب کے نوجوانوں اور کچے معلومات رکھنے والوں پر اس کا بُرا اثر پڑنے کا قوی بلکہ یقینی امکان و احتمال ہے۔

اِن ہر دو قسم کے اندرونی و بیرونی مفاسد کی بناء پر کسی مذہب کے ماننے والے ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ کوئی شخص اپنے تئیں ان کے مذہب میں رہتا ہوا اس کے بنیادی عقائد و اصول کے خلاف اظہار خیال کرے۔ ہاں اس سے علیحدگی کا اعلان کر کے پھر جو چاہے کہے اور کرے، کسی کو اس سے تعرض نہ ہوگا۔

لکھنؤ سے ایک ماہوار رسالہ "نگار" شائع ہوتا ہے۔ اس کے ایڈیٹر نیاز فتحپوری بہت "آزاد خیال" واقع ہوئے ہیں۔ انہوں نے آج سے چند سال پیشتر اپنے رسالہ میں قرآنِ مجید اور اسلام کے بارے میں ایسے ملحدانہ خیالات کا اظہار کیا تھا، جو اسلامی تعلیمات کے صریح خلاف تھے۔ نیاز صاحب چونکہ اسلام کے مدعی ہیں۔ اس لئے جب انہوں نے اسلام کے متفقہ اور مسلّمہ عقائد کے خلاف اظہار رائے کیا، تو

اسلامی پریس میں ایک شور مچگیا۔ اس سے ڈر کر انہوں نے ایک توبہ نامہ شائع کیا، اور آئندہ کے لئے ایسے خیالات کے اظہار سے اجتناب کا وعدہ کیا۔ مگر یہ توبہ مستقل اور پائیدار ثابت نہ ہوئی۔ اور اب انہوں نے گذشتہ پانچ چھ ماہ سے پھر اپنی پرانی روش کا اعادہ شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ "نگار" بابت ماہ جون ۱۹۴۰ء میں انہوں نے لکھا، کہ:۔

"کلامِ مجید کو میں نہ کلام خداوندی سمجھتا ہوں، نہ الہام ربانی، بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں"

اور اپنے اس اجتہاد کی دلیل منجملہ دیگر دلائل کے ایک یہ دی، کہ:۔

"کلام کا مفہوم اس وقت تک متعین نہیں ہو سکتا، جب تک نطق اس سے متعلق نہ ہو۔ اور نطق نام ہے مخصوص عضلات کی حرکت کا۔ اس لئے اگر ہم خدا سے کسی کلام کو منسوب کرینگے تو اس کے معنی یہ ہیں، کہ خدا کے لئے نطق بھی لازم ہوگا جس کا تعلق یکسر مادیات سے ہے"

اسی قسم کے اور بھی بہت سے دلائل قرآن کریم کے کلام خداوندی نہ ہونے پر دیئے ہیں، مگر باوجود اس کے کہ آپ مسلمان ہونے کے مدعی ہیں اور اس وجہ سے مسلمان اخبارات و رسائل نے پھر ان کی خرافات کے خلاف آواز بلند کی ہے، اور ان کے مضمون پر تنقید کا سلسلہ شروع ہے۔

عالیجناب نواب اکبر یار جنگ بہادر نے گذشتہ ماہ جماعت احمدیہ حیدرآباد دکن کے ایک جلسہ میں "نگار" کے اعتراضات کو مدنظر رکھکر قرآن کریم کے کلام خداوندی ہونے پر ایک نہایت پُرمغز تقریر ارشاد فرمائی، جس میں نیاز فتحپوری کے رد کے علاوہ عقلی و نقلی دلائل سے قرآن کریم کا کلام اللہ ہونا ثابت کیا۔ ہماری درخواست پر نواب صاحب موصوف نے یہ تقریر ارسال فرمائی ہے، جو شکریہ کے ساتھ ذیل میں درج کی جاتی ہے۔ (ایڈیٹر)

اخبارات میں نیاز فتحپوری ایڈیٹر "نگار" کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے، کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے، اور دلیل اس کی یہ دی گئی ہے، کہ کلام حلق کے غدود و عروق اور عضلات کے ضربات اور حرکات سے پیدا ہوتا ہے، جو مادی چیزیں ہیں، اور خدا مادیات سے منزہ ہے، اس لئے خدا اس طرح کا کلام نہیں کر سکتا، جس طرح کا کلام قرآن پاک کو دوسرے مسلمان سمجھتے ہیں۔

مَیں حیران ہوں، کہ ایک مسلمان، مسلمان رہ کر اس قسم کی بات اپنے منہ سے نکال ہی کیوں کر سکتا ہے۔ اگر قرآن نعوذ باللہ من ذالک خدا کا کلام نہیں ہے، بلکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ فی نفسہ اسلام ایک ڈھونگ ہے جو انسان کی طرف سے بنا لیا گیا، اور محض افترا ہے، جو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے کیا، نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ اس قسم کی باتیں ہیں، جیسا کہ برہمو سماج کے لوگ بڑے اخلاق سے کہتے ہیں، کہ تمام انبیاء بڑے نیک اور مصلح تھے، لیکن انہوں نے جو کلام خدا کی طرف منسوب کیا ہے، وہ محض اس لئے کیا ہے، کہ لوگ اس سے متاثر ہوں، اور اس ہدایت پر عمل کریں، جو ان کی اصلاح کے لئے دی گئی۔

میری سمجھ میں نہیں آتا، کہ ایک شخص مسلمان رہکر قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیسے کر سکتا ہے؟ اگر ایڈیٹر "نگار" کی یہ تحریر صحیح سمجھ لی جائے کہ کلام حلقوم کے عضلات و غدود کے ضربات و حرکات سے پیدا ہوتا ہے، تو پھر سمع و بصر کے متعلق بھی یہی کہا جا سکتا ہے۔ اسی طرح جملہ صفات الٰہی سے انکار کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ کل اور پرسوں جو تقریریں میں نے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر کی ہیں، ان میں مَیں یہی ظاہر کرنے کی کوشش کرتا رہا ہوں، کہ اللہ کی ذات سے کوئی شخص انکار نہیں کر سکتا، جو غلطی پیدا ہوئی ہے، وہ صرف صفات کو نہ سمجھنے سے ہوئی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام صفاتِ الٰہیہ کے اظہار کے لئے ہی آئے ہیں۔ اگر ایڈیٹر "نگار" نے صفات الٰہی کو سمجھا ہوتا تو انہیں قرآن پاک کے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شک و شبہ پیدا نہ ہوتا۔

اوّل تو یہ دلیل ہی غلط ہے، کہ کلام حلقوم کے عضلات و ضربات سے پیدا ہوتا ہے۔ حلقوم کے عضلات و ضربات سے جو چیز پیدا ہوتی ہے، وہ صرف آواز ہے، اور جیسا کہ معمولی

مبتدی بھی جانتا ہے آواز مہمل بھی ہوتی ہے اور با معنے بھی، اور مجرد آواز کو کوئی شخص کلام نہیں کہہ سکتا، ممکن ہے آواز ذریعہ کلام قرار پائے، لیکن آواز خود کلام نہیں ہے۔ ایسی مثال اس زمانہ میں خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ابھی موجود ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے ٹیلیگراف و ہیلوگراف کے ذریعہ سے بغیر حلق یا حلق کے عضلات کی مدد کے بخوبی کلام ہو سکتا ہے۔ مولانائے روم فرماتے ہیں:۔

اے خدا بنمائے مارا آں مقام کاندروں بے حرف می روید کلام

اس امر کے متعلق کہ قرآن شریف کلامِ الٰہی ہے، دو طریقوں سے بحث کی جا سکتی ہے۔ ایک تو ان لوگوں کے اطمینان کے لئے جو مسلمان ہیں، اور مسلمانوں کے عقائد رکھتے ہیں۔ ان کے لئے تو خود قرآن مجید سے یہ دلائل دیئے جا سکتے ہیں، کہ قرآن مجید بجنسہٖ موجودہ شکل میں کلامِ الٰہی ہے۔ دوسرے دلائل ان لوگوں کے لئے ہو سکتے ہیں، جو اسلام کو تو نہیں مانتے، لیکن اس کو مانتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور ان پر کلامِ الٰہی نازل ہوتا رہا ہے۔

قرآن ایسی جامع اور پرحکمت کتاب ہے، کہ وہ ان تمام اعتراضوں کا جو اس پر ہو سکتے ہیں، یا کبھی کئے گئے تھے، خود جواب دیتی ہے، اور کسی حامی کی دلیل کی محتاج نہیں ہے۔ جو اعتراض اب فتنہ نگار کے نام سے ہمارے سامنے آیا ہے، اس کے جواب کے لئے چند آیات آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ یوں تو سارا قرآن مجید اس امر سے بھرا پڑا ہے کہ قرآن مجید خدا کا کلام ہے، صرف آپ کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے چند آیات کافی ہیں۔

اکیسویں پارہ کی سورۃ لقمان اس طرح شروع ہوتی ہے:۔

الٓمّٓ ٥ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ	یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں (جو اتاری گئی
الْحَكِيْمِ ٥ هُدًى وَّ رَحْمَةً	ہیں) ہدایت اور رحمت کے طور پر اچھے کام
لِّلْمُحْسِنِيْنَ ٥ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ	کرنیوالوں کے لئے۔ وہ لوگ جو نماز قائم کرتے
الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ	اور زکوٰۃ دیتے اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں

وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ ۝ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِنْ رَبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا ۚ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝

یہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اور بعض لوگ ایسے ہیں جو خریدتے ہیں لغویات تاوہ گمراہ کریں اللہ کے راستہ سے بغیر علم کے اور وہ ان آیتوں سے تمسخر کرتے ہیں انہیں لوگوں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے، کہ قرآن مجید کو کتاب حکیم کہا گیا ہے، اور انہی آیات میں ان لوگوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے، جو ضلالت اور گمراہی پھیلانے کے لئے اور صرف اس لئے کہ ان کے اخباروں کے پرچے بک جایا کریں، بغیر علم کے مضحکہ کیا کرتے ہیں۔

دوسری سورۃ سجدہ کے ابتداء میں اس طرح فرمایا ہے۔

الٓمٓ ۝ تَنْزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۚ بَلْ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا أَتَاهُمْ مِنْ نَذِيرٍ مِنْ قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ ۝

اتارنا اس کتاب کا، اس میں کچھ شک نہیں، رب العالمین کی طرف سے ہے، کیا یہ لوگ کہتے ہیں، کہ اس نے اسے افترا کیا ہے۔ (نہیں) بلکہ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے تاکہ تو ڈرا دے اس قوم کو جس کی طرف تجھ سے پہلے کوئی ڈرانیوالا نہیں آیا تاکہ وہ ہدایت پائیں۔

ان آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ قرآن مجید کلام الٰہی ہے، اس کتاب کو رب العالمین نے نازل فرمایا ہے، اور اسے افترا کہنے والوں کو تہدید کی ہے۔

اس کے بعد سورۃ زمر کی پہلی دو آیات یہ ہیں:-

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۔ اِنَّا اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ۔	اتارنا اس کتاب کا اللہ کی طرف سے ہے جو غالب حکمت والا ہے۔ ہم نے اتاری ہے تیری طرف یہ کتاب حق کے ساتھ۔

ان آیات میں واضح طور پر قرآنِ پاک کو کتاب فرمایا ہے' اور فرمایا کہ اس کو ہم نے نازل کیا ہے۔ کتاب حروف وکلمات سے خالی نہیں ہوسکتی۔ پس کتاب کے نازل کرنے کے یہ معنی ہیں' کہ وہ حروف اور کلمات جو اس کتاب میں ہیں، خدا کی طرف سے ہیں۔

اس کے بعد صرف ایک حوالہ دیدینا کافی ہے۔ اور وہ حٰم سجدہ کی ابتدائی تین آیات ہیں'

حٰمٓ ۔ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لِّقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۔	اتارنا ہے (اس کتاب کا) خدائے رحمٰن ورحیم کی طرف سے۔ یہ کتاب ہے کھولی گئی ہیں اسکی آیتیں، اس حال میں کہ قرآن عربی ہے اس قوم کیلئے جو جانتی ہے۔

پہلی آیات میں تو قرآن مجید کو کتاب کہا گیا ہے، اور ان آیات میں کتاب کی نسبت کہا گیا ہے' کہ اس میں آیات کی تفصیل ہے، اور فرمایا گیا ہے' قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ۔ عربی کہنے سے خود یہ پتہ چلتا ہے' کہ یہ کلام ہے۔ محض کسی مفہوم کو عربی یا اردو یا فارسی نہیں کہہ سکتے۔ آیات مذکورہ میں قرآن پاک کو عربی کہکر ظاہر کردیا گیا ہے' کہ حروف وتلفظ کے ساتھ ہے۔ کیونکہ بغیر حروف اور تلفظ کے اس کو عربی یا فارسی نہیں کہا جاسکتا۔ اس آیت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے' کہ قرآن مجید کے تمام حروف الفاظ اور کلمات مع حرکات کے بجنسہٖ خدا کی طرف سے نازل ہوئے اور وہی حرف بحرف ہم تک پہونچائے گئے ہیں۔

اس امر میں کسی معاند سے معاند شخص کو بھی انکار نہیں ہے' کہ جو قرآن اس وقت ہمارے پاس موجود ہے، یہی کلام رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہم کو پہونچا، اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کلامِ الٰہی فرمایا ہے۔ چنانچہ سرولیم میور جیسے معاند اسلام نے حضور کی سوانحمری

میں اس کا اقرار کیا ہے۔ مسلمانوں میں سے کوئی فرقہ بھی اس اصل سے انکار نہیں کرتا، بلکہ تمام فرقے اول سے لیکر آخر تک اس کے کلام الٰہی ہونے پر متفق ہیں۔

اور قرآن خود اس کو ثابت کرتا ہے، اور وہ اپنے کلام الٰہی ہونے میں کسی دوسرے کی دلیل کا محتاج نہیں ہے۔ قرآن نے خود یہ دعوےٰ کیا ہے، کہ اگر لوگ اس کو خدا کا کلام نہیں سمجھتے اور کسی انسان کا افترا سمجھتے ہیں، تو اس کی مثال لائیں۔ جیسے فرمایا، وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ۔ یعنے اگر تم اس کلام کی نسبت شک میں ہو جو ہم نے اپنے اس بندے پر نازل کیا، تو اس کی مثل ایک سورۃ تو بنا کر لاؤ، اور اپنے مددگاروں کو بھی بلالو، اگر تم سچے ہو، اور اگر ایسا نہ کر سکو، یعنے اس کی مثل کوئی سورۃ نہ لا سکو، اور ہرگز نہیں لا سکو گے تو آگ کے عذاب سے ڈرو۔ اس طرح ملزم کیا ہے کہ جب سب انسان ملکر تم اس کی مثل لانے پر قادر نہیں ہو، تو پھر کیسے کہہ سکتے ہو، کہ یہ انسان کا کلام ہے۔ جب قوئی بشریہ اس کی مثل لانے سے عاجز ہیں، تو جان لو کہ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ یعنی اسی کا نازل کردہ کلام ہے۔ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔ اور قرآن نے جابجا اس امر کی تحدی کی ہے، اور کہا ہے کہ اگر جن اور انس بھی جمع ہو جائیں، تو بھی اس کی مثل نہیں لا سکتے۔ یہ تحدی تیرہ سو برس سے موجود ہے، اور ابھی تک اس تحدی کے خلاف کوئی شخص کھڑا نہیں ہو سکا۔ پہلے کچھ لوگوں نے اس کے متعلق کوششیں کیں، مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ ابو العلیٰ معری اور دوسرے لوگوں نے بہت کچھ کوششیں کلام الٰہی کا جواب لکھنے کے متعلق کیں، مگر کامیاب نہ ہو سکے۔

بعض لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے، کہ یہ کلام رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے۔ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ یہ کس کا کلام ہے، معمولی معیار یہی ہے، کہ اس کے دوسرے کلام سے اس کو ملایا جائے۔ اگر یہ کلام رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے تو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام اب بھی دنیا میں موجود ہے۔ اگرچہ احادیث کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے، کہ وہ باللفظ نہیں

تاہم اکثر خطبات باللفظ موجود ہیں۔ خصوصاً حجۃ الوداع کا خطبہ اور وہ تبلیغی خطوط جو شاہان عالم کو لکھے گئے اب بھی محفوظ ہیں۔ اب بھی جس کا جی چاہے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے اس کلام کو قرآن پاک سے ملا کر دیکھ سکتا ہے اس سے معمولی عربی جاننے والا آدمی بھی بآسانی تمیز کر سکتا ہے کہ آیا رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا محفوظ کلام جو احادیث میں ملتا ہے وہ قرآن پاک کی موجیں مارتی ہوئی عبارت سے ملتا ہے یا نہیں۔ میرا یہ دعویٰ ہے، کہ عربی زبان کی کسی عبارت کو قرآن پاک سے ملا دیا جائے، تو قرآن پاک کی آیات اس دوسری عبارت سے بالکل نمایاں معلوم ہونگی اور کوئی شخص جو عربی سے ذرا بھی تعلق رکھتا ہے، قرآن پاک کی عربی کو دوسری عربی سے بآسانی امتیاز کر سکتا ہے۔

قرآن پاک کو افترا سے محفوظ رکھنے کے لئے اس میں بڑے سخت اور تہدیدی الفاظ آئے ہیں۔ ارشاد فرمایا گیا ہے، وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ ۔ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ۔ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ۔ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِينَ ۔ کہ اگر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اپنی بعض باتیں خدا کی طرف منسوب کر دیتے (جیسا کہ بعض معترضین کہتے ہیں) تو ہم ان کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے، اور ان کی رگِ جان کاٹ دیتے۔ اس صورت میں کوئی بھی ان کو بچا نہ سکتا۔

ان آیات کی سابقہ کتب سے بھی مطابقت ہوتی ہے۔ چنانچہ لکھا گیا ہے، کہ جھوٹا نبی قتل کیا جاتا ہے۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کافی عمر دیکر اور قتل سے بچا کر اللہ تعالےٰ نے ثابت کر دیا، کہ قرآن پاک کلام الٰہی ہے۔ پس کوئی مسلمان یہ یقین نہیں کر سکتا، کہ یہ کلام پاک رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا کلام ہے، اور آپ نے نعوذ باللہ غلط طور پر اس کو خدا کی طرف منسوب کر دیا۔

سورۃ بقرہ میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۔

کہ بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں، اس کو جو اللہ تعالےٰ نے کتاب سے نازل کیا، اور اس کے بدلے تھوڑی قیمت لیتے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں، اور ان سے اللہ تعالیٰ کلام نہیں کریگا قیامت کے دن اور نہ ان کو پاک کریگا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

اسی طرح سورۃ آل عمران رکوع میں فرمایا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ اَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ کہ بے شک جو لوگ اللہ تعالےٰ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض میں تھوڑی قیمت اختیار کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں، جن کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور اللہ تعالےٰ اُن سے کلام نہیں کریگا، اور نہ ان کی طرف قیامت کے دن نظر کریگا، اور نہ ان کو پاک کرے گا، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔

ان آیات میں یہود اور نصاریٰ کو ان کے جرم پر کہ وہ خدا کی آیتوں کو بیچتے ہیں، اور کلام الٰہی کو چھپاتے ہیں یہ تہدید سنائی ہے، کہ اللہ تعالےٰ ان سے کلام نہیں کرے گا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ خدا تعالےٰ کلام کرتا ہے، اور کر سکتا ہے، اور کسی سے کلام نہ کرنے کو ایک سزا قرار دیا گیا ہے۔

سورۃ یٰسین میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝ کہ آج کے دن یعنے یوم قیامت کو ہم ان کے مونہوں پر مہر کر دینگے، اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کرینگے، اور ان کے پَیر شہادت دینگے اس امر کی جو وہ کرتوتیں کرتے تھے۔

اور حٰم سجدہ کے رکوع ۳ میں فرمایا۔ حَتّٰٓی اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَیْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ۝ کہ جب خدا کے دین کے دشمن آگ کے پاس حاضر ہونگے، تو ان پر ان کے کان اور ان کی آنکھیں اور ان کے چمڑے گواہی دیں گے،

اس کی جو وہ کرتے تھے، اس پر وہ لوگ اپنے چمڑوں سے کہیں گے، کہ تم ہم پر کیوں گواہی دیتے ہو، وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا۔ وہ کہیں گے کہ خدا نے ہمیں نطق عطا کیا ہے، جس طرح اس نے ہر چیز کو بولنے والا بنایا ہے، قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زبان اور حلق کے بغیر بھی اللہ تعالےٰ دوسری مادی چیزوں سے کلام کرا سکتا ہے۔ پس بغیر حلق اور زبان کے کلام کرنے میں کونسا استبعاد عقلی ہے، کہ خود اللہ تعالےٰ بغیر حلق اور عضلات حلق کے اپنے انبیاء اور مرسلین سے کلام نہ کر سکے۔

سورۃ ذاریات میں اللہ تعالےٰ نے اس قسم کے شبہات کے ردّ میں ارشاد فرمایا ہے۔ فَوَرَبِّ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّهٗ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَآ اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ یعنے قرآن پاک اسی طرح کلام حق ہے جس طرح تم آپس میں باتیں کرتے ہو۔

اللہ تعالےٰ نے انبیاء سے کلام کرنے کے چند ذرائع بیان فرمائے ہیں۔ پہلا ذریعہ وحی ہے دوسرا ذریعہ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ہے اور تیسرا ارسال رسل جیسے ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ۔ اور بخاری باب بدء الوحی میں وحی کے جو طریق بیان کئے گئے ہیں، ان میں ایک یہ ہے، کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام خود سامنے آکر قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے اور رسول مقبول اس کے بموجب اس کو یاد فرماتے تھے۔

سورۃ قیامہ میں اللہ تعالےٰ نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کلام الہٰی ادا کرنے کی عاجلانہ کوشش کی نسبت ارشاد فرمایا ہے کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ کہ زبان نہ ہلا تا جلدی سے اس کو لے لو۔ حقیقت میں اس کا جمع کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ پس جب ہم اس کو پڑھ دیں، تو آپ ہمارے پڑھنے کی اتباع کریں۔ یعنے انہیں الفاظ کو اپنی زبان سے ادا فرما دیں۔

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول مقبول کلام الہٰی کو جلد جلد ادا کرنا چاہتے تھے مگر

حق تعالیٰ نے آپ کو جلدی کرنے سے روکا ہے، اور فرمایا ہے، کہ آپ اپنی زبان کو جلدی سے روکیں، جب تک کہ ذاتِ باری خود کلام فرمائے، اور وہی الفاظ ادا کریں جو ذاتِ باری کی طرف سے ارشاد ہوں۔ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ - اگر یہ کلام نہ تھا بلکہ صرف مفاہیم تھے، تو آنحضرت کس چیز کو اپنی زبان سے جلدی جلدی حرکت دیکر پڑھنا یا یاد کرنا چاہتے تھے۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہو جاتا ہے، کہ کلامِ مجید کلامِ الٰہی ہے اور وہ بجنسہٖ وہی ہے جو بین الدفتین ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

اُن لوگوں کے لئے جو اسلام کو نہیں مانتے دوسرے دلائل قرآنِ پاک کے کلامِ الٰہی ہونے کے لئے دیئے جا سکتے ہیں۔ ایسے اشخاص کے لئے ایک دلیل قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کی یہ ہے کہ قرآنِ مجید میں ایسی غیب کی باتیں پائی جاتی ہیں، جو قرآن مجید کے نازل ہونے کے بعد ظاہر ہوئیں، اور اس موجودہ زمانہ میں ظاہر ہو رہی ہیں۔ اور یہ قرآن مجید کے عالم الغیب ہستی کا کلام ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کسی مخالف و معاند کے نزدیک عالم الغیب نہ تھے۔

سورۂ آلِ عمران میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی اپنے فرشتوں اور ان لوگوں کی شہادت پیش کی ہے جو منصفانہ رائے ظاہر کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ مَیں قرآن پاک سے تین مثالیں اس علمِ غیب کی پیش کرتا ہوں جس پر سوائے خدا کے کوئی دوسرا قادر نہیں ہو سکتا۔

پہلی بات جو اس زمانہ میں ہر شخص جانتا ہے، وہ یہودیوں کی موجودہ حالت ہے۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ (آلِ عمران رکوع ۱۲) کہ قومِ یہود پر ذلّت اور مسکنت کی مار پڑے گی۔ خواہ وہ کہیں ہوں، بجز اس کے کہ وہ مسلمان ہو کر خدا کی پناہ

میں آجائیں، یا کسی انسان کی پناہ میں چلے جائیں، بغیر اس کے وہ دُنیا میں اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتے۔ گذشتہ زمانہ میں یہ غیب کی بات کس طرح پوری ہوئی، تاریخ اس کی شہادت سے بھری پڑی ہے، اور اس موجودہ زمانہ میں جنگ یورپ سے پہلے اور بعد جوگت یہودیوں کی یورپ میں بنائی گئی اور بنائی جا رہی ہے، وہ صاف اور بیّن طور پر عالم الغیب کے اس کلام کی تصدیق کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں قرآن مجید کی دوسری آیت حضرت موسےٰ اور فرعون کے قصہ میں یوں ہے:۔

حَتّٰیٓ اِذَآ اَدْرَکَہُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِہٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ۔ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً۔ وَاِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ۔ (یونس۔ ۹)	حتیٰ کہ جب وہ غرق ہونے لگا، تو اس نے کہا، میں ایمان لایا، کہ کوئی معبود نہیں سوائے اس ذات کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں فرمانبرداروں میں سے ہوں (اللہ نے فرمایا) اب تو ایمان لایا ہے، اور اس سے پہلے تُو نے نافرمانی کی، اور فساد کرنیوالوں میں سے تھا، پس آج کے دن ہم تیرے بدن کو بچالیں گے تاکہ تو بعد کے لوگوں کے لئے نشان ہو، اور یقیناً بہت سے لوگ ہمارے نشانات سے غافل ہیں۔

جس زمانہ میں ان آیات کا نزول ہوا، اس زمانہ میں فرعون کی نسبت یہ بات قطعی تھی، کہ فرعون دریا میں غرق ہو گیا، اس کی لاش کو مچھلی کھا گئی۔ یہود کی کتاب میں بھی یہی آیا ہے، پس اس وقت کی ساری دُنیا فرعون کی لاش کے بچ جانے سے قطعًا لاعلم تھی۔ اگر کوئی کہتا، کہ فرعون کی لاش بچ گئی ہے، تو نہایت جاہل اور بے خبر سمجھا جاتا۔ اگر رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ کلام اپنی طرف سے بنا لیا ہوتا، تو اس زمانہ کے مشتہرہ علم اور معلومات کے خلاف کچھ نہ لکھ سکتے۔ اللہ تعالےٰ نے زمانہ کے انسانی معلومات کے خلاف اور ایسی معلومات

کے خلاف جن کو یہود کی مذہبی کتب سے پوری مدد پہونچتی تھی، صاف طور پر فرمایا، کہ تیرے بدن کو ہم نجات دیں گے تا بعد کے آنے والوں کے لئے نشان ہو، اور یہ بھی فرمایا، کہ اکثر لوگ اس سے ناواقف ہیں۔ اِس زمانہ میں فرعونِ موسٰی کی نعش برآمد کی گئی اور برٹش میوزیم میں حفاظت کے ساتھ رکھی ہوئی موجود ہے، اس سے زیادہ قدرت اور علمِ الٰہی کی کوئی دلیل نہیں ہوسکتی، اور اس دلیل سے یہ ظاہر ہوجاتا ہے، کہ یہ رسول مقبولؐ کا کلام نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ کا کلام اپنے زمانہ کے معلومات کے خلاف نہیں ہوسکتا تھا۔

تیسری مثال سورۂ روم کی پہلی آیات ہیں۔ الٓمّٓ ۔ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِيْٓ اَدْنَى الْاَرْضِ وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ ۔ فِيْ بِضْعِ سِنِيْنَ ۔ وَلِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ یہ آیاتِ مبارکہ جس زمانہ میں نازل ہوئیں اس زمانہ میں روم اور ایران میں جنگ ہوئی۔ مسلمان فطرتاً ایسی قوم سے جو اہلِ کتاب سے تھی، ہمدردی رکھتے تھے اور وہ اس سے رنجیدہ تھے کہ ایسی قوم اہل کتاب پر غالب ہوئی جاتی ہے، جو توحید سے بہت دور ہے۔ ان آیات میں یہ ارشاد فرمایا گیا ہے، کہ اگرچہ روم مغلوب ہوگیا ہے، لیکن تھوڑے عرصہ میں اسے غلبہ حاصل ہوگا، اور یہ وہ دن ہوگا، کہ جب خدا کی مدد سے مومنین خوش ہونگے۔ یہاں بِضْعِ سِنِيْنَ کے الفاظ آئے ہیں، اور لفظ بِضْعَ ۳ تا ۹ پر بولا جاتا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد کفار کو یہ پیشگوئی سنادی، اور اس کی صحت پر مطمئن ہوکر شرط باندھ لی، کہ تین برس کے اندر اہلِ روم غالب ہونگے، مگر رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے محض تین برس کے اندر کے خیال کی تردید فرمائی، اور فرمایا، کہ بضع کا لفظ ۳ سے ۹ تک کے لئے استعمال ہوتا ہے، اور فرمایا کہ ۹ سال کے عرصہ میں یہ پیشگوئی پوری ہوگی۔ قریباً ۶۱۳ء میں ایران کی طرف سے اعلانِ جنگ ہوا تھا، اور ۶۱۶ء تک ایرانی لوگ قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہونچ گئے تھے۔ یروشلم عیسائیوں کا مقدس شہر فتح ہوچکا تھا۔ ۲۶ ہزار یہودی ایرانیوں کے ساتھ شامل ہوگئے۔ ساٹھ ہزار قتل ہوئے اور تین ہزار عیسائیوں کے

سروں سے ایران کے بادشاہ کے قصر کی آراستگی کی گئی۔ ایسی حالت میں رومی حکومت نے صلح کی درخواست کی۔ لاکھوں من سونا اور چاندی دینا قرار پایا منجملہ اور چیزوں کے ایک ہزار لڑکیاں دینا قرار پایا۔ گویا یہ لوگ اس قدر مغلوب ہو گئے تھے کہ غیرت بھی جاتی رہی تھی۔ اور خود روم کے بادشاہ کی یہ حالت تھی، کہ وہ عیش و عشرت میں مشغول تھا۔ ہاتھوں کو مہندی لگایا کرتا تھا۔ عیسائی امراءِ سلطنت یہ سمجھ چکے تھے، کہ نہ اب اس کی اصلاح ہو سکتی ہے، اور نہ سلطنت بچ سکتی ہے۔ اس زمانہ میں قرآن مجید یہ پیشگوئی فرماتا ہے۔ انگلستان کا مورخ... گبن لکھتا ہے کہ اس سے زیادہ دور از قیاس کوئی پیشگوئی نہیں ہو سکتی لیکن عجیب بات ہے کہ ادھر پیشگوئی ہوئی اور اس کے چند سال بعد یعنی ۶۱۶ء کے خاتمہ اور ۶۱۷ء کے قریب ہرقل روم کا بادشاہ سوتے سے دفعتاً بیدار ہوا اور قوم کو لیکر قسطنطنیہ کے باہر نکلا اور اس طرح مصروفِ جنگ ہوا کہ ۶۲۲ء کے خاتمہ سے پہلے اس کی فتوحات زور شور سے شروع ہوئیں اور ۶۲۵ء میں فتوحات کی تکمیل ہو کر سلطنت محفوظ ہو گئی۔ اس طرح قرآن کی یہ پیشگوئی کہ تین سے نو سال کے عرصہ میں اہلِ روم غالب ہو جائیں گے، اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی ان مثالوں سے یہ واضح کرنا مقصود ہے، کہ قرآنِ پاک انسانی کلام نہیں ہو سکتا، اور اس قدر قدرت اور علم غیب کا اظہار انسانی طاقت سے باہر ہے۔

جادۂ امن

(از مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ)

[یہ مضمون مذاہب کی عالمگیر کانفرنس منعقدہ لنڈن جولائی ۱۹۴۶ء کے سالانہ اجلاس میں مولانا جلال الدین صاحب شمسؔ مولوی فاضل امام مسجد لنڈن نے پڑھکر سُنایا۔ (ایڈیٹر)]

جنگ کا خوفناک اور مسلسل مرقع اس امر کا کافی ثبوت ہے، کہ مادی سائنس نوع انسانی کے لئے سُکھ اور چین مہیا نہیں کرسکتی۔ بے شک مادی سائنس نے پرشور، بھک سے اُڑجانے والے اور آتش بار بم، بوجھل ہتھیاروں سے مسلح ٹینک، ہوائی جہاز، انہیں مار نے والی توپیں اور انتہائی مہلک گیسیں پیدا کردی ہیں۔ اور فرض کیجئے، کہ موجودہ صورت سے ہزاروں گنا بڑھکر مہلک گیسیں اور بھک سے اُڑجانے والے سامان ایجاد کرلے، تو کیا اس کا یہی نتیجہ نہ ہوگا، کہ لوگ اچانک ہلاکت کے مستقل خطرہ میں زندگی بسر کرنے لگیں گے۔ وہ سفاکی اور بہیمیت جس کا ارتکاب ابھی پچھلے دنوں میں کیا گیا، اور جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی، وہ رہائشی جگہیں جنہیں کھنڈر بنا دیا گیا، وہ معصوم بچے اور عورتیں جنہیں مشین گنوں اور بموں کا نشانہ بنایا گیا، وہ مظلوم جنہیں بے دردی اور وحشت سے ذبح کردیا گیا، اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں، کہ نوع انسانی کے لئے یہ ایجادیں کس قسم کی ہلاکتیں اور تباہیاں لاسکتی ہیں۔ مَیں آپ سے سچ کہتا ہوں، کہ جب تک لوگ اپنے تئیں مذہبی طور پر ایک برادری میں نہیں سمجھنے لگیں گے، اس وقت تک وہ اپنے ذاتی مفاد اور مادی خواہشات کے لئے ایک دوسرے کی زندگیوں کو برباد کرتے رہیں گے۔ یہ ایک افسوسناک اور الم انگیز حقیقت ہے، کہ انسان، جسے عقل اور علم دیا گیا تھا، خونخواری اور سفاکی میں بعض لحاظ سے

جنگلی درندوں سے بھی بڑھ گیا ہے۔ ایک شیر یا چیتا جب تک بھوکا نہ ہو کسی کو گزند نہیں پہنچاتا مگر یہ انسان محض فاتح کہلانے کی خاطر اپنے جیسے ہزاروں انسانوں کو برباد کرکے رکھدیتا ہے۔

جن مصیبتوں اور عذابوں میں یورپ اس وقت گرفتار ہے، اس کا سب سے اہم اور پہلا سبب یہ ہے، کہ یہاں روحانیت اور مذہبیت نہیں پائی جاتی۔ ٹالسٹائے نے بالکل سچ لکھا ہے، کہ:۔

"کتاب پیدائش کے چھٹے باب میں نہایت گہرے مطالب پر مشتمل ایک فقرہ ہے، جس کا مصنف کہتا ہے، کہ طوفانِ نوحؑ کے آنے سے قبل خدا نے یہ دیکھکر کہ اس کی روح کو، جو اس نے انسان کو محض اپنی پرستش اور عبادت کے لئے عطا کی تھی انسان نے اپنی شہوت رانیوں کے لئے استعمال کرنا شروع کردیا ہے، اپنی کائنات کو نظر انداز کردیا، اور اس کی کامل تباہی سے پہلے یہ فیصلہ کیا، کہ انسانوں کی عمر کم کرکے صرف ایک سو بیس سال کردی جائے۔ بائیل کے بیان کے مطابق جس چیز نے خدا کو ناراض کیا تھا، اور اس نے انسانی عمروں کو کم کردیا تھا، آج بالکل وہی چیز ہماری مسیحی دنیا کے انسانوں میں پیدا ہوچکی ہے۔"

بالکل اسی طرح ۱۹۰۵ء میں خدا کے ایک نبی نے، جو ہندوستان میں مبعوث ہوا، ان الفاظ میں لوگوں کو متنبہ کیا:۔

"اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں، اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں، اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں، اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔ وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا، اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے، اور وہ چپ رہا، مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھائیگا، جس کے کان سننے کے ہوں سنے، کہ وہ وقت دور نہیں۔ میں نے کوشش کی، کہ خدا کی

امان کے نیچے سب کو جمع کروں، پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۵۷)

پس نوع انسانی کو کامل تباہی سے بچانے کا بہترین طریق یہی ہے، کہ لوگوں کو ایک گہری مذہبی زندگی اور ایک عالمگیر مذہبی برادری کی طرف بلایا جائے۔ مذاہب کی عالمگیر کانگریس کے صدر سر فرانسس ینگ ہسبنڈ نے "ٹائمز" کے ایڈیٹر کو ایک بڑا گرانقدر خط لکھا ہے، جس کی چند سطور کا اقتباس میں درج کرتا ہوں:۔

"آخر انگلستان کی حِس دینی روح پر بھی اثر ہوا، آخر ہم نے بھی جان لیا، کہ روحانی لحاظ سے ہم بالکل جنگلی اور وحشی ہیں۔ جناب نے اپنے آج کے مقالہ افتتاحیہ میں ہماری آئندہ نسل کی خالص ملحدانہ تربیت کے متعلق لکھا ہے، انگلستان مذہبی ہونا چاہتا ہے، انگلستان کو مذہبی ہونا پڑے گا، اور صرف اسی طور سے اسے وہ خوشی ہو سکتی ہے، جس کا منبع مذہب ہے۔ اور وہ طاقت و قوت مل سکتی ہے، جس کا سرچشمہ خوشی ہے۔ اور اسی طرح وہ نڈر ہو کر ان ہمت شکن کاموں کو سرانجام دے سکتا ہے، جو اس کے سامنے ہیں۔ لامذہبی اور مخالف مذہب جدوجہد کے مقابلہ میں کیوں نہ ہم سب، خواہ وہ رومن کیتھولک ہوں یا کلیسائے انگلستان کے پیرو، خود مختار کلیسائے سے تعلق رکھنے والے ہوں یا یہودی، کسی دوسرے مذہب کے پیرو ہوں یا انفرادی طور پر ہی وہ کسی مذہب کی طرف رجحان رکھتے ہوں، انگلستان کے باشندوں کو یہ محسوس کرانے کے لئے متحد ہو جائیں، کہ وہ نہ صرف یہ کہ ان مذاہب میں سے کسی نہ کسی سے متعلق ہیں، بلکہ اس ایک خدا اور سب کے باپ کی برادری میں بھی شریک ہیں، جو ہم سب سے بالا بھی ہے، اور ہم میں موجود بھی۔ اور اس طرح ہم اپنے میں سے ہر ایک کو پیدائشی حق کے طور پر ایک الٰہی سلسلہ میں منسلک کر دیں۔"

مذاہب کی عالمگیر کانگریس کا سب سے اہم مقصد یہ ہے، کہ ایک عالمگیر مذہبی برادری قائم کردے، ایک متحدہ محاذ بنا دے، بے دینی کا مقابلہ ہو، اور جیسا کہ سر فرانسس کا یہ خط بھی ظاہر کرتا ہے، پیار و محبت اور دلائل و براہین سے لامذہبیت کے مقابلہ میں مذہب کی فتحمندی کے لئے متحدہ کوشش کی جائے۔ پس اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آپ حضرات کے سامنے اسلامی نظریہ پیش کرتا ہوں، کہ تمام مذہبی اداروں کو چاہیئے، کہ وہ ان قوتوں کے خلاف صف آرا ہوجائیں، جو دہریت اور لامذہبیت کی تائید کرتی ہیں۔ ذیل میں چند اساسی امور درج ہیں، جن پر تمام مذاہب متفق و متحد ہوسکتے ہیں، اور وہ اکٹھے ہو کر دشمن کا مقابلہ کرسکتے ہیں۔

اوّل:۔ ایک خدا پر ایمان جو ربّ العالمین ہے۔ قرآن شریف کے نزدیک خداتعالےٰ کے تمام انبیاء کا متحدہ مقصد یہی رہا ہے، کہ وہ اس کی وحدانیت کی تلقین کریں، اور لوگوں کو بتائیں کہ وہ اسی کی عبادت کریں، اسی کے وفادار رہیں، اور شیطان سے دور بھاگیں۔ یہی وہ جواب تھا، جو یسوع مسیح نے شیطان کو دیا:۔

"اے شیطان دور ہو، کیونکہ لکھا ہے، کہ تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر، اور صرف اسی کی عبادت کر۔" (متی ۴/۹)

قریباً ساڑھے تیرہ سَو سال گذرے کہ بانیٔ اسلام صلے اللہ علیہ وسلم نے، جن کا مقصد ہی یہ تھا، کہ ایک عالمگیر مذہبی برادری قائم کریں، تمام مذہبی لوگوں کو، جو اہلِ کتاب ہیں، اس طرف بلایا، کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ اس بنیادی معاملہ میں متفق ہوجائیں۔ چنانچہ فرمایا:۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا	اے اہلِ کتاب، آؤ ہمارے ساتھ ایک ایسی بات
إِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ	پر متحد ہوجاؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان
أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ	مساوی ہے۔ یعنی یہ کہ صرف ہم خدا ہی کی عبادت
بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا	کریں اور اسکے سوا کسی اور کو اس کا شریک

اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ ؕ (آلِ عمران - ۷) نہ ٹھہرائیں، اور نہ ہم میں سے بعض بعض کو خدا کے سوا رب بنائیں۔

اگر تمام مذہبی ادارے خدا تعالےٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں، تو غایت کار اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ ایک عالمگیر برادری قائم ہو جائے گی۔ اور سب یہ جان لیں گے کہ مسلمانوں، یہودیوں عیسائیوں، ہندوؤں اور بدھوں کا خدا وہی ایک خدا ہے۔ اور یورپ، ایشیاء، افریقہ اور امریکہ کے رہنے والوں کا وہی خالق ہے۔ یہ سب آپس میں بھائی بھائی، ایک باپ کے بیٹے اور ایک خدا کے خدمت گزار ہیں۔

دوم:۔ عالمگیر برادری کو قائم کرنے کے لئے دوسرا امر جس کی طرف اسلام نے تمام مذاہب کے متبعین کو بلایا ہے، یہ ہے، کہ تمام انبیاء اور بڑے بڑے مذاہب کے بانیوں پر ایمان لایا جائے اللہ تعالےٰ قرآنِ مجید میں فرماتا ہے، کہ مسلمانوں کی طرح اگر دیگر مذاہب کے پیرو بھی خدا اور اس کے رسولوں پر ایمان لے آئیں اور ان میں باہمی کوئی فرق نہ کریں، تو وہ یقیناً صحیح راستہ پر چلنے والے ہوں گے۔ لیکن اگر وہ اس زریں اصول سے روگردانی کرینگے، تو مختلف مذاہب کے اتحاد میں وہ اپنے تئیں ایک روک ثابت کرینگے۔

رسولِ مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے کہا، موسےٰ بالکل میری ہی طرح اللہ کے رسول تھے۔ اللہ تعالےٰ ان سے ہمکلام ہوا۔ اور اس نے ان کے لئے بڑی تائیدات ظاہر فرمائیں۔ اور عیسائیوں سے کہا، کہ مسیح بن مریم بھی خدا کے رسول تھے۔ خدا تعالےٰ نے انہیں حکمت اور دانائی سکھائی تھی، وہ میرے بھائی تھے۔ جب حضرت کرشن کا حوالہ دیتے ہوئے جو گنگا کے کنارے وحدانیت کے گیت گاتے تھے، ہندوستان کا ذکر کیا گیا، تو آپ نے فرمایا، کہ ہندوستان میں ایک کالے رنگ کے نبی تھے، جن کا نام کاہن تھا، وہ بھی میرے بھائی تھے۔ ایرانیوں کے متعلق فرمایا، کہ فارس میں بھی ایک نبی بھیجا گیا تھا، جس نے انہیں توحید سکھلائی، لیکن بعد میں انہوں نے اس کی تعلیمات کو بگاڑ دیا۔

اس طرح اسلام اپنے متبعین اور دیگر مذاہب کے پیروؤں کے درمیان ایک رشتۂ اتحاد، تعلق، مفاہمت اور ہمدردی پیدا کرنا چاہتا ہے، اور مختلف افراد کے درمیان بھائی چارہ کا بنیادی پتھر رکھتا ہے۔ اگر دوسرے مذہبی ادارے بھی اس اصل کو تسلیم کرلیں، تو باہمی اختلافات کی خلیج کو بڑی آسانی کے ساتھ پاٹا جاسکتا ہے۔ اور ایک عالمگیر اخوت قائم کی جاسکتی ہے۔

سوم:۔ موجودہ اختلافات کو طاقت اور کسی قسم کے دباؤ سے نہیں، بلکہ دلائل و براہین اور داخلی تبدیلی سے مٹانے کے لئے اسلام یہ تجویز کرتا ہے، کہ سب کے سب الٰہی ارادے کے سامنے سر تسلیم خم کردیں۔ اور اس بات کے لئے ہمیشہ تیار رہیں، کہ جو بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے آئے، اسے مان لیں۔

چہارم:۔ اسلام ہر شخص کو اپنے عقائد کی تبلیغ و تلقین میں آزادی عطا کرنے کی تاکید کرتا ہے، بشرطیکہ ہم دوسروں کے نقائص نکالنے کے بجائے اپنے مذہب کی خوبیاں پیش کرکے ایسا کریں۔ اور اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۙ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ ؕ (زمر۔ ۲)

بشارت دو میرے ان بندوں کو جو بات کو توجہ سے سنتے ہیں، پھر جو بہتر ہو اسکی پیروی کرتے ہیں۔

مجھے یقین ہے، کہ اگر مختلف مذاہب کے پیرو مذکورہ بالا امور پر متحد ہو جائیں، اور انہیں دیانتداری سے اپنی زندگی میں اختیار کرلیں۔ یعنے یہ کہ وہ ایک دوسرے کے نقطۂ نگاہ کو دوستی اور برادرانہ ماحول میں سنیں تو وہ پورے اطمینان سے اس دن کا انتظار کرسکتے ہیں، جبکہ وہ سب ایک اور صرف ایک مذہب کی اتباع کرنے والے ہونگے۔

اب میں چاہتا ہوں، کہ ان آیات (فرقان رکوع آخری) کی ایک مختصر تشریح پیش کروں، جن کی تلاوت میں نے قرآن مجید میں سے کی ہے۔ یہ آیات اس تغیر عظیم کی طرف

اشارہ کرتی ہیں، جو الٰہی پیغام کی وجہ سے عرب میں پیدا ہُوا۔ یقیناً یہ سب سے
مکمل اور حد درجہ غیر معمولی انقلاب تھا، جو روئے زمین کی کسی بھی قوم میں کبھ
اس سورۃ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس روحانی پیغام کو ماننے سے پہلے، جو
خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا، عرب لوگ انسانوں کے لباس میں حیوان تھے۔ رُوحا
مذہب کے نہ ہونے کی وجہ سے بالکل بہیمانہ، سفاکانہ اور غیر اخلاقی زندگی بسر کرت
بالکل بے پرواہ، مادہ پرست اور دہریہ تھے۔ انکی زبانوں پر یہی تھا، کہ آؤ کھائیں
کیونکہ کل تو ہمیں مر ہی جانا ہے۔ وہ جہالت میں گھرے ہوئے تھے۔ ان میں ہمیشہ
رہتی تھی۔ وہ بتوں کو پوجتے تھے۔ کھانے پینے میں حرام و حلال کی انہیں کوئی تمیز
کا بے محابا ارتکاب کرتے تھے۔ وہ خود اپنے ہاتھوں اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کر
ملک کی بڑی اکثریت کو حیات بعد الممات پر کوئی یقین نہ تھا مختصر یہ کہ کوئی بدی ا
نہ تھی، جس کا وہ کھلم کھلا ارتکاب نہ کرتے ہوں۔ لیکن یہ روحانی تیرگی قرآن م
نور سے پاش پاش کر دی گئی۔ خطا کاری کی ظلمت یکلخت دور ہوگئی۔ اور ہدایت
کی نورانی کرنوں سے سارا جزیرہ نما جگمگا اٹھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ	اللہ کے بندے وہ ہیں جو زمی
يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا	سے چلتے ہیں اور جب جاہل ا
وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُوْنَ	خطاب کرتے ہیں، تو وہ کہتے
قَالُوْا سَلٰمًا ہ	سلامتی۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے عرب لوگ اپنی راتیں شراب نوشی، جوا باز
گانے میں بسر کر دیتے تھے، لیکن پھر وہ اپنے خدا کے حضور سجدوں اور نماز ول
بسر کرنے لگے۔ پہلے بوجہ اس کے جو قیامت اور روز محشر پر انہیں کوئی ایمان ن
بے محابا گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے، لیکن پھر وہ اپنے تئیں معصیت کی راہ

بچانے، اور خدا سے دعائیں مانگنے لگے، کہ وہ جہنم کے عذاب سے انہیں بچالے۔ پہلے وہ غریب اور محتاج کی مدد کے لئے اپنے اموال خرچ نہیں کرتے تھے، حالانکہ شان و شوکت کے اظہار کے وقت انہیں اڑانے اور لٹانے سے کوئی باک نہ تھا، لیکن پھر وہ ہمیشہ مناسب مواقع پر خرچ کرنے لگے، اور نہ کنجوس رہے، اور نہ مسرف، بلکہ اس کے بین بین درست طریق پر گامزن ہو گئے۔ پہلے وہ اللہ کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے تھے، قتل و غارت، اور بد اخلاقیوں کو مایۂ فخر جانتے تھے، لیکن اللہ تعالےٰ کی ہدایت اس قدر مؤثر ثابت ہوئی، کہ پھر وہ ایک ہی خدا کی پوجا کرنے لگے۔ انسانی زندگی ان کے نزدیک مقدس بن گئی۔ اس وجہ سے وہ ناحق کسی کی جان لینے سے محترز رہنے لگے۔ ہر بدخلقی اور زنا کا ارتکاب انہوں نے چھوڑ دیا۔ کیونکہ انہوں نے جان لیا، کہ جو شخص ان کا ارتکاب کریگا وہ اپنے گناہ کی پاداش کو پالیگا۔ اور اسے قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا۔

غرض وہ لوگ روحانی ارتقاء اور پاکیزگی کی اس منزل تک پہونچ گئے، کہ دوسروں کو کسی طرح کی ناپاکی میں دیکھنے کا منظر بھی ان کے لئے الم انگیز ہوگیا۔ اور وہ اپنے خدا سے یہ دعائیں کرنے لگے، کہ اے ہمارے رب! ہماری بیویوں اور بچوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا، اور ایسا کر کہ ہم نیکوں اور متقیوں کے امام بنیں۔ ان مقدس اور نیکوکار لوگوں کی طرح جن کو قسم قسم کی ایذائیں دی گئیں، جن کی تحقیر کی گئی، جن سے مقاطعہ ہوا، اور دنیا داروں کی طرف سے جنہیں گالیاں دی گئیں، اور انہیں ان کے صبر کی وجہ سے بلند درجات عطا کئے گئے، اور ان پر سلامتی نچھاور ہوئی ہمیں بھی اپنے انعام و اکرام سے سرفراز فرما۔

آخر میں بتایا گیا ہے، کہ اللہ تعالےٰ نے رحم و کرم فرماتے ہوئے سچی ہدایت اور نور دیکر اپنے پیغامبر کو بھیجا ہے[1]۔ جو لوگوں کو ان کے خالق کی طرف بلاتا ہے"۔ اے رسول! کہہ دو کہ اگر تم خدا کو نہ پکارو، اس کے در کو نہ کھٹکھٹاؤ، اپنی جبینیں اس کی دہلیز پر نہ رکھدو اور اس کی مدد کے

[1] سورۃ فرقان کے آخری رکوع کا آزاد ترجمہ۔

طلبگار نہ ہو، تو اسے تمہاری کیا پرواہ ہے۔ لیکن اے کافرو! تم نے صداقت کو جھٹلا دیا، جسکی دردناک سزا تمہیں ملے گی؟ اس لئے آؤ ہم دعا کریں، کہ اے ہمارے رب ساری تعریفیں تیرے ہی لئے ہیں۔ تو ہی مالک، تو ہی رحیم اور سارے جہانوں کو سنبھالے ہوئے ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے اور صرف تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ہمیں سیدھا راستہ دکھا ـــــ ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے اپنے انعامات کئے۔ اپنی ناراضگی کی سزا ہمیں نہ دے اور بے راہ رویوں سے ہمیں بچا۔

پیارے خدا! تاریکی اور ناانصافی دنیا پر چھائی ہوئی ہے۔ بدی کی طاقتیں غارتگر بھیڑیوں کی طرح گشت لگا رہی ہیں۔ ہمیں امن، بردمندی، سکھ اور چین عطا فرما۔ ہم صرف تجھے ہی اپنا کفیل بناتے ہیں۔ تو ہی ہمارا سہارا اور تو ہی ہماری پناہ ہے۔ تیری مدد کے بغیر ہماری کوششیں بے سود اور ہمارے اعمال لاحاصل ہیں۔ اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور ہماری زیادتیاں بخش دے۔ ہمارے قدم مضبوط کر۔ اور ظالموں اور بے دینوں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔

ہمارے رحیم خدا! اپنی جناب سے ہم پر رحم فرما، اور ہمارے معاملات میں ہمیں سیدھا راہ دکھا۔ ہمارے آقا! ہم تیرے ناچیز بندے ہیں، غلطیوں اور گناہوں کے پتلے۔ ہم کمزور ہیں، ان مصیبتوں سے نکلنے کا ہمیں کوئی راستہ نظر نہیں آتا۔ جن میں آج ہم مبتلا ہیں۔ آج ہمارے لئے بچاؤ کا کوئی ذریعہ نہیں۔ بجز اس کے کہ تو ہمیں اپنی بخشش کی چادر میں پوری طرح لپیٹ لے۔ آمین۔

(ریویو انگریزی)

اچھوت اور ہندو دھرم

(از مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل سنسکرت و عربی)

"ہندوؤں کے لئے اچھوت ادھار کا مسئلہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔ مردم شماری میں ہندوؤں کی تعداد کم ہو رہی ہے، جبکہ مسلمان اور دیگر اقوام ترقی کر رہی ہیں۔ آج ہر ایک ہندو کا فرض ہونا چاہیئے، کہ وہ وقت دھن (روپیہ) کا کچھ حصہ اچھوت ادھار کے لئے صرف کرے"[1]

یہ وہ الفاظ ہیں، جو ایک ہندو لیڈر مسٹر کرم چند و دیارتھی نے کہے تھے۔ ایک اور ہندو لیڈر مسٹر کیلکر فرماتے ہیں:۔

"خود غرضی کے خیال سے بھی ہمارا یہ فرض ہے، کہ ہم اچھوت ادھار کے نام کو ہاتھ میں لیکر جلد از جلد اپنے اندر ملا لیں۔ کیونکہ موجودہ دورِ حکومت میں تعداد ہی ایسی چیز ہے، جس پر حکومت میں نمائندگی کا دارومدار ہے"[2]

کیا یہ الفاظ کسی تشریح یا حاشیہ آرائی کے محتاج ہیں۔ مطلب صاف یہ ہے، کہ حکومت میں زیادہ سے زیادہ نمائندگی اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے ہندوؤں کو چاہیئے، کہ وہ اچھوتوں کو بھی مردم شماری کے لئے ہندو بنا لیں ـــــ وہی اچھوت جن کو ہندو ہزار ہا برس سے شودر، چنڈال اور ناپاک قرار دیتے آئے ہیں۔ اور جن سے چھونا تک مہا پاپ خیال کیا جاتا رہا ہے۔ کیا یہ خود غرضی کی انتہاء نہیں ہے؟

---

[1] روزنامہ ملاپ لاہور مورخہ ۲۲ر جنوری ۱۹۲۷ء۔

[2] روزنامہ ملاپ لاہور مورخہ ۲۲ر جنوری ۱۹۲۷ء

جوں جوں مردم شماری کا وقت نزدیک آرہا ہے، ہندوؤں میں اچھوتوں کی "ہمدردی" کا جذبہ ترقی کرتا جارہا ہے۔ چنانچہ اب انہوں نے مختلف محاذوں پر بڑے زور سے اچھوت ادھار کا کام شروع کر دیا ہے۔ سی۔ پی وغیرہ علاقوں میں جہاں اچھوتوں کی تعداد بہت زیادہ ہے، یہ کام وسیع پیمانہ پر جاری ہے، اور اب پنجاب کے پہاڑی علاقوں مثلاً ضلع کانگڑہ وغیرہ کی طرف بھی توجہ مبذول ہو رہی ہے، اور چند روز سے آریہ اخبارات ہندوؤں کو یہ کہہ کہکر جوش دلا رہے ہیں، کہ کانگڑہ کے علاقہ میں مسلمانوں نے اپنی چھاؤنیاں بنالی ہیں، اور وہ لاکھوں اچھوتوں کو مسلمان بنا رہے ہیں۔ اس لئے اُٹھو! اور اچھوتوں کو مسلمان ہونے سے بچاؤ۔

حالانکہ مسلمانوں کو ضلع کانگڑہ (جو ایک ہندو ضلع ہے) تو کجا، ان علاقوں میں بھی اچھوتوں میں تبلیغ کا خیال نہیں ہے، جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اور جہاں اُنہیں بآسانی کامیابی ہو سکتی ہے۔ دراصل آریوں کی طرف سے یہ شور و شر محض ہندوؤں میں جوش پیدا کر کے ان سے اچھوت ادھار کے لئے روپیہ وصول کرنے کی غرض سے ہے، ورنہ وہ بھی جانتے ہیں، کہ مسلمان اچھوتوں میں تبلیغ کی طرف سے بالکل غافل ہیں۔

حقیقت یہ ہے، کہ ہندو لیڈر خواہ کتنی ہی کوشش اچھوتوں کو اونچا کرنے کی کریں، وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکتے۔ عوام پر مذہب کا اثر زیادہ ہوتا ہے، اور ہندو مذہب کی تعلیم اچھوتوں کے متعلق نہایت خطرناک ہے۔ پس جب تک ہندو شاستر موجود ہیں، ہندوؤں کے دلوں سے اچھوتوں کی نفرت دور نہیں ہو سکتی۔ یہ علیحدہ بات ہے، کہ "مصلحتِ وقت" کے ماتحت اچھوتوں کو ہندو دھرم کا انگ (عضو) ظاہر کیا جائے، مگر دراصل یہ ایک فریب ہے، جو محض ایک بھولی بھالی اور صدیوں سے مظلوم قوم کو پھانسنے کے لئے کیا جارہا ہے۔ اور اس امر میں کچھ شک نہیں ہے، کہ اگر ہندوستان کو حکومت خود اختیاری مل گئی، تو ہندو اچھوتوں پر پھر ظلم کرنا شروع کر دینگے۔ پس اچھوتوں کی شدھی حقیقت میں سیاسی شدھی ہے۔

آجکل آریہ سماج اچھوت ادھار میں سب سے پیش پیش ہے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ خود آریہ سماجی بھی ویدوں اور شاستروں کے ان احکام کی، جو ان میں اچھوتوں کے متعلق ہیں، کوئی معقول توجیہہ نہیں کر سکے۔ اور اس امر کا اعتراف ان کی طرف سے دانستہ و نادانستہ ہوتا رہتا ہے۔ چنانچہ آریہ سماج کے مشہور پنڈت لوکناتھ جی کے متعلق آریہ پرادیشک پرتی ندھی سبھا پنجاب کا پرسدھ اخبار "آریہ گزٹ" لاہور لکھتا ہے:۔

"اس بحث میں سب سے زیادہ حصہ پنڈت لوکناتھ جی لے رہے ہیں، ان کا یہ مت ہے، کہ بھنگیوں کے ساتھ چھونا محض مصلحتِ وقت ہو تو ہو، لیکن ویدانوسار (کے مطابق) نہیں ہے۔ ویدوں نے صاف طور پر کہدیا ہے، کہ ان کے ساتھ چھونا منع ہے، کیونکہ ان کے جسم کے پرمانوؤں میں بھی گندگی سما گئی ہے۔ آجکل کانگریس نے پتت ادھار کا بیڑا اٹھایا ہے۔ یہ جذبہ مبارک ہے، اور ہم اس کی تہ دل سے قدر کرتے ہیں۔ لیکن جہانتک مذہب کا سوال ہے، ہمارے نزدیک ویدشاستر ہی پرمان (سند ماننے کے قابل) ہیں، نہ کوئی کانگریس کا فرمان۔ مگر لطف کی بات تو یہ ہے، کہ اس باب میں ابھی تک کانگریس نے کوئی عملی قدم نہیں اٹھایا، لیکن آریہ سماج میں شور مچ رہا ہے۔ ہمارے خیال میں پنڈت لوکناتھ کی پوزیشن بالکل درست ہے۔"[1]

دیکھا آپ نے، یہ کتنا واضح اور صاف اقرار ہے، اِس حقیقت کا کہ ویدشاستروں کے رُو سے اچھوتوں کے ساتھ چھونا اور کھانا پینا دھرم کے بالکل خلاف ہے۔ مگر دوسری طرف یہی پنڈت اچھوتوں کو یہ کہکر دھوکا دیتے ہیں، کہ تم ہندو ہو، اور ہندو دھرم میں تمہارے وہی حقوق ہیں، جو دیگر ہندوؤں کے۔ صاف بات ہے، کہ یہ محض وقتی طور پر اچھوتوں کو اپنے ساتھ ملانے کی ایک چال ہے، جو "مصلحتِ وقت" کے ماتحت چلی جا رہی ہے۔ جب بھی یہ مصلحت

---

[1] آریہ گزٹ لاہور مورخہ ۲۹ رجون ۱۹۲۲ء۔

پوری ہوجائیگی، پھر ان سے چھوت چھات شروع ہوجائیگی۔ کیونکہ وید شاستروں کی یہی تعلیم ہے جب تک یہ کتابیں موجود ہیں، تب تک ہندو مذہبی طور پر کبھی بھی اچھوتوں سے رواداری کا سلوک نہیں کرسکتے۔ ذیل میں ہم وید اور شاستروں کی اچھوتوں کے بارے میں تعلیمات بطور نمونہ درج کرتے ہیں۔

سب سے پہلے ہم یہ دکھاتے ہیں، کہ ہندو مذہب کے رُو سے اچھوتوں کو علم حاصل کرنیکا حق نہیں ہے۔ چنانچہ اتھرو وید میں لکھا ہے:۔

स्तुता मया वरदा वेद माता प्रचोद
मन्ता पाव मानी द्विजानाम् अ. 19/1

ترجمہ:۔ من کو ہمّت سے آمادہ کرنے والی دِوجوں (برہمن، کھشتری، ویش) کو پوتّر کرنے والی وَر دینے والی وید ماتا کی مَیں نے ستتی کی ہے۔

اس منتر میں صاف طور پر یہ کہا گیا ہے، کہ وید صرف دوجوں کو ہی پاک کرسکتا ہے اچھوتوں اور شودروں کو نہیں کرسکتا۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے، کہ وید پڑھنے کا حق اچھوتوں کو نہیں صرف اعلیٰ ذات والوں کو ہے۔

اس کے بعد جب ہم ہندو شاستروں کو دیکھتے ہیں، تو وہ بھی یہی کہتے ہیں، کہ شودروں کو وید پڑھنے کا حق نہیں ہے۔ چنانچہ ویدانت شاستر میں لکھا ہے، کہ "اگر شودر وید سُنے، تو اس کے کان سیسہ اور لاکھ سے بند کردینے چاہئیں، وید پڑھے تو زبان کاٹ دینی چاہیئے، اور اگر وید منتر یاد کرے، تو اس کا دل چیر دینا چاہیئے"[1]

گوتم دھرم سوتر کا بھی یہی ارشاد ہے اور دیوی بھاگوت کی بھی یہی تعلیم ہے جیسا کہ لکھا ہے:۔

---

[1] ملاحظہ ہو بھارت ورش کا دھارمک اتہاس صفحہ ۱۰۶)

"عورت، شودر اور ان سے جو نیچ ہیں ان کو وید پڑھنے کا حق نہیں ہے"[1]

ان احکام کا مطلب بالکل واضح ہے۔ اگر اچھوت ہندو دھرم کے ماننے والے ہوتے، تو کبھی بھی شاستر کار رشی ان کے بارے میں یہ حکم نہ دیتے، کہ شودر اپنی روحانی پاکیزگی کے لئے پرماتما کا کلام نہ سن سکتا ہے، نہ پڑھ سکتا ہے اور نہ یاد کر سکتا ہے۔ ممکن ہے کوئی ہٹ دھرم آریہ سماجی یہ کہدے کہ ہم ان کتابوں کو نہیں مانتے، اور نہ اچھوتوں کو وید کے پڑھنے سے روکتے ہیں، کیونکہ ہمارے سوامی دیانند جی نے اچھوتوں کو بھی وید پڑھانے کا حکم دیا ہے، تو میں کہونگا کہ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ سوامی جی نے فرمایا ہے، کہ شودر کو وید نہیں پڑھانے چاہئیں، جیسا کہ وہ فرماتے ہیں:۔

"برہمن تین ورن، یعنی برہمن، کھشتری، ویش کا، اور کھشتری، کھشتری کا۔ اور ویش صرف ویش کا یگیوپویت کرا کر پڑھا سکتا ہے۔ اور جو خاندانی نیک چلن شودر ہو، تو اس کو منتر سنگھتا (وید) چھوڑ کر سب شاستر پڑھاوے"[2]

یہ تو آپ کی تعلیم ہے۔ اب آپ کا عملی نمونہ کیا تھا؟ یہ معلوم کرنے کیلئے جب ہم آپ کی سوانح عمری پڑھتے ہیں، تو وہاں ہمیں ایک واقعہ نظر آتا ہے، جو بالکل اس حکم کے مطابق ہے۔ اور وہ یہ کہ آپ نے ۱۹ ارجون ۱۸۷۴ء کو بنارس میں ایک مدرسہ قائم کیا۔ اس کے متعلق آپ نے ایک اشتہار اپنے دستخطوں سے شائع کیا، جس میں ان تمام علوم کے نام لکھے جو اس میں پڑھائے جائینگے اور بالآخر لکھا:۔

"اس میں برہمن، کھشتری، ویش سب وید تک پڑھیں گے، اور شودر منتر بھاگ (وید) کو چھوڑ کر سب شاستر پڑھینگے"[3]

---

[1] دیوی بھاگوت سکندھ ۱۔ ادھیائے ۳ شلوک ۲۱۔

[2] ستیارتھ پرکاش باب ۳ صفحہ ۴۹۔

[3] جیون چرتر سوامی دیانند مصنفہ پنڈت لیکھرام صفحہ ۲۸۹)

کیا اب بھی کسی آریہ سماجی کو یہ جرأت ہوگی، کہ وہ یہ کہے، کہ سوامی دیانند نے بخلاف دوسرے شاستر کار رشیوں کے اچھوتوں کو وید پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

اب ذرا کھانے پینے کے بارے میں اچھوتوں کے متعلق ہندو دھرم کی تعلیم ملاحظہ ہو:-

ا۔ "انتیجوں (اچھوت) کے ساتھ چھو جانے اور ان کے مال سے کھانے اور اسی طرح ان کے ساتھ بیٹھنے سے جو آدمی ناپاک ہو جاتا ہے وہ پراک برت رکھنے سے شدھ ہوتا ہے" (اتری سمرتی صفحہ)

۲۔ "جو برہمن چنڈال کے برتن میں پانی پیتا ہے وہ ۲۷ دن تک گائے کے پیشاب سے بھیگے ہوئے جو کھاوے۔ تب جا کر اس کی شدھی ہوتی ہے" (اتری سمرتی شلوک صفحہ ۱۷۱)

۳۔ "جو ایک ماہ تک شودر کا کھانا کھاتا ہے وہ اسی جنم میں شودر ہو جاتا ہے اور مر کر اُسے کتے کا جنم ملتا ہے" (اتری سمرتی شلوک صفحہ ۷۴)

۴۔ "جو برہمن شودر کا اناج کھا کر بیٹا پیدا کرتا ہے وہ لڑکا اس شودر کا ہے جس کا اناج اس نے کھایا تھا۔ شودر کا اناج کھائے ہوئے اگر برہمن مر جائے، تو اگلے جنم میں گاؤں کا سؤر بن جاتا ہے" (اتری سمرتی صفحہ ۱)

۵۔ "شودر کا ان جسم میں رہتے ہوئے جو برہمن مر جاتا ہے وہ مرنے کے بعد سؤر کے جنم میں پیدا ہوتا ہے یا شودر کے گھر جنم لیتا ہے۔ اور وہ بارہ جنم تک گدھ۔ سات جنم تک سؤر اور سات بار کتے کا جنم دھارن کرتا ہے" (ویاس سمرتی صفحہ ۶۴-۶۵)

ایسے سینکڑوں شلوک ہیں، جن میں یہ بات اچھی طرح واضح کر دی گئی ہے، کہ شودر کے ہاتھ کا کھانا کھانا گناہ ہے۔ پس کسی ہندو کا یہ کہنا کہ ہمارے مذہب میں اچھوتوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے پینے کی اجازت ہے یہ بالکل غلط ہے۔ اگر کوئی شخص محض کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ایسا کرتا ہے، تو وہ اپنے مذہب کے خلاف کرتا ہے۔ اور یہ فعل اس کا ذاتی فعل سمجھا جائے گا۔

اس جگہ اگر کوئی آریہ سماجی پھر کہے، کہ ہم ان کتابوں کو نہیں مانتے، تو میں اس کے

سامنے سوامی دیانند کا فتوےٰ رکھونگا، جو وہ بھی اس کی تائید میں ہے۔ سوامی جی نے یہ سوال اٹھا کر کہ ہر کس و ناکس کے ہاتھ کی بنائی ہوئی رسوئی کھانے میں کیا عیب ہے، کیونکہ برہمن سے لیکر چنڈال تک کے جسم ہڈی، گوشت، چمڑے کے ہیں۔ اور جیسا خون برہمن کے جسم میں ہوتا ہے، ویسا ہی چنڈال وغیرہ کے جسم میں ہوتا ہے۔ پھر سب آدمیوں کے ہاتھ کی پکی ہوئی رسوئی کھانے میں کیا عیب ہے؟ یہ جواب دیا ہے، کہ اس میں عیب ہے، کیونکہ جس طرح عمدہ چیزوں کے کھانے پینے سے برہمن اور برہمنی کے جسم میں بدبو وغیرہ نقصوں سے پاک رج ویریہ پیدا ہوتے ہیں، ویسے چنڈال اور چنڈالنی کے نہیں ہوتے، کیونکہ چنڈال کا جسم بدبودار ذرّوں سے بھرا ہوا ہوتا ہے، ایسا برہمن وغیرہ درنوں کا نہیں، اس لئے برہمن وغیرہ اعلےٰ درنوں کے ہاتھ کا کھانا چاہیئے اور چنڈال وغیرہ نیچ بھنگی چمار وغیرہ کے ہاتھ کا نہ کھانا چاہیئے۔" (ستیارتھ پرکاش باب ۱۰)

یہ ہے ان سوامی جی کا فتویٰ جن کو آریہ سماجی اچھوتوں کا نجات دہندہ کہکر انہیں ورغلاتے ہیں۔ کیا کوئی آریہ سماجی سوامی جی کے اس فتوےٰ کا جواب دے سکتا ہے؟

آپ نے مہرشی سوامی دیانند کا یہ ارشاد تو پڑھ لیا۔ اب اس بارے میں ان کے عملی نمونہ کو بھی دیکھیئے۔ کیا انہوں نے عمر بھر کسی اچھوت کے ہاتھ کا کھانا کھایا، یا کسی اچھوت کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا؟ اس کا جواب نفی میں ہے۔ کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے، کہ سوامی جی نے کبھی بھی کسی اچھوت کے ہاتھ کا کھانا نہیں کھایا، اور نہ کسی اچھوت کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھلایا۔ کوئی کہہ سکتا ہے، کہ ایسا کبھی اتفاق نہیں ہوا۔ اگر اتفاق ہوتا، تو سوامی جی ضرور اچھوت کے ہاتھ کا کھا لیتے، اور کسی اچھوت کو ساتھ بٹھا کر کھلاتے۔ یہ عذر اگرچہ بالکل کمزور اور کچا ہے، تاہم میں کہتا ہوں، کہ یہ بھی غلط اور خلاف واقعہ ہے۔ کیونکہ آپ کی سوانح عمری میں لکھا ہے، کہ ایک مرتبہ آپ کے پاس ایک اچھوت کا پکا ہوا کھانا لایا گیا، تو آپ نے اسے کھانے سے انکار کر دیا، چنانچہ لکھا ہے:-

"سوامی جی نے پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے کہا آپ کے واسطے کھانا ہے اور آپ نے بڑی غلطی کی، جو کالی موہن کے ہاں کا کھانا قبول کیا، کیونکہ یہ میری چشم دید بات ہے، کہ ان کے ہاں ایک بھنگن کھانا پکایا کرتی تھی۔ فرمایا، ہمیں معلوم نہ تھا۔ ہم نے ابھی ان کی روٹی میں سے ترکاری الگ نکال کر رکھی ہے۔ میں نے کہا آپ اس کھانے کو واپس بھیجئے۔ فرمایا۔ انہوں نے ہمارے ساتھ دغا کیا ہے ......
چنانچہ وہ تھال واپس کر کے میرے لائے ہوئے کھانے سے تناول شروع کیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ بھی آ گئے۔ میں بھی موجود تھا، کہا بڑے افسوس کی بات ہے، کہ کل آپ نے قبول کیا اور آج انکار کر دیا۔ سوامی جی نے جواب دیا، کہ جو کل آپ نے بیان کیا تھا، وہ بات خلاف معلوم ہوئی۔ ہم نے سنا ہے کہ تمہارے ہاں بھنگن کھانا پکایا کرتی ہے۔ اس نے کہا، میں نے کہدیا تھا، کہ ہم ہر ایک کے ہاتھ کا کھا لیا کرتے ہیں۔ میرے اس کہنے پر آپ نے مان لیا تھا۔"

(جیون چرتر سوامی دیانند جی صفحہ ۳۰۴)

سوامی جی کے اس عملی نمونہ کی موجودگی میں بھی اگر کوئی اس بات پر اصرار کرے، کہ آپ نے اچھوتوں کے ساتھ کھانے یا ان کے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا کھانے کی اجازت دی ہے، تو کیا ایسے شخص کی ضد اور ہٹ دھرمی میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے، کہ سوامی دیانند نے کہیں یہ لکھا ہے، کہ اچھوتوں کے ساتھ کھانے میں کوئی حرج نہیں، تو یہ "ہاتھی کے دانت کھانے کے اور دکھانے کے اور" کا مصداق ہوگا۔

اچھوتوں کے ہاتھ سے کھانے کے بارے میں آپ ہندو دھرم کی تعلیم پڑھ چکے۔ اب اچھوتوں کے پانی کا حکم بھی ملاحظہ فرمائیے۔

"جس کوئیں سے چنڈال کا برتن چھو جائے اس کوئیں کے پانی کو جو شخص پیتا ہے وہ گائے کا پیشاب اور جو کھا کر تین رات کے بعد پاک ہوتا ہے۔" (اتری سمرتی صفحہ ۱۸۱)

۲۔ "جو شخص لاعلمی میں اچھوتوں کے تیرتھ، تالاب، ندی وغیرہ کا پانی پیتا ہے وہ پنچ گویہ[1] پینے سے شدھ ہوتا ہے۔" (اتری سمرتی شلوک ۲۴۵)

۳۔ "اگر برہمن کھشتری، ویش لاعلمی کی حالت میں چنڈال کی باولی میں سے پانی لے لیویں۔ تو سارے دن بھوکے رہ کر ایک دن میں شدھ ہو جاتے ہیں۔" (شلوک ۱۴۷)

۴۔ "جس کوئیں میں چنڈال کے برتن کا پانی گر گیا ہو اس کوئیں کے پانی کو پینے سے تین دن تک گائے کا پیشاب اور جو کا بھوجن کرنے سے شدھ ہو جاتا ہے۔" (شلوک ۱۶۳)

۵۔ اگر کوئی برہمن بغیر جانے ہوئے چنڈال کے گھڑے کا پانی پی لیتا ہے۔ اگر اس نے پانی پی کر اسی وقت قے کردی تو وہ تین دن برت کرنے سے شدھ ہو گا۔ لیکن اگر وہ پانی باہر نہ نکال سکے تو پھر اُسکی شدھی پُن برت سے ہوگی۔" (شلوک ۱۶۴)

نہ صرف یہ کہ اچھوتوں کے ہاتھ کا کھانا اور ان کا پانی ہی ناپاک ہے۔ بلکہ ہندو دھرم میں اچھوتوں کے ساتھ محض چھو جانا بھی پاپ ہے۔ اگر کوئی ہندو کسی اچھوت کے ساتھ چھو جائے تو ہندو دھرم اُسے پاپی ٹھہرا کر اس کی سزا تجویز کرتا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

۱۔ "جس برہمن نے درخت پر چڑھ کر پھل کھایا اور اسی وقت درخت کی جڑ کو کسی اچھوت نے چھو لیا، تو اس برہمن کو کفّارہ ادا کرنا چاہیئے۔ دوسرے برہمنوں کی اجازت سے کپڑوں سمیت نہائے، اور ایک دن بالکل فاقہ کرے اور اس کے بعد گھی پئے تب اس کا پاپ دُور ہو گا۔" (اتری سمرتی ص ۱۷۶)

۲۔ اگر برہمن اور چنڈال ایک درخت پر چڑھ کر اس کے پھل کھائیں، تو اس برہمن کا کفّارہ یہ ہے کہ برہمنوں کی اجازت سے کپڑوں سمیت نہائے اور ایک دن روزہ رکھے اس کے بعد پنچ گویہ (گائے کا پیشاب۔ گوبر۔ دودھ۔ گھی۔ دہی) پئے تب جا کر اسکی

---

[1] پنچ گویہ۔ گائے کا دودھ۔ دہی۔ گوبر۔ پیشاب۔ گھی۔

شدھی ہوگی"۔ (اتری سمرتی شلوک ۲۵۱)

اچھوتوں کے ساتھ چھو جانے کے متعلق ہندو دھرم کے یہ پرانے فتوے ہیں۔ اب ذرا حال کے "مصلحین" کا فتویٰ بھی سن لیجئے۔ پنڈت وشنو متر آریہ اپدیشک فرماتے ہیں:۔

"پرتی وادی کہیں گے کہ غلیظ کام کرنے والا نہا دھو کر آئے تو ہمارے ساتھ مل کر کیوں نہ بیٹھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ایک کوٹھری میں صبح کے دس بجے تک برابر ٹٹی جاتے رہیں اور گیارہ بجے دھلوا لیا کریں۔ کوئی آدمی اس میں رہنا پسند نہیں کرتا۔ اسی طرح جو آدمی صبح سے لیکر دوپہر تک سینکڑوں گھروں کی ٹٹی صاف کرتے ہیں جن کے ناک اور دماغ میں غلاظت کے پرمانو رسے ہوئے ہیں۔ بلکہ جن کے مانس اور خون تک میں ٹٹی کے ذرات بھرے ہوئے ہیں۔ وہ ایک دو گھڑے پانی جسم پر ڈال کر کیسے شدھ ہو سکتے ہیں۔ اتنے چھوت چھات کے پکش پاتی سب شاستر ہی ہیں اور سوامی دیانند جی نے بھی اس کو سویکار کیا ہے۔ چنڈال آدمی کی غلاظت اس قسم کی نہیں کہ صرف ایک دفعہ نہانے اور کپڑے دھونے سے دور ہو جائے۔ کیونکہ ان کا شریر بھی ور گندھ سے بنا ہوا ہے"۔ (پرکاش ۱۳ اگست ۱۹۲۲ء)

کھانے پینے اور باہمی ملنے جلنے کے بعد تمدن میں رشتہ ناطہ کا سوال آتا ہے۔ ایک اونچی ذات کا ہندو خواہ کتنا آزاد خیال ہو جائے، اس کے دل سے ادنیٰ ذاتوں کی نفرت کبھی دور نہیں ہو سکتی اور وہ ہرگز یہ بات گوارا نہیں کر سکتا، کہ اس کی لڑکی کی شادی کسی اچھوت کہلانے والے لڑکے سے، یا اس کے لڑکے کی شادی کسی اچھوت کہلانے والی لڑکی سے ہو جائے۔ ان دونوں صورتوں میں سے یہ تو شاید بعض حالات میں ممکن ہو کہ کوئی اعلیٰ ذات کا ہندو کسی اچھوت کی لڑکی لے لے، مگر یہ تو کسی صورت میں نہیں ہو سکتا، کہ کسی اچھوت لڑکے کو کوئی اعلیٰ ذات کا ہندو اپنی لڑکی دیدے۔ ہندوستان میں اچھوت ادھار کی گذشتہ تاریخ پر ایک سرسری نظر

ڈالنے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ اس تحریک کے بڑے بڑے حامی بھی اچھوتوں سے رشتہ ناطہ کے معاملہ میں ظاہری رواداری دکھلانے میں بری طرح ناکام رہے ہیں۔ اَور باتوں مثلاً اچھوتوں کے ہاتھ کا کھانے پینے یا ان سے میل جول رکھنے میں تو بعض لیڈر دل کڑا کر کے کچھ رواداری دکھا بھی دیتے ہیں، اور بعض اوقات پبلک جلسوں یا تقریبوں میں اچھوتوں کو دکھانے کے لئے ان کے ساتھ مل بیٹھتے ہیں، گو گھر جاکر اس گندگی کو دُور کرنے کیلئے انہیں نہانا ہی پڑے، مگر رشتہ ناطہ کے معاملہ میں تو کسی کو ظاہری دکھاوے کی بھی جرأت نہیں ہوئی۔ یہ دراصل ایک ہی معیار ہے، جس سے ہندوؤں کی اچھوتوں کے متعلق ذہنیت کی تبدیلی کا صحیح علم ہوسکتا ہے۔ اچھوتوں کے لئے نئے مندر بنوانا کچھ مشکل نہیں ہے، کیونکہ یہ صرف چند پیسوں کے خرچ کا سوال ہے، ان کو بعض جگہ اپنے مندروں میں داخل ہونے کی اجازت دیدینا بھی کچھ بڑی بات نہیں ہے، کیونکہ اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ اخبارات میں پراپیگنڈا کے لئے اگر کبھی ایک دو دن کے لئے اچھوتوں کو مندروں میں داخلہ کی اجازت بھی مل جائے، تو یہ کھیل محض ایک تماشہ کی حیثیت رکھے گا۔ اچھوتوں کو پانی کی باولیاں بنا دینا بھی کوئی بڑی بات نہیں، بلکہ ان کو اپنے کنوؤں سے پانی لینے کی اجازت بھی بادلِ ناخواستہ دینے میں کوئی خاص بات نہیں۔ اصل چیز تو رشتہ ناطہ ہے یہی چیز ہے، جس سے دو قوموں کے تمدن کی باہمی مساوات کا پتہ چل سکتا ہے۔ مگر کس قدر حیرت انگیز بات ہے، کہ اعلیٰ ذات کے ہندو باوجود اچھوتوں کو ہندو دھرم کا انگ کہنے کے ان سے رشتہ ناطہ کے تعلقات قائم کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوتے۔

کیا یہ صریح اس بات کا ثبوت نہیں ہے۔ کہ اچھوت ادھار کی تحریک سراسر اچھوتوں کو دھوکہ میں رکھنے کے لئے چلائی گئی ہے۔ اور ہندو اب بھی اچھوتوں کو وہی کچھ سمجھتے ہیں، جو ان کی مذہبی کتابوں میں لکھا گیا ہے۔ ذیل میں ہم اچھوتوں سے رشتہ ناطہ کرنے کے احکام ہندو دھرم کی کتابوں سے پیش کرتے ہیں:۔

۱۔"جو برہمن شودروں سے کھانا پکواتا ہے، یا جس کی عورت ہی اچھوت ہو، وہ برہمن پتروں اور دیوتاؤں سے رد کیا گیا ہے اور مر کر وہ رونام نرک میں جائیگا۔"
(اتری سمرتی شلوک ۳۴)

۲۔"کسی اتہاس میں نہیں پایا جاتا کہ مصیبت کے وقت بھی برہمن یا کھشتری نے کسی شودر کی لڑکی سے شادی کی ہو۔" (منو ۳/۱۴)

۳۔" دوج (برہمن۔ کھشتری) اگر محبت کی وجہ سے اچھوت لڑکی سے بواہ کرے تو وہ اپنی اولاد اور سارے خاندان کو جلدی ناش کر دیتا ہے۔" (" شلوک ۱۵)

یہ چند شلوک ہیں۔ نے وہ لکھے ہیں جن میں ان دوجوں کی سزا بیان کی گئی ہے۔ جو کہ شودر کی کنیا سے بواہ کریں لیکن اگر کوئی شودر وید اور شاستر پڑھکر ودوان بھی ہو جائے تب بھی شاستر اس بات کی آگیا نہیں دیتے کہ کسی دوج کی کنیا سے بواہ کر سکے۔ لیکن اگر وہ کسی کنیا سے شادی کرتا ہے، تو شاستروں نے اس کی سخت سزا بتائی ہے کہ جس کو پڑھکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ لکھا ہے، کہ:۔

۱۔" شودر اگر دوجوں کے متعلق توہین آمیز کلمات بولے اور سختی سے حملہ کرے تب جس عضو سے وہ حملہ کرے راجہ اس عضو کو کٹوا دے۔ اور اپنے سے اونچی ذات کی عورتوں سے اگر شودر بھوگ کرے تو اس کا لنگ کٹوا دے۔" (گوتم سمرتی ص۱۲)

۲۔" برہمنی کے پیٹ اور شودر کے نطفہ سے جو لڑکا پیدا ہو اس کو کسی دھرم کا حق نہیں ہے۔" (گوتم سمرتی ص۹)

اگر ہمارے آریہ سماجی بھائی جو آجکل اچھوتوں کو پھنسانے کے لئے اپنے دھرم کے خلاف بھی عمل کر رہے ہیں، یہ کہیں کہ گو سناتن دھرم اچھوتوں کے ساتھ رشتہ اور ناطہ کی آگیا نہیں دیتا، لیکن آریہ سماج کے بانی اور آریہ سماج کی یہ تعلیم ہے کہ اچھوتوں کو شدھ کر کے اپنی برادری میں شامل کرنے کے بعد وہی حقوق ان کو حاصل ہو جاتے ہیں، جو ایک پیدائشی ہندو کو،

اگر کوئی اچھوت وید پڑھکر وِدوان ہوجائے، تو آریہ سماج اس کی شادی کسی اونچے ورن میں کرسکتی ہے۔ تو میں کہونگا کہ یہ دعوےٰ بھی آریہ سماج کا بے بنیاد ہے۔ کیونکہ سوامی جی مہاراج کا فتویٰ اس کے خلاف ہے۔ جیسا کہ لکھا ہے، کہ:۔

"آپ ایک جگہ لیکچر دے رہے تھے۔ ایک شخص چنڈی پرشاد نے آپ سے پوچھا ...... کہ اگر کسی چمار یا بھنگی یا قصائی نے وِدیا حاصل کی ہے، اگر وہ چاہے کہ میں کسی برہمن کے گھر میں شادی کرلوں، تو یہ امر برہمن کو بھی لازم ہے یا نہیں، کہ وہ اپنی کنیا اسے بیاہ دے؟

سوامی جی نے فرمایا کہ واقعی اگر ان چھوٹے پیشہ والوں میں سے کسی نے وِدیا حاصل کیا ہو تو مثل پنڈت کے لیکن بسبب اس کے کہ اس نے ایک عرصہ تک رذیل پیشہ کے آدمیوں میں پرورش پائی ضرور ہے کہ بوئے رذالت اس کے دماغ سے نہ جائے، تو منسوب ہونا اس کا دختر برہمن سے مناسب نہیں"۔ (جیون چرتر سوامی دیانند صفحہ ۲۶۹ و ۲۷۰ مصنفہ پنڈت لیکھرام جی)

سوامی جی کا یہ ارشاد آریہ سماج کی اچھوت ادھار کی تحریک کی قلعی کھول کر دیتا ہے۔ امرِ واقعہ یہی ہے کہ ہندو خواہ کتنا بھی تعلیمیافتہ، مہذب اور آزاد خیال ہوجائے، اسکے دل سے اچھوتوں سے وہ نفرت جو اُسے اپنے آباؤ اجداد سے وراثت میں ملی ہے، کبھی دور نہیں ہوسکتی۔ پس یہ کیونکر باور کیا جاسکتا ہے، کہ ہندو دھرم اچھوتوں کو کسی قسم کی مجلسی یا تمدنی مساوات دینے کو تیار ہے۔ ہاں اگر کوئی مذہب اچھوتوں کو حقیقی رنگ میں اپنے اندر جذب کرسکتا ہے، تو وہ صرف مذہب اسلام ہے، جس کی تعلیم کا بنیادی اصول ہی مساوات نسلِ انسانی ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید سچائی ہے، کہ لاکھوں اچھوت اسلام میں داخل ہوئے اور اسلام نے ان کو وہ سارے حقوق دیئے، جو ایک پیدائشی مسلمان کو حاصل ہیں۔ اسلام کی اس خوبی کا اعتراف اسکے مخالفین نے بھی کیا ہے۔ چنانچہ آریہ سماجی اخبار "پرتاپ" لاہور لکھتا ہے:۔

"شمال مغرب کی طرف سے اسلام کا حملہ ہوا، ہندو لوگ ذات پات اور اونچ نیچ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں بٹے پڑے تھے۔ ان کو ایکتا میں باندھنے والا ایک بھی سوتر اور دھاگہ نہ تھا۔ پس وہ اس حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ اسلام ان کروڑوں اچھوتوں اور شودروں کے لئے رحمتِ ربانی تھا، وہ ان کو انسانی مساوات کا حق دیتا تھا، پس یہ لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوگئے۔ داعیانِ اسلام جب بنگالہ میں پہونچے تو نیچ ذات کے ہندو وہاں کے اصلی باشندے جو ہندوؤں کے مذہب سے قریبًا قریبًا خارج سمجھے جاتے تھے، اور اپنے آرین سرداروں کے ہاتھوں طرح طرح کی ذلتیں اور اذیتیں اٹھاتے تھے، مسلمانوں کی طرف اپنے ہاتھ اٹھا کر بڑھے۔ ان لوگوں کے نزدیک جن میں مفلس مچھلی پکڑنے والے اور شکاری اور ادنیٰ اقوام کے کاشتکار تھے، اسلام ایک اوتار تھا، جو آکاش سے ان کے لئے اُترا تھا۔ وہ حکمران قوم کا مذہب تھا جس کے پھیلانے والے وہ باخدا لوگ تھے، جو توحید اور سب انسانوں کے برابر ہونے کا مژدہ ایسی قوم کے پاس لائے تھے، جس کو سب لوگ ذلیل اور حقیر سمجھتے تھے۔"[1]

سر چھوٹو رام نے پنجاب کونسل میں تقریر کرتے ہوئے ۱۹۳۲ء میں فرمایا:۔

"دنیا بھر کے مذاہب میں اسلام ہی ایک مذہب ہے، جو تمام انسانوں کو مساوات کا درجہ دیتا ہے۔ اور مذہبی میدان میں کسی کو چھوٹا یا بڑا نہیں سمجھتا۔ اور اسلام نے ہی اچھوتوں کے سوال پر بالواسطہ یا بلا واسطہ اثر کیا ہے۔"

پس اگر ہندوستان میں اچھوت کی لعنت کو کوئی مذہب دور کرسکتا ہے، تو وہ صرف اسلام ہے۔ جو لوگ خود غرضی سے بالا ہو کر صرف ہندوستان کی اس مصیبت کا علاج کرنا چاہتے ہیں، ان کا فرض ہے، کہ وہ اچھوتوں کو اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیں، اور ہندو دھرم کی پناہ لینے کا مشورہ دینے والوں کا مقصد صرف خود غرضی ہے، اس کے سوا کچھ نہیں۔

[1] پرتاپ۔ ۱۱ر نومبر ۱۹۲۸ء۔

اقتباسات

یورپ میں مذہبی توہم پرستی :-

[سنڈے سٹیٹسمین مورخہ ۱۳ر اکتوبر ۱۹۴۰ء میں ایک مضمون "نرالے فرقے اور مذاہب" کے زیر عنوان شائع ہوا ہے۔ اسے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ یورپ، جسے تہذیب و ترقی یافتہ سمجھا جاتا ہے، وہ بھی مذہبی لحاظ سے انتہائی توہم پرستی میں مبتلا ہے، اور علم وعمل کی روشنی اسے ابھی تک اس تاریکی سے نہیں نکال سکی۔ ذیل میں اس مضمون کا ترجمہ درج کیا جاتا ہے:-]

یہ زمانہ عجیب وغریب مذہبی فرقوں سے بھرا پڑا ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے، کہ ہمیشہ ہی نئے سے نئے مذہبی تحریکیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ جن میں سے بعض تو لوگوں میں دلچسپی اور شوق پیدا کرنے میں ناکام رہنے کی وجہ سے جلد ہی اپنی موت آپ مرجاتی ہیں۔ اور بعض اپنے مخصوص عقائد کو تمام دنیا میں پھیلانے والے متبعین کی ایک اچھی خاصی تعداد حاصل کرنے میں کامیاب ہوجاتی ہیں۔ ان نت نئے نکلنے والے مذہبوں کی بنیاد اگرچہ صنفِ نازک کے کسی فرد نے نہ بھی رکھی ہو، تب بھی انہیں عموماً صنفِ نازک کی طرف سے کفالت اور مالی مدد ملتی ہے۔ اس سلسلہ میں میں یہ بیان کرسکتا ہوں کہ ایک موقعہ پر میں ایک چھوٹے سے ہوٹل میں ایک بڑھیا سے ملا۔ جس نے مجھے بتایا، کہ جب یسوع مسیح دنیا میں دوبارہ آئیں گے، تو ان کی بعثت عورت کی شکل وصورت میں ہوگی۔ اس عورت سے ایک لمبی گفتگو کے بعد میں نے محسوس کیا، کہ وہ دیانتداری سے قطعی طور پر یہ یقین رکھتی ہے، کہ ممکن ہے، کہ وہ خود ہی برگزیدہ مسیح بن جائے۔

مغربی دنیا نرالے فرقوں سے بھری پڑی ہے۔ مثلاً جرمنی میں "مقدس کوٹنے والوں" کا

ایک فرقہ ہے، جس کے پیرو یورپ و امریکہ میں پائے جاتے ہیں۔ یہ ایک سخت غیر مقلد فرقہ ہے جس کا یہ دعویٰ ہے، کہ اسے کلیسا انگلستان کے ابتدائی مخالفین سے حد درجہ روحانی توارد حاصل ہے۔ ان کی عبادتیں اس درجہ سادہ ہیں، جتنی متصوّر ہوسکتی ہیں۔ اور اثر اندازی کے لئے وہ زیادہ تر اپنے خطیبات کی طاقت و قوت پر اعتماد کرتے ہیں۔ "پبلک اعترافِ گناہ" کا طریق ان کے ہاں رائج ہے۔ حبس دم اور دیگر دماغی ورزشوں کے ذریعہ یہ "جھومنے والے" اپنے تئیں حالتِ وجد میں لے آتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ زمین پر لوٹنے اور جذبات کے شدید ہیجان سے تلملانے لگتے ہیں، اور جتنے زیادہ وہ تلملاتے ہیں، اتنا ہی زیادہ یہ سمجھا جاتا ہے، کہ یہ مقدس رُوح سے معمور ہیں۔

کئی سال گذرے، کہ زیچوسلواکیا کے دارالخلافہ پراگ میں مجھے ایک ایسے مذہبی ادارہ میں جانے کا اتفاق ہوا، جو اپنے تئیں "الٰہی فرزند" کہلاتے ہیں، اس فرقہ کے پیرو قدیم ناروی دیوتا ووڈن (Woden) کی پوجا کرتے تھے۔ ان کا اعتقاد تھا، کہ بہشت صرف ایک شاندار میدانِ جنگ ہے، جس میں بہادر ایک دوسرے کے خلاف نبرد آزما ہوتے ہیں۔ اور ہر روز شام کو "قصرِ شہداء"[1] میں مقتولوں کو نئی زندگی دی جاتی ہے، تاکہ وہ اگلے دن کی لڑائی شروع کرسکیں۔ مجھے بتایا گیا، کہ "الٰہی فرزندوں" کی تعداد تین ہزار سے بھی زیادہ ہے۔ وہ شادیاں کرتے ہیں، اور اپنے کلیساؤں میں ان کے اپنے رسوم کے مطابق انہیں اصطباغ دیا جاتا ہے۔

یوروشلم میں حبشی کلیسا کا ایک گرجا ہے۔ اس مسیحی فرقہ کے پیرو دہر مہینے کرسمس مناتے ہیں۔ یہ لوگ ایک ایسے دیوتا کی بھی پوجا کرتے ہیں، جو حبشیوں کو آسمان میں ایک خاص مقام عطا کرتا ہے۔ ہر چند کہ بڑی فراخدلی سے انہیں یہ بھی تسلیم ہے، کہ دوسری قومیں بھی بہشت میں داخل ہوسکتی ہیں۔

تمام مذہبی فرقوں میں سب سے طرفہ فرقہ آئیسس (Isis) کے پوجاریوں کا ہے۔

[1] ناروے کی دیومالا میں یہ اس قصر کا نام ہے، جس میں مقتول سورماؤں کی روحیں جمع ہو کر جشن مناتی ہیں۔

اسکی شاخیں قریبًا تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اسکی بنا میکسیکو کے بادشاہ شہنشاہ میکسی میلین کے بیٹے ولیم برائٹ ویل (William Brightwell) نے ڈالی تھی۔ اس فرقہ کے متبعین آئیسس کی قدیم مصری پوجا کو خفیہ رنگ میں بجا لاتے ہیں۔ برٹش میوزیم لنڈن میں ہر سال دیوی کے مجسمہ کے سامنے ایک ہار ڈالا جاتا ہے۔ اس مذہب کے پچھتر احکام ہیں۔ جن میں سے سب سے عجیب یہ ہے، کہ مرید سیم کا استعمال نہ کریں، کیونکہ سیم کی مشابہت انسانی گردہ سے ہے۔ اور یہ چیز اکثر قدیم مذاہب میں ممنوع و حرام ہے۔

لس فریرس ایڈورنٹس (Les Freres Adorants) کے نام سے فرانس میں ایک نہایت ہی عجیب و غریب فرقہ ہے۔ اس کے پیرو کسی اکیلے منفرد خدا کو نہیں مانتے، بلکہ ان کا خیال ہے، کہ اس فرقہ میں داخل ہونے والے تمام افراد ایک عظیم الشان الوہیت کے رکن ہو جاتے ہیں، اور اس طرح فریرس ایڈورنٹ کا ہر ممبر دوسرے ممبر کا معبود ہے۔ کسی عورت کو اس کلیساء میں شامل ہونے کی اجازت نہیں۔ اور ہر ممبر کی عمر چالیس سال سے زاید ہونی ضروری ہے۔

ہیٹن گارڈن (Hatton Gorden) لنڈن میں سینٹ پیٹر کے چھوٹے سے گرجے میں اطالوی فرقہ سے متعلق سیاہ لبادوں میں ملبوس عورتیں اور حلقہ بگوش مرد ایسٹر سے پہلے آنے والے جمعہ کے دن ایک عجیب نظارہ دیکھنے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ ہر سال اس "مقدس ہفتہ" کی رسم ادا ہوتی ہے۔ اس میں قربانگاہ کو اُودے اور سیاہ پردوں سے آراستہ کیا جاتا ہے۔ درمیان میں ایک چبوترہ پر سیاہ رنگ کی صلیب رکھی ہوتی ہے، جس پر مسیح کا مجسمہ لٹکتا رہتا ہے۔ ایک خطاب اور مسیح کے مصائب کی چودہ تصویروں کی پرستش کے بعد رسم کا افتتاح ہوتا ہے۔ راہب اور اس کے نائب جُبّوں اور گردن سے کندھوں اور نیچے گھٹنوں تک لٹکنے والے لباسوں میں ملبوس، دھیرے دھیرے صلیب گاہ (Calvary) کی طرف بڑھنا شروع ہوتے ہیں، اور سیڑھیوں سے چڑھ کر قربانگاہ پر صلیب کے قدموں میں

جا ٹھہرتے ہیں۔ راہب مجسمہ کے ہاتھ پاؤں کے ناخنوں کو کھٹکھٹاتا ہے۔

قریباً اسی قسم کی لیکن حقیقت سے بہت زیادہ قریب رسم جنوبی کولوریڈو اور میکسیکو جدید کے وہ عیسائی، جو گناہوں کے کفارہ کے لئے عقوبتِ نفس جھیلتے ہیں، ادا کرتے ہیں۔ یوم الرماد[1] کو میکسیکو کے باشندے اور دو گلے اپنا کام چھوڑ کر "تائب برادری" کے خفیہ گرجا میں جاتے ہیں۔

ہر گرجا میں جماعت کا بڑا بزرگ ان رسوم کی صدارت کرتا ہے، جو ایسٹر کے قبل کے چلّہ[2] سے پہلے ادا کی جاتی ہیں، اور جن میں یہ لوگ مسیح کے مصائب کی حقیقی رنگ میں نقل کرتے ہیں۔ تمہید کے طور پر ہر ایک "تائب" کسی اُسقف کے سامنے جھکتا ہے، جو شیشہ کے ایک نوکدار ٹکڑے سے اسکی کمر پر صلیب کا نشان بناتا ہے۔ اور یہ زخم ایسٹر تک ارادۃً تازہ اور کھلے رکھے جاتے ہیں۔

مقدس ہفتہ[3] کے اثناء میں "تائبین" اپنا شاندار ڈرامہ کرتے ہیں۔ ایک پہلے ہی سے منتخب مسیح کو ایک پہاڑی پر لیجایا جاتا ہے۔ راستہ بھر اُسے کوڑے مارے جاتے ہیں۔ اور چوٹی پر پہونچکر اسے ایک صلیب سے باندھ دیا جاتا ہے۔ صلیب پر اچھی طرح لٹکانے کے بعد وہ مصنوعی مسیح مروجہ دستور کے مطابق کہتا ہے: "خدا کی محبت کے واسطہ مجھے رسیوں سے نہیں کسو! بلکہ کیلوں سے جڑ دو! رسیوں سے نہیں، خدا کی محبت کا واسطہ، مجھے کیلوں سے جڑ دو۔"

---

[1] عیسائی چلّہ کا پہلا بدھ، جس دن رومن کیتھولک تائبین کے سروں پر راکھ لگاتے ہیں۔

[2] ایسٹر سے قبل چالیس دن کا زمانہ جس میں سوائے اتوار کے ہر روز مجاہدہ نفس کیا جاتا ہے اور روزہ رکھا جاتا ہے۔

[3] ایسٹر کے اتوار سے پہلے کا ہفتہ جسمیں عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح کی رجعت ہوئی تھی۔

اور اس اثناء میں دوسرے "تائبین" مذہبی دیوانگی کے ہیجان میں عجیب وغریب دعائیں بڑبڑاتے اور اپنے آپ کو خاردار کوڑے مارتے ہوئے اس کے گرد لُڑھکتے پھرتے ہیں۔ رسم کے اختتام پر اس مصنوعی مسیح کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے واپس گرجا میں لے جاتے ہیں، جہاں اُسے مناسب طریق پر جلایا جاتا ہے۔ ایسے مصنوعی مسیح بننے والے امیدواروں کی کبھی کمی محسوس نہیں کی گئی۔ بلکہ اس خدمت کی سرانجام دہی کی عزت حاصل کرنے کے لئے "تائبین" کی آپس میں لڑنے جھگڑنے تک نوبت پہونچ جاتی ہے۔

یہ تو صرف ان بہت سی عجیب وغریب رسموں میں سے ایک ہے، جن کے آغاز کا دامن، کہا جاتا ہے، کہ سینٹ فرانسس کے تیسرے سلسلہ کی رسوم سے جا ملتا ہے: جو بگڑ کر ایذارسانی کا ایک طریق بن گئیں، جس کا بنیادی اصول یہ ہے، کہ ان تمام مصائب کی پوری پوری نقل کیجائے جو مسیح پر گذرے ہیں ؛

یونن میں اسلام :-

[رسالہ "مسلم ورلڈ" امریکہ کے تازہ پرچہ میں ایک عیسائی مشنری پال اے کونٹنڈونے چین کے صوبہ یونن میں اپنے تبلیغی دورہ کی روئداد لکھی ہے، جس میں وہاں کے مسلمانوں کے تعلیمی حالات وغیرہ کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ دورہ میں انہیں ایک جگہ ایک تعلیمیافتہ چینی مسلمان سے ملنے کا اتفاق ہوا، جس کے متعلق مضمون نگار لکھتے ہیں، کہ اسکا احمدی عقائد کی طرف میلان تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مشن دُنیا کے ہر گوشہ میں پہونچ گیا ہے، اور تعلیمیافتہ مسلمان ہر جگہ اس سے متاثر ہوئے ہیں، اور عیسائیت کے مقابلہ میں احمدیت کے پیشکردہ دلائل سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس مضمون کا ایک حصہ درج ذیل ہے :- (ایڈیٹر)]

صوبہ یونن جو کبھی چین کا سوئٹزرلینڈ کہلاتا تھا، انتہائی جنوبی مغربی حصہ میں جہاں برما اور انڈوچینا کی سرحد ملتی ہے، واقع ہے، یونن میں مسلمانوں کی آبادی دس سے بیس لاکھ تک ہے

جب ہمارا مشن اس صوبہ میں اپنے کام میں مشغول تھا، تو یہاں کے مسلمانوں کی آبادی، اور ان کی جغرافیائی تقسیم کی نقشہ نویسی کا کام ہم لوگوں کے سپرد ہوا، تبلیغ کے سلسلہ میں پچہتر شہروں اور گاؤں میں ہم لوگوں نے دخنظ کیے، اور بعض جگہوں میں کئی کئی دن رہے۔ ایک زمانہ میں یہاں مسلمانوں کی بڑی آبادی تھی، اور وہ با اثر تھے، لیکن ۱۸۶۷ء کی بغاوت سے ان کی طاقت اور تعداد کو سخت نقصان پہونچا، ہماری تحقیقات کے مطابق یونن کے پورے صوبہ میں مسلمان ۲۵۰۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہیں، اور صوبہ کے مغربی اور مشرقی حصّوں میں ان کی چھوٹی چھوٹی آبادیاں پھیلی ہوئی ہیں، ان کے گذشتہ مرتبے کے زوال نے انہیں شمالی مغربی مسلمانوں سے بہت زیادہ روادار اور ترقی پسند بنا دیا ہے۔

قریب قریب تمام مسجدوں سے متعلق ابتدائی اور ثانوی اسکول ہیں جنھیں دیکھکر بڑی حیرت ہوتی ہے، ان میں حکومت کے صیغہ تعلیمات کے شرائط کو پورا کرنے کے لئے پورا چینی نصاب بھی داخل ہے، صوبہ کے انتہائی گوشوں میں بھی طلبہ میں ایک تہائی لڑکیاں ہیں، حکومت نے جب مسلمانوں کے لئے بھی چینی تعلیم جبری قرار دی تو ان کے آہنگوں (لیڈر اور رہنما) نے جدید تعلیم کے خوف سے اپنے مدرسوں کو مسجدوں سے متعلق کر دیا، اور جہاں تک ہو سکا، ان میں مسلمان معلّمین مقرر کئے، محکمۂ تعلیم سے اس شرط پر اس کی اجازت ملی، کہ عربی، اسکول کے تعلیمی گھنٹوں کے بعد پڑھائی جائے۔

ہم نے تبلیغ کے سلسلہ میں تقریباً ستر مسجدوں کا دورہ کیا، ہر جگہ آہنگ اخلاق سے پیش آئے، اور بعض جگہوں پر بحث و گفتگو کے لئے دوبارہ دعوت دی، بعضوں نے خط و کتابت جاری رکھنے کی درخواست کی۔ ایک مقام پر ایک آہنگ نے مجھ سے جمعہ کے خطبہ کے لئے اصرار کیا، میں نے اس سے معذوری ظاہر کی، لیکن بشارت کا کافی لٹریچر اس کے حوالہ کر دیا، تاکہ وہ انہیں نماز کے اوقات میں لوگوں کو سنایا کریں۔ ستر یا اس سے زیادہ آہنگوں سے میری ملاقات ہوئی، ان میں صرف تقریباً دس چینی زبان پڑھ سکتے تھے، اور بیس فیصدی اتنی عربی جانتے تھے، کہ غیر قرآنی ادب بھی پڑھ اور سمجھ سکتے تھے، تین حاجی بھی ملے، ان میں ایک پورا تعلیمیافتہ جامع ازہر مصر اور ایک چینی یونیورسٹی کا گریجوایٹ بھی تھا اور ایک بڑے ضلع کی مسجد کے معزز عہدۂ آہنگ پر سرفراز تھا، احمدی عقائد کی طرف اس کا

میلان تھا۔ اس نے بائیبل کبھی نہیں پڑھی تھی، اور نہ اس کا تعصب اسے اسکی تعلیمات پر غور کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ میں نے عیسوی صحیفہ کے متعلق ہر آہنگ کے خیالات معلوم کئے، انہوں نے وہی پرانی باتیں دُہرائیں، اکثر ان کے ایک ہی بیان میں تضاد پایا جاتا ہے، ایک آہنگ کا اصرار تھا، کہ عیسے علیہ السلام انجیل اپنے ساتھ جنت میں لے گئے، پھر یہ بھی کہتا تھا، کہ حضرت عیسے جس گھر سے فرار ہوئے تھے، اسی گھر میں انجیل جلادی گئی تھی، یہ خیال بھی اس نے ظاہر کیا کہ تمہاری کتاب اصلی حالت میں نہیں ہے، تم لوگوں نے اس میں بہت کچھ رد و بدل کیا ہے، اور ہمارا قرآن تمام آسمانی کتابوں سے افضل اور برتر ہے۔

ایک دن جب ہم ایک بڑے گاؤں کو چھوڑ رہے تھے، کہ ایک مڈل سکول کا لڑکا ہمارے پاس آیا، اور کہنے لگا، کہ میں عیسائی ہو گیا ہوں، اور اپنی مختصر سرگذشت بتائی کہ کچھ دنوں تک مجھے ایک ایسے شہر میں رہنے کا اتفاق ہوا، جہاں کچھ مسلمان عیسائی ہو گئے تھے، ان کی زندگی کے انقلاب کو دیکھکر میں نے بھی عیسوی مذہب قبول کر لیا ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ نوجوانوں میں تبدیلِ مذہب کی کافی صلاحیت ہے۔

ہم نے اس تبلیغی دورے میں پرانے مسلمانوں کو حد سے زیادہ متعصب پایا۔ لیکن نوجوان نسل کے اندر تبلیغ کا پورا موقع ہے، جدید تعلیم اور اپنے ملک کی اصلاح کے شوق نے اسلام کی زنجیریں ڈھیلی کردی ہیں، لیکن نئے اسلامی پروپیگنڈے سے ضرور خطرہ ہے، جو ممکن ہے ان پر بھی اپنا اثر قائم کرلے۔ اب یہ عیسائی چرچ کا کام ہے، کہ اس سے پہلے وہ انہیں جیت لے (مسلم ورلڈ)

وصیتیں

نمبر ۵۵۷۰۔ منکہ سید شاہ زمان علی بخاری ولد سید حسن شاہ بخاری قوم سید پیشہ ملازمت سرکاری عمر چوالیس سال تاریخ بیعت دسمبر ۱۹۱۶ء ساکن چونیاں ضلع لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۸ $\frac{9}{1319}$ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں میری جائداد اسوقت حسب ذیل ہے (۱) نقد مبلغ دو ہزار روپیہ جو احمدیہ سنڈیکیٹ میں ہے (۲) اراضی ۸ گھماؤ

۴۰ کنال واقعہ موضع راج گڑھ سیداں تحصیل دیپالپور ضلع منٹگمری مشترکہ اراضی جدی میں سے میرا حصّہ بنتا ہے یہ زمین قریبًا بنجر ہے، اور تقسیم نہیں کی گئی۔ ابھی تک مجھے اس سے کوئی آمد نہیں ہوتی۔ میرے حصّہ زمین کی اس وقت اندازًا قیمت چار سو روپیہ ہے۔ لیکن میرا گذارہ صرف اس جائداد پر نہیں، بلکہ ماہوار آمد پر ہے، جوکہ اس وقت مبلغ ایک سو ساٹھ روپے ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصّہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں، کہ میری جائداد جو بوقت وفات ثابت ہو، اسکے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں تو اسقدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کردیا جائیگا۔ العبد: سید زمان علی شاہ کلرک ملٹری اکونٹس ڈیپارٹمنٹ فیروز پور۔ گواہ شد: قاضی محمد رشید سیکرٹری جماعت احمدیہ فیروز پور۔ گواہ شد: محمد حسین سکرٹری مال جماعت احمدیہ فیروز پور۔

نمبر ۵۷۱۷: منکہ اللہ دین ولد مولاداد قوم جٹ پیشہ واہی عمر ۶۵ سال تاریخ بیعت پندرہ سال قریبًا ساکن مانگا تحصیل پسرور ڈاکخانہ بھلورہ ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۶/۴/۱۹۴۰ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں (۱) میری اسوقت جائداد غیر منقولہ از قسم مکان وزمین حسب ذیل ہے زمین ۲۸ کنال ایک عدد مکان خام معمولی اور ایک حویلی خام ہے جسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ حویلی اور مکان کی قیمت اسوقت جماعت کے عہدداران کے سامنے مبلغ بیس روپے رکھی گئی ہے اس کا ۱/۱۰ حصہ مبلغ دو روپے نقد ادا کرد ونگا اور زمین کا ۱/۱۰ حصہ پونے تین کنال زمین واقعہ چاہ قاضی والہ جو عمدہ زمین ہے بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ہبہ کردیتا ہوں جسوقت انجمن چاہے اپنا قبضہ کرکے اسکو فروخت کرسکتی ہے ایک بگھہ زمین میرے پاس رہن ہے جسکی قیمت یکصد روپیہ ہے اسکا بھی ۱/۱۰ حصہ یعنی -/۱۰ روپے میں نقد ادا کرد ونگا۔ میرے پاس از قسم غیر منقولہ دو راس بھینس جن کی قیمت اسوقت مبلغ -/۶۵ روپے ڈالی گئی ہے اسکا بھی ۱/۱۰ حصہ مبلغ -/۸/۶ نقد ادا کرد ونگا۔ کل رقم جو میرے ذمہ نقدی کی صورت میں واجب الادا ہوتی ہے وہ مبلغ -/۸/۱۸ ہے جو دو قسطوں میں ایکسال کے اندر اندر انشاء اللہ ادا کرد ونگا۔ اسکے علاوہ میرے پاس کوئی اور غیر منقولہ

منقولہ جائداد نہیں ہے۔ اگر میرے مرنے کے بعد مذکورہ بالا جائداد کے علاوہ اور بھی کوئی جائداد ثابت ہو، تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصّہ پر یہی وصیت حاوی ہوگی۔

العبد:۔ اللہ دین نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:۔ عبدالکریم سیکرٹری انجمن احمدیہ مانگا چانگڑیاں۔ گواہ شد:۔ مولوی غلام رسول امام الصلوٰۃ مانگا۔

سرمہ مبارک

شہنشاہِ طب کی بیاض خاص کا تحفہ

یہ سرمہ ککروں کو زائل کرتا ہے۔ ککروں کی وجہ سے آنکھوں میں آشوب یا زخم ہوگیا ہو اور بینائی کم ہوتی جاتی ہو۔ آنکھوں میں خارش اور کھجلی ہو تو ان حالتوں میں سرمہ مبارک کا استعمال بہت مفید ہے۔ یہ سرمہ آنکھوں کو ہلکا اور صاف کرتا ہے اسکا دائمی استعمال آنکھوں کو امراض و آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس سرمہ کی خاص خوبی یہ ہے کہ یہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضؓ کے اپنے نادر قیمتی اور نایاب گھسنے والے کھرل میں ہفتوں کی محنت سے تیار کیا گیا ہے۔ قیمت ایک تولہ اڑھائی روپیہ۔ تین ماشہ بارہ آنے ؁

معجون ملیّن

قبض ایک عالمگیر بیماری ہے۔ اسکی وجہ سے خراب، زہریلے اور متعفن مادے جسم میں جذب ہوکر طرح طرح کی بیماریاں پیدا کرتے ہیں۔ معجون ملین کا استعمال قبض کا بہترین علاج ہے۔ اس قطعی بے ضرر معجون کا مناسب استعمال دست نہیں لاتا جس سے کمزوری پیدا ہو بلکہ بغیر مروڑ اور بے چینی کے بندھی ہوئی اجابت کھل کر ہو جاتی ہے۔ معدہ کی خرابی اور زائد رطوبت کو دور کرنے اور پیٹ کے بڑھنے کو روکنے اور آنتوں کو مضبوط کرنے کے لئے بھی معجون ملیّن کا استعمال مفید ہے۔ قیمت فی تولہ دو آنہ۔

وصیتنامہ

ذیل کی وصیتیں بغرض اطلاع شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے۔

... منکہ گلاب دین ولد فقیر علی قوم ککے زئی افغان پیشہ پنشنر عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۷ء ساکن ... ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۶ ماہ تبوک ۱۳۱۹ھ/۱۹... حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت جائیداد حسب ذیل ہے۔ اراضی زرعی تخمیناً آٹھ گھماؤں واقع ... تحصیل ... ضلع سیالکوٹ ہے جس میں میں اپنے برادرزادگان کے ساتھ نصف کا مالک ہوں مگر ... مبلغ ... ہزار روپیہ میں رہن بافیضہ ہے اسکی قیمت اندازاً موجودہ وقت میں چار ہزار روپیہ ہے ... میرے حصہ کی قیمت دو ہزار روپیہ ہوئی جو رہن کی وجہ سے ہزار روپیہ میں زیر بار ہے۔ علاوہ اسکے ... ضلع گورداسپور میں تین مکان سکنی ہیں جو میری واحد ملکیت ہے۔ موجودہ وقت میں ان مکانات کی قیمت ... ہزار روپیہ ہے حسب تشریح بالا میری کل جائیداد کی قیمت بعد منہائی زیر رہن اندازاً تین ہزار روپیہ ہے لیکن میرا گذارہ اس جائیداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے جو اسوقت اٹھارہ روپے ماہوار پنشن کی صورت میں مجھے ملتا ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ اپنی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں تو ... روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد:- گلاب دین حال بنگلہ گوجھر والہ ڈاکخانہ سکندرآباد ضلع ملتان۔ گواہ شد:- افتخار احمد خان بقلم خود پسر موصی۔ گواہ شد:- محمد حیات خان احمدی آنریری انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:- اقبال احمد خان آیاز پسر موصی۔ گواہ شد: فیض محمد بقلم خود۔

نمبر ... منکہ بیگم عرف بیگاں بیوہ عمرالدین ولد نظام دین قوم شیخ عمر ۵۴ سال تاریخ بیعت ... ساکن ... ضلع ... بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۳/۳۱/۱۹۳۷ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اس وقت میری جائیداد ایک مکان مشترکہ قیمتی مبلغ دو صد روپیہ ہے جسکے میں ۱/۲ حصہ کی

مالک ہوں۔ لہذا میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتی ہوں اور میری آمدنی کی کوئی سبیل نہیں۔ بلکہ میرے اخراجات زندگی کے میرے لڑکے کفیل ہیں۔ الامۃ: نشان انگوٹھا بیگم عرف بیگاں۔ گواہ شد: فضل دین سیکرٹری انجمن احمدیہ ننگہ۔ گواہ شد: محمد عمر انور فرزند موصیہ۔

نمبر ۵۶۹۴۔ منکہ بیگم بی بی زوجہ اللہ دتا قوم شیخ عمر تخمیناً ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۳۴ء ساکن ننگہ ضلع جالندھر بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲/۴/۳۶ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔

اسوقت میری جائیداد حسب ذیل ہے مہر ۱۳۲ روپے چار آنے اور زیور مبلغ ساٹھ روپیہ نقد مبلغ دس روپے کل جائیداد یکصد دو روپیہ چار آنہ ہوئی لہذا میں ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتی ہوں نیز بوقت وفات اگر اسکے علاوہ میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان ہوگی۔ الامۃ: نشان انگوٹھا بیگم بی بی۔ گواہ شد: محمد الدین سیکرٹری وصایا ننگہ۔ گواہ شد: فضل الدین سیکرٹری انجمن احمدیہ ننگہ۔

نمبر ۵۶۹۵۔ منکہ مرزا عبد القیوم ولد مرزا عبد الکریم صاحب قوم مغل پیشہ ملازمت عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۹/۴/۳۵ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اسوقت میری ماہوار آمد بعد منہائی قسط ۱۲/۸/- قرضہ جو کہ میں نے ریلوے سے لیا ہوا ہے۔ اور مبلغ دس روپے پراویڈنٹ فنڈ مبلغ ۹۷/۸/- ہے میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کے خزانہ میں داخل کرتا رہونگا۔ میرے مرنے پر میری جس قدر جائیداد ثابت ہو اسکے ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: مرزا عبد القیوم سب اسسٹنٹ سرجن ریلوے ہسپتال پانی پت ضلع کرنال۔ گواہ شد: مرزا عبد الکریم چغتائی والد موصی محلہ دارالعلوم۔ گواہ شد: محمد اسمٰعیل عفی عنہ کوچہ شیخاں محلہ انصار پانی پت۔

نمبر ۵۶۹۶۔ منکہ رشیدہ بیگم زوجہ میاں محمد اسحٰق صاحب قوم ارائیں عمر ۲۵ سال پیدائشی احمدی ساکن محلہ دارالفضل قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱/۴/۳۵ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری اسوقت حسب ذیل جائیداد ہے۔ (۱) طلائی زیورات جنکی کل قیمت مبلغ تین صد روپیہ ہے

سنہ ۱۹۳۵ء ساکن پونچھ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۳۰ ماہ ظہور ۱۳۱۶ ہش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ زیورات -/۲۰۰ نقد بعد مہر وصول شدہ -/۴۰۰ کل -/۶۰۰ اس کے علاوہ اور کوئی جائداد نہیں۔ اس جائیداد کا ۱/۱۰ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ میری وفات پر اگر کوئی اور جائداد اسکے علاوہ ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ:۔ سردار بیگم۔ گواہ شد:۔ عبدالحکیم خان یوسف زئی۔ گواہ شد:۔ ڈاکٹر بشیر محمود۔

نمبر ۵۶۹۹:۔ منکہ محمد امین ولد محمد الدین قوم کھوکھر پیشہ زراعت عمر ۳۰ سال تاریخ بیعت [illegible] ساکن لویری والہ ڈاکخانہ وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۶ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت اور کوئی جائیداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں سوائے صرف -/۲۲۶ نقد از قسم پراویڈنٹ فنڈ وضمانت نقد موجود ہیں۔ میرا گذارہ اپنی ماہوار آمد پر ہے جو اس وقت [illegible] روپے ماہوار ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری جو جائیداد بوقت وفات ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں تو اس قدر روپیہ اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد:۔ محمد امین بقلم خود۔ گواہ شد:۔ مختار احمد ملک۔ بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد حیات خان احمدی ساکن ملتان۔

نمبر ۵۷۰۱:۔ منکہ امیر احمد ولد شاہ محمد قوم بھٹی راجپوت پیشہ تجارت عمر ۲۶ سال پیدائشی احمدی ساکن اور ڈاکخانہ صدر سیالکوٹ بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۸ ماہ ظہور ۱۳۱۹ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری ماہوار آمدنی اسوقت مبلغ ۳۰ روپے ماہوار ہے جسکا دسواں حصہ تازیست ماہ بماہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کو ادا کرتا رہونگا۔ میری فی الحال کوئی جائیداد نہیں ہے۔ میرے مرنے کے بعد اگر کوئی جائیداد ثابت ہو تو اسکے دسویں حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان مالک ہوگی۔ العبد:۔ امیر احمد احمدی دھوبی تلاؤ۔ الفا سپورٹ ہیڈ ہاؤس بمبئی ۲۔ گواہ شد:۔ [illegible] انجمن احمدیہ بمبئی۔ گواہ شد:۔ محمود احمد عرفانی نزیل بمبئی۔

[illegible] منیر احمد ولد نیاز محمد صاحب قوم راجپوت ڈاڈ پیشہ طالب علم عمر ۱۸ سال بیعت پیدائشی
احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ یکم ماہ ظہور ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت
کرتا ہوں۔ اس وقت میری کوئی جائیداد منقولہ و غیر منقولہ نہیں ہے مجھے جناب والد صاحب محترم مبلغ
[illegible] روپے ماہوار جیب خرچ عطا فرماتے ہیں اس رقم کے دسویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان
کرتا ہوں اور جوں جوں بفضلہ تعالیٰ میری آمدنی بڑھتی جائیگی میں اس آمد کا دسواں حصہ ادا کرتا رہونگا
[illegible] مرنے کے بعد اگر کوئی اور ملکیت یا جائیداد میری ثابت ہو تو اس کے بھی دسویں حصے کی وصیت بحق
صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ العبد: منیر احمد۔ گواہ شد: نیاز محمد انسپکٹر پولیس والد موصی
گواہ شد: مس الف احمدی بنت مسٹر نیاز محمد صاحب۔

نمبر [illegible] منکہ نور ماہی ولد عبد الغفور قوم کشمیری ڈار پیشہ مزدوری عمر ۶۵ سال تاریخ بیعت
[illegible] ساکن ڈنگہ ضلع گجرات بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] ۱۳۱۹ھش حسب ذیل
وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد غیر منقولہ حسب ذیل ہے ایک مکان مالیتی پانچصد روپیہ دوسرا
مکان مشترکہ جس میں میرا حصہ مالیتی پانچصد روپیہ واقعہ محلہ طاساں قصبہ ڈنگہ ہے۔ نقد -/۲۸۰ روپے
میرے پاس موجود ہیں کل جائیداد منقولہ و غیر منقولہ بارہ صد اسّی روپے ہے اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت
بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرکے لکھدیتا ہوں کہ میرے مرنیکے بعد جس قدر میری اور جائداد منقولہ یا
غیر منقولہ ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی جسقدر رقم حصہ وصیت داخل
خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرونگا اور سند حاصل کرلونگا کیونکہ میرے ورثاء کل غیر احمدی ہیں اسلئے
میں اپنی زندگی میں ہی مبلغ [illegible] روپے بعد منظوری وصیت داخل کردونگا۔ العبد: نور ماہی نشان
انگوٹھا۔ گواہ شد: احمد دین پریذیڈنٹ جماعت احمدیہ ڈنگہ۔ گواہ شد: سردار علی شاہ احمدی۔
نوٹ: میری ماہوار آمد کوئی نہیں جس قدر ماہوار آمد ہوگی اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ ادا کرتا رہوں گا۔

نمبر [illegible] منکہ عبد الحی ولد بابو وزیر محمد صاحب مرحوم قوم راجپوت پیشہ واقف زندگی تحریک جدید
عمر [illegible] سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۰ ہجرت ۱۳۱۹ھش

حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اسوقت ایک کنال مشترکہ زمین دارالرحمت میں شہر سے بشر گوجرانوالی سڑک کے کنارے پر واقع ہے زمین کی قیمت تقریباً نوسو روپیہ ہے ابھی تک زمین کے حصہ کا فیصلہ نہیں ہوا۔ اسکے دسویں حصہ کی وصیت کرتا ہوں۔ لیکن میرا گذارہ اس جائیداد پر نہیں بلکہ ماہوار آمد پر ہے جوکہ اس وقت مجھے دفتر تحریک جدید سے پندرہ روپے الاؤنس کی صورت میں ہوتی ہے میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا دسواں حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں کہ میری جائداد جو بوقت وفات ثابت ہو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کردوں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد۔ عبدالحی واقف زندگی۔ گواہ شد۔ مرزا منور احمد واقف زندگی۔ گواہ شد۔ مشتاق احمد باجوہ واقف زندگی

نمبر ۵۷۰۲۔ منکہ اللہ دتا ولد امین الدین قوم شیخ عمر تقریباً ۸۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء سکنہ بنگہ ضلع جالندھر بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲۵/۳/۲ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اسوقت میری موجودہ جائداد صرف ایک مکان پختہ واقعہ قصبہ بنگہ مالیتی تقریباً پانچصد روپیہ ہے اور میرے ذمہ اس وقت قریباً تین صد روپیہ قرضہ ہے اسکو منہا کرکے باقی موجودہ جائیداد مالیتی تخمیناً -/۲۰۰ روپیہ کی رہتی ہے۔ لہذا میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا ہوں بوجہ ضعیف العمری کے میری آمد وغیرہ کوئی نہیں ہے۔ اور میرے نان ونفقہ کا خرچ میرے بچوں کے ذمہ ہے نیز میری وفات کے بعد اگر اسکے علاوہ میری کوئی اور جائداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان ہوگی نیز میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ میرا چندہ وصیت اور اخراجات تجہیز وتکفین وغیرہ جوکوئی ادا کرے اسکو حق ہوگا کہ وہ تمام خرچ میری جائداد مذکور سے وصول کرے۔ العبد۔ اللہ دتا نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ محمد الدین سیکرٹری مال انجمن احمدیہ بنگہ بقلم خود۔ گواہ شد۔ فضل الدین سیکرٹری انجمن احمدیہ بنگہ بقلم خود۔

نمبر ۵۶۹۲۔ منکہ حکم دین ولد چوہدری نبی بخش قوم جٹ پیشہ زمینداری عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت

سنہ ... مسلکی دیالگڑھ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۹/۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری موجودہ جائداد بصورت زمین مزروعہ ۴/۲۴ کنال ہے جس کی کل قیمت ان کے نرخ کے مطابق ایکہزار پچاس روپے ہے۔ میں اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ نیز موضع دیالگڑھ میں مکان خام کی صورت میں بھی میری جائداد ہے جو مارلہ کی مکان ہے اسکی کل قیمت وہاں کے نرخ کے مطابق مبلغ -/۲۰۰ روپے ہے اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت صدر انجمن احمدیہ قادیان کے حق میں کرتا ہوں۔ اسکے علاوہ گورنمنٹ کی طرف سے مبلغ تین روپے کو آنے ماہوار پنشن ملتی ہے اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں نیز میری وفات کے بعد جس قدر بھی میری جائداد ثابت ہو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ نقطہ العبد۔ حکم دین حال مہاجر دار الرحمت قادیان۔ گواہ شد۔ محمد اسمٰعیل یالگڑھی مبلغ سلسلہ عالیہ احمدیہ پسر موصی۔ گواہ شد۔ غلام فرید پسر موصی دیالگڑھ۔

وصیت ... منکہ مولابخش ولد چوہدری سرطید صاحب قوم جٹ پیشہ کاشتکاری عمر ۶۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۲ء ساکن لودی ننگل ڈاکخانہ فتح گڑھ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۱۱/۴ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری غیر منقولہ جائداد ایک مکان خام واقع لودی ننگل اور زرعی زمین ... کنال ہے جو موضع کھوکھر ڈاکخانہ فتح گڑھ میں ہے جس کی تفصیل ذیل ہے۔ ملکیتی اراضی ... کنال ہے اور جو رہن ہوئی ہے ... کنال ہے جسکی قیمت جماعت احمدیہ لودی ننگل نے بالاتفاق -/۲۰۰۰ تجویز کی ہے اور اس میں رجسٹریوں کی قیمت بھی شامل کی گئی ہے۔ اور مکان کی قیمت بھی شامل ہے۔ میں اس مذکورہ بالا جائداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ انشاء اللہ میں ۱/۱۰ حصہ جلد سے جلد تمام ادا کر دونگا۔ اور رسید حاصل کر لونگا۔ اگر میری وفات کے بعد اسکے علاوہ کوئی اور جائداد ثابت ہو تو اسکے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد۔ مولابخش نشان انگوٹھا۔ گواہ شد۔ میاں کرم دین پریزیڈنٹ انجمن احمدیہ لودی ننگل گواہ شد۔ میاں علم دین سیکرٹری انجمن احمدیہ لودی ننگل۔

تفسیر سروری

(یعنی)

جماعت احمدیہ کے مفسر قرآن حضرت مولانا سید محمد سرور شاہ صاحب کی وہ تفسیر القرآن جو رسالہ ریویو (اردو) میں چھپتی رہی ہے، اسکی چند گنتی کی جلدیں برائے فروخت دفتر میں موجود ہیں۔ یہ تفسیر شروع سے آٹھویں پارے تک کی ہے۔ مگر درحقیقت اسمیں سارے قرآن مجید کے مشکل مقامات حل کئے گئے ہیں۔ یہ نہایت عام فہم تفسیر ہے اسکے پڑھنے سے حسب استعداد تفسیر القرآن کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے۔ رسالہ ریویو کے سائز پر اس کے کل دو ہزار صفحے ہیں، پہلے اس کی قیمت پندرہ روپے تھی۔ مگر اب بعض فوری ضروریات کی وجہ سے اس کی رعایتی قیمت صرف چھ روپے رکھی گئی ہے۔ آج ہی بذریعہ منی آرڈر بنام مینیجر رسالہ ریویو (اردو) ارسال فرما کر اپنے لئے ایک جلد محفوظ کرا لیں۔ بعد میں یہ بیش بہا خزانہ کسی قیمت پر بھی نہ مل سکے گا۔ مجلد تین جلدوں میں اکی قیمت ساڑھے سات روپے۔

ملنے کا پتہ

مینیجر رسالہ ریویو (اردو) قادیان

لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ و دین الحق لیظهره علی الدین کله

ماہنامہ

ریویو آف ریلیجنز

(اردو)

یعنی

دُنیا کے مذاہب پر نظر اور اہلِ مذاہب کا تشحیذ الاذہان

۳۰- شوال ۱۳۵۹ھ مطابق یکم دسمبر ۱۹۴۰ء

فہرست مضامین

اداریہ:۔

پردہ اور بے پردگی ہندوستان میں کچھ عرصہ سے عورتوں کے پردہ کے خلاف بڑے زور سے مہم جاری ہے۔ کہیں مخالفِ پردہ کانفرنسیں ہوتی ہیں، اور کہیں پردہ کے خلاف مظاہرہ کرنے کیلئے بے پردہ عورتوں کے جلوس نکلتے ہیں۔ یہ اُن منظم کارروائیوں کا ایک پہلو ہے، جو ہندوستان میں اسلامی تہذیب وتمدن کو تباہ کرنے کے لئے کی جارہی ہیں۔

ہندوؤں کا کوئی تمدن نہیں، بلکہ ہندو تمدن زیادہ تر فاتح قوموں کے تمدن کے تابع رہا ہے، جب مسلمان ہندوستان میں آئے، تو ان کی دیکھا دیکھی یہاں کے معزز گھرانوں کی عورتوں میں پردہ رائج ہوگیا۔ اور اب جبکہ یورپین تہذیب وتمدن کا دَور دورہ ہے، تو شرافت اور عزت کا یہ معیار بن گیا، کہ عورتیں بے پردہ ہو کر باہر نکلیں، اور ہر قسم کی مجالس ومحافل کی رونق بنیں۔ پس مخالفِ پردہ تحریک کا نقصان ہندوؤں کو نہیں پہونچ سکتا، کیونکہ ان کا تمدن تو کوئی ہے ہی نہیں، ہاں مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کو اس سے یقیناً نقصان پہونچ سکتا ہے۔

ہندو لیڈر اکثر پردہ کے خلاف اظہار خیال کرتے رہتے ہیں، مگر وہ نادانستہ طور پر کبھی ایسے خیالات بھی ظاہر کر دیتے ہیں، جن سے پردہ کی ناگزیری کا زبردست احساس پایا جاتا ہے پچھلے دنوں یو۔پی کے ایک مشہور ہندو قومی کارکن نے الہ آباد کی ایک مشہور ہندو درسگاہ کے سالانہ اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"پردہ کی رسم جواب تک باقی ہے، اس کے ذمہ دار خود ہمارے نوجوان لڑکے ہیں۔

زبان سے تو یہ لوگ جلسوں میں پردہ کی ہزاروں برائیاں کرتے ہیں، لیکن عمل سے پردہ کے دستور کو زندہ کئے ہوئے ہیں۔ ابھی کل کی بات ہے، کہ اسی شہر میں سودیشی نمائش کھلی ہوئی تھی، وہاں ہریجن آشرم کی دوکان پر جہاں ادھر کوئی لڑکی پہونچی، بس اُدھر سے نوجوان لڑکوں نے بھی اُسے آگھیرا۔ دکان پر لڑکیوں کا اپنی عزت و آبرو بچا کر ٹھہرنا ناممکن تھا۔"

کیا یہ پردہ کی ضرورت کا صاف اقرار نہیں ہے؟ مردوں اور بالخصوص نوجوانوں کی اسی فطرت کو مدّنظر رکھکر اسلام نے عورتوں کو پردہ کا حکم دیا۔ عورتوں اور مردوں کے آزادانہ اختلاط کا نتیجہ ہر جگہ یہی ہوگا، صرف شہر الہ آباد کے ساتھ یہ مخصوص نہیں ہے۔ لاہور میں ہر سال دیوالی کے موقعہ پر یہی ہوتا ہے۔ اِس سال جو منظر دیکھنے میں آیا، اس کا حال لاہور کے ایک ہندو کی زبان سے سُن لیجیئے۔ مہاشہ کرشن ایڈیٹر روزنامہ "پرتاپ" لکھتے ہیں:۔

"دیوالی کی رات اِس بار پھر انارکلی لاہور میں ہندو وسکھ دیویوں کا اپمان (توہین) ہوُا۔ اپمان کرنے والے کون تھے؟ یہ تحقیق سے نہیں کہا جا سکتا، لیکن سمجھا یہ جاتا ہے، کہ ان میں کالجوں کے ودیارتھی (طالب علم) بھی شامل تھے، ان میں ہندو مسلم کی تمیز نہ تھی۔ لیکن اپمانت دیویاں بلاشبہ ہندو اور سکھ تھیں، کیونکہ وہی دیوالی دیکھنے وہاں گئی تھیں۔ . . . . . یہ پہلی بار نہیں، کہ دیویوں کی توہین کی گئی، ان سے گندے مخول کئے گئے، اور ان کے لئے چلنا مشکل بنا دیا گیا۔ اس غنڈہ گردی کا سدّباب ہونا چاہیئے۔ گورنمنٹ کا فرض ہے، اگر وہ اور کسی وجہ سے وہ اس کے لئے تیار نہ ہو، تو ہندو اور سکھ خود اپنی بہنوں کی حفاظت کے لئے تیار ہوں۔ . . . . اور اگر کسی وجہ سے وہ بھی یہ ذمہ واری

نہ لے سکیں، تو عام ڈونڈھی پٹوا دینی چاہیئے، کہ کوئی ہندو یا سکھ دیوی دیوا لی دیکھنے نہ جائے۔ کیا ہم سب کے لئے ڈوب مرنے کا مقام نہیں، کہ ہماری بہنیں بے کھٹکے اپنا ایک مذہبی تہوار بھی نہیں منا سکتیں، اور اس سے بڑھکر ندامت کی بات یہ ہے، کہ الزام کالجوں کے طلبہ پر ہو، جو ہندوستان کی آئندہ نسل بنیں گے، اور جن پر اسے بہت سی امیدیں ہیں۔" لہ

اسی اخبار میں ایک اور صاحب لکھتے ہیں:۔

"میں اپنے ہندو اور سکھ بھائیوں سے کہونگا، کہ اگر وہ اپنی ماتاؤں بہنوں اور استریوں کی رکھشا کرنے کے قابل نہیں، تو کیوں وہ انہیں ایسے موقعوں پر اکیلی بازاروں میں نکلنے دیتے ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے، کہ رات کو سنیما سے آتے ہوئے غنڈے انہیں فحش مذاق کرنے لگ جاتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو، اگر ہندو اور سکھ دیویاں اس طرح اکیلی باہر نکلنا چھوڑ دیں۔ اور ساتھ ہی غیر معمولی طور پر فیشن ایبل بنکر بازاروں میں نہ نکلا کریں"

قرآن مجید نے ایسی ہی خرابیوں سے بچنے کے لئے یہ زرّیں اور حکیمانہ تعلیم دی ہے، لَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولٰى وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ۔ یعنی عورتیں اپنی زینت کا اظہار غیر مردوں پر نہ کریں، اور اسی کا نام پردہ ہے۔ اسلام عورتوں کی جائز آزادی کا دشمن نہیں ہے۔ اسلام جس چیز کا مخالف ہے وہ یہ ہے، کہ عورتیں بن سنوَر کر مَردوں کے سامنے آئیں۔ اور زندگی کے ٹھوس حقائق اسلام کی اس پاکیزہ تعلیم کی صداقت پر مہر ثبت کر رہے ہیں۔

لہ پرتاپ مورخہ ۱۳ر نومبر ۱۹۴۰ء۔

مسلمان عورتیں بھی اپنے مذہبی تہواروں مثلاً عیدین پر باہر نکلتی ہیں، مگر خدا کا شکر ہے کہ ان کو ایسے ناخوشگوار حادثات سے سابقہ نہیں پڑتا جن سے ہندو عورتوں کو پڑ رہا ہے۔

سکھ اخبار "شیر پنجاب" مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۷ء اپنے مقالہ افتتاحیہ میں لکھتا ہے:۔

"حقیقت یہ ہے کہ ہندو اور سکھ گھرانوں کی بے پردگی کا اکثر مسلم نوجوان فائدہ اٹھاتے ہیں، اور چونکہ وہ خود پردہ کرتے ہیں، اس لئے ان میں اور لوگوں کو راہ و رسم پیدا کرنے کا موقعہ نہیں ملتا، اور وہ خود اس بنا پر پیچھے رہتے ہیں"

مسلم نوجوانوں کے "فائدہ" اٹھانے کا خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ برائی خواہ مسلمان کرے یا ہندو، بہرحال برائی ہی ہے، مگر ہمارے ملک میں چونکہ فرقہ وارانہ رقابت زوروں پر ہے، اس لئے برائی میں بھی رقابت کا جذبہ کارفرما نظر آرہا ہے۔ یہ غنیمت ہے کہ اس جذبۂ رقابت کے باوجود اسلامی پردہ کی فضیلت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

اسلامی تمدن اور ہندو تمدن اسلام نے اپنے متبعین کے لئے جس قدر مذہبی تہوار مقرر کئے ہیں، ان میں اور دوسرے مذاہب کے مذہبی تہواروں میں ایک بہت بڑا فرق یہ ہے کہ اسلامی تہواروں میں کسی مخرب اخلاق یا لغو چیز کی اجازت نہیں ہے، لیکن دوسرے مذاہب کے مذہبی تہواروں میں اس بات کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ بعض ایسی چیزیں جو دوسرے اوقات میں سخت قابل نفرت سمجھی جاتی ہیں، مذہبی تہواروں پر ان کا ارتکاب نہ صرف جائز بلکہ موجب ثواب و برکت سمجھا جاتا ہے۔ دیوان بہادر راجہ نریندر ناتھ پنجاب کے ایک بہت بڑے تعلیمیافتہ ہندو بزرگ ہیں، گذشتہ ماہ دیوالی کے موقعہ پر اخبار "پرتاپ" لاہور کے "دیوالی نمبر" میں آپ کا ایک مضمون شائع ہوا، جس میں آپ لکھتے ہیں:۔

"دیوالی کے سمبندھ (تعلق) میں ایک اور چیز بھی ہے، جس کا اس تیوہار سے وہی سمبندھ ہے، جو کہ ہولی کے ساتھ ننگی کھیلوں کا۔ جوا اس تیوہار کے

کیساتھ ایک عرصہ سے چلا آرہا ہے، اور اس دن جوُا نہ کھیلنا منحوس سمجھا جاتا ہے، چنانچہ ہم بھی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ کوڑیوں سے جوُا کھیلا کرتے تھے، اور پیسوں کے داؤ لگایا کرتے تھے۔ میرے نزدیک یہ چیز ابھی تک ایک شگون کی شکل میں چلی آتی ہے، اور اب بھی کوئی دیوالی خالی نہیں جاتی جب بچوّں کے ساتھ مَیں ایک آدھ منٹ بیٹھکر کوڑیوں کو ہاتھ نہ لگا لوں۔"

ایک اَور ہندو فاضل کے مضمون کا اقتباس بھی ملاحظہ ہو، جو انہوں نے ایک انگریزی روزنامہ میں دیوالی اور اس کے فلسفہ پر لکھا۔ فرماتے ہیں:-

"آج (دیوالی) کے دن جوُا کھیلنا مبارک ہے۔ روایتوں میں آیا ہے، کہ آج ہی کے دن شیوجی نے اپنی بیوی پاربتی سے جوُا کھیلا تھا، اور اپنی ساری مِلک ہار بیٹھے تھے۔ اور آج ہی تمام دیوتاؤں مثلاً شیوجی، پاربتی، کرتک، گنیش، نارد، راون وغیرہ نے قمار بازی کی ہے، اور آج ہی وشنو جی پانسہ کے قالب میں داخل ہوئے ہیں، اور پاربتی نے آج کے دن جوَا کھیلنے والوں کو کامیابی کی بشارت دی ہے۔ انسان کی دنیوی زندگی کے اعمال و مشاغل بجز جوُئے کے اور ہیں کیا؟ اور آج کے دن جوئے کو مبارک قرار دینے کے معنے یہ ہیں، کہ انسان اپنے اعمال اور افعال میں زیادہ محتاط و متدین رہے۔"

جو لوگ یہ دریافت کیا کرتے ہیں، کہ اسلامی تہذیب و تمدّن ہے کیا چیز؟ کیا ان کو اب بھی یہ بتانے کی ضرورت ہے، کہ اسلامی تہذیب و تمدّن اور ہندو تہذیب و تمدن میں کوئی مابہ الاشتراک ہی نہیں، کہاں یہ روایات کہ بڑے بڑے دیوتا اور خداؤں نے جوُا کھیلا، اور کہاں یہ حکم کہ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ

عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ۔ شراب اور قمار بازی ناپاک اور شیطانی کام ہیں، ان سے بچو۔ حقیقت یہ ہے، کہ اسلام کا تمدّن ایک علیحدہ اور مستقل چیز ہے، جو دوسری کسی قوم کی تہذیب اور تمدّن سے کسی قسم کا اشتراک نہیں رکھتا۔

فتنۂ انکارِ حدیث مسلمانوں میں ہمیشہ سے ایک طبقہ حدیث کا منکر چلا آیا ہے۔ مگر اسے کبھی جماعتی حیثیت نہیں ہوئی، بلکہ صرف انفرادی طور پر بعض لوگ حدیث کا انکار کرتے رہے ہیں، اور اس لئے ایسے لوگوں کو کبھی اہمیت نہیں دی گئی، لیکن اب کچھ عرصہ سے منکرینِ حدیث ایک جمعیت کی شکل اختیار کرتے جاتے ہیں، چنانچہ اس وقت ایک ماہوار رسالہ "البیان" کے نام سے امرت سر سے شائع ہوتا ہے، جو "اُمت مسلمہ" کا آرگن کہلاتا ہے، اور دوسرا "طلوعِ اسلام" کے نام سے دہلی سے نکلتا ہے، جو ڈاکٹر سر محمد اقبال کی یادگار بتایا جاتا ہے۔ یہ دونوں رسالے گو صاف الفاظ میں حدیث کے انکار کا اظہار نہیں کرتے، بلکہ اسے اپنے اُوپر ایک الزام کہتے ہیں، لیکن جو شخص ان کے چند پرچے بھی دیکھے گا، اُسے صاف پتہ لگ جائے گا، کہ یہ اس گروہ کی نمائندگی کر رہے ہیں جس کا مسلک انکارِ حدیث ہے۔ ان دونوں رسالوں میں وقتاً فوقتاً بطور طنز ایسی حدیثیں درج کی جاتی ہیں، جو ان کے نزدیک قابلِ اعتراض معلوم ہوتی ہیں، اور بعض اوقات احادیث پر تنقید بھی ہوتی ہے۔ اسی طرح مسائل کے استنباط کے ضمن میں بھی احادیث کو قابلِ حجت نہیں مانا جاتا۔

اب چند روز سے بعض مسلمان اخبارات میں ان کے متعلق چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں، چنانچہ "طلوعِ اسلام" کے بارے میں لکھنؤ کے اخبار "صدق" میں بعض مراسلے شائع ہوئے ہیں، جن میں فتنۂ انکارِ حدیث کے مقابلہ کی طرف توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ گو اس اخبار کے فاضل مدیر مولانا عبد الماجد صاحب دریا آبادی نے اس معاملہ کو کچھ زیادہ اہمیت نہیں دی۔ بلکہ آپ نے "طلوعِ اسلام" کے

مسلک کی گونہ تاویل کرنے کی کوشش کی ہے، مگر مراسلات سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے، کہ اس فتنہ کے سدّباب کی طرف توجہ پیدا ہو گئی ہے۔

ہمارے نزدیک "طلوع اسلام" چونکہ ڈاکٹر سر محمد اقبال کی یادگار ہے، اور سر موصوف نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں جماعت احمدیہ کے خلاف جو مضامین لکھے، ان کی بنیاد ہی انکار حدیث پر ہے، اس لئے "طلوع اسلام" کے لئے انکار حدیث کے مسلک کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے احمدیت کے خلاف جو مضامین لکھے، ان کا یہ لازمی ردِّ عمل تھا، اور یہ امّت اسلامیہ کے لئے ایک خطرناک فتنے کا دروازہ ہے۔ احمدیت کی مخالفت کے جوش میں ان مضامین کی اُس وقت تو تعریف کی گئی، مگر یہ نہ سوچا گیا، کہ ان کا نتیجہ کیا ہوگا۔ کاش! اب بھی مسلمان اس طرف متوجہ ہوں، اور ان مضامین سے پیدا شدہ اثر کے ازالہ کی کوشش کریں۔

ہندوستانی سیاست

اور

گاندھی جی کا اصول عدم تشدد

(از "سالم عربی" ایم-اے)

گذشتہ جنگ عظیم ایک بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ تھی۔ اس جنگ کے بعد انسانی زندگی کے ہر حصہ میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوا۔ سلطنتیں، قومیں، ملک اور مذاہب سب ہی اس سے متاثر ہوئے۔ تمدن، تہذیب، اخلاق، سیاست، معیشت و معاشرت غرض ہر چیز کے متعلق انسان کا نقطۂ نظر بدلا۔ گذشتہ ربع صدی میں انسانی حالات و افکار، تخیلات اور کردار و اعمال میں جتنا تغیر ہوا ہے، شاید اس سے قبل ایک ہزار سال میں بھی کبھی اتنا نہ ہوا تھا۔ جنگ عظیم سے قبل اور بعد کی دنیا دو بالکل مختلف چیزیں ہیں۔ اس ہیجان و تلاطم میں بڑی بڑی سلطنتیں جو صدیوں سے اپنے اپنے ملکوں میں پہاڑوں کی سی مضبوطی سے قائم تھیں، یوں جڑ سے اکھڑ گئیں، کہ گویا ان کا کبھی کوئی وجود ہی نہ تھا۔ روس، جرمنی، ٹرکی، مصر، ایران، افغانستان، جاپان، چین، عرب، مراکش، الجیریا، اٹلی، سپین غرض ہر ملک نے اس انقلاب سے حصہ لیا۔ سیاسی، اقتصادی اور معاشی نظام منقلب ہوا۔ زاروں، قیصروں اور شاہنشاہوں کے تخت الٹ گئے۔ اور ان کی جگہ قریباً ہر ملک میں ایسے عامی افراد برسر اقتدار آ گئے، جن کے ناموں سے بھی چند سال پہلے دنیا آشنا نہ تھی۔ لینن، ہٹلر، مسولینی، مصطفیٰ کمال، سٹالین، زاغلول پاشا، رضا شاہ پہلوی اور ابن سعود اپنے اپنے ملک کی قسمت کے مالک ہوئے

ہمارا ملک ہندوستان بھی اس عالمگیر انقلاب سے متاثر ہوا۔ جنگِ عظیم کے مابعد اس ملک میں بہت بڑی سیاسی بیداری پیدا ہوئی۔ اس بیداری کے نتیجہ میں مسٹر گاندھی کو، جو اس وقت تک نسبتاً ایک غیر معروف انسان تھے، بہت بڑی عزت حاصل ہوئی۔ ایک ایسے انسان سے جس کو اپنے صوبہ سے باہر بہت کم لوگ جانتے تھے، وہ ایک بین الاقوامی شہرت و عزت کے مالک ہو گئے۔

مسٹر گاندھی کی پبلک زندگی کا آغاز، جس کی وجہ سے ان کو موجودہ عزت و شہرت حاصل ہوئی، اپریل ۱۹۱۹ء سے ہوا، جب انہوں نے رولٹ ایکٹ کے خلاف اپنے مخصوص انداز میں جس کو وہ "سچائی کی تلاش میں روحانی تجربات" کے نام سے یاد کرتے ہیں، ایجی ٹیشن شروع کی۔ گاندھی جی ایک عجیب پُراسرار شخصیت ہیں، جس کا سمجھنا اور جس کی اصلیت اور حقیقت کو پہچاننا کچھ آسان بات نہیں۔ وہ ایک سیدھے سادھے سادھو بھی معلوم ہوتے ہیں، اور ایک چالاک اور ہوشیار سیاست دان بھی ہیں۔ حق و سچائی کے پرستار اور دلدادہ بھی اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہیں، اور راستی و صداقت سے کوسوں دور بھی معلوم ہوتے ہیں۔ نہایت صاف اور سادہ گفتگو بھی کرتے ہیں، اور ساتھ ہی نہایت پیچیدہ اور مبہم اور ذو معانی طرز تحریر اور گفتگو کے عادی بھی ہیں۔ ہندو مسلم اتحاد کے خواہشمند بھی معلوم ہوتے ہیں، اور ان قوموں میں بغض و عناد و بد اعتمادی کی خلیج وسیع کرنے کے سب سے زیادہ ذمہ وار بھی وہی ہیں۔ مصیبت و فلاکت کے مارے ہوئے غریبوں کے غمگسار بھی ہیں، اور سرمایہ داروں اور دولتمندوں کے مددگار اور پشت پناہ بھی۔ اچھوتوں کے ساتھ دوستی کا دم بھی بھرتے ہیں، اور ان کے سیاسی اور اقتصادی حقوق کے مخالف بھی ہیں۔ تمام مذاہب کو یکساں طور پر سچا بھی مانتے ہیں، اور اپنے اعمال و کردار سے ہندو مذہب اور پرانی ہندو تہذیب کے قیام کے خواہشمند اور اس کے لئے کوشاں بھی رہتے ہیں۔ غرضیکہ گاندھی جی ایک عجیب و غریب اور سراپا معمہ ہستی ہیں جن کے دل کے رازوں سے جواہر لال، پٹیل، راجگوپال آچاری اور ابوالکلام تک بھی بے خبر ہیں

اس پُراسرار شخصیت کی سمجھ میں نہ آنے والی باتوں میں سے سب سے زیادہ مشکل اور نہ سمجھی جانے کے قابل یہ بات ہے، کہ باوجود اپنے سیاسی پروگرام اور "روحانی تجربات" کی مکمل ناکامی کے ان کے اقتدار میں ذرا فرق نہیں آتا۔ بے شک ہندوستانی مسلمانوں کو بحیثیت قوم ان پر کوئی اعتماد نہیں رہا۔ یہ سچ ہے، کہ کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں کے سیاسی عقائد اور گاندھی جی کے خیالات میں بہت حد تک یگانگت مفقود ہے۔ یہ بھی سچ ہے، کہ گاندھی جی اچھوتوں کا اعتماد بھی کھو چکے ہیں، اور سکھ قوم کا ایک بہت بڑا حصہ بھی ان کی سیاست سے بیزار ہو چکا ہے، اور عیسائیوں میں سے بھی اکثر لوگ اب ان کی روحانیت کے قائل نہیں رہے، لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ الف لیلہ کے شیخ البحر کی طرح ہندوستانی سیاست کی گردن پر اس طرح سے سوار ہیں، کہ اترنے کا نام ہی نہیں لیتے۔

گاندھی جی کے سیاسی اور مذہبی پروگرام میں ان کے فلسفۂ عدم تشدد کو سب سے بلند مقام حاصل ہے، اور یہ فلسفہ ان کے "تلاش حق میں روحانی تجربات" کی گویا جان ہے۔ عدم تشدد یا اہنسا کے متعلق گاندھی جی کو اتنا غلو ہے، کہ وہ ایسی آزادی بھی لینے کو تیار نہیں ہیں، جو تشدد سے حاصل کی گئی ہو، اور جس کے قیام اور حفاظت کے لئے کسی شکل اور صورت میں بھی تشدد کے استعمال کی ضرورت پڑے۔ لیکن جس طرح گاندھی جی کے دوسرے افکار و خیالات ایک معمہ ہیں، اسی طرح ان کا عدم تشدد کا عقیدہ بھی ایک چیستان ہے۔ پتہ نہیں لگتا، کہ یہ عدم تشدد ہے کیا چیز؟ اور گاندھی جی کا اس سے مطلب کیا ہے؟ مختلف اوقات میں گاندھی جی نے عدم تشدد کی مختلف تعریف کی ہے۔ ایک عورت کی عصمت کی حفاظت میں وہ تشدد کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن ایک پورے ملک کی عصمت یعنی آزادی کے حصول اور حفاظت کی خاطر وہ تشدد کے استعمال کو ناجائز خیال کرتے ہیں۔ ایک دیوانے کتے یا بندر کو ہلاک کرنے کی تلقین کرتے ہیں، لیکن سیاسی دیوانوں، قزاقوں اور ڈاکوؤں کے ایک گروہ کے مقابلہ کو جو بنی نوع انسان کی آزادی برباد کرنے کے درپے ہیں، جائز نہیں سمجھتے بلکہ

کے ہندوؤں کو یہ مشورہ دیتے ہیں، کہ عدم تشدد سے اگر ان میں بزدلی پیدا ہوتی ہے، تو وہ تشدد اختیار کرلیں۔ لیکن فرانس کی بزدلی کی، جس کے نتیجہ میں ایک پوری قوم اپنی آزادی سے محروم کی جاچکی ہے، تعریف کرتے ہیں، اور انگریز قوم کو بھی ایسی ہی بزدلی اختیار کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ سچ بات تو یہ ہے، کہ جیسا ڈاکٹر بھگوان داس نے جو خود ایک پکے کانگرسی گاندھی جی کے بھگت اور ایک بہت بڑے سنسکرت کے عالم ہیں، فرمایا ہے، گاندھی جی کے فلسفہ کو وہ خود ہی جانتے ہیں، اور ان کے دل کے رازوں سے وہ خود ہی واقف ہیں، دوسرا کوئی ان کو نہیں جانتا۔

گاندھی جی کے اس فلسفہ کو نہ پٹیل سمجھے ہیں، نہ آزاد، نہ جواہر لال اور نہ راجگوپال آچاریہ ورنہ پونا میں کانگریس ورکنگ کمیٹی نیشنل گورنمنٹ کے مطالبہ کا وہ ریزولیوشن پاس نہ کرتی جس کے پاس ہونے پر گاندھی جی کانگریس سے روٹھ گئے۔ اور ہمارا تو یہ خیال ہے، کہ خود گاندھی جی بھی نہیں جانتے، کہ عدم تشدد سے ان کی کیا مراد ہے، ورنہ مختلف اوقات میں وہ اس کی مختلف تعریفیں نہ کرتے۔ بہرحال اپنے اس اصول کے متعلق جو وہ کہا کرتے ہیں، اور لکھا کرتے ہیں اور جو کچھ عام لوگ ان کے اس اصول کے متعلق سمجھتے ہیں، وہ یہ ہے، کہ طوعی طور پر مصائب اور دکھ برداشت کرکے اور مخالف کی سختی اور ظلم کا محبت سے جواب دے کر اس کی ضمیر کو مجبور کیا جائے، کہ وہ حقدار کے غصب کردہ حقوق کو واپس کردے۔ گاندھی جی نے اپنے عدم تشدد کا کچھ اس زور سے پراپیگنڈا کیا، اور اس اصول کی حقیقی شکل و سپرٹ کے متعلق غلط فہمی کچھ ایسے وسیع پیمانے پر پیدا ہوگئی، کہ عیسائیت کے بڑے بڑے مذہبی لیڈروں ــــ بشپوں اور آرچ بشپوں تک ــــ نے گاندھی جی کے اصول اہنسا کو حضرت مسیح علیہ السلام کی تعلیم کی ایک عملی شکل سمجھ لیا۔ حالانکہ مسیح کی تعلیم اور گاندھی جی کے اصول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ حضرت مسیح تو کہتے ہیں، کہ ظالم تجھ سے جو کچھ لیتا ہے، اسے لینے دے، لیکن مسٹر گاندھی بتاتے ہیں، کہ ظالم نے تجھ سے جو کچھ لے لیا ہے، اسے تو بغیر جنگ اور لڑائی کئے

کس طرح واپس لے سکتا ہے، حضرت مسیحؑ کا نظریہ یہ ہے۔ کہ انسانی فطرت نیک ہے، جب تو اعلیٰ درجہ کے عفو کی مثال اس کے سامنے پیش کرے گا، تو تیرے عفو سے متاثر ہو کر تیرے مخالف کی ضمیر اسے ملامت کرے گی، اور اس کا اندرونی انصاف جوش میں آئے گا، اور وہ تجھ سے نیک سلوک کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ اس کے مقابلہ میں گاندھی جی کا نظریہ یہ ہے کہ تیرا مخالف جو مطالبہ تجھ سے ایسا کرے، جس کا اُسے حق حاصل نہیں ہے تو تو اُسے مار نہیں، لیکن اُسے وہ مطالبہ بھی پورا نہ کرنے دے، اور اس کی مرضی کے خلاف چل۔ یہ دونوں نظریئے ہی ناقص ہیں، اسی لئے وسیع پیمانے پر کبھی بھی کامیابی سے ان پر عمل ہوا ہے، اور نہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں، کہ ایک نظریہ میں (یعنی مسیحی نظریہ میں) عفو سے نیکی کو ابھارنے کی تعلیم ہے، اور دوسرے میں خاموش مقابلہ سے جابر کا ہاتھ روکنے کی۔ ایک تعلیم ہمیں یہ سکھاتی ہے، کہ تو اپنے معاملہ کو خدا کے سپرد کر، اور دوسری تعلیم یہ سکھاتی ہے، کہ تو اپنے مخالف کا اس طرح مقابلہ کر، کہ خواہ تو کتنا ہی ظالم ہو، لوگ تجھے مظلوم سمجھتے رہیں۔ مسیح کی تعلیم پر عمل کرنے والا انسان گو اپنے مخالف کو ظلم پر دلیر کر دے، مگر وہ خود ظلم نہیں کر سکتا، اور نہ دوسرے کو ظلم پر مجبور کرتا ہے۔ لیکن مسٹر گاندھی کی تعلیم پر عمل کرنے والا انسان خود بھی ظلم کا مرتکب ہو سکتا ہے، اور دوسرے کو بھی ظلم پر مجبور کر سکتا ہے۔

حق یہ ہے، کہ گاندھی جی کے نظریہ کو ان کے الفاظ کی نرمی اور خوبصورتی کی وجہ سے لوگوں نے ٹھیک طور پر سمجھا ہی نہیں، یہ نظریہ مظلومی کا نظریہ نہیں، بلکہ انتقام بالواسطہ کی ایک قسم ہے جس کو کبھی بائیکاٹ اور کبھی آئین حکومت کی نافرمانی کا نام دیا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے، کہ انتقام بالواسطہ اور انتقام بلاواسطہ میں سوائے شکل کے اور کوئی فرق نہیں۔ حضرت مسیحؑ کی عفو اور محبت کی تعلیم پر عمل کرنے والے انسان کے ذہن میں بائیکاٹ یا آئین حکومت کی نافرمانی کا خیال تک بھی نہیں آسکتا۔ مگر گاندھی جی کے اصول عدم تشدد

کی جان ہی بائیکاٹ اور سول نافرمانی ہے۔

"تم ایک کتّے یا سانپ کو نہ مارو، کہ یہ عدم تشدّد کے اصول کے خلاف ہے۔

لیکن ان لوگوں کی دوکانوں پر پہرہ لگا کر جو بدیشی کپڑا کی تجارت کرتے ہیں، ان کے ذریعہ معاش کو برباد کرکے ان کے بیوی اور بچوں کو بے شک بھوکے مارو"

یہ ہے گاندھی جی کے اصول عدم تشدّد اور محبت و پیار کی تعلیم کا خلاصہ۔ ایک شخص کو زہر دے کر مارنا اور اس کو پانی نہ پینے دینا کہ وہ پیاس سے مرجائے، اس میں کیا فرق ہے؟ گاندھی جی زور سے مقابلہ کرکے یعنی زہر دیکر اپنے مخالف کو نہیں مارنا چاہتے، لیکن عدم تشدد سے یعنی پیاسے کو پانی سے محروم کرکے مارنا چاہتے ہیں۔ اور یہ ان کے نزدیک سراسر محبت اور پریم ہے۔

ہم تو یہی سمجھتے ہیں، اور بلاخوفِ تردید یہ کہتے ہیں، کہ گاندھی عدم تشدّد کا نظریہ غیر طبعی نظریہ ہے، اور اس کی بنیاد بزدلی پر ہے۔ خواہ اس کو کیسے خوبصورت الفاظ میں پیش کیا جاوے۔ اس اصول پر کبھی بھی کامیابی سے عمل نہیں کیا جاسکتا۔ وسیع پیمانے پر اس پر عمل کرنے سے یا تو قوم بزدل ہوجاتی ہے، یا اس کا نتیجہ وسیع پیمانے پر تشدّد کا اظہار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے، کہ گذشتہ بیس سالوں میں جب سے گاندھی جی کو ملک میں سیاسی اقتدار حاصل ہوا ہے، جب کبھی بھی انہوں نے اس اصول پر عمل کرنے کی تلقین کی ہے، اس کا نتیجہ خونریزی ہوا۔

انتقام ایک طبعی جذبہ ہے، اور جس طرح دوسرے تمام طبعی جذبات کسی نہ کسی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، یہ بھی بقائے نسل کی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔ انسان بہت سے حالات کے ماتحت اپنی ذاتی نیکی کو بھول جاتا ہے، اور دوسروں کے حقوق میں دخل انداز ہوتا ہے اس وقت حدبندی کے اندر رکھنے کے لئے اس شخص کو جسے نقصان پہونچایا گیا ہو، یا اس کے خیر خواہوں یا محافظوں کو کوئی نہ کوئی ذریعہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ وہ ذریعہ کبھی نصیحت، کبھی

ب اور کبھی بالمقابل ایذادہی کی شکل میں اختیار کیا جاتا ہے، اور جب
ہو تو اُسے انتقام کہتے ہیں۔
جب عقل کے ماتحت لائے جاتے ہیں، تو ان کا استعمال اخلاق کہلاتا
رسندی کے وقتی جوش کے ماتحت ہوں، تو وہ بداخلاقی کہلاتے ہیں۔
عطا کردہ جذبہ کے استعمال کو غیر مشروط طور پر بُرا کہنا بے سمجھی اور بے عقلی
ائین قدرت کا مقابلہ کرنے سے کوئی انسان یا قوم اپنے اس غیر طبعی
ح نہیں سکتی۔ سو غیر مشروط عدم تشدد کوئی اچھا خلق نہیں، بلکہ بدخلقی
طور پر ہر حالت میں اس کا استعمال یقیناً بُرے نتائج پیدا کرتا ہے
ر چکا ہوں، ہندوستان میں گاندھی جی نے اہنسا یا عدم تشدد کا
ہے، اس کا نتیجہ بُرا نکلا ہے۔ ۶ر اپریل ۱۹۱۹ء کو ہندوستان عدم
ے پہلی مرتبہ آشنا کیا گیا۔ اور اسی دن رولٹ ایکٹ کے خلاف گاندھی
ابق سارے ہندوستان میں ہڑتال کی گئی، اور لوگوں سے کہا گیا، کہ
ا جائے۔ اس کا نتیجہ وہ فسادات اور خونریزی تھی، جو امرتسر، دہلی،
کے دیگر شہروں میں ہوئی، جس کے نتیجہ میں جلیانوالہ باغ اور پنجاب
لرباش واقعات ظہور میں آئے۔ یہ عدم تشدد کے استعمال کا پہلا
یں ہندوستانیوں اور انگریزوں کے دلوں میں ایک دوسرے سے
ہوئی، جو ابھی تک ـــــ کہ اس واقعہ پر ۲۰ سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا
ہیں آتی۔
یاد تشدد سے اجتناب اور اپنے مخالف سے محبت کرنے پر رکھی گئی
ہی اس کا نتیجہ وسیع پیمانہ پر خون ریزی اور ایک لمبے عرصہ کے لئے دو
بض کے جذبات کی شکل میں ظاہر ہوا۔ قریباً ۲۰ سال بعد عدم تشدد

کے اصول کا دوسرا مظاہرہ ہؤا۔ یعنی شاہزادہ ویلز کی ہندوستان میں آمد پر لوگوں کو ہڑتال کی تلقین کی گئی۔ اور عدم تشدد اور اپنے مخالف سے محبت پر زور دیا گیا، نتیجہ یہ ہؤا، کہ جس دن شاہزادہ ویلز جہاز سے اُترے، بمبئی میں سخت فساد ہؤا۔ بہت سے لوگ مارے گئے اور خود گاندھی جی کے بمبئی میں موجود ہونے اور فساد کو دور کرنے کی کوشش کے باوجود فساد نہ رُکا۔ جب تک کہ پولیس اور فوج نے گولی چلا کر فسادیوں کو منتشر نہ کیا۔ اس کے بعد تین مہینے تک گاندھی جی بڑے زور سے لوگوں کو عدم تشدد اور اپنے مخالف سے محبت اور خود کو تکلیفوں اور دکھوں میں ڈالنے کی تلقین فرماتے رہے۔ اور جب عدم تشدد کے اصول کی ایک شکل یعنی عدم ادائیگی ٹیکس کی بردولی میں تیاری کر رہے تھے، تو چوری چورا کا واقعہ ہؤا۔ اور وہ جن کو کہا گیا تھا، کہ سانپ تک کو مارنا بھی درست نہیں، ان ظالموں نے بیگناہ انسانوں کو نہایت بے دردی سے قتل کیا، اور ان کے مکان کو آگ لگا کر ان کو زندہ جلانے کی ناپاک کوشش کی گئی۔ اس کے بعد سہارن پور، کوہاٹ، ملتان وغیرہ میں فسادات ہوئے۔ اور یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے، کہ عدم تشدد کے اصول سے ہندوستان کو آشنا ہونے کے بعد جتنے فسادات اس بدقسمت ملک میں رونما ہوئے، جتنے بیگناہوں کا خون بہایا گیا، جتنی نفرت ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک دوسرے سے پیدا ہوئی، اس سے پہلے کبھی نہ اتنے فسادات ہوئے تھے، نہ بے گناہوں کے خون کی اتنی ارزانی ہوئی تھی، اور نہ دو ہمسایہ قوموں میں اس قدر باہمی نفرت ہوئی تھی،

اہنسا کے اصول کی ایک شکل برت رکھنا بھی ہے۔ گاندھی جی نے سمجھا کہ میں اگر اپنے قول اور وعظ و نصیحت سے لوگوں کو عدم تشدد کے اصول کی خوبیوں کو نہیں سمجھا سکا، تو اپنے فعل سے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر ان کو اس اصول کی خوبیوں سے آگاہ کروں گا چنانچہ ۱۹۲۴ء میں انہوں نے مولینا محمد علی کے مکان پر ۲۱ دن کا برت رکھا۔ اس برت کی دور دور تک دھوم مچی اور شہرہ ہؤا۔ سمجھا یہ گیا، کہ اس برت کے نتیجہ میں ہندو مسلم منافرت دور ہوگی

اور ان دونوں قوموں میں محبت قائم ہو گی۔ لیکن ہوا یہ، کہ دو سال تک ہندوستان میں اتنے ہندو مسلم فسادات ہوئے، کہ نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد آجتک اتنے فسادات کبھی ہوئے۔ یہاں تک کہ لارڈ ارون نے اس وحشت کو دیکھکر انسانیت اور شرافت کے نام پر ہندوستانیوں سے اپیل کی، کہ اس طرح ایک دوسرے کا گلہ کاٹ کر ہندوستان کو دنیا کی نظروں میں ذلیل نہ کریں۔ اصل میں یہ قدرت کا انتقام تھا۔ قدرت کے ایک صحیح اصول کو غلط قرار دیا گیا، اور ایک غلط اصول کو رائج کرنے کی کوشش کی گئی، اور اس کو سب خوبیوں اور نیکیوں کا خلاصہ بتایا گیا۔ قدرت اپنے قوانین کی خلاف ورزی کی سزا دیئے بغیر کبھی نہیں چھوڑتی۔

بات اصل میں یہ ہے، کہ نہ صرف عدم تشدد کا اصول غیر طبعی اور غیر معقول ہے، بلکہ ہندوستان میں اس کو غلط بنیادوں اور غلط وقت میں رائج کرنے کی کوشش کی گئی۔ رولٹ ایکٹ کے جاری ہونے کی وجہ سے ہندوستانیوں کو برٹش قوم اور برٹش حکومت سے سخت شکایت تھی، اور بجا شکایت تھی۔ ان کے دل میں اس حکومت اور بہت حد تک برٹش قوم کے خلاف نفرت کے جذبات موجزن تھے۔ نفرت اور دشمنی کے ان جذبات کو عدم تشدد کی عملی صورت دینے کی کوشش کی گئی۔ لوگوں سے ایک طرف تو یہ کہا گیا، کہ تم نے جنگ عظیم میں لاکھوں انسانوں کی جانوں اور کروڑہا روپیہ سے برٹش حکومت اور قوم کی مدد کی، اور اس کے بدلہ میں تم کو آزاد کرنے کی بجائے رولٹ ایکٹ کی شکل میں تمہاری مجلسی اور سیاسی آزادی کو پہلے سے بھی زیادہ محدود و مخدوش کر دیا گیا ہے۔ اس وقت برٹش قوم اور حکومت کے ہندوستانیوں پر دیگر مظالم بھی گنائے گئے۔ ہندوستان کو نہتہ کرنے اور اس کو مفلس اور قلاش کرنے کا الزام بھی پلیٹ فارم اور پریس سے بار بار دھرایا گیا۔ اور دوسری طرف یہ بھی کہا گیا، کہ ہمیں انگریز قوم کے اعمال و افعال سے تو نفرت کرنی چاہیئے، لیکن اس کے افراد سے محبت کرنی چاہیئے۔ اوّل تو یہ بات ہی نامعقول ہے، کہ کسی شخص کے فعل سے نفرت

کی جائے۔ لیکن اس کی ذات سے محبت۔ کیونکہ کسی انسان کی عزت یا اس سے محبت یا اس سے نفرت اس کے اعمال کی وجہ سے ہی کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کسی شخص کے فعل اور اس کے وجود میں تمیز اور ان کو الگ الگ چیز سمجھنا اتنی مشکل اور نازک بات ہے، کہ شاید گاندھی جی اور ان کے چند مخصوص عدم تشدّد کے مرید اس کو سمجھتے ہوں۔ وہ لاکھوں اور کروڑوں ہندوستانی جن کو عدم تشدّد کا سبق پڑھایا گیا، نہ صرف یہ کہ اس تمیز کو سمجھ نہ سکے، بلکہ وہ اس کے سمجھنے کے اہل ہی نہ تھے۔ نتیجہ خون ریزی، فساد اور قوموں اور فرقوں میں ایک دوسرے سے نفرت، بغض، حسد، اور دشمنی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ کراچی کانگریس کے موقعہ پر کانگریس کے پلیٹ فارم سے اور گاندھی جی کی زبان سے بھگت سنگھ اور اس کے ساتھیوں کی تعریف ہوئی۔ ان کو سچے محب وطن اور خادم وطن کہا گیا، گو دبی زبان سے چند الفاظ ان کے فعل کی مذمت میں بھی کہے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا، کہ کراچی کانگریس کے ایک سال کے اندر اندر اتنے ہولناک فساد ملک میں ہوئے، اور انسانی خون اتنا ارزاں سمجھا گیا، کہ سرزمین ہند بے گناہ انسانوں کے بہائے ہوئے خون سے لالہ زار بن گئی۔ بنگال، کانپور، شولا پور، آگرہ اور بنارس میں ہزاروں انسان موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے، اور یہ سب کچھ ان لوگوں نے کیا، جو اصول عدم تشدد کے "پیغمبر" کے پیرو تھے۔ اور کراچی سے تازہ بتازہ عدم تشدد کا سبق گاندھی جی کی زبان فیض ترجمان سے سنکر آئے تھے۔ حق بات یہ ہے، کہ قوانینِ قدرت اور طبعی جذبات سے اس آسانی سے کھیلا نہیں جا سکتا جس طرح گاندھی جی اس سے کھیلنا چاہتے ہیں۔

مَیں یہ کہہ رہا تھا، کہ گاندھی جی کے قول کے مطابق برت بھی عدم تشدّد کے اصول کی ایک شکل ہے، اور ترقی یافتہ شکل۔ لیکن جس طرح گاندھی جی کے اصول عدم تشدّد کا استعمال ہندوستان کی سیاسی زندگی میں بہت خطرناک نتائج پر منتج ہوا، اسی طرح اس اصول کی ایک ترقی یافتہ شکل یعنی برت کے استعمال سے بھی کوئی خوش کن نتائج پیدا نہیں ہوئے

یہ بات تو سمجھ میں آسکتی ہے، کہ برت رکھنے والے انسان کو خود کوئی اخلاقی یا رُوحانی فائدہ پہونچے۔ یہ بھی سمجھ میں آسکتا ہے، کہ اس کے چند قریبی افراد بھی اس سے متاثر ہوں، لیکن یہ کہ قوموں اور فرقوں کے سیاسی اور مجلسی حقوق کا فیصلہ ایک شخص کے برت کے ذریعہ کیا جائے، یہ برت جیسے مقدس فعل کا نہایت بُرا استعمال ہے۔ لیکن گاندھی جی کے برت اکثر اوقات بجائے روحانی ہونے کے خالص سیاسی ہوتے ہیں، اور ان سے سیاسی فوائد حاصل کرنا ہی ان کے مدنظر ہوتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ ان کا نتیجہ بُرا نکلا ہے ۱۹۲۴ء کا تین ہفتے کا برت ہندو مسلم اتحاد کے قیام کے لئے رکھا گیا لیکن برت کے بعد ہندو مسلم تعلقات روز بروز زیادہ سے زیادہ بگڑتے چلے گئے۔ دوسرا برت، کہ وہ بھی سیاسی برت تھا، اور سیاسی فوائد کے حصول کی خاطر رکھا گیا تھا، مشہور یرو داجیل پونا والا برت تھا۔ جس کے ذریعہ چاہا تو یہ گیا تھا، کہ اچھوتوں اور اعلیٰ ذات کے ہندوؤں میں اچھے تعلقات قائم ہو جاویں، لیکن جتنی بدگمانی اور بے اعتمادی اس برت کے بعد اچھوتوں میں اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کے متعلق پیدا ہوئی، اس سے پہلے کبھی پیدا نہ ہوئی تھی۔ اس کے بعد اچھوتوں نے اپنی مستقل اور علیحدہ سیاسی ہستی پر زور دینا شروع کر دیا۔ اس برت سے پہلے جو کچھ اچھوت لیڈر گاندھی جی کے ساتھ تھے، وہ بھی ان سے علیحدہ ہو گئے۔ آج اچھوت اقوام کے بڑے بڑے لیڈر یعنی ڈاکٹر امبیدکار، مسٹر سری نواس، راؤ بہادر ایم، سی، راجہ وغیرہ سب گاندھی جی کی پالیسی کے خلاف ہیں، اور ان کو اچھوتوں کا بدخواہ اور دشمن سمجھتے ہیں۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ وہ حقوق جن کے حصول یا ضائع ہونے پر قوموں کی سیاسی اور اقتصادی اور مجلسی زندگی کا دارومدار ہوتا ہے، وہ محض اس لئے کیوں چھوڑ دیئے جاویں، کہ گاندھی جی فاقہ کشی کے ذریعہ ان کے چھڑوانے پر مُصر ہوتے ہیں۔ یہ تو عدم تشدد نہیں، بلکہ تشدد کی بدترین شکل ہے، اور اس اثر و رسوخ کا نہایت مکروہ استعمال ہے، جو گاندھی جی کو ہندوستان میں حاصل ہو چکا ہے۔ بنگال کا صوبہ کانگریس سے عملاً الگ

ہوچکا ہے۔ اس کی وجہ پونا پیکٹ ہی ہے، اور وہ پیکٹ گاندھی جی کے برت کا نتیجہ تھا۔
اس کے بعد ۱۹۳۳ء میں گاندھی جی نے پونا میں ایک اور تین ہفتے کا برت رکھا، اس کا مقصد ملک سے تشدد کو دُور کرنا اور سچائی سے محبت اور ہندوستان کی مختلف قوموں میں اتحاد بیان کیا گیا۔ ہمارے خیال میں تو اس کا مقصد اس ضائع شدہ اثر اور رسُوخ کو دوبارہ حاصل کرنا تھا، جو دوسری گول میز کانفرنس کے بعد ۱۹۳۲ء میں سول نافرمانی کی ناکامی کی وجہ سے گاندھی جی کھو چکے تھے۔ لارڈ ولنگڈن نے اس تحریک نافرمانی کو کچل کر رکھ دیا تھا، اور گاندھی جی کے پاس اور کوئی پروگرام نہ تھا۔ ان پر ہر طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ ہوئی۔ سب سے زیادہ پنڈت جواہر لال نہرو ان کے پروگرام سے بددل ہو رہے تھے۔ اس ساری مصیبت سے نجات حاصل کرنے کا ذریعہ سوائے فاقہ کشی کے اور کچھ ان کو نظر نہ آیا۔
بالکل اسی طرح تری پوری کانگریس کے موقعہ پر مسٹر بوس کے دوبارہ انتخاب سے گاندھی جی کے رسوخ کو جو دھکا لگا، اس کے ازالہ کے لئے وہ بجائے تری پوری جانے کے راجکوٹ چلے گئے۔ اور وہاں جا کر ایک مرن برت رکھ لیا۔ تاڑنے والے اسی وقت تاڑ گئے تھے کہ یہ مسٹر بوس کو شکست دینے کی ترکیب ہے، اور راجکوٹ کی رعایا کے حقوق کا تو محض بہانہ ہے۔ چنانچہ جب تری پوری کانگریس کے ریزولیوشن نے مسٹر بوس کے ہاتھ باندھ دیئے، اور ان کو گاندھی جی کے آگے بے جان جسم کی طرح ڈال دیا، تو گاندھی جی نے سر مارس گوائر کو ثالث مان کر اس برت کو توڑ دیا، اور بعد میں اقرار بھی کر لیا، کہ راجکوٹ کا برت تشدد پر مبنی تھا۔
گاندھی جی کے یہ چار مشہور برت ہیں۔ ان کے نتائج ظاہر ہیں۔ ان برتوں کا روحانیت سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ بہر حال گاندھی جی کی نیت خواہ کچھ ہو۔ ان برتوں کے نتائج نہایت مایوس کن ثابت ہوئے ہیں۔ بعض اور چھوٹے چھوٹے اور نسبتاً غیر معروف برت بھی گاندھی جی نے رکھے ہیں۔ مثلاً شاہزادہ ویلز کی بمبئی میں آمد پر جو ۱۹۲۱ء کے آخر میں فساد ہوا، اس کے کفارہ کے لئے بھی گاندھی جی نے چند دنوں کا برت رکھا تھا۔ اپنے آشرم والوں کے بعض قابلِ

اعتراض افعال کی وجہ سے بھی انہوں نے بعض اوقات برت رکھے ہیں، جو پرائیوٹ حیثیت کے ہیں۔ ہمیں نہ ان کی تفصیل کا علم ہے اور نہ ان سے کوئی سروکار۔

آجکل بھی سُنتے ہیں کہ گاندھی جی ایک برت رکھنے کا ارادہ کر رہے ہیں۔ ان کے اس ارادہ نے اور بھی ہمارے اس خیال کو تقویت دی ہے، کہ گاندھی جی کے برتوں کو رُوحانیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں۔ وہ خالص سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے رکھے جاتے ہیں۔

پچھلے ۱۸ ماہ سے گاندھی جی کو کچھ سوجھتا نہیں، کہ اپنے مقصد کے حصول کے لئے وہ کیا قدم اُٹھائیں۔ ان کی سیاست کا موجودہ بے اصولاپن اور بے عملی لوگوں کو آہستہ آہستہ ان سے بدظن کر رہے ہیں، اور جو نہ ٹلنے والا اعتقاد لوگوں کو ان کی "روحانی قوت" اور سیاسی عقل مندی پر تھا، وہ متزلزل ہو رہا ہے۔ اب جبکہ ان کا رسُوخ و اثر کم ہو رہا ہے، وہ اپنی پرانی عادت کے مطابق برت رکھکر اس کو بحال کرنا چاہتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ گذشتہ ۲ سال سے ان سے ایسی حرکات سرزد ہو رہی ہیں، اور ان کے عمل اور قول میں اتنا نمایاں تضاد ظاہر ہؤا ہے، کہ ان کی ایمانداری اور دیانتداری بھی مشتبہ ہونے لگی ہے۔ اور اصول عدم تشدد کی تو ان کے اپنے ہاتھوں ایسی مٹی پلید ہوئی ہے، کہ اب اس غیر طبعی اصول پر تو دان کو کچھ اعتقاد ہو تو ہو، ورنہ ہندوستان میں بہت ہی کم ذی ہوش اور ذی عقل انسان ایسے ملیں گے، جو اس اصول کے غیر مشروط استعمال کو ایک معقول طریق کار سمجھتے ہوں۔

تری پوری کانگریس سے پہلے اور بعد جب تک مسٹر بوس کانگریس کے پریزیڈنٹ رہے، وہ گاندھی جی سے بار بار سول نافرمانی کو شروع کرنے کا مطالبہ کرتے رہے۔ گاندھی جی اس بناء پر اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کرتے رہے، کہ جس ماحول کی سول نافرمانی کے لئے ضرورت ہے، وہ ملک میں قطعًا مفقود ہے۔ لوگوں میں ضبط، ڈسپلن اور اپنے پر قابو نہیں، تمام فضا تشدد سے مسموم ہے۔ ہندوستان کی دو بڑی قوموں یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں میں باہمی بے اعتمادی اور ایک دوسرے سے دشمنی حد تک پہونچی ہوئی ہے، لوگ کھدر کا استعمال

نہیں کرتے۔ اور کھدر کاتنے والے تو بہت ہی کم ہیں۔ غرضیکہ تمام وہ شرائط جن کا سول نافرمانی کے شروع ہونے سے پہلے پورا ہونا ضروری ہے، مفقود ہیں۔ گاندھی جی بقول خود گذشتہ ۱۲ سال میں ملک کی فضا میں تشدد کو "سونگھتے" رہے ہیں۔ مسٹر بوس کو ان سے اس بارہ میں سخت اختلاف تھا۔ رام گڑھ کانگریس سے پہلے، کانگریس کے موقعہ پر اور کچھ عرصہ بعد تک بھی گاندھی جی یہی کہتے چلے گئے، کہ سول نافرمانی کے لئے ملک میں سازگار ماحول موجود نہیں۔ اور جب تک وہ ماحول پیدا نہیں ہوجاتا، وہ سول نافرمانی شروع نہیں کرسکتے۔ انہوں نے لمبے لمبے آرٹیکل اس بارہ میں لکھے۔ لیکن پنڈت جواہر لال نہرو، مولینا ابوالکلام آزاد اور سردار پٹیل لوگوں کو گورنمنٹ کے ساتھ آنے والی جنگ کے لئے تیار رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ یہ ایمانداری اور دیانتداری کے خلاف بات تھی، کہ گاندھی جی تو علانیہ اور بار بار یہ کہتے رہے، کہ سول نافرمانی کے شروع کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ملک میں اس کے لئے مناسب فضا موجود نہیں۔ وہ وائسرائے کو غیر مشروط مدد دینے کا وعدہ دیتے رہے، وہ بار بار یہ لکھتے رہے، اور اب بھی لکھتے چلے جارہے ہیں، کہ ستیاگرہی اپنے مخالف کی پوزیشن کی کمزوری سے فائدہ نہیں اٹھاتا، وہ اپنی قربانی سے اور اپنے آپ کو دکھ میں ڈالکر اپنے حقوق حاصل کرتا ہے، اس لئے وہ گورنمنٹ کو اس کی زندگی اور موت کی کشمکش کے وقت پریشان نہیں کرنا چاہتے، لیکن ان کے لفٹیننٹ اور ان کے وفادار و جاں نثار متبع لوگوں کو ایک عظیم الشان آنے والی جنگ کے لئے تیار رہنے کی تلقین کرتے رہے۔ وہ لوگوں کو یہی کہتے رہتے، کہ لڑائی کا بگل بجنے کو ہے، اور عنقریب گاندھی جی جنگ کی کمان اپنے ہاتھ میں لیں گے۔ ظاہر ہے، کہ یا گاندھی جی جھوٹ بول رہے تھے، یا ان کے لفٹیننٹ پنڈت جواہر لال نہرو، پٹیل، اور مولانا ابوالکلام آزاد۔ اور بعد کے واقعات نے بتلا دیا، کہ عدم تشدد کا "اوتار" اور صداقت اور راستی کا "دیوتا" ہی ارادۃً اور جان بوجھکر لوگوں کو دھوکے میں رکھ رہا تھا۔ اور آج وہ شخص، جو کل یہ جانتے ہوئے کہ گورنمنٹ کو لڑائی میں

کسی قسم کی مادی مدد دینا عدم تشدد کے اصول کے خلاف ہے، وائسرائے کو غیر مشروط امداد کا وعدہ دے آیا تھا، خواہ اپنی ذاتی اور پرائیویٹ حیثیت میں ہی سہی۔ وہ جو یہ کہتا تھا کہ سول نافرمانی کے لئے ملک میں مناسب فضاء موجود نہیں، وہ جو سچا ستیا گرہی ہوتے ہوئے اپنے مخالف کی کمزوری سے فائدہ نہ اٹھانا چاہتا تھا۔ اور جو اس حالت میں کہ گورنمنٹ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھی، اس سے کسی قسم کا سودا کرنا اپنی شان مہاتمائی کے خلاف سمجھتا تھا، آج اپنے سارے اصولوں کو، اپنے سارے اقراروں اور بار بار دہرائے ہوئے اقوال کو بھول کر شرافت اور اخلاق کے سارے آئین کو بالائے طاق رکھکر گورنمنٹ کے انتہائی مصیبت کے وقت میں سول نافرمانی کے لئے تیار ہو چکا ہے۔ اور ایک بالکل غیر معقول اور غیر پسندیدہ بہانہ کی بناء پر گورنمنٹ کو پریشان کرنا چاہتا ہے۔

کوئی گاندھی جی سے پوچھے، کہ کیا اب ان کی "قوت شامہ" ماؤف ہو چکی ہے؟ یا اب ملک کی فضا میں وہ تشدد کی بجائے عدم تشدد سونگھنے لگ گئے ہیں؟ کیا ہندوؤں اور مسلمانوں میں اتحاد قائم ہو چکا ہے؟ کیا لوگوں میں ڈسپلن اور ضبط آگیا ہے؟ کیا وہ دیانتداری سے کھدر پہنتے ہیں؟ اور انہوں نے سوت کاتنا شروع کر دیا ہے؟ کیا وہ شرائط جن کا پورا کرنا سول نافرمانی کے شروع کرنے کے لئے ضروری تھا پوری ہو چکی ہیں؟ کہ انہوں نے سول نافرمانی شروع کرنے کا تہیہ کر لیا ہے۔ اور ہزاروں ستیہ گرہیوں کی فہرست تیار کرلی ہے، اور بڑے بڑے کانگریسی لیڈر گرفتار ہو چکے ہیں، اور باقی گرفتار ہونے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ کیا وہ اب اس بات کو بھول گئے ہیں، کہ انہوں نے ایک معزز اور شریف انسان یعنی وائسرائے ہند سے ایک شریف انسان کی طرح غیر مشروط مدد کا وعدہ کیا تھا۔ کیا شرفاء اپنے وعدوں کو اسی طرح پورا کیا کرتے ہیں؟ کیا سچے ستیہ گرہی ایسے ہی ہوتے ہیں، کہ جب ان کا مخالف موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہو، تو وہ اس کی پیٹھ میں چھرا گھونپ دیں؟ کیا اپنے مخالف کی نازک پوزیشن سے فائدہ اٹھانے کی اس سے بھی زیادہ ذلیل اور کمینہ

مثال ہو سکتی ہے، جو اس وقت وہ پیش کر رہے ہیں؟ وہ اس وقت سول نافرمانی شروع کر کے نہ صرف اپنے اصولوں کی مٹی پلید کر رہے ہیں، بلکہ سچ اور راستی کا خون بہا رہے ہیں، اور ایک نہایت کچے اور بودے بہانہ کی بناء پر وہ ایسا کر رہے ہیں۔ وہ گورنمنٹ سے مطالبہ کرتے ہیں، کہ انہیں جنگ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا اختیار دیا جائے۔ کیونکہ جنگ عدم تشدد کے اصول کے خلاف ہے۔ اور عدم تشدد پر کاربند رہنا کانگریس نے اپنے اصولوں اور پروگرام میں شامل کیا ہوا ہے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو وہ سول نافرمانی کرینگے۔ کانگریس کس حد تک عدم تشدد کے اصول کو مانتی اور اس پر عمل کرنے کو تیار ہے؟ پونا کے ریزولیوشن سے ظاہر ہو گیا تھا، جب کانگریس ورکنگ کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا تھا، کہ ہندوستان اپنے سارے ذرائع سے لڑائی میں برٹش گورنمنٹ کی مدد کرے گا، بشرطیکہ ہندوستان کے مرکز میں قومی حکومت قائم کر دی جاوے۔ ایسی جماعت کی طرف سے جس کی ہائی کمانڈ اپنے سارے مادی اور اخلاقی ذرائع سے گورنمنٹ کی مدد کرنے کو تیار تھی، بشرطیکہ مرکز میں قومی حکومت قائم کر دی جاتی، گورنمنٹ ہند سے یہ مطالبہ کرنا کہ ان کو جنگ کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی اجازت دی جاوے، کیونکہ یہ بات ان کے بنیادی اصولوں میں شامل ہے، اگر بد دیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ اگر کانگریس عدم تشدد کے اصول پر ایسی ہی قربان ہوئی جاتی تھی، اور جنگ میں کسی صورت میں شامل ہونا یا گورنمنٹ کو مادی مدد دینا نادرست خیال کرتی تھی، تو پونا میں اس کی ورکنگ کمیٹی نے وہ رسوائے عالم ریزولیوشن کیوں پاس کیا تھا، اور گاندھی جی اس ریزولیوشن کے پاس ہونے پر کانگریس سے کیوں خفا ہو کر علیحدہ ہو گئے تھے؟ اور راجگوپال آچاریہ اور سردار پٹیل کی جدائی پر کیوں مرثیہ خوانی کی تھی؟ کانگریس جیسا کہ اس کے لیڈر، راجگوپال آچاریہ اور مولانا ابوالکلام آزاد، اب بھی کہتے ہیں، گورنمنٹ کی ہر طرح سے مدد کرنے کو تیار ہے، بشرطیکہ اس کے اس مطالبہ کو پورا کر دیا جاوے، کہ مرکز میں قومی حکومت قائم ہو۔ لیکن گاندھی جی گورنمنٹ سے کانگریس کی طرف سے

یہ مطالبہ کرتے ہیں، اور اس مطالبہ کے پورا نہ ہونے پر سول نافرمانی کرنے پر تلے ہوئے ہیں، کہ انہیں جنگ
کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کی اجازت دی جائے۔ کیونکہ جنگ عدم تشدد کے اصول کے خلاف ہوتے
ہوئے ہر جہت سے بُری چیز ہے۔ ظاہر ہے کہ کانگریس ورکنگ کمیٹی کی وہ پوزیشن نہیں، جو
گاندھی جی ان کی طرف منسوب کر رہے ہیں، اور یہ دیانتداری کے خلاف بات ہے۔ سچی بات یہ
ہے، کہ گاندھی جی ایک سال کے عرصہ سے کچھ ایسے بوکھلا سے گئے ہیں، کہ ان کو کچھ سوجھتا نہیں، کہ
ورکنگ کمیٹی کے ان ذی اثر ممبروں کو کس طرح خاموش کرائیں، جو سول نافرمانی کرنا چاہتے ہیں گاندھی
جی واقعہ میں سول نافرمانی کرنا نہیں چاہتے۔ لیکن وہ کانگریس کے بائیں پہلو (Left wing)
کے ہر لحظہ زیادہ طاقت حاصل کرنے والے مطالبہ کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتے۔ اور وہ مطالبہ یہ ہے
کہ گورنمنٹ کی مصیبت سے فائدہ اٹھا کر اپنی پوزیشن کو مضبوط کیا جائے، اور اپنی طاقت کو
بڑھایا جائے۔ کاش! گاندھی جی میں اتنی جرأت ہوتی، کہ وہ اپنے اصولوں کی خاطر اپنی لیڈری
کو قربان کر سکتے۔ اور ورکنگ کمیٹی کے ممبروں سے صاف طور پر کہدیتے، کہ تمہارا راستہ اور ہے
میرا اَور۔ تم صرف مرکز میں قومی حکومت قائم ہونے پر عدم تشدد کے اصول کو چھوڑ کر گورنمنٹ
کو ہر مادی مدد جنگ میں دینے کو تیار ہو۔ اور میں اس مکمل آزادی کو بھی لینا نہیں چاہتا، جو عدم
تشدد کے اصول کو قربان کر کے حاصل کی جائے۔ لیکن افسوس کہ گاندھی جی نے ایسا نہیں کیا۔

جس سے یہ بات ثابت ہو گئی، کہ ہاتھی کے دانت کھانے کے اَور ہیں اور دکھانے کے اَور۔

یہ عدم تشدد اور اہنسا کے اصول محض سادہ لوح لوگوں کو دھوکا دینے یا سیاسی ہتھیاروں
کے طور پر استعمال کرنے کے لئے ہیں۔ ورنہ عدم تشدد کی نہ گاندھی جی کو پرواہ ہے، نہ آپ نے
اس پر کبھی عمل کیا، اور نہ وسیع پیمانے پر اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ کاش! اگر انہوں نے گورنمنٹ
سے اس کو پریشان نہ کرنے کا وعدہ کر کے اس کو پریشان کرنا ہی تھا، تو کسی معقول وجہ کی بناء پر تو
کرتے۔ وہ گورنمنٹ سے کہہ سکتے تھے، کہ یا تو ہمارے ملک کو آزاد کر دو۔ ورنہ نہ صرف یہ کہ ہم سے
کسی قسم کی مدد کی امید نہ رکھو، بلکہ ہماری طرف سے مخالفت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ یہ پوزیشن کانگریس

ورکنگ کمیٹی کی تھی۔ لیکن دوسری طرح سے اس کمیٹی نے اپنی پوزیشن غیر معقول اور غیر دیانتدارانہ بنالی۔ ایک طرف وہ پونا کے ریزولیوشن کے رُو سے گورنمنٹ کو ہر قسم کی اخلاقی اور مادی مدد دینے پر بھی تیار ہو گئے۔ بشرطیکہ انکے ایک مطالبہ کو مان لیا جائے۔ گویا عدم تشدد کے اصول کو قربان کرنے پر تیار ہو گئے۔ اور دوسری طرف جب گاندھی جی نے کانگریس کی طرف یہ بات منسوب کی، کہ کانگریس نہ صرف جنگ میں گورنمنٹ کو کوئی مادی مدد بالواسطہ یا بلا واسطہ دینے کو تیار نہیں، بلکہ چونکہ عدم تشدد اس کا بنیادی اصول ہے، اور جنگ عدم تشدد کے خلاف ہے، اسلئے اسکو جنگ کے خلاف پروپیگنڈا کرنیکی بھی اجازت ہونی چاہیئے، تو وہ خاموش رہے۔ حالانکہ یہ انکی پوزیشن کبھی بھی نہیں ہوئی تھی یہ ہے کیفیت ستّیا اور اہنسا کے "اوتار" کی، اور اسکے مخلص جان نثار، اور وفاکیش مریدوں کی۔ کہ بیس سال کی تربیت اور تعلیم کے بعد بھی یہ صداقت سے کتنے دُور ہیں۔ تشدد اور جنگ سے اتنی نفرت ظاہر کی جاتی ہے، اور حالت یہ ہے، کہ جنگ کے اصولوں، قوانین اور طریقوں سے قطعی ناواقفیت کے ہوتے ہوئے جنگ کرنیکا اتنا شوق ہے، کہ جب انگریز لوگ اپنی جبلّی شرافت سے ان کو سول نافرمانی کرنے دیتے ہیں، تو جنگ کی ساری اصطلاحات اور استعارات اور محاورات استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک کمانڈر انچیف مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کی وار کونسل بنائی جاتی ہے۔ پھر میدانِ جنگ اور میدانِ جنگ میں لڑنے والے سپاہی چُنے جاتے ہیں۔ پھر جنگ کا نقشہ (war Plan) اور لڑائی کی چالیں (War strategy) سوچی جاتی ہیں۔ غرضیکہ جب گاندھی جی عدم تشدد کا ہتھیار دھارن کر کے میدانِ کارزار میں نکلتے ہیں، تو موجودہ تباہ کن جنگ بھی ان کے سامنے گرد ہو جاتی ہے۔ ؎

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو۔

جب لیڈر اور پیشوا ایسے با اصول ہوں، تو مریدانِ باصفا کا کیا کہنا۔ اللہ تعالیٰ ہندوستان والوں پر اپنا رحم کرے ⁂

اسلام ہیگل کی نظر میں

[جرمنی کے مشہور و معروف مفکر ہیگل نے ۱۷۷۰ء تا ۱۸۳۱ء نے فلسفۂ تاریخ پر خطبات کا ایک سلسلہ تیار کیا تھا جو اس کے نظامِ فکریہ کے لئے ایک عام فہم دیباچے کا کام دیتا ہے۔ ہیگل کا سمجھنا دشوار اور اس کا صحیح سمجھنا دشوار تر ہے۔ مگر ان خطبات میں اس کے مابعد الطبیعات کے اصول ایک تاریخی اور سماجی ماحول میں اور مادی صورت میں روشن ہو جاتے ہیں۔ ہیگل مسئلہ وحدت الوجود کا قائل ہے اور اس کی نگاہ میں نسل انسانی اخلاقی اور روحانی لحاظ سے اس ارتقائی شاہراہ پر گامزن نہیں ہے جس کا مقصود عقلِ کُل کو پالینا ہے۔ اس شاہراہ پر کئی ایک منزلیں، کئی ایک قیامگاہیں ہی ہیں۔ جن میں سے مختلف اقوامِ عالم مختلف زمانوں اور ملکوں میں گذر چکی ہیں۔ اس کے خیال میں تاریخ کے تہذیب ساز عمل کا اصل مقصود ذہنی آزادی حاصل کرنا ہے۔ اس لحاظ سے اس نے تاریخِ عالم کو چار ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ سب سے پہلے دنیائے مشرق آتی ہے۔ جس میں چین ایران اور ہندوستان شامل ہیں۔ ان مذہبی تمدنوں میں عین حقیقت کو سمجھنے اور پالینے کے لئے انسان کو صور مادیہ کی ضرورت پڑی۔ اس کے بعد عالمِ یونان اور عالمِ روما آتا ہے۔ سب سے آخری لیکن سب سے اہم عالم المانوی ہے۔ اس دنیا کی سپرٹ نئی دُنیا کی سپرٹ ہے۔ اس دنیا میں انسان اصل حقیقت کی جستجو کے ہزاروں سالہ مجاہدے کو کامیاب طور پر ختم کر دینے کے قابل ہو جاتا ہے۔ پہلے دوروں میں نامکمل انسانیت خود ایک غلام ہے اس کے ہاتھ اور پاؤں پر روایتی عقائد، سماجی بندھنوں کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں۔ سماجی زندگی کا منتہائے اعلیٰ انہی بندھنوں سے رہائی پاتا ہے اور ذہنی آزادی کے معراج کو حاصل کر لینا ہے۔ انسانیت کا اصل مقصد اپنی حقیقت کو پالینا ہے اس دور میں رُوح کی مکمل نشو ونما ممکنات میں سے نظر آتی ہے۔ روحِ انسانی جس کی فطرت

ہی آزاد واقع ہوئی ہے اور خارجی اور داخلی لحاظ سے اپنے قید وبند کی کڑیوں کو ایک ایک کرکے توڑ ڈالتی ہے۔ خارجی آزادی سے یہ مراد ہے کہ انسان ایسے خارجی قوانین اور اصولوں کا پابند ہو جن کو وہ دل سے خود بھی تسلیم کرتا ہو، اور داخلی آزادی سے مراد نفسانی خواہشات اور بہیمانہ جذبات سے مبرا ہونا۔

اس سلسلے میں ایک دلچسپ بات یہ ہے کہ ہیگل نے باوجود اپنی عیسائی تربیت اور مذہبی افق کے اسلام کی ان شاندار خدمات کا اعتراف کیا ہے جو نظامِ اسلامی نے نسلِ انسانی کو ان ارتقائی مدارج کے طے کرنے کے سلسلے میں کی ہیں۔ عالم المانوی پر لکھتے ہوئے وہ اپنی بحث کا آغاز ان ٹیوٹن نسل کے گروہوں اور جرمنی کے وحشی قبائل سے کرتا ہے جنہوں نے پہلے پہل عیسائیت کو قبول کیا۔ یہ روح انسانی کیلئے ایک لازمی قسم کا تطہیری دَور تھا۔ اس دور میں روح عین جو کل کائنات میں جاری وساری ہے رمزیہ صورت میں تکمیل پا رہی تھی۔ انسان ابھی اس قابل نہ ہوا تھا کہ اصل حقیقت کو اس کی تجریدی حالت میں بغیر کسی تشبیہہ اور استعارے کے، بغیر کسی بُت اور اصنام کے معلوم کرلے۔ لیکن اسی زمانے کے قریب دنیائے مشرق میں اخلاقی اور سماجی لحاظ سے ایک نیا انقلاب آجاتا ہے۔ یہ انقلاب ہے طلوعِ اسلام۔ اس انقلاب کی رَو میں بہہ کر انسانی دنیا قرنوں اور صدیوں کی ارتقائی منزلیں سالوں اور مہینوں میں طے کرلیتی ہے۔ عقل کے باد پا قاصد منطق کی بھول بھلیوں میں رہ جاتے ہیں۔ اور عشق کی مشعل سے اس کے خرمنِ عقل پر ایک چنگاری پڑتی ہے جس سے کہ اصل حقیقت جگمگا اٹھتی ہے۔ حقیقت پالینے کا یہ عمل ایک بجلی کی طرح انسانی ذہن پر چمک جاتا ہے، اور اس حقیر بے مایہ ہستی کو جو ہزاروں سال تک عین حقیقت پالینے کے لئے کبھی پتھروں کی محتاج رہی، کبھی فطرت کے منظروں کی، اسے اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ عین ذات پر تجریدی صورت میں نگاہ بھر کے دیکھ لے۔ ہیگل کے خیال میں انسانی رُوح کا کمال یہی ہے۔ اس مذہبی اور سماجی عمل کی کیفیت جس کی امداد سے یہ معجزہ رُونما ہوا، ہیگل کے الفاظ میں سُنیئے:

ایک طرف یورپ اپنی تعمیر نو کر رہا تھا، قومیں اپنی بیخ و بن استوار کر رہی تھیں، تاکہ آزاد حقائق کی ایک ایسی دُنیا پیدا کریں جس کی وسعتیں اور جس کی ترقی ہر طرف ظہور پذیر ہو۔ ہم نے دیکھا

کہ انہوں نے اپنے کام کی ابتدا اس طرح کی، کہ تمام سماجی تعلقات کو تخصیص[1] کا رنگ دیدیا۔ اور تخصیص بھی اس طور پر کہ اپنے کُند اور زنگ ذہنوں سے ان باتوں کو جو فطرتاً عام اور حسبِ معمول ہیں اس طرح خُرد برد کر ڈالا کہ وہ قدرتی کلیئے محض اتفاقی اور ناگہانی امور کا مجموعہ ہو کر رہ گئے، جن کو ایک سادہ سے اصول اور سادہ قانون کی شکل میں ہونا چاہیئے تھا، رسوم کا ایک پیچیدہ اور الجھا ہوا جال بنا کر رکھدیا۔ مختصراً یہ کہ جب مغرب اپنے کو انفاق پیچیدگی اور تخصیص کی سیاسی عمارتوں میں پناہ گزیں کر رہا تھا، رُوحانی تجلی کا تناسب قائم رہنے کے باعث دُنیا میں دوسری جگہ اس کے بالکل متضاد اصولوں کا ظہور ہونے لگا۔ یہ چیز مشرق میں انقلابی شان سے ظاہر ہوئی، جس نے تمام تخصیص اور انحصار کے خرخشوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ اور طبع اور رُوح کا تنقیہ کر کے انہیں تمامتر پاک وصاف کر دیا۔ محض مجرد ذاتِ وحدہٗ کو اپنی توجہ و عبادت کا مرکز بنایا، اور اسی قدر خالص داخلی عرفان —— یعنی اسی مجرّد ذات وحدہٗ کے عرفان —— کو حقیقت کا واحد مقصد گردانا یعنی اس ذات غیر مشروط کو شرطِ حیات قرار دیا۔

ہم مشرقی اصولوں کی ماہیّت سے آگاہ ہو چکے ہیں[2] اور دیکھ چکے ہیں کہ وہاں کی ذاتِ اعلیٰ محض منفی حیثیت رکھتی ہے۔ یعنی اس کے نزدیک مثبتی حیثیت رکھنا محض مایا میں اپنے آپ کو مبتلا کر دینا ہے اور روح کو مادی حقیقتوں کا غلام بنا دینا ہے۔ صرف یہودیوں میں ہم نے دیکھا تھا کہ مجرد وحدانیّت کا اصول ان کے یہاں تفکر کی بلندیوں پر لے جایا گیا تھا۔ کیونکہ صرف وہی لوگ ذات وحدہٗ کا اعتقاد رکھتے تھے، اور ان کا ذاتِ وحدہٗ کا نظریہ تخیّل کی صورت میں تھا۔ یہ وحدانیت کا تصوّر اس وقت بھی قائم رہا، جبکہ روحانی پاکیزگی کے لئے مجرد روح کے تصوّر کا مسئلہ طے سمجھ لیا گیا۔ لیکن اس کو ابھی اس تخصیص سے آزاد ہونا تھا، جو یہووا کی پرستش میں سدِّراہ ہوتی تھی۔ یہووا صرف اسی قوم کا خدا تھا[3]۔ ابراہیم کا، اسحاق کا، یعقوب کا، صرف یہودیوں

---

[1]۔ Particularity ۔ [2] یہاں ہندوؤں سے مطلب ہے۔
[3]۔ یہودیوں کا اللہ۔

سے گویا اس خدا نے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ اس تعلقات کی تخصیص کو اسلام نے فنا کر دیا۔ روح کی اس عالمگیری میں تصوّر کی اس محدود و غیر معین سادگی اور پاکیزگی میں فرد انسانی کے لئے کسی اور مقصد کی ضرورت نہیں سوائے اس کے کہ وہ اس عالمگیری سادگی کو حاصل کرے۔ اللہ یہودیوں کے خدا کی طرح ایجابی اور محدود مقصد نہیں رکھتا۔ اسلام کا مقصد اور واحد مقصد محض ایک ذات وحدہٗ کی پرستش ہے۔ آدمی کی داخلیت (روح) کے لئے صرف یہی ایک کام ہے کہ وہ اسی ذات وحدہٗ کی پرستش میں منہمک ہو جائے۔ اور تمام خارجی موجودات کو اسی ذات وحدہٗ کا مطیع بنائے۔ یہ ذات وحدہٗ دراصل روح کی خصوصیت رکھتی ہے لیکن چونکہ انسان کی داخلیت (روح) خارجی اشیاء میں ملوث ہو جاتی ہے۔ یہ ذاتِ وحدہٗ اس لوث سے منزّہ رہتی ہے۔ اس طرح سے داخلیت ایک طرف تو بالکل رُوحانی طور پر آزاد نہیں ہو پاتی، دوسری طرف اسکی عبادت کا مرکز مادی بھی نہیں ہونے پاتا۔ لیکن اسلام ہندوانہ نہیں ہے نہ راہبانہ طور پر واجب الوجود میں گم ہو جاتا۔ یہاں داخلیت زندہ اور غیر محدود ہے۔ یعنی یہاں داخلیت وہ قوت ہوتی ہے جو دنیاوی زندگی میں محض منفی مقاصد کے ساتھ داخل ہوتی ہے اور دنیاوی معاملات میں اپنے کو محض اس طرح سے مشغول کرتی ہے اور ان میں اس طرح مداخلت کرتی ہے جس سے ذاتِ وحدہٗ کی خالص تحریم و تکریم میں ترقی ہو۔ اسلامی عبادت کا مرکز تمامتر عقلی ہوتا ہے۔ کوئی بُت یا خدا کی کسی قسم کی صورت و شکل نہیں پیش کی جاتی۔ محمدؐ پیغمبر مانے جاتے ہیں لیکن پھر بھی انسان یعنی انسانی کمزوریوں سے بالا نہیں۔ اسلام کے خصائص میں یہ بات جاری و ساری ہے کہ عالم موجودات میں کوئی چیز مقرر اور مستحکم نہیں ہو سکتی۔ ہر چیز کی قسمت میں ہے کہ اپنے کو حرکت دے۔ زندہ بنے اور دُنیا کی بے انتہاء وسعتوں میں اتنی پھیل جائے کہ وہ تمام کُل سوائے اس ذاتِ وحدہٗ کے علاقہ کے کسی اور صورت سے ایک نہ کہی جا سکے۔ یہ متحرک قوت اپنی وسعت میں قوم اور ذات کے تمام امتیازات کو نہس نہس کر دیتی ہے۔ نسلی، سیاسی موروثی یا مُلکی کسی قسم کے حقوق تسلیم نہیں کئے جاتے۔ صرف انسان رہ جاتا ہے۔ اور وہ بھی مومن

انسان، ذاتِ وحدہٗ کی عبادت وتعظیم کرنا، اسی میں ایمان رکھنا، روزے رکھنا تاکہ خصوصیت کا جذبہ اور دنیاوی علائق کی وجہ سے ذاتِ نامحدود سے علیحدگی کا جو احساس ہو جاتا ہے وہ دور ہو جائے زکوٰۃ دینا یعنی مخصوص ذاتی ملکیت کے احساس سے نجات پانا، یہ اسلام کے احکام کا نچوڑ ہیں، اور ان سب میں ارفع حکم مذہب کی خاطر شہید ہو جانا ہے۔ اسلام میں وہ شخص جو میدانِ جنگ میں ایمان کی خاطر شہید ہو جنّت اس کے لئے یقینی ہے۔

مذہب اسلام عربوں میں شروع ہوا۔ ان کے وہاں رُوح اپنی سادہ ترین صورت میں جلوہ گر ہوتی ہے اور ذاتِ بے صورت کا احساس وہاں اپنی خاص منزل رکھتا ہے کیونکہ ان کے ریگستانوں میں کوئی چیز مستحکم اور مضبوط صورت وشکل میں نہیں لائی جا سکتی۔ مسلمانوں کا سنہ محمدؐ کی ہجرت سے ۶۲۲ء سے شروع ہوتا ہے۔ خود آپ کی زندگی میں آپ کے زیر قیادت لیکن آپ کے بعد خاص کر آپؐ کے خلفاء کی سیادت میں عربوں نے عظیم الشان فتوحات حاصل کیں۔ پہلے انہوں نے شام پر حملہ کیا اور اس کے دار السلطنت دمشق کو ۶۳۴ء میں فتح کر لیا۔ اس کے بعد فرات و دجلہ کو عبور کر کے اہلِ فارس سے نبرد آزما ہوئے۔ اور بہت جلد تمام فارس کو زیر کر لیا۔ مغرب میں انہوں نے مصر، شمالی افریقہ اور اسپین فتح کیا اور جنوبی فرانس میں بھی لوائر تک بڑھتے چلے گئے۔ جہاں طورس کے مقام پر چارلس مارٹل انہیں روک سکا۔ مغرب میں تو یہاں تک پھیلے۔ مشرق میں انہوں نے یکے بعد دیگرے فارس، سمرقند اور ایشیائے کوچک کے جنوب مغربی حصّے کو فتح کر لیا اور یہ تمام فتوحات اور ساتھ ہی ان کے مذہب کی تبلیغ غیر معمولی تیزی کے ساتھ ہوئی۔ جو کوئی اسلام لے آتا تھا وہ تمام مسلمانوں کے بالکل برابر ہو جاتا، جو اس سے انکار کرتے وہ شروع میں قتل کر دیئے جاتے تھے لیکن رفتہ رفتہ اہلِ عرب مفتوحین سے رحمدلی کا برتاؤ کرنے لگے۔ اب اگر مفتوحین اسلام قبول کرنے میں معذرت کرتے تو ان سے صرف سالانہ جزیہ (ایک قسم کا ٹیکس) لیا جاتا اور وہ شہر جو جلد اطاعت قبول کر لیتے ان سے ان کی ملکیت کا صرف ۱/۱۰ لیا جاتا۔ اور جو نبرد آزمائی کے بعد مفتوح ہوتے، اُن سے ۱/۵۔

مسلمانوں کے دماغ میں تجرید جاری وساری ہوگئی تھی۔ ان کا مقصد یہی تھا کہ ایک مجرد عبادت جاری کردیں۔ اور وہ اس مقصد کو پورا کرنے میں بہت جوش وخروش سے مصروف ہوگئے۔ اس جوش وخروش کو ہم تعصب یعنی کسی مجرد چیز کے لئے شدت کہہ سکتے ہیں۔ ایسے مجرد خیال کیلئے جو موجودات کے نظام کے حق میں باطل شکن حیثیت رکھتا ہے۔ تعصب کی روح یہی ہے، کہ مادی اشیا کے حق میں تباہ کن وبرباد کن حیثیت رکھے۔ لیکن اسلام کا تعصب اس کے ساتھ ساتھ نہایت ارفع واعلیٰ منزلوں پر بھی پہونچا دینے والا تھا۔ ایسی رفعت وبلندی تک جو معمولی اغراض سے بلند ہوتی اور فیاضی اور بہادری کے ضمن میں جتنی خوبیاں آتی ہیں، ان سب کی حامل ہوتی۔ لیکن اصل زندگی تمام مادی ہوتی ہے، اور خاص مقاصد کا پابند بنا دیتی ہے۔ فتوحات حکومت ودولت کرتی ہیں موروثی خاندانوں کو شاہی سپرد کراتی ہیں، اور افراد کو متحد کرا دیتی ہیں۔ لیکن یہ تمام طاقت کی عمارتیں ریت پر اپنی بیخ وبن رکھتی ہیں۔ یہ آج ہیں کل نہیں۔ ایک مسلمان چاہے جتنا شوق ودلچسپی اس سماجی تار وپود میں کیوں نہ ظاہر کرے، در اصل اس کا دل ان چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے، وہ محض اپنی قسمت کے جھکڑ میں دوڑتا رہتا ہے۔ اسلام نے اپنی وسعت کے زمانہ میں بہت سی سلطنتوں اور حکومتوں کی بنیادیں ڈالیں۔ اس بیکراں سمندر پر ہمیشہ موجیں آگے بڑھتی رہتی ہیں مستقل قیام کسی کو نہیں۔ جو کچھ چکر کھا کر ایک صورت شکل اختیار کرلیتا ہے، اپنی چمک دکھلاتا ہے دوسرے ہی لمحہ وہ غائب ہوجاتا ہے۔ ان حکومتوں میں بنیادی مضبوطی نہ تھی۔ حکومتیں اسی لئے ختم ہوگئیں اور وہ افراد جن سے وہ بنی تھیں گذر گئے۔ جہاں کہیں ایک پاک روح اپنا امتیاز ظاہر کرتی ہے، بحر مواج میں ایک بڑی اونچی لہر کی طرح ــــ وہ آزادی کی شان وشوکت کے ساتھ اپنی تجلّی دکھاتی ہے۔ اس طرح کہ اس سے بڑھکر اچھی، اس سے بڑھکر وسیع القلب اس سے بڑھکر جری، اس سے بڑھکر مستعد کبھی دیکھی نہیں جاتی۔ جس کسی خاص مقصد کا ارادہ وہ فرد کرلیتا ہے، اس کو تمامتر اور کلّیۃً اپنی روح کی تمام قوتوں سے وابستہ کرلیتا ہے۔ فرنگی تو تعلقات اور اشکال کے بے شمار بندھنوں میں پھنسے رہتے ہیں۔ گویا کہ ہر فرد ان تعلقات واشکال

کا ایک بار ہوتا ہے۔ لیکن اسلام میں فرد صرف ایک جذبہ اور اسی جذبہ کا حامل ہوتا ہے۔ اگر ظلم کرے گا تو بے انتہا ظلم، بہادر ہوگا تو بے انتہا بہادر، چالاک ہوگا، تو چالاکی کا مجسمہ اور فیاض ہوگا تو فیاضی کا سرچشمہ، جہاں کہیں محبت ہوگی وہاں بیخودی اور سرفروشانہ جذبہ کے ساتھ رجو محبت کی شدید ترین صورت ہوتی ہے، اگر کوئی بادشاہ اپنے غلام سے محبت کرتا ہے تو وہ اپنے محبوب کے قدموں پر اپنی تمام شان، اپنی تمام شوکت اور طاقت تاج وتخت سے بالکل بے پرواہ ہوکر نچھاور کر دیگا۔ لیکن اگر اس سے نفرت ہوگئی تو اس کو تباہ بھی اسی شدت سے کرے گا۔ یہ بے پناہ شدت عربوں اور شرقیین کی گرم دہکتی ہوئی شاعری میں بھی پائی جاتی ہے، ان کی شاعری میں یہ گرمی اور درشتی در اصل تخیل کی بیباکانہ آزادی کی باعث ہوتی ہے، یہ تخیل اپنے مطلوب کی زندگی میں مدغم ہوجاتی ہے اور پھر اس سے اصلی جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خودی اور خودداری کو کلیۃً فنا کر دیا گیا ہے۔

جس تیزی سے عربوں کی فتوحات ہوئیں، اسی تیزی سے علوم وفنون بھی اپنے معراجِ کمال پر پہونچ گئے۔ پہلے تو ہم ان فاتحین کو علوم وفنون کی قسم کی ہر چیز تباہ و برباد کرتے ہوئے پاتے ہیں۔ عمرؓ کے متعلق کہا جاتا ہے، کہ انہوں نے اسکندریہ کی بڑی لائبریری تباہ کرادیؔ یہ کہکر کہ ان کتابوں میں یا تو وہی تمام باتیں ہیں جو قرآن میں ہیں یا اس کے علاوہ باتیں ہونگی، دونوں صورتوں میں یہ بربادی کی مستحق ہیں، لیکن کچھ ہی عرصہ کے بعد عربوں نے ہر جگہ علوم وفنون کو شدّ ومد سے ترقی دینی شروع کی، اور جہاں کہیں گئے انھیں لے گئے، ان کی حکومتیں خلیفہ منصور اور خلیفہ ہارون رشید کے زمانے میں اپنی معراج پر تھیں، سلطنت میں جگہ جگہ پر بڑے بڑے شہر پیدا ہو رہے تھے، جہاں تجارت صنعت وحرفت ترقی کر رہی تھی، شاندار محلات اور مدرسے بنوائے گئے۔ تمام اقلیم کے ارباب علم خلیفہ کے دربار میں مجتمع تھے۔ ایسا دربار جو صرف ظاہری شان وشوکت، انمول جواہرات اعلیٰ فرنیچر اور عالیشان محلوں سے مزین نہ تھا بلکہ شاعری اور علم کے چراغاں سے بھی روشن تھا۔ شروع کے خلفاء نے تو ریگستان کے عربوں کی شہرۂ آفاق سادگی تمام وکمال قائم رکھی (خلیفہ ابوبکرؓ اس معاملہ میں خاص مشہور ہیں،

ؔ عیسائی مورخوں کا یہ بہتان اب غلط ثابت کر دیا گیا ہے۔ مترجم۔

جن کے آگے منصب، جاہ و ثروت کسی قسم کا امتیاز بیکار تھا، معمولی سے معمولی مسلمان، غریب سے غریب بے وقعت بڑھیا بھی خلیفہ سے برابر سے بات چیت کر سکتی تھی، بے تکلف سادگی کو کسی تہذیب کی ضرورت نہیں ہوئی۔ ہر مسلمان اپنی روح کو آزاد سمجھنے کے باعث اپنے حکمران سے بھی برابری کے تعلقات رکھتا ہے۔

خلفاء کی سلطنت زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکی کیونکہ جس کی بنا عالمگیر ہو اس میں کوئی چیز استقامت پذیر نہیں ہوتی۔ عرب کی عظیم الشان سلطنت تقریباً اسی زمانہ میں ختم ہو گئی جس زمانہ میں جرمنک والوں کی سلطنت فرانس میں ختم ہوئی تھی۔ غلاموں نے اور سلجوق و منگول کے حملوں نے تاخت و تاراج کر دیا۔ نئی حکومتیں پنپیں اور نئی سلطنتوں کی بنیادیں ڈالی گئیں عثمانی نسل نے آخر کار ایک مضبوط سلطنت کی بنیاد ڈالی، اور جاں نثاروں نے ایک مضبوط مرکز بنا لیا تعقب و شدت اب سرد ہو چکی تھی افراد کی روحوں میں اخلاقی اصول باقی نہ رہا تھا مسلمانوں سے صلیبی جنگوں کی وجہ سے فرنگیوں کی بہادری و شجاعت اونچی منزلوں پر پہونچ گئی۔ علوم و فنون خصوصاً فلسفہ مغرب میں عربوں ہی سے آیا۔ بلند مرتبہ شاعری اور آزاد تخیل جرمنوں نے مشرق ہی سے لیا۔ یہ ایسے واقعات ہیں جنہوں نے گوئٹے کی توجہ مشرق کی طرف پھیری۔ اور اس نے اپنے دیوان کو عشقیہ شاعری کے موتیوں کا ہار بنا دیا۔ اس میں جو گرمی اور تصور کی آرائش ہے، اس کا جواب نہیں ہو سکتا لیکن مشرق میں جب رفتہ رفتہ جوش فرو ہو گیا تو وہ خراب سے خراب برائیوں میں پڑ گیا۔ نہایت کریہہ جذبات اس پر مستولی ہو گئے اور اسلام نے جو اسی عشرت کے ابتدائی مدارج تک کی جو اجازت دی تھی، اور جسے مومن کے لئے جنت کے انعام کی صورت میں ظاہر کیا گیا تھا، اب اس میں شدت بڑھ گئی۔ آجکل عیسائی طاقتوں کے حسد کی وجہ سے اسلام محض ایشیا اور افریقہ کے گوشوں میں لپسپا کر دیا گیا ہے اور یورپ میں اُسے محض ایک گوشہ میں رہنے کی اجازت ہے۔ اسلام اس طرح تاریخ کے صفحات سے عرصہ سے محو ہو چکا ہے، اور اب مشرق کی آسودگی اور عیش میں خوابیدہ ہے ۔ (جامعہ)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا علمی اعجاز

(از جناب چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے)

کسی شخص کے اپنے دعویٰ میں سچا ہونے کی دلیل اس بات میں ہوتی ہے، کہ آیا وہ شخص اپنے دعویٰ کی اصل غرض و غایت کو پورا کر رہا ہے یا نہیں۔ طبیب کے ہاتھ سے بیماروں کو صحت ہوتی ہے، اور یہ اس کے طبیب ہونے کی دلیل ہے۔ زمیندار غلّہ وغیرہ اور انسانی خوراک کے مہیا کرنے جیسے اہم فرض کو پورا کرتا ہے، اور یہ اس کے اعلیٰ زمیندار ہونے کی دلیل ہے۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کے کام کا سب سے ضروری حصّہ جس پر ان کے دعویٰ کی صداقت کا انحصار ہے، وہ تعلیم اور قوت تزکیہ و تطہیر اور انسانی مردہ قوتوں کا بذریعہ ایمان دوبارہ احیاء ہے۔ اور قرآن شریف نے تحدّی اور حصر کے ساتھ اس نشان اور دلیل کو پیش کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ۔ یعنی اگر تمہیں محمد صلعم کے نبی برحق اور مامور من اللہ ہونے پر شبہ ہے، تو قرآن شریف جیسی ایک سُورۃ بنا کر لے آؤ۔ اور اپنے مددگاروں کو اپنی مدد کے لئے بلا لو۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا، اور ہم ابھی سے تحدّی کر دیتے ہیں، کہ تم ایسا نہیں کر سکو گے، تو اس صورت میں تم کو انکار و کفر سے بچنا چاہیئے، جس کا نتیجہ جہنّم کی آگ ہے۔

یہ اسلام اور صداقت محمدیہ کا زندہ اور دائمی معجزہ ہے، جس کا کفار اب تک کوئی جواب نہیں دے سکے، اور نہ آئندہ کوئی جواب دے سکتے ہیں۔

نبوت کی اصل غرض وغایت نبی کی تعلیم کی خوبی اور اس کی حکمت اور اس کی قوتِ تزکیہ میں مضمر ہے۔ قرآن شریف میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ۔ یعنی (۱) تلاوت آیاتِ الٰہیہ (۲) تزکیہ وترقی نفوس انسانیہ (۳) قانونِ شریعت کی تعلیم وقیام اور احکاماتِ الٰہیہ کی حکمت کا بیان، یہی وہ اُمور ہیں جو انبیاء کی صداقت کا معیار قائم کئے جا سکتے ہیں۔ انبیاء کا سب سے بڑا معجزہ یہی ہوتا ہے، کہ فساد اصلاح سے بدل جاتا ہے، موت اور نیند کی جگہ حیاتِ جاوداں اپنا جلوہ دکھاتی ہے۔ اور اندھیری راتیں روزِ روشن سے بدل جاتی ہیں۔ اور انسانی دماغ کی قیاس آرائیوں کی جگہ اللہ تعالےٰ کا کلام انسان کے لئے مشعلِ راہ بن جاتا ہے، اور یہی انبیاء علیہم السّلام کا اعجاز ہوتا ہے، جس کا مقابلہ انسانی جماعتوں میں سے اور کوئی جماعت نہیں کر سکتی، اس لئے اس عجز کی وجہ سے یہ معجزہ کہلاتا ہے۔

منکرانِ قرآن اس بات سے انکار کریں، تو کریں، جو لوگ مسلمان ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں، وہ اس بات سے انکار نہیں کر سکتے، کہ قرآن شریف نے متعدد بار تحدی کے ساتھ اس بات کو پیش کیا ہے، کہ قرآن شریف کی بے مثل تعلیم اس کتاب کے منزّل من اللہ ہونے کی زبردست دلیل ہے اور اس کے لئے تمام دُنیا کو چیلنج کیا گیا ہے، کہ اس کی مثل لاؤ، اور اگر فرداً فرداً نہیں، تو مل کر اور ایک دوسرے کی مدد لیکر ہی ایسا کر دکھاؤ، اور پھر اس چیلنج کے بعد خود فیصلہ کر دیا ہے، کہ تم ایسا ہرگز ہرگز نہیں کر سکتے۔ اور اس لئے تم پر حجّت پوری ہو چکی ہے، باوجود اس کے انکار کروگے، تو سزا دی جائے گی۔ ٹھیک اسی معیار پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت قطعی اور حقیقی طور پر ثابت ہوتی ہے، اور آئندہ آنیوالا زمانہ بمرّات وکرّات آپؑ کی صداقت پر اسی رنگ میں مہر کرتا رہیگا جس رنگ میں کہ مرورِ زمانہ صداقتِ محمّدیہ پر مہر کرتا چلا آیا ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز تنزیل میں تھا۔ اور حضرت احمد علیہ السلام کا اعجاز تفسیر اور

بیانِ حکمت میں ہے۔ تنزیل وحی الٰہی سے ہوئی تھی، اور تفسیر و بیان بھی وحی الٰہی سے ہوئی ہے۔ اور حضرت احمد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی میں بار بار اس بات کا ذکر ہے، کہ قرآن شریف کا علم اور اسکی تفسیر آپؑ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے سکھائی گئی ہے۔ کیونکہ قرآن شریف کتاب مکنون ہے، اور سوائے ان لوگوں کے جو اللہ تعالےٰ کے ہاتھ سے صاف اور پاک کئے جائیں، اور کوئی شخص اس کتاب کو مَس بھی نہیں کر سکتا۔ ذیل میں ہم حضرت اقدس کی تفسیر القرآن کے بارے میں تحدی کے چند نمونے پیش کرتے ہیں۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائی وحی میں ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ..... قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُّحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ۔ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ یعنے اے احمد اللہ تعالےٰ نے تجھے قرآن شریف سکھایا ہے (یعنی اعجازی رنگ میں) تاکہ تو ان لوگوں کو ڈرا دے، جن کے آباؤ اجداد ڈرائے نہیں گئے، اور تاکہ مجرموں کی راہ اور غلطی واضح ہو جاوے۔ کہہ دے حق آیا اور باطل بھاگ گیا، اور باطل بھاگنے والا تھا، ہر ایک برکت محمد صلعم کی طرف سے ہے۔ پس مبارک ہے وہ جس نے تعلیم دی اور جس نے تعلیم پائی۔ خدا وہ ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور دینِ حق دے کر بھیجا، تا وہ اُسے تمام دینوں پر غالب کر دے۔ اور فرمایا، سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔ یعنی سب مخالف مل کر مقابلہ کے لئے آئیں گے، لیکن سب پیٹھ پھیر جائینگے۔

۲۔ اعجاز المسیح صفحہ ۵۴ میں فرماتے ہیں:۔

اِنَّ رِسَالَتِيْ هٰذِهٖ اٰيَةٌ	تحقیق میرا یہ رسالہ رب العالمین خدا کے
مِّنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ	نشانوں میں سے ایک نشان ہے اور ہدایت

وَتَبْصِرَةٌ لِّقَوْمٍ طَالِبِيْنَ۔ وَ
اِنَّهَا مِنْ رَّبِّيْ حُجَّةٌ قَاطِعَةٌ
وَّبُرْهَانٌ مُّبِيْنٌ۔۔۔۔۔ وَمَنْ كَانَ
يَظُنُّ اَنَّهُ فَصِيْحٌ وَعِنْدَهُ كَلَامٌ
كَاَنَّهُ بَدْرٌ تَامٌّ۔ فَلْيَأْتِ
بِمِثْلِهِ وَالصَّمْتُ عَلَيْهِ حَرَامٌ۔
وَاِنِ اجْتَمَعَ اٰبَآؤُهُمْ وَاَبْنَآؤُهُمْ
وَاَكْفَآؤُهُمْ وَعُلَمَآؤُهُمْ وَ
حُكَمَآؤُهُمْ وَفُقَهَآؤُهُمْ عَلٰى
اَنْ يَّأْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا التَّفْسِيْرِ
فِيْ هٰذَا الْمُدَى الْقَلِيْلِ الْحَقِيْرِ
لَايَأْتُوْنَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ
لِبَعْضٍ كَالظَّهِيْرِ۔ فَاِنِّيْ دَعَوْتُ
لِذٰلِكَ وَاِنَّ دُعَائِيْ مُسْتَجَابٌ
فَلَنْ يَّقْدِرَ عَلٰى جَوَابِهِ كُتَّابٌ
لَاشَيْخٌ وَّلَا شَابٌّ۔ [1]

طلب کرنے والی قوم کے لئے تبصرہ ہے اور
یہ میرے رب کی طرف سے حجت قاطعہ اور کھلا
کھلا برہان ہے، اور جو شخص خیال کرے کہ
وہ بڑا فصیح ہے، اور اس کے پاس ایسا کلام ہے
جو چودھویں کا چاند ہے، تو اس کو چاہیئے کہ
اس جیسا کلام بنا کر لائے، اور اس پر چپ
رہنا حرام ہے۔ اور اگر جمع ہو جائیں ان کے
باپ اور انکے بیٹے اور انکے تمام ہمعصر اور ان کے
علماء اور انکے حکماء اور انکے فقہاء اس بات پر کہ
وہ اس جیسی تفسیر بنا سکیں اسقدر قلیل اور حقیر
مدت میں، تو ایسا کلام نہیں بنا سکیں گے۔
اگرچہ انکے بعض بعض کے مددگار بھی بن جائیں۔
کیونکہ میں نے اس کے لئے دعا کی ہے اور میری
دعا قبول کر لی گئی ہے۔ پس کوئی لکھنے والا اس
کے جواب پر قادر نہیں ہو سکیگا، نہ کوئی
بوڑھا اور نہ کوئی جوان۔

۳۔ فَاِنَّهُ كِتَابٌ لَيْسَ لَهُ
جَوَابٌ۔ وَمَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ

پس تحقیق یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کا کوئی
جواب نہیں۔ اور جو جواب کے لئے کھڑا ہوگا،

[1] یاد رہے کہ ایسا اعلان اور تحدی قرآن مجید کا مقابلہ نہیں، کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:
كُلَّمَا قُلْتُ مِنْ كَمَالِ بَلَاغَتِيْ فَهُوَ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ۔ یعنی جو کچھ میں نے اپنے کمال بلاغت کا دعویٰ کیا ہے۔ یہ اللہ کی کتاب قرآن مجید کے سوا کیا ہے۔

فَسَوْفَ یَرٰی اَنَّہٗ یَنْدَمُ وَ یُدَمَّرُ — اور تیاری کی۔ پس عنقریب اسے دکھایا جائیگا کہ وہ شرمندہ ہوگا اور تباہ ہو جائے گا۔

(ٹائٹل پیج اعجاز المسیح)

۴۔ لَقَدْ اُعْطِیْتُ اَسْرَارَ السَّرَائِرِ — مجھے پنہاں در پنہاں اسرار عطا کئے گئے ہیں۔

فَسَلْ اِنْ شِئْتَ مِنْ نَوْعِ السَّوَالِ — پس تو جس طرح کا سوال کرنا چاہتا ہے کرلے۔

وَکَمْ سِرٍّ اَرَانِیْ نُوْرُ رَبِّیْ — اور کئی اسرار ہیں جو میرے رب نے مجھے دکھائے

وَ اٰیَاتٍ عَلٰی صِدْقِ الْمَقَالِ — اور کئی نشانات ہیں جو میرے دعویٰ کی سچائی پر

وَعِلْمٍ یَبْہَرَنَّ عُقُوْلَ نَاسٍ — مجھے دیئے گئے اور کئی ایک ایسے علم ہیں جو لوگوں

وَ اٰرَاءٍ قَدْ عَلَا قُنَنَ الْجِبَالِ — کی عقلوں کو حیران کر دیتے ہیں۔ اور کئی ایسی آراء ہیں جو پہاڑوں کی چوٹیوں سے بھی بلند ہو گئی ہیں۔

۵۔ "میں قرآن مجید کے معجزہ کے ظل پر فصاحت و بلاغت کا نشان دیا گیا ہوں، کوئی نہیں جو میرا مقابلہ کر سکے۔" (ضرورت الامام صفحہ ۲۳)

۶۔ اِنِّیْ کَتَبْتُ الْکُتُبَ مِثْلَ خَوَارِقٍ — مَیں نے کتابیں مثل خوارق کے لکھ دی ہیں

اُنْظُرْ اَعِنْدَکَ مَا یَصُوْبُ کَمَا رِیْ — دیکھ کیا تیرے پاس بھی کچھ ہے جو میرے پانی کی طرح برسے

اِنْ کُنْتَ تَقْدِرُ یَا خَصِیْمُ کَقُدْرَتِیْ — اے خصومت کنندہ اگر تجھ میں میری طرح طاقت ہے

فَاکْتُبْ کَمِثْلِیْ قَاعِدًا بِحِذَائِیْ — تو میرے مقابلہ پر بیٹھ کر لکھ۔

پھر حضور مہدی علیہ السلام نے بالتفصیل اور بار بار بیان کیا، کہ مجھے تین معجزے دیئے گئے ہیں (۱) عدیم المثال اظہار علی الغیب (۲) قرآن شریف اور تعلیم القرآن کا عدیم المثال علم۔ (۳) عربی زبان کا غیر معمولی علم۔ ان امور میں آپؑ نے لوگوں کو مقابلہ کے لئے بلایا، اور جو لوگ مقابلہ پر آتے رہے، وہ خائب و خاسر ہو کر پسپا ہوئے۔ یا ہلاک ہو گئے، اور حضور کو اللہ تعالےٰ نے سلطان القلم کا خطاب دیکر وعدہ فرمایا۔ کہ آپ کے مقابلہ کرنے والوں کی قلموں کو توڑ دیا جائے گا۔ چنانچہ حضور کے ہونٹوں کی حرکات اور قلم کی جنبش نے وہ کام کیا جو شمشیر اور

یا دوبارا ان نہیں کر سکتے۔ اور اسلام جو دنیا سے نابود ہو چکا تھا، آپ کے ذریعہ اُسے اللہ تعالیٰ نے دوبارہ دنیا پر نازل فرمایا۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت سے قرآن شریف کے معانی کی روح دوبارہ نفخ کی گئی۔ اور حضور نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے دنیا کو دوبارہ للکارا، اور کہا، قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا۔ کہدے، کہ تمام اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب اور علماء یہود و نصاریٰ و ہنود اور تمام سیاستدان اور ماہرانِ علم اقتصاد اور فلاسفر و علماء طبعیات مل کر قرآن شریف کا مقابلہ کرنا چاہیں، تو اس میں عاجز رہیں گے۔ خواہ ان کا بعض بعض کی مدد کرے۔

جیسا کہ ابھی دکھایا جا چکا ہے، حضور علیہ السّلام نے ابتداء ہی میں اس بات کا اعلان کر دیا تھا، کہ اسلامی تعلیم کی جو تشریح اور قرآن شریف کی جو تفسیر مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکھلائی گئی ہے، وہ عدیم المثال ہے، اور اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا، چنانچہ آپ کی تحدی اور چیلنج کے باوجود کوئی مقابلہ کے لئے نہ آیا۔ ہاں مخالفین گالیاں دیتے رہے، اور لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ کی بڑ مارتے رہے، اور اس طرح اسلامی تعلیم کا بالا و برتر ہونا اپنی ہزیمت اور بُزدلی سے ثابت کرتے رہے۔ لیکن نزولِ ثانی کے وقت اللہ تعالیٰ نے اسی پر بس نہیں کی، بلکہ جیسا کہ تقدیر میں لکھا تھا، دسمبر ۱۸۹۶ء میں مختلف مذاہب کے لوگوں کا ایک جلسہ اعظم لاہور میں ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو قائم ہوا، اس جلسہ میں دنیا کے تمام مذاہب کے نمائندے اور وکیل شامل تھے، تاکہ اپنے اپنے مذہب کے کمالات کا بیان کریں۔ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی ان لوگوں نے دعوت دی۔ اس دعوت کے پہونچنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۲۱ دسمبر کو قبل از وقت ایک اشتہار شائع کیا جس میں فرمایا:۔

"جلسہ اعظم مذاہب جو لاہور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ میں ۲۶ و ۲۷ و ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو ہوگا

اس میں اس عاجز کا ایک مضمون قرآن شریف کے کمالات اور معجزات کے بارہ میں پڑھا جائے گا یہ وہ مضمون ہے جو انسانی طاقتوں سے برتر اور خدا کے نشانوں میں سے ایک نشان اور خاص اسکی تائید سے لکھا گیا ہے ...... مجھے خدائے علیم نے الہام سے مطلع فرمایا ہے۔ کہ یہ وہ مضمون ہے جو سب پر غالب آئے گا۔ اور اس میں سچائی اور حکمت اور معرفت کا وہ نور ہے جو دوسری قومیں بشرطیکہ حاضر ہوں اور اس کو اول سے آخر تک سنیں شرمندہ ہو جائیں گی، اور ہرگز قادر نہیں ہونگی کہ اپنی کتابوں کے یہ کمال دکھلا سکیں۔ خواہ وہ عیسائی ہوں، خواہ آریہ خواہ سناتن دہرم والے یا کوئی اور۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے ارادہ فرمایا ہے کہ اس روز اس کی پاک کتاب کا جلوہ ظاہر ہو" (تذکرہ صفحہ ۲۹۱)

اللہ تعالےٰ کی وحی کے مطابق جس قدر مضامین اس جلسہ میں پڑھے گئے تھے، ان سب پر حضور علیہ السلام کا مضمون غالب اور فائق رہا۔ اور خود غیر مذاہب کے لوگوں نے گواہیاں دیں۔ کہ آپ کا مضمون سب پر غالب رہا ہے، چنانچہ اس جلسہ کے پریزیڈنٹ کے ریمارکس حسب ذیل ہیں:-

" پنڈت گوردھن صاحب کی تقریر کے بعد نصف گھنٹہ کا وقفہ تھا۔ لیکن چونکہ بعد از وقفہ ایک نامی وکیل اسلام کی طرف سے تقریر کا پیش ہونا تھا۔ اس لئے اکثر شائقین نے اپنی اپنی جگہ کو نہ چھوڑا۔ ڈیڑھ بجنے میں ابھی بہت سا وقت رہتا تھا کہ اسلامیہ کالج کا وسیع مکان جلد جلد بھرنے لگا اور چند ہی منٹوں میں تمام مکان پُر ہو گیا۔ اس وقت کوئی سات اور آٹھ ہزار کے درمیان مجمع تھا۔ مختلف مذاہب و ملل، اور مختلف سوسائٹیوں کے معتد بہ اور ذی علم آدمی موجود تھے۔ اگرچہ کرسیاں اور میزیں اور فرش نہایت ہی وسعت کے ساتھ مہیا کیا گیا۔ لیکن صدہا آدمیوں کو کھڑا ہونے کے سوا کچھ بن نہ پڑا۔ اور ان کھڑے ہوئے شائقینوں میں بڑے بڑے رؤسا، عمائد پنجاب، علماء، فضلاء، بیرسٹر، وکیل، پروفیسر، اکسٹرا اسسٹنٹ، ڈاکٹر غرضیکہ اعلیٰ طبقہ کے مختلف برانچوں کے ہر قسم کے آدمی موجود تھے، نہایت صبر کے ساتھ جوش

سے برابر چار یا پانچ گھنٹے اس وقت ایک ٹانگ پر کھڑا رہنا پڑا۔ اس مضمون کے لئے اگرچہ کمیٹی کی طرف سے صرف دو گھنٹے ہی تھے۔ لیکن حاضرین جلسہ کو عام طور پر اس سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی۔ کہ موڈریٹر صاحبان نے نہایت جوش اور خوشی کے ساتھ اجازت دی کہ جب تک یہ مضمون ختم نہ ہو، تب تک کارروائی جلسہ کو ختم نہ کیا جاوے۔ ان کا ایسا فرمانا عین اہل جلسہ اور حاضرین جلسہ کی منشاء کے مطابق تھا۔ کیونکہ جب وقت مقررہ کے گذرنے پر مولوی ابویوسف مبارک علی صاحب نے اپنا وقت بھی اس مضمون کے ختم ہونے کے لئے دیدیا۔ تو حاضرین اور موڈریٹر صاحبان نے ایک نعرہ خوشی سے مولوی صاحب کا شکریہ ادا کیا۔ یہ مضمون شروع سے اخیر تک یکساں دلچسپی و قبولیت اپنے ساتھ رکھتا تھا۔" (تذکرہ صفحہ ۲۸۲ و ۲۸۳)

اس مضمون کی ہر دلعزیزی اور قبولیت صرف جلسہ گاہ تک محدود نہیں رہی، بلکہ تمام اکناف عالم میں پھیل گئی۔ چنانچہ پنجاب کے مشہور انگریزی اخبار "سول اینڈ ملٹری گزٹ" جو نیم سرکاری اخبار تھا، اور اس کے ادارہ کے مالک یورپین عیسائی تھے۔ اس مضمون کی تعریف کرتا ہے، اور اس کو نہایت ہی دلکش اور اعلےٰ درجہ کا مضمون قرار دیتا ہے، اور دیگر مضامین کا قطعی طور پر ذکر نہیں کرتا، گویا اس اخبار کے ادارہ کی رائے میں سوائے اس مضمون کے اور کوئی مضمون یا مقرر قابلِ ذکر ہی نہیں تھا۔ اس کی رائے درج ذیل ہے:۔

"جلسہ مذاہب لاہور جو ۲۶ و ۲۷، ۲۸ دسمبر ۱۸۹۶ء کو اسلامیہ کالج لاہور کے ہال میں منعقد ہوا جس میں مختلف مذاہب کے نمائندوں نے مندرجہ ذیل پانچ سوالوں کا جواب دیا (آگے پانچوں سوال نقل کئے ہیں) لیکن سب مضمونوں سے زیادہ توجہ اور دلچسپی سے مرزا غلام احمد قادیانی کا مضمون سُنا گیا۔ جو اسلام کے بڑے بھارے مؤیدا ور عالم ہیں۔ اس لیکچر کو سُننے کیلئے دور و نزدیک سے ہر مذہب کے لوگ بڑی کثرت کے ساتھ جمع تھے، چونکہ مرزا صاحب خود شامل جلسہ نہیں ہو سکے۔ اس لئے مضمون ان کے ایک قابل اور فصیح شاگرد ..... نے پڑھا۔ ۲۷ تاریخ والا مضمون قریباً ساڑھے تین گھنٹے تک پڑھا گیا۔ اور گو

ابھی پہلا سوال ہی ختم ہُوا تھا، لوگوں نے اس مضمون کو ایک وجد اور محویت کے عالم میں سُنا، اور پھر کمیٹی نے اس کے لئے جلسہ کی تاریخوں میں ۲۹ر دسمبر کی زیادتی کر دی۔"

"سول" کے علاوہ پنجاب آبزرور، پیسہ اخبار، چودھویں صدی، صادق الاخبار اور مخبر دکن وغیرہ تمام اخبارات نے بھی اس مضمون کی تعریف و توصیف میں نوٹ لکھے۔

زندگی کی ایک علامت یہ ہے، کہ زندہ اشیاء بڑھتی، پھیلتی اور پھولتی اور قائم رہتی ہیں۔ اسی لئے جب دنیا بقیہ تمام مضامین کو بھول چکی ہے، حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کا مضمون مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر اکنافِ عالم میں پھیل چکا ہے، اور تمام ممالک کے رہبروں اور لیڈروں سے خراجِ تحسین حاصل کر چکا ہے۔ چنانچہ اس وقت تک یہ مضمون انگریزی، عربی، گجراتی، فرانسیسی، ہندی، بنگالی، ملایا، سماٹرا، اور جاوا کی زبان، چینی، سندھی، جرمن، برمی، کنری، گورمکھی، مرہٹی، ملیالم، تامل، تلگو، ڈچ وغیرہ قریبًا بیس زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔

جب غیر ممالک میں اس مضمون کا ترجمہ *Teachings of Islam* کے نام سے شائع ہُوا، تو مختلف اخبارات اور انگریزی رسائل نے جس رنگ میں اس کا خیر مقدم کیا، وہ مندرجہ ذیل آراء سے ظاہر ہے:۔

۱۔ سکاٹس مین لکھتا ہے:۔ "مذاہب مختلفہ کا مقابلۃً مطالعہ کرنے والے طبقہ میں یقیناً اس کتاب کا بہت خیر مقدم کیا جائے گا۔"

۲۔ "برسٹل ٹائمز اینڈ مرر" لکھتا ہے:۔ "یقیناً وہ شخص جو اس رنگ میں یورپ اور امریکہ کو خطاب کرتا ہے، کوئی معمولی آدمی نہیں ہو سکتا۔"

۳۔ "سپریچوئل جرنل بوسٹن" لکھتا ہے:۔ "یہ کتاب بنی نوع انسان کے لئے ایک بشارت ہے۔"

۴۔ "تھیوسافیکل بک نوٹ" لکھتا ہے:۔ "یہ کتاب محمد صلعم کے مذہب کی بہترین اور سب سے دل کش تصویر ہے۔"

اس جلسہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علاوہ مسلمانوں کی طرف سے جو اور وکیل پیش ہوئے، ان میں سے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اور مولوی ثناء اللہ صاحب خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ یہ دونوں مولوی صاحبان حضرت مسیح موعودؑ کے شدید مخالفین کی صف میں ہیں، اور اس علمی مقابلہ کے میدان میں خدا تعالیٰ نے حضرت اقدسؑ کے مضمون کو غالب کر کے یہ ثابت کر دیا، کہ اس زمانہ کے ظاہری علماء کسی طرح بھی آپؑ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ان علماء کے مقابلہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون کی برتری کی اس گواہی کے علاوہ جو عین اس موقع اور وقت پر ادا کی گئی، ایک اور انتظام جو خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کے مضمون کی فضیلت کو ہمیشہ ظاہر کرنے کے لئے کیا، یہ ہے، کہ جو مضامین اس جلسہ میں پڑھے گئے، وہ کتابی شکل میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کتاب میں مولوی ثناء اللہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور دیگر وکلاء مذاہب کی تقریریں درج ہیں۔ اور ہر ایک حق جو اور صداقت سے محبت رکھنے والا شخص اسے پڑھ کر یہ فیصلہ کر سکتا ہے، کہ ان تقاریر میں سے سب سے بالا اور اعلیٰ اور حقائق روحانیہ کے بیان کرنے والی کونسی تقریر ہے۔ اس تقریر کو جب دوسری تقریروں کے مقابلہ میں پڑھا جاتا ہے، تو بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ دل سے بلند ہوتا ہے، اور قرآن شریف اور مذہب اسلام کی برتری دیگر مذاہب پر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے۔ اور کلامِ الٰہی کا نعرہ ھَلْ مِنْ مُّبَارِزٍ جو آج سے ۱۴ سو سال پہلے بلند کیا گیا، موجودہ زمانۂ کفر و الحاد میں دوبارہ زندہ اور بلند کیا گیا ہے۔ اُس زمانہ میں مخاطب عرب تھے۔ اور عربی زبان کی فصاحت اور بلاغت پر ان کو گھمنڈ تھا۔ لیکن وہ قرآن کے حسنِ بیان کے اس قدر قائل ہوئے، کہ لبیدؓ جیسے چوٹی کے عرب شاعر اور ماہرِ زبان نے اپنا قصیدہ خانہ کعبہ سے اتار لیا، اور مسلمان ہو گیا۔ اور جب لوگوں نے ان کو مزید اشعار کہنے کے لئے کہا، تو انہوں نے انکار کرتے ہوئے کہدیا، کہ قرآن شریف کے بعد میری شاعری کی ضرورت نہیں۔ یہ بات اور لبیدؓ کی گواہی عربوں کے لئے حجت تھی، لیکن فی زمانہ اسلام غیر ممالک میں پھیل گیا ہے، اور انسانی تہذیب ایک نیا پلٹا کھا چکی ہے، اور اسلام

ایسی اقوام اور ایسے ممالک میں پھیل چکا ہے، جو عربی زبان سے قطعی ناواقف ہیں، لیکن اپنے فلسفہ پر نازاں ہیں۔ اور اس تکبر اور فخر میں دو اقوام پیش پیش ہیں۔ اوّل یورپ کے لوگ اور دوسرے ہندوستان کے لوگ۔ یورپ کو ایک نئی تہذیب کی بنیاد ڈالنے پر فخر ہے، اور ہندوستان کو اپنی پرانی تہذیب اور حکمت اور فلسفہ پر ناز ہے۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے حفاظت اور تبلیغ اسلام کے لئے اور اسلامی تعلیم و ہدایت کو دُنیا پر دوبارہ اس نئے میدان میں غلبہ اور برتری عطا کرنے کے لئے قرآن کے معانی کو ایک غیر عرب یعنی جری اللہ فی حُلل الانبیاء حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی پر نازل فرمایا۔ پھر اس ملک میں ایسے اسباب پیدا کر دیئے، کہ یورپ اور ہند کے فلاسفہ اور ادیانِ مذاہب اور منکر علماء کو اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ایک میدان میں کھڑا کر دیا۔ اور معانی اور بیان دونوں قسم کی خوبیوں میں اللہ تعالےٰ کا فرستادہ تمام حریفوں سے بازی لے گیا۔ اور قرآن شریف کی بے مثل تفسیر سے قرآن شریف کے بے مثل ہونے کا ثبوت غیر مسلم اقوام کے اپنے اقرار سے مل گیا۔ یہ واقعہ ہے جس کو دُنیا نہ مٹا سکتی ہے، اور نہ اس کا انکار کر سکتی ہے۔

غیر مسلم اقوام ممکن ہے، کہ یہ عذر پیش کریں، کہ ہم اس معیارِ صداقت کو نہیں مانتے، لیکن مسلم علماء اس بات سے کس طرح انکار کر سکتے ہیں، کیونکہ چودہ سو سال سے یہ لوگ خود یہ معیار غیر اقوام کے سامنے پیش کرتے رہے ہیں۔ اگر بے مثل کلام صداقت محمدیہ کے لئے کافی ہے، تو کیا وجہ بے مثل بیان کلام اور عدیم المثال تفسیر حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کا ثبوت نہیں ہو سکتی۔

حضرت اقدس کے اس مضمون کی ہر دلعزیزی قبولیت اور عدیم المثالی اور بھی حیرت انگیز ہو جاتی ہے، جب ہم اس بات پر غور کرتے ہیں، کہ اس مضمون کے بالا اور برتر رہنے کا اعلان آپؑ وحیٔ الٰہی کی بناء پر قبل از وقت کر چکے تھے۔ اور ایک اشتہار کے ذریعہ سے خاص و عام کو اس کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ تمام کارروائی تائید

اور نصرت الہٰی سے ہوئی، اور انسانی ہاتھوں کا اس میں دخل نہ تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ نے مختلف وقتوں اور مختلف کتابوں کی تصنیف کے موقعہ پر مخالفین کو کھلا کھلا چیلنج دیا ہے اور یہ ایک ایسا رنگ تحدی کا ہے، جو انبیاء اللہ کے لئے مخصوص ہے۔ اور انسان قبل از وقت ایسے امور کے متعلق ایسا وثوق حاصل نہیں کر سکتا، جب تک کہ اللہ تعالےٰ کے زبردست ہاتھ کو اپنی تائید و نصرت میں نہ دیکھ لے۔ جب ان دونوں امور پر یکجا غور کیا جائے، تو دعویٰ کی نوعیت اور صداقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ میں اپنے الفاظ میں اُس زور اور اُس طاقت اور وثوق کو بیان نہیں کر سکتا، جو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے اپنے الفاظ میں ہے۔ وہ حسن اور دلبری اور دلربائی جو حضور علیہ السلام کے الفاظ میں پائی جاتی ہے، اور کہاں پائی جا سکتی ہے؟ اس لئے مَیں یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے مندرجہ ذیل فارسی اشعار پر ختم کرتا ہوں۔

علمِ قرآں علمِ آں طیّب زباں
علمِ غیب از وحیٔ خلّاقِ جہاں
ایں سہ علمم چوں نشانہا دادہ اند
ہر سہ ہمچوں شاہداں استادہ اند
آدمی زادے ندارد ہیچ فن
تا در آویزد ایں میدانِ من

نئی کتابوں پر تبصرہ

"الحدیث"۔

یہ خوشی کا مقام ہے، کہ گذشتہ چند سالوں سے ہندوستانی مسلمانوں کو اپنے مذہبی لٹریچر کی اشاعت کی طرف خاص توجہ پیدا ہوئی ہے۔ خصوصًا انگریزی دان طبقہ نے اس بارہ میں اپنی گذشتہ کوتاہی کا بہت حد تک ازالہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ پچھلے بیس پچیس سالوں میں بہت سا مفید اسلامی لٹریچر شائع ہوچکا ہے۔ قرآن کریم کے تراجم اور آنحضرت صلعم کی سوانح اور دیگر ضروری اسلامی مسائل پر انگریزی میں بہت سی مفید کتب لکھی جاچکی ہیں اور دن بدن ان میں اضافہ ہورہا ہے۔ اسلامی لٹریچر میں جو رتبہ اور مقام کلام الٰہی کے بعد کلام رسول صلعم کو حاصل ہے۔ وہ ظاہر ہے۔ لیکن جہاں قرآن کریم کے کئی انگریزی تراجم شائع ہوچکے تھے، حدیث کی کوئی کتاب ابھی تک انگریزی میں ترجمہ نہ ہوئی تھی، یا کم از کم ہمیں کسی ایسی تصنیف کا علم نہ تھا۔ اس بہت بڑی ضرورت کے پورا کرنے کی توفیق اللہ تعالےٰ نے الحاج جناب مولٰینا فضل کریم صاحب ایم۔ اے۔ بی۔ ایل (بنگال سول سروس)، کو عطا فرمائی ہے، آپ نے چار جلدوں میں مشکوٰۃ المصابیح کا ترجمہ انگریزی میں بنام "الحدیث" شائع کیا ہے۔ حدیث کی درسی کتابوں میں شاید مشکوٰۃ سب سے زیادہ ضروری اور مفید کتاب ہے، اور جناب مولٰینا نے انگریزی دان مسلم و غیر مسلم طبقہ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے مقدس و مطہر اقوال اور ارشادات سے واقف کرنے کے لئے ہمارے خیال میں مشکوٰۃ کو انگریزی میں ترجمہ کے لئے انتخاب کرنے میں صحیح کتاب کا انتخاب کیا ہے۔ اور اس ترجمہ سے آپ نے ایک بہت بڑی خدمت اسلام سرانجام دی ہے۔ یہ کتاب چار حصوں پر منقسم ہے۔ ہم اس کتاب پر مفصل ریویو تو

اس وقت ہی کر سکیں گے، جب مکمل کتاب ہمارے پاس پہونچے گی (فی الحال اس کا پہلا حصّہ ہمارے پاس پہونچا ہے) لیکن اتنی بات تو ہم اب بھی بلا کسی جھجک کے کہتے ہیں کہ اس کی اشاعت کے بعد انگریزی دان مسلم طبقہ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے اس عذر کی بناء پر بے خبر رہنا کہ انہیں عربی زبان نہیں آتی، ایک غیر معقول عذر ہوگا۔ مولینا فضل کریم نے مشکوٰۃ کا انگریزی میں ترجمہ کر کے مسلمانوں پر اور خصوصًا انگریزی پڑھے ہوئے مسلمانوں پر بہت بڑا احسان کیا ہے پہلا حصہ ۶۰۰ صفحات پر مشتمل ہے، اور قیمت سات روپیہ ہے۔ کل کتاب کے تین ہزار سے زائد صفحات ہیں، اور اس کی قیمت پچیس روپیہ ہے کتاب کا محض حجم ہی اس امر کو ظاہر کرتا ہے، کہ مولینا فضل کریم صاحب نے اس مبارک کتاب کی تیاری پر کتنی محنت اور کتنا صرفِ کثیر خرچ کیا ہے مفصّل تبصرہ انشاءاللہ ریویو کی کسی آئندہ اشاعت میں ہوگا۔ ملنے کا پتہ:۔ "مینجر "الحدیث" دفتر پوسٹ آفس رسترکھیرا ڈسٹرکٹ کھلنہ بنگال" ہے

"رحمتِ عالم"

"مبتدی طالب علموں، کم پڑھے لکھے لوگوں، بچّوں اور عورتوں کے لئے سیرت نبوی صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ایسی مختصر، سادہ اور آسان کتاب کی ضرورت تھی جس کے بیان میں کوئی الجھاؤ اور عبارت میں کوئی دقّت نہ ہو، اور بیان مستند اور واقعات بھی صحیح ہوں۔ اس ضرورت کو "رحمتِ عالم" نے کما حقہٗ پورا کر دیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سیرت نگار سیّد سلیمان صاحب ندوی نے یہ مختصر سیرۃ لکھی ہے۔ اس مختصر مگر جامع کتاب کے واقعات کی صحت اور جامعیّت اور اسکے بیان کی خوبصورتی اور دلآویزی کیلئے اس سے بڑھکر اور کیا ضمانت ہوسکتی ہے، کہ سیّد صاحب موصوف اس کے مصنّف ہیں، ہمیں یقین ہے۔ کہ یہ کتاب بہت مقبول ہوگی، اور بہت کثرت سے پڑھی جائیگی حجم ۱۵۷ صفحات۔ لکھائی چھپائی دیدہ زیب قیمت ۸/ فی نسخہ۔ مینجر دارالمصنّفین۔ اعظم گڑھ سے مل سکتی ہے۔ ۲۰۰ نسخوں کے خریدار سے ایک روپیہ فی نسخہ کے حساب سے لیا جائے گا۔"

خلیل احمد

داستان ہوا کے نام سے ایک کتاب معاندین احمدیت کی طرف سے شائع کی گئی ہے۔ جس میں قصے کے رنگ میں یہ امر دکھانے کی سعی ناروا ہے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اور دیگر انبیاء کی توہین کی ہے۔ اور اخیر پر ایک احمدی کو مرتد دکھایا ہے۔ ہمارے سلسلہ کے مبلغ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب دیال گڈھی فاضل نے غلیل احمد نام کی ایک کتاب بہ پیرایہ داستان لکھ کر اس کا جواب دلنشین و تسلی بخش طرز میں دیا ہے۔ اور ان تمام حوالوں کی اصل حقیقت ظاہر کی ہے جو مغالطہ کے لیئے مخالف کی طرف سے دیئے گئے تھے۔ پھر اصل مطلب کو واضح کرنے کے لیئے بہت سے ایسے حوالے دکھائے ہیں۔ جن سے حضرت مسیح ناصری و دیگر انبیاء کی پوری پوری عزت ظاہر ہوتی ہے۔

ساتھ ہی مخالفین کے ہم عقیدہ علماء و مناظرین کی تصانیف سے ایسے ہی حوالے درج کیئے ہیں جیسے ہماری طرف منسوب کر کے ان سے توہین انبیاء ثابت کی گئی تھی۔

اس کے علاوہ دیگر اعتراضات کا بھی خوب جواب دیا ہے۔ اور اخیر میں یہ دکھایا ہے کہ کس طرح ان دلائل بیّنہ سے متاثر ہو کر غلیل احمد کے دوست نہ صرف احمدیت کی مخالفت سے باز آتے۔ بلکہ ان میں سے جو لوگ اپنے پہلے عقائد کی کمزوری کے پادریوں کے پھندے میں پھنس رہے تھے وہ بھی نکل آئے۔ اور احمدیت میں داخل ہونا اپنے لیئے موجب سعادت دارین سمجھنے لگے۔ یہ تالیف طلبا اور ان نوجوانوں کے لیئے بالخصوص مفید ہے

دلچسپ ہے۔ جو محض علمی رنگ میں لکھی ہوئی مذہبی کتابوں کو خشک کہہ کر پڑھتے نہیں۔ اور یوں کسی صداقت کی دریافت سے محروم رہ جاتے ہیں۔

طباعت وکتابت، کاغذ سب ہی نفیس ہیں حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع دستی قیمت چھ آنے علاوہ محصولڈاک۔

ملنے کا پتہ:۔ الفضل برادرز قادیان

رسالہ تعلیم القرآن

حکیم محمد عبد اللطیف صاحب شہید منشی فاضل نے ایک رسالہ ماہوار ادارۂ اشاعۃ القرآن بٹالہ (گورداسپور) سے جاری کیا ہے۔ جو بلا امداد استاد قرآن کریم کا ترجمہ سکھانیوالا، اسلامی دنیا میں اپنی طرز کا بہترین رسالہ ہے۔ اس وقت چار نمبر اس کے ہمارے سامنے ہیں۔ قرآن مجید کی آیت لکھ کر اس کے ہر لفظ کے الگ الگ معنی بتائے ہیں۔ پھر ترجمہ بامحاورہ درج کیا ہے۔ اس کے بعد مختلف طریقوں اور سوالوں سے ایسی مشق کرائی ہے کہ سبق ازبر ہو جاتا ہے۔ بلکہ تھوڑے ہی عرصہ میں خود صحیح ترجمہ کرنے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے حجم ہر رسالے کا $\frac{۲۰ \times ۲۶}{۸}$ ۴۰ صفحے جس میں ۲۵-۲۶ اسباق آ جاتے ہیں۔ صرف ونحو کے مسائل بھی بتائے جاتے ہیں۔ بہت مفید چیز ہے۔

چندہ سالانہ تین روپے فی پرچہ چار آنے۔ ہر کلمہ گو کو چاہیئے کہ اپنے اور اپنے بچوں کے لیئے اس کا خریدار بنے۔

کتابت وطباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ پتہ اوپر درج ہے۔

نام دوا	مختصر خواص	اصلی قیمت	رعایتی قیمت
حب جواہرات عنبری	یہ گولیاں اعضائے رئیسہ دل و دماغ اور گردوں کی اصلاح کرتی ہیں اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کر کے قوت بخشتی ہیں	پانچ روپے	تین روپے بارہ آنے
مقوی کبیر	عمر رسیدہ حضرات کی کھوئی ہوئی طاقت کیلئے بے نظیر چیز ہے	چار روپے	تین روپے
قرص ذکاوت	مرض جریان اور کثرت احتلام جیسی خطرناک بیماریوں کے لئے نہایت مفید ہے۔	فی شیشی دو روپے	ایک روپیہ آٹھ آنے
زر جام عشق	مردانہ طاقت بڑھانے کیلئے یہ مشہور و معروف نسخہ عمدہ اور خالص اجزاء سے تیار کیا جاتا ہے۔	پانچ روپے	تین روپے بارہ آنے
طلا رستاہی	پوشیدہ نقائص کی اصلاح کیلئے اس کے نتائج بہت ہی کامیاب ثابت ہوئے ہیں۔	۶ ماشہ دو روپے آٹھ آنے	ایک روپیہ چودہ آنے
تریاق ماہواری	اس دوا کے چند روزہ استعمال سے ایام ماہواری باقاعدہ اور بغیر تکلیف کے آنے لگتے ہیں۔	بیس خوراک ایک روپیہ چار آنے	پندرہ آنے
اکسیر سیلان	یہ دوا سیلان الرحم یعنی سفید رطوبت کی شکایت اور زیادہ خون آنے کی صورت میں نہایت فائدہ مند ثابت ہوتی ہے	ایک روپیہ چار آنے	۱۵ ؍ پندرہ آنے
روغن نسواں	سیلان الرحم، کمی حیض، ورم الرحم اور اختناق الرحم میں از حد مفید ہے اسکا استعمال بغیر دائی کی مدد کے ہو سکتا ہے	پانچ تولہ ایک روپیہ	[illegible] بارہ آنے
می کو	جگر اور تلی کی تمام بیماریوں میں اکسیر ہے جن بچوں کا جگر یا تلی بڑھی ہوئی ہو انہیں ضرور استعمال کرنا چاہیئے۔	ایک روپیہ	[illegible] بارہ آنے
گرائپ جوس	بچوں کی مختلف شکایات مثلاً بد ہضمی، قبض، یا دست وغیرہ نیز دانت نکلنے کے زمانے میں اس کا استعمال غیر معمولی طور پر مفید ہے	۱۰ ؍ دس آنے	سات آنے
شربت فولاد	یہ شربت بھوک لگاتا، غذا کو ہضم کرتا، اور خون کی پیدائش کو بڑھاتا ہے۔ کمی خون کی حالت میں بہت مفید ہے	ایک روپیہ	[illegible] بارہ آنے
سنون پائیوریا	دانتوں سے خون اور پیپ آنے کی شکایت دور کرنے کے علاوہ انہیں موتیوں کی طرح صاف اور چمکدار بناتا ہے	۸ ؍ آٹھ آنے	[illegible] چھ آنے

سرمہ بے نظیر کی پانچ شیشی مفت — سرمہ بے نظیر کی دیگر سرموں پر افضلیت ثابت کرنے کے لئے اس مرتبہ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ اس دواخانہ کی کوئی بھی دوا خواہ کسی قیمت کی ہی کیوں نہ ہو سکے خریدار کو ایک شیشی سرمہ بے نظیر کی مفت بطور نمونہ ملے گی [illegible] یہ سرمہ تمام امراض چشم کے لئے مفید ہے بلکہ وں کے لئے نایاب تحفہ ہے اصل قیمت [illegible] رعایتی قیمت ڈیڑھ روپیہ [illegible]

خط و کتابت کے لئے صرف "ویدک یونانی دواخانہ قادیان" یاد رکھیں۔

کے

مجربات خصوصی

اپنے جسم کو مضبوط بنائیے!

عنبرین کا چند روزہ استعمال طبیعت میں انقلاب، جسم میں قوت اور خون میں جولانی پیدا کرتا ہے۔ اس سے دل، دماغ، معدہ، جگر اور گردوں کو قوت پہنچتی ہے۔ اور پٹھوں میں طاقت آتی ہے۔ جسم کی پژمردگی، درماندگی، نقاہت، ناتوانی اور کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ قوت مردمی بڑھتی ہے۔ آپ نوجوان بن کر زندگی کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔

آپ کو اپنی حفاظت اور بیماریوں کے مقابلہ کی قوت حاصل کرنے کے لئے بھی اسی دیرپا اور مستقل اثر رکھنے والے معجون کی ضرورت ہے۔ مشک عنبر، زعفران اور قیمتی جواہرات اس کے خاص اجزا ہیں۔ قیمت پانچ تولہ ساڑھے چار روپے للعہ

رفیق نسواں عورتوں کی مخصوص بیماریوں کے لیے

حضرت حکیم الامۃ کی نہایت کامیاب دوا

ہے ۔ اس کے استعمال سے ایام حیض کی خرابیاں دور ہو جاتی ہیں اگر حیض کی بے قاعدگی ، بندش یا کمی ہے ، یا حیض کا خون تکلیف سے رُک رُک کر آتا ہے ، ناف کے نیچے ابھار ہے ۔ دبانے سے دُکھن محسوس ہوتی ہے ، کمر اور پنڈلیوں میں درد رہتا ہے ، جی متلاتا ہے ، یا ہاتھ پاؤں اور سر میں جلن ہے ، کسی کام کرنے کو دل نہیں چاہتا ، تو یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ آپ کو

"رفیق نسواں"

کا استعمال جلد سے جلد شروع کر دینا چاہیئے ۔ کیوں کہ وہ ان تکالیف کو دور کر کے

آپ میں قوّت و توانائی

اور از سر نو صحت تازہ پیدا کر دے گی ۔

قیمت	پچاس قرص	دو روپے
	یکصد قرص	تین روپے بارہ آنے

ہر قسم کے زخموں اور پھوڑوں کا بہترین علاج

یہ عجیب و غریب مرہم ہر قسم کے گھاؤ، دنبل، پھوڑے، پھنسیاں اور زخموں کو گلنے سڑنے سے بچا کر تمام زہریلے اور فاسد مادّوں کو ان کی جڑوں سے کھینچ نکالتا ہے۔ بگڑے ہوئے اور گندے سے گندے زخم اس کے استعمال سے اچھے ہو جاتے ہیں۔

اسکا ایک ہی پھایا اپنے حیرت انگیز اثرات دکھا دیتا ہے

اس مرہم کو استعمال کرنے کے بعد یقیناً آپ کسی دوسری مرہم کی تلاش نہیں کریں گے۔

ایسی بہترین مرہم کا ہر گھر میں رہنا نہایت ضروری ہے

قیمت

بڑی ڈبیہ .... ایک روپیہ بارہ آنے

چھوٹی ڈبیہ .... ایک روپیہ

[illegible] اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ اگر کسی کو کوئی اعتراض ہو تو دفتر کو اطلاع دے۔

وصایا

[illegible] منکہ مولا بخش ولد محمدی عرف تھا قوم چھدریان عمر ۷۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۱۰ء [illegible] بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں [illegible] میری غیر منقولہ جائداد دو عدد مکانات ہیں جن کی قیمت موجودہ وقت میں مبلغ ۷۰۰/- روپیہ [illegible] واحد مالک ہوں مکان میں خود کوئی نہیں کرتا میرا گذارہ خوراک وغیرہ کا دونوں لڑکوں [illegible] عبد الرحمن کے ذمہ ہے۔ اس کے علاوہ میری کوئی اور جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ نہیں۔ لہذا میں [illegible] روپیہ ہے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا ہوں۔ نیز کوئی [illegible] بوقت وفات ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر [illegible] کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کروں، تو اس قدر [illegible] اسکی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ العبد:- نشان انگوٹھا مولا بخش۔ گواہ شد:- عطا محمد [illegible] موصی [illegible]۔ گواہ شد:- ایم رحمت اللہ باغانوالہ بنگہ۔

[illegible] منکہ خان زادی زوجہ اللہ بخش خان احمدی قوم بلوچ بزدار پیشہ زراعت [illegible] ساٹھ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۳ء ساکن بستی بزدار ڈاکخانہ کوٹ قیصرانی ضلع ڈیرہ غازیخان [illegible] ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] ۳۰ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری [illegible] منقولہ جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ منقولہ حسب ذیل ہے۔ ایک گائے معہ بچھڑا قیمتی [illegible] روپے۔ ایک گائے گابھن قیمتی ۳۰/- روپیہ۔ ایک بچھڑا نر قیمتی ۵/- روپے۔ ایک بچھڑی [illegible] قیمتی ۵/- روپے۔ پارچات قیمتی ۲۰/- روپے۔ کل ۱۰۰/- روپے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ جو عنقریب مویشی فروخت کر کے اپنی زندگی میں ادا کر دوں گی۔ اس کے علاوہ اگر میری وفات پر کوئی جائیداد ثابت ہو، تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ الامۃ:- خانزادی نشان انگوٹھا۔ گواہ شد:- [illegible] محمد احمدی پسر موصیہ۔ گواہ شد:- قادر بخش احمدی مدرس پسر موصیہ۔

[illegible] منکہ مہرو بیگم زوجہ غلام حسن خان صاحب قوم قیصرانی عمر ۲۴ سال تاریخ بیعت [illegible] ساکن کوٹ قیصرانی ضلع ڈیرہ غازیخان حال ملتان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ

آج بتاریخ ۲۳ر ستمبر ۱۹۴۲ء حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ میری موجودہ جائیداد حسب ذیل ہے کل زیورات طلائی ورنی اندازاً ۱۱ تولہ جس کی قیمت اندازاً ۳۸۵/۱ روپے ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں تیس تولہ چاندی کا زیور بھی ہے جس کی قیمت اندازاً پندرہ روپے ہوتی ہے۔ کل قیمت زیورات مبلغ چارسو روپیہ ہوئی۔ حق مہر زیورات کی صورت میں مَیں نے اپنے خاوند سے وصول کرلیا ہوا ہے۔ میری اور کوئی جائیداد نہیں ہے۔ مَیں اپنی اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ وصیت کرتی ہوں کہ میری اس جائیداد کے علاوہ اور کوئی جائیداد بوقت وفات ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کی مد میں کروں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ الامۃ۔ سرور بیگم۔ گواہ شد:۔ غلام حسن خان خاوند موصیہ سارجنٹ میل سروس ملتان۔ گواہ شد:۔ محمد حیات خان آنریری انسپکٹر بیت المال حال ملتان

نمبر ۵۶۱۵:۔ منکہ غلام محمد ولد جھنڈا قوم ترکھان پیشہ مزدوری عمر ۶۲ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۹ء ساکن شیخپور ضلع گجرات بقائمی ہوش وحواس بلا جبر واکراہ آج بتاریخ ۲۲ ۱۹۴۱ء حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت جائیداد حسب ذیل ہے جس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت کرتا ہوں میرا ایک مکان خام تعدادی دس مرلہ جگہ ہے جس میں مکان تعمیر ہے جس کی قیمت تعدادی مبلغ تین صد روپیہ ہے۔ تین صد روپیہ نقد جو اس وقت میرے پاس موجود ہے۔ جن کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور کرتا ہوں۔ فی الحال میرا گذارہ مزدوری پر ہے جس قدر ماہوار مزدوری کا روپیہ کماؤنگا اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ کی ادائیگی ماہ بماہ کرتا رہونگا۔ میرے مرنے کے بعد جس قدر میری جائیداد اس کے علاوہ ثابت ہو۔ اسکے ۱/۱۰ حصہ کی وارث صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ لہٰذا وصیت بہوش قائمی لکھ دیتا ہوں کہ سند رہے۔ نقشہ مکان واقعہ آبادی شیخوپورہ جس کی وصیت کرتا ہوں حسب ذیل ہے:۔

شمال اراضی غلام قادر جٹ وڑائچ

غرب گلی۔ | مکان | مشرق اراضی مزروعہ رحمت خاں نمبردار
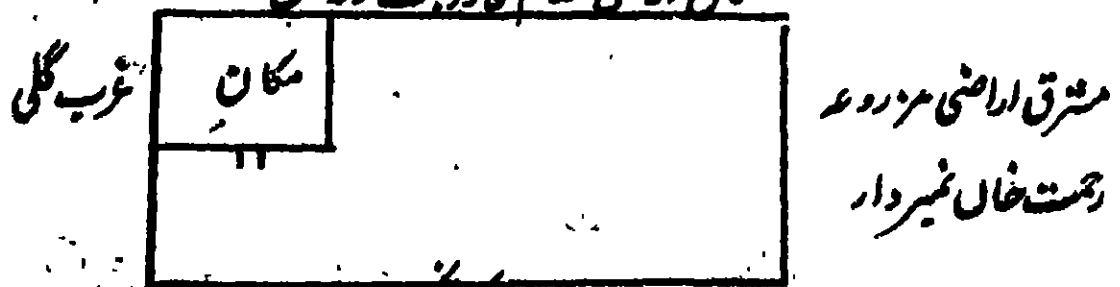
جنوب مکان کریم بخش برادر حقیقی

العبد:۔ غلام محمد موصی۔ گواہ شد:۔ نور حسن شاہ سکرٹری بقلم خود۔ گواہ شد:۔ میراں بخش بقلم خود

وصیت نمبر ... منکہ عبدالرحمن ولد خلیفہ نوردین صاحب قوم غوری پیشہ ملازمت عمر ۲۹ سال پیدائشی احمدی ساکن محلہ پیر مٹھا جموں بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۸ ماہ ہجرت ۱۳۲۱ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میں اس وقت -/۸۰ ماہوار تنخواہ پاتا ہوں اس کے علاوہ میری اس وقت کوئی منقولہ و غیر منقولہ جائیداد نہیں۔ میں اپنی ماہوار آمد کے ۱/۱۰ حصہ کی صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں نیز اگر میرے مرنے کے بعد کوئی جائیداد منقولہ یا غیر منقولہ ثابت ہوگی تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ پر یہ وصیت حاوی ہوگی۔ ہاں اگر میں اپنی زندگی میں کوئی حصہ وصیت کا ادا کروں تو وہ حصہ کل واجب الوصول حصہ میں سے منہا کر دیا جائیگا۔ العبد:۔ خلیفہ عبدالرحمن اسسٹنٹ انسپکٹر کسٹم اینڈ ایکسائز سرائے صفا کدل سری نگر کشمیر۔ گواہ شد:۔ سید محمد لطیف انسپکٹر بیت المال۔ گواہ شد:۔ عبدالواحد ایڈیٹر اخبار "اصلاح" سری نگر کشمیر

نمبت ۵۵۰۳ ... منکہ خورشید احمد خورشید ولد چوہدری نواب الدین صاحب قوم جٹ پیشہ ملازمت عمر بیس سال پیدائشی احمدی ساکن چک ۲۳۲/ ج ب دھنی دیو ڈاک خانہ خاص براستہ بچکانا ضلع لائلپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۷ ... حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ اس وقت بفضل تعالے میرے والد صاحب حیات ہیں، اس لئے میری کوئی غیر منقولہ جائیداد نہیں ہے۔ مگر میں اس وقت منور آباد اسٹیٹ سندھ میں بمشاہرہ سولہ روپے پر ملازم ہوں۔ اس کے علاوہ مجھے حضرت اقدس کی طرف سے ایک من غلہ بطور عطیہ ماہوار ملتا ہے جس کی قیمت اندازاً تین روپے ہے گویا کل ماہوار آمد انیس ۱۹ روپے ہے۔ میں بشرح صدر اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اگر اس کے علاوہ کوئی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد میں نے پیدا کی تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ نیز میرے ورثاء میری اس وصیت کے پابند ہونگے۔ العبد:۔ خورشید احمد خورشید منشی منور آباد اسٹیٹ ڈاکخانہ ساماروہ ضلع تھرپارکر سندھ۔ گواہ شد:۔ عبدالرحمن بی۔ اے ٹیچر چک ۲۳۲/ دھنی دیو۔ گواہ شد:۔ ملک عبدالعزیز انسپکٹر بیت المال۔

نمبت ۵۵۰۴:۔ منکہ رسول بی بی زوجہ چوہدری فیض احمد صاحب قوم جٹ ڈھینڈسہ عمر ۲۹ سال پیدائشی احمدی ساکن پوہلا مہاراں ڈاکخانہ چندر کے جٹاں ضلع سیالکوٹ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۷ ماہ شہادت ۱۳۲۱ ہش حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔

میری جائداد اس وقت حسب ذیل ہے۔ زیور قیمتی مبلغ پانصد روپیہ جس کی تفصیل یہ ہے (۱) بکنیاں طلائی (۲) کنٹھہ طلائی (۳) دوتی طلائی (۴) پہنچیاں طلائی (۵) رنگ طلائی (۶) بوہٹر طلائی۔ (۲) مبلغ پانصد روپیہ حق مہر جو بذمہ خاوند ہے۔ میں اس مندرجہ بالا جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اور یہ بھی وصیت کرتی ہوں کہ میری وفات پر اس جائیداد کے علاوہ اور کوئی جائیداد ثابت ہو۔ تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ یہ وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان لکھدی ہے کہ سند رہے۔ الامۃ:۔ رسول بی بی۔ زوجہ چوہدری فیض احمد صاحب۔ گواہ شد:۔ چوہدری غلام محمد امیر جماعت احمدیہ پوہلا مہاراں۔ گواہ شد:۔ فیض احمد خاوند موصیہ۔

نمبر ۵۶۸:۔ منکہ آمنہ بیگم بنت شیخ میر محمد صاحب قوم ککے زئی عمر ۲۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۲۸ء ساکن نوشہرہ ککے زئیاں ڈاکخانہ نوشہرہ ضلع سیالکوٹ حال ملتان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۹۳۱-۱-۴ حسب ذیل وصیت کرتی ہوں۔ اس وقت میری حسب ذیل جائداد ہے:۔ (۱) کڑے طلائی ۹ تولے (۲) نکلس طلائی ۷ تولہ (۳) کانٹے طلائی وزن ایک تولہ (۴) کانٹے و گلوبند طلائی وزن ۶ تولے کل وزن مندرجہ بالا زیورات ۲۳ تولے جس کی قیمت موجودہ نرخ کے لحاظ سے ۱۰۳۵/- روپے ہے۔ علاوہ اس کے ایک بیٹھک واقعہ قادیان مبلغ ۷۰/- روپے میں میرے پاس رہن ہے۔ کچھ اراضی زرعی واقعہ نوشہرہ جس کی قیمت ۳۰۰/- روپے ہے میرے والد صاحب نے مجھے دی ہے مبلغ ۱۵۰/- روپے نقد موجود ہیں۔ مبلغ ۷۰۰/- روپیہ حق مہر جو میرے خاوند مرزا محمد زمان صاحب کے ذمہ ہے۔ اس کل جائیداد مالیتی ۲۲۵۵/- کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتی ہوں۔ اگر میری کوئی جائیداد اس کے علاوہ بوقت وفات ثابت ہوا تو اس کے بھی دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر مندرجہ بالا جائیداد کے دسویں حصہ کی قیمت میں سے کوئی رقم میں اپنی زندگی میں ادا کردوں تو وہ کل رقم میں سے منہا سمجھی جائے گی۔ الامۃ:۔ آمنہ بیگم بقلم خود۔ گواہ شد:۔ مرزا محمد زمان خاوند موصیہ۔ گواہ شد:۔ محمد حیات خان احمدی ساکن ملتان آنریری انسپکٹر بیت المال

نمبر ۵۶۳:۔ منکہ احمد علی اسلم ولد مولوی حسن علی صاحب مرحوم قوم راجپوت بھٹی پیشہ تجارت عمر ۲۳ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۹ ماہ وفا ۱۳۱۹ھش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری منقولہ جائیداد اس وقت

[illegible] میں میری غیر منقولہ جائیداد بصورت مکان ۱/۲ حصہ واقع دارالرحمت قادیان ہے جس کی قیمت [illegible] روپے جس کے ۱/۲ حصہ کا میں مالک ہوں۔ اور مبلغ پچھتر روپے میرے ذمہ قرض ہے قرض ادا کرنے کے بعد میں اپنی جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا ہوں۔ اس کے سوا میری ماہوار آمد قریباً آٹھ روپے ہے۔ اس کا بھی ۱/۱۰ حصہ ماہ بماہ ادا کرتا رہونگا [illegible] کی اطلاع دفتر بہشتی مقبرہ کو دیتا رہونگا۔ میری فوتیدگی کے بعد اگر میری کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ میرے ورثا کو مزاحمت کا کوئی حق نہ ہوگا۔ العبد: احمد علی اسلم حال لاہور۔ قادیان۔ گواہ شد:۔ رحیم بخش متصل دہلی دروازہ لاہور۔ گواہ شد:۔ محمد یوسف ملی احمدی فٹر ریلوے ورکشاپ لاہور۔

نمبرشمار [illegible] منکہ گوہر دین ولد میاں فتح دین صاحب قوم بلیچ جٹ عمر ۵۰ سال بیعت ۱۳۱۹ ہش ساکن [illegible] حال لاہور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد منقولہ اس وقت کوئی نہیں۔ صرف جائیداد غیر منقولہ بصورت مکان سکنی واقعہ کوچہ احمدیہ [illegible] زیرہ ضلع فیروزپور مالیتی -/۵۰۰ ہے جس پر ایک صد روپیہ اپنی بیوی سے قرض لیکر لگایا ہے گویا کہ میری ملکیت اس وقت بصورت مکان صرف -/۴۰۰ روپے ہیں جس کے ۱/۱۰ حصہ یعنی [illegible] روپیہ کی وصیت میں بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان دارالامان کرتا ہوں میرا گزارہ اس وقت اپنے لڑکوں کی کمائی پر ہے۔ تھوڑا بہت کام بھی کبھی کرتا ہوں۔ کوئی خاص ماہوار آمد نہیں جو بھی کماؤنگا اس کا ۱/۱۰ حصہ بھی بطور حصہ آمد ادا کرتا رہوں گا۔ علاوہ مندرجہ بالا جائیداد کے اگر کوئی اور جائیداد میری فوتیدگی کے وقت ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی مالک صدر انجمن احمدیہ ہذا ہوگی۔ العبد:۔ نشان انگوٹھا گوہر دین [illegible] متصل احمدیہ مسجد بیرون دہلی دروازہ۔ گواہ شد:۔ خدا بخش عبد پسر کلاں موصی۔ گواہ شد:۔ کریم بخش درزی پسر موصی۔

نمبرشمار [illegible] منکہ محمد مالک ولد چوہدری فتح علی صاحب قوم جٹ چندھر پیشہ طالب علم عمر ۲۱ سال تاریخ بیعت [illegible] ساکن گکھڑ ڈاکخانہ خاص ضلع گوجرانوالہ بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ [illegible] ماہ ظہور ۱۳۱۹ ہش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری منقولہ جائیداد کوئی نہیں۔ میری غیر منقولہ جائیداد حسب ذیل ہے۔ موضع چک ۱۱۱ شاخ شمال ضلع سرگودھا میں اپنے [illegible] کے ساتھ ہماری مشترکہ پچاس گھماؤں زمین ہے۔ جس میں میرا حصہ ۱۰ ایکڑ ہے موضع گکھڑ ضلع گوجرانوالہ میں اپنے چچوں کے ساتھ ہماری مشترکہ زمین تقریباً ایک سو پچاس ایکڑ ہے۔ جس میں میرا حصہ

۴۰ ایکڑ ہے میری کل زمین اس طرح ۴۴ ایکڑ ہے جس کی موجودہ قیمت تقریباً -/۱۲۰۰۰ روپیہ ہے میں اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ موضع گکھڑ میں میرا اپنے چچا کے ساتھ مشترکہ مکان ہے جس کی اندازاً قیمت -/۲۰۰۰ روپیہ ہے جس میں میرا نصف حصہ ہے جس کی قیمت -/۱۰۰۰ روپیہ ہے۔ وہ میرا ارادہ ہے کہ اپنی بیوی کو حق مہر میں دیدوں اس لئے میں اس مکان کی وصیت نہیں کرتا۔ اس کے علاوہ میری کوئی جائیداد نہیں۔ میرا اس وقت گزارہ میری اسی جائیداد کی آمدنی پر ہے میں اس آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ تا زیست خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل کرتا رہونگا۔ اس کے علاوہ اگر میری ملازمت کا سلسلہ بنا تو میں اپنی ماہوار تنخواہ میں سے بھی ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کیا کرونگا۔ میری وفات کے وقت اگر علاوہ اس جائیداد کے کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی مالک بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم یا کوئی جائیداد خزانہ صدر انجمن احمدیہ میں بمد وصیت داخل یا حوالہ کرکے رسید حاصل کرلوں تو ایسی رقم یا ایسی جائیداد کی قیمت حصہ وصیت کردہ سے منہا کردی جائے گی۔

العبد: محمد مالک بقلم خود۔ گواہ شد: سلطان علی احمدی گکھڑ۔ گواہ شد: امانت علی احمدی گکھڑ۔

نمبر ۵۶۹۱: منکہ فتحدین ولد عمر دین قوم ارائیں پیشہ زمینداری عمر ۵ سال تاریخ بیعت اگست ۱۹۲۳ء ساکن ہرسیاں ڈاکخانہ دیال گڑھ ضلع گورداسپور بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۲۴/۸/۳۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔ میں بصدق دل جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس وقت میری حسب ذیل جائیداد ہے۔ (۱) ایک گھماؤں ۵ مرلے زمین چاہی جو مجھے ورثہ میں ملی ہے موضع ہرسیاں میں واقع ہے اس کی قیمت موجودہ نرخ کے حساب سے مبلغ -/۶۰۰ روپے ہے۔ (۲) ایک مکان خام واقعہ ہرسیاں قیمتی -/۵۰ روپے مجھے ورثہ میں ملا ہے۔ (۳) ۵ کنال زمین میرے پاس اس وقت کسی دوسرے شخص کی مبلغ -/۱۲۵ روپے میں رہن ہے یہ زمین بھی ہرسیاں میں واقع ہے۔ اس طرح میری جائیداد کی کل قیمت مبلغ -/۷۵۰ روپے بنتی ہے۔ انشاء اللہ میں کوشش کروں گا۔ کہ اس کل جائیداد کا ۱/۱۰ حصہ مبلغ -/۷۵ روپے اپنی زندگی میں ادا کردوں اگر کچھ حصہ ادا کرکے میں صدر انجمن احمدیہ قادیان سے رسید حاصل کرلوں تو اس رقم کو میری جائیداد کی وصیت سے منہا کردیا جائے گا نیز میں یہ بھی وصیت کرتا ہوں کہ اگر اس جائیداد کے علاوہ میری وفات پر کوئی اور جائیداد ثابت ہو تو اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی اگر مجھے اس کے علاوہ کوئی آمد ہوئی تو میں اس کا ۱/۱۰ حصہ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان میں داخل کراتا رہونگا

العبد: [illegible] نشان انگوٹھا۔ گواہ شد: عبدالرحمٰن بی۔اے۔ ہرسیان۔ گواہ شد: میاں غوث محمد ہرسیان۔

وصیت [illegible]۔ منکہ عصمت اللہ خان ولد ملک نیاز محمد خان صاحب قوم ککے زئی عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی ساکن چک [illegible] ڈاکخانہ منٹگمری بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ [illegible] حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری اس وقت کوئی جائیداد نہیں۔ مجھے اپنے والد صاحب کی طرف سے [illegible] روپیہ ماہوار بطور جیب خرچ ملتا ہے۔ اس کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد اگر میری مزید آمدنی ہوگی تو اس میں سے بھی ۱/۱۰ حصہ ادا کرتا رہونگا انشاء اللہ۔ اگر بوقت وفات میری جائیداد ہو تو اس کے ۱/۱۰ حصہ کی بھی صدر انجمن احمدیہ قادیان حقدار ہوگی۔ اور اگر میں اپنی زندگی میں کوئی رقم بطور حصہ جائیداد دیکر رسید حاصل کرلوں تو اسے منہا سمجھا جاوے وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔ العبد: عصمت اللہ خان ملک بقلم خود۔ گواہ شد: ملک صلاح الدین پرائیویٹ سیکرٹری حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ۔ گواہ شد: نیاز احمد احمدی [illegible] والد موصی۔

وصیت [illegible]۔ منکہ عبدالرحمٰن ولد مولوی شیر علی صاحب قوم رانجھا احمدی پیشہ ملازمت عمر ۲۴ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۲ ماہ نبوت ۱۳۱۹ش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ میری جائیداد اس وقت کوئی نہیں۔ اس وقت میری ماہوار آمد بصورت تنخواہ ایک سو پچیس روپے ہے۔ میں تازیست اپنی ماہوار آمد کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا انشاء اللہ تعالےٰ۔ میرے مرنے کے وقت میری جس قدر جائیداد ثابت ہو۔ اس کے دسویں حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ العبد: عبدالرحمٰن نشان انگوٹھا بایاں عبدالرحمٰن۔ قادیان۔ گواہ شد: شیر علی عفی عنہ بقلم خود۔ گواہ شد: مفتی محمد صادق عفی اللہ عنہ۔

وصیت [illegible]۔ منکہ بشارت احمد بشیر ولد مولانا مولوی عبدالرحمٰن صاحب قوم ککے زئی پیشہ طالبعلم عمر ۱۸ سال پیدائشی احمدی ساکن قادیان دارالامان ضلع گورداسپور بقائمی ہوش وحواس بلاجبر واکراہ آج بتاریخ ۳۰ ماہ اخاء ۱۳۱۹ش حسب ذیل وصیت کرتا ہوں۔ اس وقت میری جائیداد منقولہ وغیر منقولہ نہیں ہے مجھے میرے والد بزرگوار [illegible] روپے ماہوار جیب خرچ عطا فرماتے ہیں۔ میں اس کے آٹھویں حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ اور جوں جوں بفضلہ تعالیٰ میری آمد بڑھتی جائیگی میں اس کا آٹھواں حصہ ادا کرتا رہونگا نیز میرے مرنے کے بعد اگر میری کسی قسم کی کوئی

جائیداد منقولہ وغیر منقولہ ثابت ہو۔ تو اس کے چھٹے حصے کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اور اگر میں کوئی روپیہ اس جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ [illegible] میں کروں تو اس قدر روپیہ اس کی قیمت سے منہا کر دیا جائے گا۔ العبد:۔ بشارت احمد بشیر بقلم خود۔ گواہ شد:۔ عبدالرحمٰن والد موصی۔ گواہ شد:۔ ملک صلاح الدین پرائیویٹ سیکرٹری حضرت امیرالمؤمنین ایدہ اللہ۔

نمبر ۵۶۸۱:۔ منکہ عبداللہ خاں ولد امام الدین خانصاحب قوم راجپوت پیشہ زمینداری عمر ۵۰ سال تاریخ بیعت ۱۹۰۵ء ساکن چنگن ڈاکخانہ ملاں پور ضلع لدھیانہ حال ملتان بقائمی ہوش و حواس بلا جبر و اکراہ آج بتاریخ ۱۵ ش ۱۳۱۹ حسب ذیل وصیت کرتا ہوں:۔

میری اس وقت مندرجہ ذیل جائیداد ہے:۔ ۱۔ اراضی زرعی تقریباً ساٹھ بیگھہ خام واقع موضع چنگن ضلع لدھیانہ جس کی اندازاً قیمت تین ہزار روپیہ ہے۔ علاوہ اس کے قریباً آٹھ مرلہ اراضی سفید برائے مکان بھی موضع چنگن میں موجود ہے جس کی قیمت اندازاً اڑھائی روپیہ ہے۔ اس جائیداد کے ۱/۱۰ حصہ کی وصیت بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا ہوں۔ میرا گذارہ اس جائیداد پر نہیں بلکہ ٹھیکہ داری کا کام کرتا ہوں جس کی اندازاً اوسط تیس روپے ماہوار ہوگی۔ میں اپنی آمدنی کا ۱/۱۰ حصہ داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کرتا رہونگا۔ اور یہ بھی بحق صدر انجمن احمدیہ قادیان وصیت کرتا ہوں۔ کہ میری جائیداد جو بوقت وفات ثابت ہو۔ اس کے بھی ۱/۱۰ حصہ کی مالک صدر انجمن احمدیہ قادیان ہوگی۔ اگر میں کوئی روپیہ ایسی جائیداد کی قیمت کے طور پر داخل خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان کروں تو وہ روپیہ میرے حصہ جائیداد میں سے مجرا دیا جاویگا۔

العبد:۔ عبداللہ خان بقلم خود احمدی۔ ٹھیکیدار ملتان۔ گواہ شد:۔ غلام حسن خان میل سارٹر ریلوے میل سروس ملتان بقلم خود۔ گواہ شد:۔ محمد حیات خان احمدی ساکن ملتان آنریری انسپکٹر بیت المال:۔

پانچ لاکھ روپیہ کے پانچ شاہی نسخے مفت حاصل کریں!

گلدستہ تعلیم الدین مجلد سنہری حجم چھ سو صفحات جس میں قرآن کریم کا ترجمہ سکھلانے کیلئے دو سو سبقوں پانکیں سبق اور ایک سو صفحات پر کئی سو احادیث کا ترجمہ مع تشریح اور پچاس صفحوں پر فارسی دلنشین کا سلیس اردو ترجمہ اڑھائی سو صفحوں پر عالم فاضل بنانیوالے ستّر علمی و تبلیغی مضامین درج ہیں نیز حضرت خلیفہ اوّل ؓ اور دیگر بزرگوں کے پچاس ساٹھ مجرب المجرب طبی نسخہ جات شامل کر دیئے ہیں انکے علاوہ خاکسار نے آپ ؓ کی مشہور طبی کتاب بیاض نور الدین ؓ قیمتی پانچ روپیہ کے ہزاروں نسخوں میں سے پانچ چوٹی کے اکسیری نسخے انتخاب کر کے شائع کئے ہیں جو گلدستہ تعلیم الدین ؓ کے ہر خریدار کو بطور تحفہ مفت پیش کئے جاتے ہیں۔

۱۔ پہلا نسخہ زرد جام عشق " ہے جسکے استعمال کرنیکے بعد کشمیر کے ایک مسلمان رئیس نے آپ کو کئی ہزار روپیہ نذرانہ پیش کیا ملک سندھ کا ایک حکیم چالیس روپیہ فیس لیکر یہ نسخہ بتلایا کرتا تھا۔ یہ دوا اعلیٰ درجہ کی مقوی اعضائے رئیسہ ہے۔

۲۔ دوسرا نسخہ تریاق مرض ام الصبیان اور دافع سقاط حمل " ہے۔ جس کے متعلق آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد اسقاط حمل کا عارضہ (حمل گر جانا اور بچوں کا متواتر چھوٹی عمر میں فوت ہو جانا) کا آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔"

۳۔ تیسرا نسخہ "اکسیر اولاد نرینہ" ہے جس کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ "جس عورت کو یہ دوا کھلائی گئی اس کے لڑکا ہی پیدا ہوا عجیب حکمت اور شرف کی دوا ہے۔"

۴۔ چوتھا نسخہ "اکسیر مردانہ یا نجھ پن" ہے یہ دوا آپ نے ایک رئیس فتح خان نون عمر اسّی سال کو جو کہ عرصہ سے شادی کر چکے تھے بعد استعمال کرائی جس کے پہلے لڑکی پھر تندرست لڑکا پیدا ہوا۔"

۵۔ پانچواں نسخہ "اکسیر مرض سرسام" جس کے متعلق آپ نے لکھا ہے کہ "ہم نے اپنی عمر میں اس سے بڑھ کر نسخہ سرسام کا نہ دیکھا نہ سنا اور نہ کوئی شخص یہ نسخہ بتلاتا ہے۔ الا ماشاء اللہ منجملہ عجائبات طب ہے۔"

گلدستہ تعلیم الدین کی قیمت پہلے دو روپیہ تھی۔ اب صرف سوا روپیہ کپڑے کی جلد کتاب جس پر سنہری نام کندہ ہے ڈیڑھ روپیہ پسند نہ آنے کی ناپسندیدگی پر دس روز تک واپسی کی شرط ہے نیز چار ماہ میں قرآن مجید کا ترجمہ پڑھنے کی ترکیب بھی مفت بھیجی جاتی ہے۔ (۱) عمدہ لغات القرآن اردو مکمل قیمت آٹھ آنہ (۲) خطبات نور جلد اول و دوم قیمت ڈیڑھ روپیہ (۳) قرآن کریم مترجم بطرز یسرنا القرآن ہدیہ دو روپیہ (۴) حمائل شریف مترجم از حافظ روشن علی صاحب ہدیہ طبع اول تین روپیہ موجودہ سوا روپیہ (۵) اسوۂ حسنہ مولفہ حضرت علامہ سید محمد اسحٰق شاہ صاحب قیمت طبع دوم چھ آنے (۶) طب روحانی قیمت آٹھ آنہ (۷) قاعدہ یسرنا القرآن بڑا قیمت تین آنہ (۸) چھوٹا ایک آنہ (۹) حمائل شریف عکسی سوا روپیہ (۱۰) حمائل شریف جیبی عکسی صرف آٹھ آنہ۔ المشتہر حکیم عبد اللطیف گجراتی منشی فاضل، ادیب فاضل مینیجر دفتر گلدستہ تعلیم الدین احمدیہ بازار۔ قادیان پنجاب